اللؤلؤ المکنون

جلد دوم

سیرت انسائیکلوپیڈیا

- محمد رسول اللہ ﷺ کا خاندان اور آپ کی ولادت اور لڑکپن کا زمانہ
- حُروبِ فجار اور حلف الفضول
- تجارت کا آغاز اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح
- خانہ کعبہ کی از سرِ نو تعمیر میں محمد ﷺ کا تاریخی کردار
- بشارات نبوت و رسالت اور محمد رسول اللہ ﷺ کے بارے میں علماءِ اہل کتاب کی گواہی

دار السلام
ریسرچ سنٹر

دار السلام
DARUSSALAM

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے







وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے

اللؤلؤ المکنون

سیرت انسائیکلوپیڈیا

علی صاحبها الصلاة والسلام

- محمد رسول اللہ ﷺ کا خاندان اور آپ کی ولادت اور لڑکپن کا زمانہ
- حروب فجار اور حلف الفضول
- تجارت کا آغاز اور سیدہ خدیجہ ؓ سے نکاح
- خانہ کعبہ کی از سر نو تعمیر میں محمد ﷺ کا تاریخی کردار
- بشارات نبوت و رسالت اور محمد رسول اللہ ﷺ کے بارے میں علمائے اہل کتاب کی گواہی

2

نگران اعلیٰ: عبدالمالک مجاہد

تصنیف و تالیف

جناب محسن فارانی حافظ محمد ابراہیم طاہر گیلانی

مولانا تنویر احمد حافظ عبداللہ ناصر مدنی حافظ اقبال صدیق

تصحیح و تنقیح نظر ثانی

مولانا ارشاد الحق اثری پروفیسر محمد یحییٰ مولانا محمد خالد سیف



اللؤلؤ المکنون

سیرت انسائیکلوپیڈیا

علی صاحبہا الصلاۃ والسلام

محمد رسول اللہ ﷺ کا خاندان،
آپ کی ولادت سے بعثت تک کے حالات،
بشارات نبوت و رسالت اور آپ ﷺ کے
بارے میں اہل کتاب کی گواہی

جلد 2

نگران علی: عبدالمالک مجاہد

تصنیف و تالیف

جناب محسن فارانی
(ایم اے اردو، ماہر تاریخ، جغرافیہ ولسانیات)

حافظ محمد ابراہیم طاہر کیلانی
(ایم اے اسلامیات، فاضل مدینہ یونیورسٹی)

مولانا تنویر احمد
(فاضل علوم اسلامیہ)

حافظ اقبال صدیق
(فاضل مدینہ یونیورسٹی)

حافظ عبداللہ ناصر مدنی
(فاضل علوم اسلامیہ)

تصحیح و تنقیح/نظر ثانی

مولانا ارشاد الحق اثری
(فاضل علوم اسلامیہ، معروف مؤلف ومحقق)

پروفیسر محمد یحییٰ
(بی اے آنرز، ایم اے عربی، سینئر ریسرچ سکالر دارالسلام)

مولانا محمد خالد سیف
(ر) ریسرچ سکالر اسلامی نظریاتی کونسل اسلام آباد

معاونت

جناب احمد کامران
(سینئر صحافی و ماہر اردو زبان و ادب)

جناب محمد انور اعوان
(ایم اے انگریزی وسیاسیات)

ڈیزائننگ

زاہد سلیم چودھری
(آرٹ ڈائریکٹر)

محمد نعیم
(سینئر ڈیزائنر)

عبدالواسع
(سینئر ڈیزائنر)

ابوہریرہ
(ڈیزائنر)

عبدالخالق
(کمپوزر)



سعودی عرب (ہیڈ آفس)

پرنس عبدالعزیز بن جلاوی سٹریٹ پوسٹ بکس: 22743 الریاض: 11416 سعودی عرب

فون: 00966 1 4043432-4033962 فیکس: 4021659 www.darussalamksa.com

Email: darussalam@awalnet.net.sa info@darussalamksa.com

الریاض • العلیا فون: 00966 1 4614483 فیکس: 4644945 • الملز فون: 00966 1 4735220 فیکس: 4735221
• سویدی فون: 00966 1 4286641 • سویلم فون/فیکس: 00966 1 2860422

جدہ فون: 00966 2 6879254 فیکس: 6336270 مدینہ منورہ فون: 00966 4 8234446,8230038 فیکس: 04 8151121

الخبر فون: 00966 3 8692900 فیکس: 00966 3 8691551 خمیس مشیط فون/فیکس: 00966 7 2207055

ینبع البحر فون: 0500887341 فیکس: 8691551 قصیم (بریدہ) فون: 0503417156 فیکس: 00966 6 3696124

امریکہ • نیویارک فون: 001 718 625 5925 • ہیوسٹن: 001 713 722 0419 کینیڈا • نصیر الدین الخطاب فون: 001 416 4186619

لندن • دارالسلام انٹرنیشنل پبلیکیشنز لمیٹڈ فون: 0044 20 77252246-0044 20 85394885 • دارک انٹرنیشنل: 0044 0121 7739309

متحدہ عرب امارات • شارجہ فون: 00971 6 5632623 فیکس: 5632624 فرانس فون: 0033 01 480 52928 فیکس: 0033 01 480 52997

انڈیا • دارالسلام انڈیا فون: 0091 44 45566249 موبائل: 0091 98841 12041 • اسلامک بکس انٹرنیشنل فون: 0091 22 2373 4180
• ہدی بک ڈسٹری بیوٹرز فون: 0091 40 2451 4892 موبائل: 0091 98493 30850 • ایم ایم ایس بک انٹرنیشنل فون: 0091 44 42157847

سری لنکا • دارالکتاب فون: 0094 115 358712 • دارالایمان ٹرسٹ فون: 0094 114 2669197

پاکستان ہیڈ آفس ومرکزی شوروم

لاہور 36-لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ لاہور فون: 00 4 32 372, 24 400 372, 34 240 373 42 0092 فیکس: 042 373 540 72

• غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور فون: 0092 42 371 200 54 فیکس: 042 373 207 03

• Y بلاک، گول کمرشل مارکیٹ، دکان: 2 (گراؤنڈ فلور)، ڈیفنس، لاہور فون: 0092 42 356 926 10

کراچی مین طارق روڈ، ڈالمین مال سے (بہادر آباد کی طرف) دوسری گلی کراچی فون: 0092 21 343 939 36 فیکس: 0092 21 343 939 37

اسلام آباد F-8 مرکز، اسلام آباد فون/فیکس: 0092 51 22 815 13

info@darussalampk.com | www.darussalapk.com

ⓒ مكتبة دارالسلام، ١٤٣٣ هـ

فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر

مكتبة دارالسلام

موسوعة السيرة النبوية الجزء ٢ / مكتبة دارالسلام - الرياض، ١٤٣٣ هـ

ص: ٦١٦ مقاس: ٢١×١٤ سم

ردمك: ٦-٠٩٥-٠٠٠٥-٦٠٣-٩٧٨

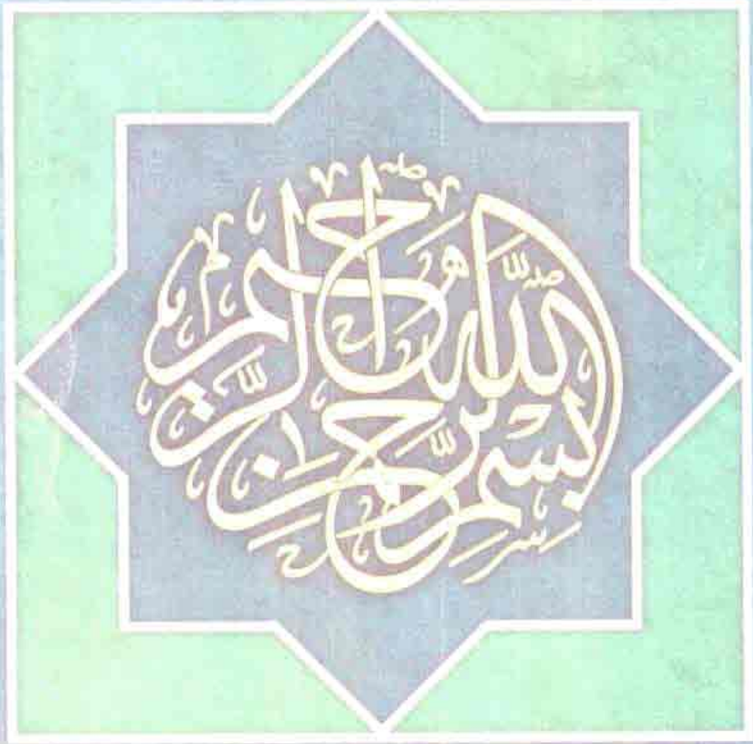
(الكتاب باللغة الاردية)

١. السيرة النبوية أ. العنوان

ديوي ٢٣٩ ١٤٣٣/٢٩٠٨

رقم الإيداع: ١٤٣٣/٢٩٠٨

ردمك: ٦-٠٩٥-٠٠٠٥-٦٠٣-٩٧٨



اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے

اللهم صل على

محمد

وعلى آل محمد كما صليت على إبراهيم

وعلى آل إبراهيم إنك حميد مجيد

اللهم بارك على محمد وعلى آل محمد

كما باركت على إبراهيم وعلى آل إبراهيم

إنك حميد مجيد

صحيح البخاري : 3370 صحيح مسلم : 405-407

مدحت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

وَاَحْسَنُ مِنْكَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَيْنِي
وَاَجْمَلُ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ
خُلِقْتَ مُبَرَّأً مِنْ كُلِّ عَيْبٍ
كَاَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ

اور آپ کی ذاتِ اقدس سے زیادہ حسین میری نگاہ نے کبھی کوئی دیکھا ہی نہیں
اور آپ سے زیادہ حسن و جمال والا کبھی کسی ماں نے جنا ہی نہیں
آپ ہر قسم کے عیب سے پاک صاف پیدا کیے گئے ہیں
گویا آپ کی ذاتِ اقدس کو آپ کے منشا کے عین مطابق بنایا گیا ہے

فہرست

باب:1

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا نسب اور خاندان

باب: 5

حروبِ فجار اور حلف الفضول

باب: 6

تجارت کا آغاز

باب: 9

بشاراتِ نبوت و رسالت

باب 1

سیرت انسائیکلوپیڈیا

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا نسب اور خاندان

آپ ﷺ کی نسبی عظمت اور آپ ﷺ کے جلیل القدر خاندان کا ذکرِ جمیل

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ

بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

”بے شک اللہ نے مومنوں پر احسان کیا، جب ان میں انھی میں سے ایک رسول بھیجا، وہ انھیں اس کی
آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انھیں پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔“
(آل عمرٰن 3:164)

اس باب میں

نسبی عظمت انسان کا نہایت قیمتی اثاثہ ہے۔ دنیا کی ہر قوم، ہر نسل اور ہر مذہب نے خاندانی طہارت ونجابت کی اہمیت تسلیم کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں جتنے بھی پیغمبر بھیجے، انھیں نہایت باعظمت اور باوقار خاندانوں میں مبعوث فرمایا، سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ بنواسماعیل کے سب سے معزز خاندان قریش میں پیدا ہوئے۔ قرآن اور دیگر کتبِ سماوی میں نسب کو نمایاں اہمیت حاصل ہے۔ بائبل کے عہد نامۂ قدیم کی ایک کتاب ''گنتی'' (Numbers) تو دراصل نسب ناموں ہی پر مشتمل ہے۔

اگلے صفحات میں آپ رسول اللہ ﷺ کے حسب نسب، والدین اور اجداد کرام کے احوال ملاحظہ فرمائیں گے۔

محمد رسول اللہ ﷺ کا حسب نسب

قرآن میں نسب کی اہمیت

اسلام میں نسب کی اہمیت ایک مختلف زاویے سے بیان کی گئی ہے۔ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَٰكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَٰكُمْ شُعُوبًا وَقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوٓا۟ ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ ٱللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴾

''اے لوگو! بلاشبہ ہم نے تمھیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور ہم نے تمھیں قومیں اور قبیلے بنایا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، بلاشبہ اللہ کے ہاں تم میں سے زیادہ عزت والا (وہ ہے جو) تم میں سے زیادہ متقی ہے، بلاشبہ اللہ بہت علم والا، خوب باخبر ہے۔''[1]

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَهُوَ ٱلَّذِى خَلَقَ مِنَ ٱلْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُۥ نَسَبًا وَصِهْرًا ﴾

''اور وہی (اللہ) ہے جس نے انسان کو پانی سے پیدا کیا، پھر اسے نسب اور سسرال (والا) بنا دیا۔''[2]

نسب ایک بہت بڑا اعتبار ہے۔ اسی پر خاندانی خصوصیات سمیت ہر انسان کی پہچان کا انحصار ہے۔ پہچان ختم ہو جائے تو دھوکے اور فریب کا لامتناہی سلسلہ شروع ہونے کا خدشہ پیدا ہو جاتا ہے حتی کہ رشتوں کی حرمت کا تحفظ بھی مخدوش ہو جاتا ہے۔

حدیث میں نسب کی اہمیت

نسب کی اسی اہمیت کے پیشِ نظر اسلام نسب تبدیل کرنے کو ایک کبیرہ گناہ اور جہنم میں جانے کا باعث قرار دیتا ہے۔ سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَيْسَ مِنْ رَجُلٍ ادَّعَى لِغَيْرِ أَبِيهِ وَهُوَ يَعْلَمُهُ إِلَّا كَفَرَ بِاللّٰهِ، وَمَنِ ادَّعَى قَوْمًا لَيْسَ لَهُ فِيهِمْ

[1] الحجرٰت 49:13. [2] الفرقان 25:54.

نَسَبٌ، فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ»

''جس شخص نے جانتے ہوئے اپنے آپ کو اپنے باپ کے سوا کسی اور کی طرف منسوب کیا تو اس نے اللہ کے ساتھ کفر کیا اور جس شخص نے اپنا نسب کسی ایسی قوم سے ملایا جس سے اس کا کوئی نسبی تعلق نہیں تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے۔''[1]

نسب تبدیل کرنا اپنے والدین اور جن کی طرف نسبت اختیار کی گئی، دونوں پر بہتان لگانے کے مترادف ہے۔ دمشق میں فوت ہونے والے آخری صحابی واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ مِنْ أَعْظَمِ الْفِرٰى أَنْ يَدَّعِيَ الرَّجُلُ إِلٰى غَيْرِ أَبِيهِ، أَوْ يُرِيَ عَيْنَهُ مَالَمْ تَرَ، أَوْ يَقُولَ عَلٰى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ مَالَمْ يَقُلْ»

''بے شک سب سے بڑا بہتان یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو اپنے باپ کے سوا کسی اور کی طرف منسوب کرے یا جو چیز اس نے خواب میں نہیں دیکھی، اُسے دیکھنے کا دعویٰ کرے یا رسول اللہ ﷺ کی طرف ایسی بات منسوب کرے جو آپ نے نہ فرمائی ہو۔''[2]

صلہ رحمی اسلام کے بنیادی مقاصد میں سے ہے اور یہ نسب کو یاد رکھے بغیر ممکن نہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«تَعَلَّمُوا مِنْ أَنْسَابِكُمْ مَا تَصِلُونَ بِهِ أَرْحَامَكُمْ، فَإِنَّ صِلَةَ الرَّحِمِ مَحَبَّةٌ فِي الْأَهْلِ، مَثْرَاةٌ فِي الْمَالِ، مَنْسَأَةٌ فِي الْأَثَرِ»

''تم اپنے نسب کے متعلق اتنی معلومات (ضرور) حاصل کرو جس سے تم صلہ رحمی کر سکو، بے شک صلہ رحمی کرنے سے رشتے داروں میں محبت بڑھتی ہے، مال اور عمر میں اضافہ ہوتا ہے۔''[3]

نبی کریم ﷺ کے نسب کے حسبِ ذیل تین طبقات ہیں:

1 رسول اللہ ﷺ سے عدنان تک

اس طبقے کی صحت پر محدثین، سیرت نگاروں اور ماہرینِ انساب کا اتفاق ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے:

مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ (شَيْبَةِ الْحَمْدِ) بْنِ هَاشِمٍ (عَمْرٍو) بْنِ عَبْدِمَنَافٍ (مُغِيرَةَ)

[1] صحيح البخاري:3508. [2] صحيح البخاري:3509. [3] جامع الترمذي:1979.

ابْنِ قُصَيِّ (زَيْدٍ) بْنِ كِلَابِ بْنِ مُرَّةَ بْنِ كَعْبِ بْنِ لُؤَيِّ بْنِ غَالِبِ بْنِ فِهْرٍ (قُرَيْشٍ) بْنِ مَالِكِ ابْنِ النَّضْرِ (قَيْسٍ) بْنِ كِنَانَةَ بْنِ خُزَيْمَةَ بْنِ مُدْرِكَةَ (عَمْرٍو) بْنِ إِلْيَاسَ بْنِ مُضَرَ بْنِ نِزَارِ بْنِ مَعَدِّ بْنِ عَدْنَانَ.[1]

2 عدنان سے ابراہیم علیہ السلام تک

اس طبقے میں محدثین کرام، مؤرخین اور سیرت نگاروں میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ عدنان سے سیدنا ابراہیم علیہ السلام تک کتنی پشتیں ہیں۔ ابن اسحاق اور ابن ہشام نے محض چند نام لکھے ہیں:

عَدْنَانُ بْنُ أُدَدَ (أُدّ) بْنِ مُقَوِّمِ بْنِ نَاحُورَ بْنِ تَيْرَحَ (تَارَحَ) بْنِ يَعْرُبَ بْنِ يَشْجُبَ بْنِ نَابِتِ (نَبَايُوتَ) بْنِ إِسْمَاعِيلَ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ.[2]

ابن سعد اور ابن جریر نے بروایت کلبی اُدَد کا نسب اس طرح بیان کیا ہے:

أُدَدُ بْنُ الْهَمَيْسَعِ بْنِ سَلَامَانَ بْنِ عَوْصِ بْنِ يَوْزَ (بُوْزَ) بْنِ قَمْوَالَ بْنِ أُبَيِّ بْنِ الْعَوَّامِ بْنِ نَاشِدِ بْنِ حَزَا بْنِ بَلْدَاسَ بْنِ تَدْلَافَ (يَدْلَافَ) بْنِ طَابِخِ بْنِ جَاحِمِ بْنِ نَاحِشَ (تَاحَشَ) بْنِ مَاخِي بْنِ عَبْقَى (عَيْفَى) بْنِ عَبْقَرَ بْنِ عُبَيْدِ بْنِ الدَّعَا بْنِ حَمْدَانَ بْنِ سَنْبَرَ بْنِ يَثْرِبِى بْنِ نَحْزَنَ (يَحْزَنَ) بْنِ يَلْحَنَ بْنِ أَرْعَوِيِّ بْنِ عَيْفَى بْنِ دِيشَانَ بْنِ عِيصَرَ بْنِ أَقْنَادَ بْنِ أَبْهَامَ (إِيْهَامَ) بْنِ مُقْصِيِّ (مُقْصِّرٍ) بْنِ نَاحِثَ بْنِ زَارِحَ بْنِ شَمِّي بْنِ مَزِّي بْنِ عَوْصِ بْنِ عَرَّامَ بْنِ قَيْذَرَ (قَيْدَارَ) بْنِ إِسْمَاعِيلَ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ.[3]

3 ابراہیم علیہ السلام سے آدم علیہ السلام تک

نسب کے اس طبقے میں سے کئی کڑیاں غائب ہیں اور کچھ غلطیاں ہیں۔ مختلف سیرت نگاروں نے جو کچھ بیان کیا ہے، وہ یہ ہے:

إِبْرَاهِيمُ عليه السلام بْنُ تَارَحَ (آزَرَ) بْنِ نَاحُورَ بْنِ سَارُوغَ بْنِ رَاعُو بْنِ فَالَخَ بْنِ عَيْبَرَ (عَابِرٍ) بْنِ

---

[1] صحیح البخاري، قبل الحدیث:3851، فتح الباري:647,646/6، السیرة لابن هشام:2,1/1. [2] السیرة لابن إسحاق: 17/1، السیرة لابن هشام:2/1. [3] الطبقات لابن سعد :56/1، تاریخ الطبري:29,28/2.

شَالَخ بْنِ أَرْفَخْشَذَ بْنِ سَامِ بْنِ نُوحٍ علیہ السلام بْنِ لَمْكَ بْنِ مَتُّوشَلَخَ بْنِ أَخْنُوخَ (کہا جاتا ہے کہ یہی ادریس علیہ السلام ہیں۔) ابْنِ يَرْدَ بْنِ مَهْلِيلَ بْنِ قَيْنَنَ بْنِ يَانَشَ بْنِ شِيثَ بْنِ آدَمَ علیہ السلام۔[1]

رسول اللہ ﷺ کے نسب کے بارے میں روایات

محمد رسول اللہ ﷺ کا معد بن عدنان بن اُدد سے پہلے کا نسب کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں اور جن روایات میں عدنان بن اُدد سے پہلے کا نسب بیان کیا گیا ہے، وہ تمام روایات ضعیف اور غیر مستند ہیں، مثلاً: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نسب بیان کرتے تھے تو مَعَدّ بن عدنان بن اُدَد پر رُک جاتے اور فرماتے تھے:

«كَذَبَ النَّسَّابُونَ، قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿ وَقُرُونًا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيرًا ۝ ﴾» (الفرقان 38:25)

''نسب بیان کرنے والوں نے جھوٹ بولا، اللہ عزوجل نے فرمایا ہے: ''اور ان (قوم عاد وثمود اور کنویں والوں) کے درمیان (دیگر) بہت سی اُمتوں کو بھی (ہم نے ہلاک کر دیا۔)''[2]

یہ روایت رسول اللہ ﷺ سے صحیح سند سے ثابت نہیں۔[3] تاہم قرآن کریم کی آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قوم عاد وثمود اور کنویں والوں کے درمیان کا طویل زمانہ اللہ تعالیٰ ہی کے علم میں ہے۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب یہ آیت پڑھتے:

﴿ وَعَادٍ وَثَمُودَ ۛ وَالَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ ۛ لَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا اللّٰهُ ﴾ (إبراهيم 9:14)

''(کیا تمھیں ان کی خبر نہیں پہنچی جو تم سے پہلے تھے، یعنی قوم نوح) اور عاد اور ثمود (کی قوم) کی اور (ان کی) جو ان کے بعد تھے؟ انھیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔''

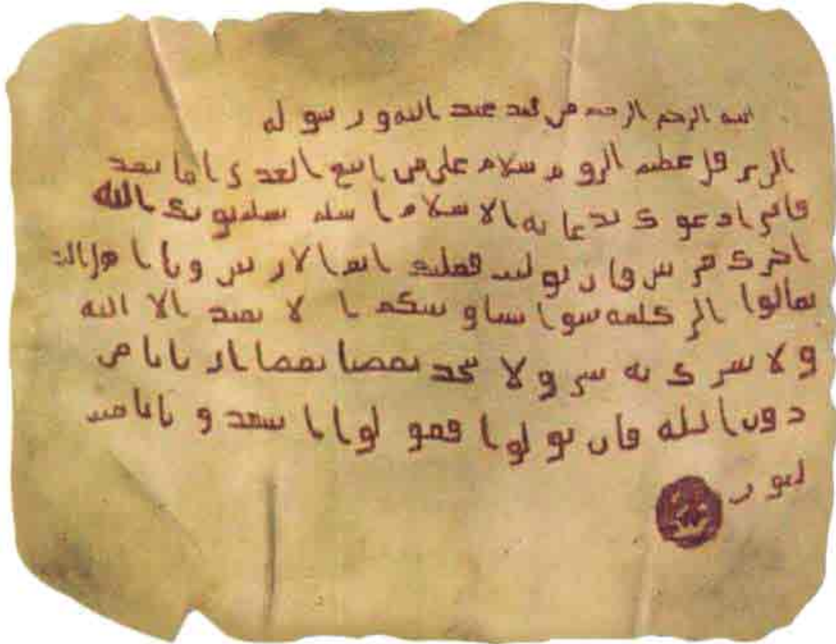
تو کہا کرتے تھے کہ نسب بیان کرنے والوں نے جھوٹ بولا ہے۔[4] یعنی اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا ہے: ''انھیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔'' پھر یہ لوگ جاننے کا دعویٰ کس طرح کر سکتے ہیں؟ یہ روایت بھی انتہائی ضعیف ہے۔ بنا بریں نسب نامۂ نبوی کا پہلا حصہ ہی محفوظ ہے اور دوسرا حصہ غیر محفوظ، جیسے عروہ بن زبیر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: ''عدنان اور قحطان سے اُوپر والا نسب جاننے والا ہمیں کوئی شخص نہیں ملا۔''[5]

---

[1] السيرة لابن إسحاق: 17/1، السيرة لابن هشام: 3,2/1۔ نسب میں مذکور ناموں کے ضبط کے بارے میں قدرے اختلاف ہے، الطبقات لابن سعد: 54/1-56، تاريخ الطبري: 32,31/2. [2] الطبقات لابن سعد: 56/1. [3] السلسلة الضعيفة: 229,228/1. [4] تاريخ الإسلام للذهبي (السيرة)، ص: 19، الطبقات لابن سعد: 56/1. [5] تاريخ الإسلام للذهبي (السيرة)، ص: 18، الطبقات لابن سعد: 58/1.

اعلیٰ نسب

رسول اللہ ﷺ کے سلسلۂ نسب کی ہر کڑی طہارت، نجابت، شرافت، عزت اور نیک نامی کا پیکر ہے۔ آپ ﷺ کے تمام آباء واجداد اور آپ کی تمام اُمہات، یعنی والدہ ماجدہ، نانیاں اور دادیاں سب نہایت پاکباز اور باوقار خواتین تھیں۔ آپ کا تمام تر سلسلۂ نسب محترم اور نامور بزرگوں پر مشتمل ہے۔ وہ سب سردار اور قائدانہ خوبیوں کے مالک تھے اور معاشرے میں بڑی معزز حیثیت رکھتے تھے۔ اس بات کی دوٹوک گواہی ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) نے ہرقل کے سامنے اس وقت دی جب نبی ﷺ کا خط ہرقل کو پہنچا اور ہرقل نے ابوسفیان سے آپ ﷺ کی نبوت کی حقیقت


بسم الله الرحمن الرحيم من محمد عبد الله ورسوله
الى هرقل عظيم الروم سلام على من اتبع الهدى اما بعد
فانى ادعوك بدعاية الاسلام اسلم تسلم يؤتك الله
اجرك مرتين فان توليت فعليك اثم الاريسيين و يا اهل
الكتاب تعالوا الى كلمة سواء بيننا وبينكم الا نعبد الا الله
ولا نشرك به شيئا ولا يتخذ بعضنا بعضا اربابا من
دون الله فان تولوا فقولوا اشهدوا بانا مسلمون

ہرقل کے نام نبی ﷺ کے خط کا عکس

جاننے کے لیے کئی سوالات کیے۔ ان میں سے ایک سوال یہ تھا: ''تمھارے مابین اُن کا حسب ونسب کیسا ہے؟'' ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) نے ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا تھا، پھر بھی انھوں نے کہا: ''وہ ہم میں اعلیٰ حسب ونسب والے ہیں۔''

یہ سن کر قیصر روم نے کہا:

وَكَذٰلِكَ الرُّسُلُ تُبْعَثُ فِي أَحْسَابِ قَوْمِهَا

"اور اسی طرح پیغمبر ہمیشہ اپنی قوم کے اعلیٰ خاندان ہی میں مبعوث ہوتے ہیں۔"[1]

سیدنا واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے نسب کا شرف اس طرح بیان فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ اصْطَفٰى كِنَانَةَ مِنْ وَّلَدِ إِسْمَاعِيلَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ، وَاصْطَفٰى قُرَيْشًا مِّنْ كِنَانَةَ، وَاصْطَفٰى مِنْ قُرَيْشٍ بَنِي هَاشِمٍ، وَاصْطَفَانِي مِنْ بَنِي هَاشِمٍ»

"بے شک اللہ عزوجل نے اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے کنانہ کو منتخب کیا، کنانہ میں سے قریش کو، قریش میں سے بنو ہاشم کو اور بنو ہاشم میں سے مجھے منتخب کیا۔"[2]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«بُعِثْتُ مِنْ خَيْرِ قُرُونِ بَنِي آدَمَ قَرْنًا فَقَرْنًا حَتّٰى كُنْتُ مِنَ الْقَرْنِ الَّذِي كُنْتُ مِنْهُ»

"مجھے عہد بہ عہد بنی آدم کی بہترین نسلوں میں سے مبعوث کیا گیا یہاں تک کہ میں اس نسل میں (پیدا) ہوا جس میں مجھے (پیدا) ہونا تھا۔"[3]

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کی: "اے اللہ کے رسول! قریش نے اپنے نسب کا ذکر کیا اور آپ کو کھجور کے ایسے درخت سے تشبیہ دی جو بنجر زمین میں ہو۔" یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ الْخَلْقَ فَجَعَلَنِي مِنْ [خَيْرِهِمْ] مِّنْ خَيْرِ فِرَقِهِمْ وَخَيْرِ الْفَرِيقَيْنِ، ثُمَّ خَيَّرَ الْقَبَائِلَ فَجَعَلَنِي مِنْ خَيْرِ الْقَبِيلَةِ، ثُمَّ خَيَّرَ الْبُيُوتَ فَجَعَلَنِي مِنْ خَيْرِ بُيُوتِهِمْ فَأَنَا خَيْرُهُمْ نَفْسًا وَّخَيْرُهُمْ بَيْتًا»

"بے شک اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوق کو پیدا کیا تو مجھے، اُن میں سے بہترین مخلوق میں، ان کے بہترین گروہوں میں رکھا، پھر دو گروہوں (اولادِ اسماعیل اور اسحاق علیہما السلام) میں سے بہترین گروہ میں پیدا کیا، پھر قبیلوں کو منتخب کیا تو مجھے بہترین قبیلے میں رکھا، پھر گھرانوں کو چنا تو مجھے بہترین گھرانے میں رکھا، سو میں ذات کے اعتبار سے بھی ان سب میں بہتر ہوں اور گھرانے کے اعتبار سے بھی۔"[4]

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

---

1 صحيح البخاري: 7 و 4553. 2 صحيح مسلم: 2276. 3 صحيح البخاري: 3557. 4 جامع الترمذي: 3607، یہ روایت ضعیف ہے۔ (السلسلة الضعيفة: 75،74/7)

«خَرَجْتُ مِنْ نِكَاحٍ وَلَمْ أَخْرُجْ مِنْ سِفَاحٍ مَنْ لَدُنْ آدَمَ إِلٰى أَنْ وَلَدَنِي أَبِي وَأُمِّي، لَمْ يُصِبْنِي مِنْ سِفَاحِ الْجَاهِلِيَّةِ شَيْءٌ»

''آدم علیہ السلام سے لے کر میرے والدین کے مجھے جنم دینے تک میرا تمام نسب نکاح کے ساتھ چلا، اس میں زنا کا شائبہ تک نہ تھا۔ میرا نسب زمانۂ جاہلیت کے نسلی عیب سے بالکل محفوظ رہا۔''[1]

آدم علیہ السلام سے لے کر نبیِ کریم ﷺ تک جس قدر انبیاء و رسل علیہم السلام گزرے، اُن کی پاکیزہ نسبی پر کبھی کسی نے الزام نہیں لگایا، البتہ یہودیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کی عفیفہ، طاہرہ اور صدیقہ ماں پر تہمت لگائی۔[2] اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس جھوٹی تہمت کی تردید فرمائی اور مریم علیہا السلام کی پاکدامنی اور عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت باسعادت کی کیفیت تفصیل سے بیان کی اور پاکباز ماں بیٹے پر تہمت لگانے والوں کی مذمت فرمائی۔[3]

قریش کی خصوصیات

نبیِ کریم ﷺ سے نسبی تعلق کی وجہ سے قریش تاریخ کے صفحات میں زندۂ جاوید ہو گئے اور ان کی قابل فخر صفات بنی نوع انسان کے سامنے عیاں ہوئیں۔ احادیث میں بھی ان کی اعلیٰ صفات کے تذکرے موجود ہیں۔

1 حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نبیِ کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا:

«فَضَّلَ اللّٰهُ قُرَيْشًا بِسَبْعِ خِصَالٍ: 1 فَضَّلَهُمْ بِأَنَّهُمْ عَبَدُوا اللّٰهَ عَشْرَ سِنِينَ لَا يَعْبُدُهُ إِلَّا قُرَشِيٌّ 2 وَفَضَّلَهُمْ بِأَنَّهُ نَصَرَهُمْ يَوْمَ الْفِيلِ وَهُمْ مُشْرِكُونَ 3 وَفَضَّلَهُمْ بِأَنَّهُ نَزَلَتْ فِيهِمْ سُورَةٌ مِّنَ الْقُرْآنِ لَمْ يُدْخِلْ فِيهِمْ غَيْرَهُمْ: ﴿لِإِيلٰفِ قُرَيْشٍ﴾ 4 وَفَضَّلَهُمْ بِأَنَّ فِيهِمُ النُّبُوَّةَ 5 وَالْخِلَافَةَ 6 وَالْحِجَابَةَ 7 وَالسِّقَايَةَ»

''اللہ تعالیٰ نے قریش کو سات باتوں میں دوسروں سے ممتاز رکھا ہے:

- یہی اکیلے دس سال تک اللہ کی عبادت کرتے رہے، کوئی اس کی عبادت نہ کرتا تھا سوائے قرشی مسلمانوں کے۔ (اس سے مراد آغاز اسلام کے دس سال ہیں۔ اگرچہ دوسرے قبائل کے چند افراد بھی دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے تھے لیکن اُن کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی۔ قریش، مخالفت میں بھی پیش پیش تھے اور حق قبول کرنے والے بھی انھی

[1] المعجم الأوسط للطبراني: 324,323/3، حديث: 4728، صحيح الجامع الصغير: 613/1، حديث: 3225، نیز دیکھیے: إرواء الغليل: 331,330/6. [2] تفسير الطبري، النسآء 156:4. [3] دیکھیے: مریم 19:16-34.

میں سے تھے۔)

- اگرچہ یہ مشرک تھے، پھر بھی اللہ نے ہاتھی والوں کے خلاف ان کی مدد فرمائی۔
- ان کے بارے میں قرآن مجید کی ایک سورت ﴿ لِإِيلَٰفِ قُرَيْشٍ ○ ﴾ نازل ہوئی اور ان کے ساتھ اس سورت میں اللہ نے کسی اور کو شریک نہیں کیا۔
- انھیں یہ فضیلت عطا کی کہ (آخری) نبی انھی میں سے ہے۔
- انھیں خلافت کی مسند سے نوازا۔
- بیت اللہ کی نگرانی کی سعادت بخشی۔
- اور انھیں حاجیوں کو پانی پلانے کا شرف عطا کیا۔"[1]

2 حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«اَلنَّاسُ تَبَعٌ لِّقُرَيْشٍ فِي هٰذَا الشَّأْنِ، مُسْلِمُهُمْ تَبَعٌ لِّمُسْلِمِهِمْ، وَكَافِرُهُمْ تَبَعٌ لِّكَافِرِهِمْ»

"اس (دین کی پیروی کے) معاملے میں لوگ قریش کے تابع ہیں۔ عام مسلمان، قریشی مسلمانوں کے تابع ہیں اور عام کفار، کفار قریش کے تابع رہے۔"[2]

3 طاؤس بن کیسان رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آیت: ﴿ إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ ﴾ (الشورىٰ 42:23) "مگر قرابت داری کی محبت (ضرور چاہتا ہوں۔)" کے متعلق پوچھا گیا تو اُن کے جواب دینے سے پہلے ہی سعید بن جبیر رحمہ اللہ بیان کرنے لگے: "اس سے آلِ محمد (ﷺ) کی قرابت داری مراد ہے۔" ابن عباس رضی اللہ عنہما کہنے لگے: "تم نے جلد بازی کی ہے۔ قریش کی کوئی شاخ ایسی نہیں جس میں رسول اللہ ﷺ کی قرابت داری نہ ہو۔ اس سے رسول اللہ ﷺ کی مراد یہ تھی:

إِلَّا أَنْ تَصِلُوا مَا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ مِّنَ الْقَرَابَةِ

"میں تم سے صرف یہ چاہتا ہوں کہ میرے اور تمھارے درمیان جو قرابت داری ہے، اسے قائم رکھو۔"[3]

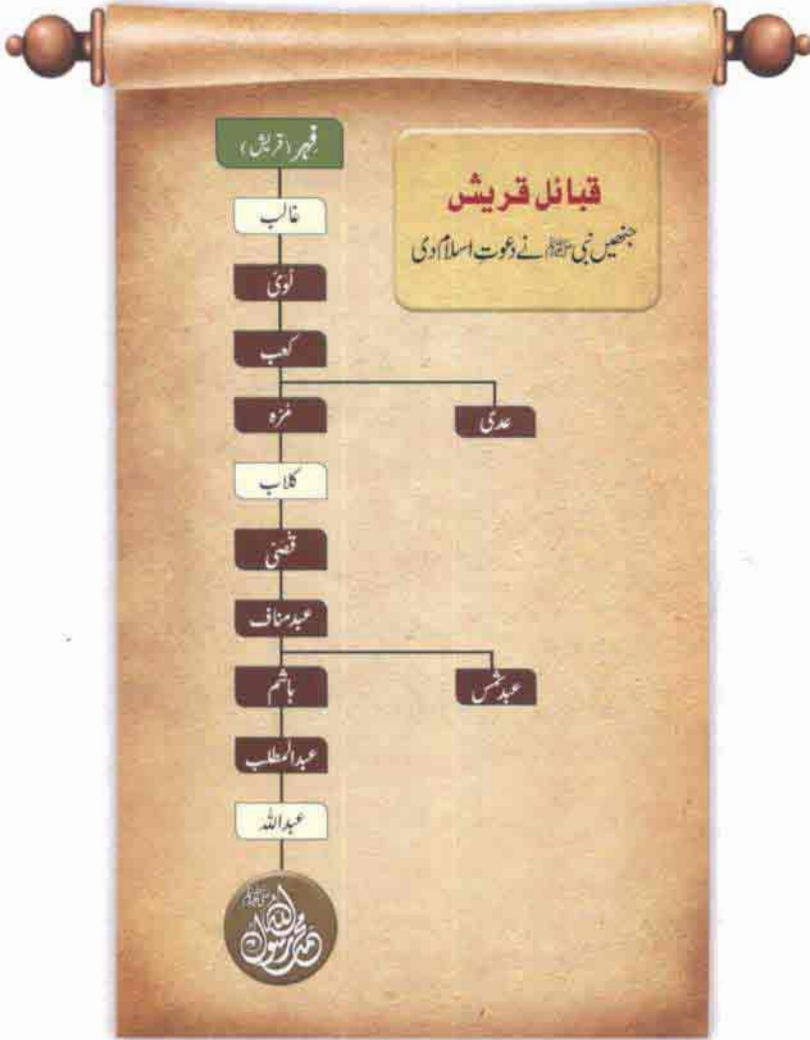
4 اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو علانیہ تبلیغ کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ○ ﴾

[1] السلسلة الصحيحة: 585/4، حديث: 1944، المعجم الكبير للطبراني: 409/24، حديث: 994. [2] صحيح البخاري: 3495. [3] صحيح البخاري: 4818.

''اور آپ اپنے قریبی رشتے داروں کو ڈرائیں۔''[1]

اس پر عمل کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے قریش کے قبیلوں کو، جو فہر کی اولاد میں سے تھے، دعوت دی۔ یہ بات انتہائی قابل غور ہے کہ نبی کریم ﷺ اور فہر کے درمیان دس واسطے ہیں اور عشیرۃ کا لفظ بھی عشر سے بنا ہے۔ امام راغب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عشیرہ سے مراد کسی شخص کی برادری کے وہ تمام لوگ ہیں جن سے خاندان کی کثرت بنتی ہے۔[2]



[1] الشعرآء 214:26. [2] المفردات للأصفهاني، ص:338.

رسول اللہ ﷺ کے اجداد کا تعارف

عدنان

ان کی کنیت ابومَعَدّ تھی۔ [1] کہا جاتا ہے کہ یہی وہ پہلے شخص تھے جنھوں نے خانہ کعبہ پر غلاف چڑھایا۔ [2] نبی کریم ﷺ ان کی اکیسویں نسل میں ہیں۔ بعض مؤرخین نے ایسی روایات نقل کی ہیں جن میں عدنان کی بخت نصر کے ساتھ جنگ کا ذکر ہے۔ ان میں ہے کہ جب بُخت نصر نے عدنان سے پہلے دیگر عرب قبائل پر حملہ کیا تو سخت لڑائی ہوئی۔ اس میں عربوں نے شکست کھائی۔ اس کے بعد بخت نصر نے حجاز کا رخ کیا اور ذات عرق کے مقام پر عدنان سے



ذات عرق کا علاقہ

شدید لڑائی ہوئی۔ بعدازاں عدنان کا لشکر شکست کھا کر قلعہ بند ہوگیا، پھر دیگر عرب اُن سے آملے۔ فریقین نے خندقیں کھود لیں اور کچھ عرصہ لڑائی جاری رہی، آخر کار بخت نصر نے لڑائی روک کر واپسی کی راہ لی۔ [3]

عدنان کے پانچ بیٹے تھے: مَعَدّ، الدِّیث، اُبَيّ، العَيّ اور عُدَیْن (عُدَيّ)۔ [4]

---

[1] سبل الهدٰى والرشاد :1/295، أنساب الأشراف :1/18. [2] أنساب الأشراف :1/20. [3] تاريخ الطبري:1/397-399، الكامل لابن الأثير :1/206,207. [4] أنساب الأشراف :1/18.

مَعَدّ بن عدنان

ان کی کنیت ابو قضاعہ یا ابو نزار تھی۔[1] ان کی والدہ کا نام مَهْدَد بنت اللَّهَم تھا۔[2] یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ عرب پر بخت نصر کے دوسرے حملے کے وقت معد کی عمر بارہ سال تھی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حملے سے پہلے یرمیاہ (ارمیا) علیہ السلام (585 ق م) انھیں اپنے ساتھ شام (یا حرّان) لے گئے تھے۔[3]



جب بُخت نصر حجاز سے چلا گیا تو معد واپس مکہ آ گئے۔ انھوں نے بنو جرہم کے خاندان کو تلاش کیا تو معلوم ہوا کہ ان میں سے صرف جرشم (جوشم، جوشن) بن جلہمہ باقی ہے۔ انھوں نے اس کی بیٹی معانہ سے شادی کر لی جس سے نزار پیدا ہوئے۔[4] عیسائی مؤرخین یرمیاہ علیہ السلام کا زمانہ 588 قبل مسیح قرار دیتے ہیں۔[5]


چھٹی صدی ق م کے نبی یرمیاہ کے منشی بارُوک (یا برکیاہ) سے منسوب مہر

اس حساب سے معد جنھیں یرمیاہ علیہ السلام کا ہم عصر بتایا گیا، ان کے اور نبی کریم ﷺ کے درمیان تقریباً 1158 سال کا فاصلہ بنتا ہے۔ نبی کریم ﷺ سے معد تک کل 21 پشتیں ہیں۔ اگرچہ سلیمان منصور پوری کہتے ہیں کہ اس طرح ہر پشت کی اوسط عمر 55 سال بنتی ہے جسے درست تسلیم کیا جاسکتا ہے۔[6] لیکن یہ بات تاریخ کے مطالعے سے ثابت ہونے والے مسلمہ اصولوں سے مطابقت نہیں رکھتی۔ ایک صدی میں کم از کم

[1] سبل الهدٰى والرشاد: 293/1. [2] أنساب الأشراف: 18/1. [3] الروض الأنف: 33/1، تاريخ الطبري: 398/1. [4] تاريخ الطبري: 399/1، الروض الأنف: 33/1، الكامل لابن الأثير: 207/1.

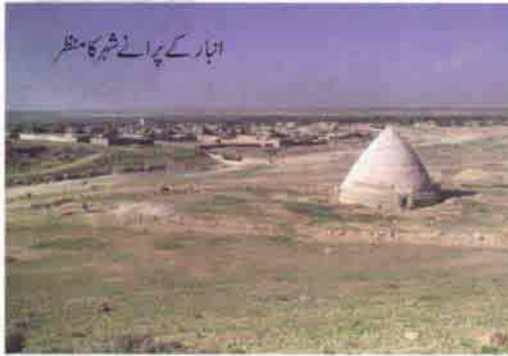
[5] Life Application Study Bible, P: 118.

[6] رحمۃ للعالمین: 48/2.

تین، بالعموم چار یا پانچ نسلیں وجود میں آ جاتی ہیں۔ اوسط عمر کا حساب بھی درست نہیں کیونکہ حقیقتاً یہ دو نسلوں کا درمیانی فاصلہ ہے۔ اگر اسے اوسط عمر قرار دے دیا جائے تو ہر اگلی نسل پہلی نسل کی وفات کے وقت پیدا ہو گی۔ واللّٰہ أعلم.

نزار بن معد

نزار، نزر سے ہے جو قلیل اور نادر کے معنی میں آتا ہے۔ ابوالفرج اصفہانی نے کہا ہے کہ ان کا یہ نام اپنے زمانے میں یکتا ہونے کی وجہ سے رکھا گیا۔[1] ان کی کنیت ابو ایاد یا ابو ربیعہ تھی۔ ان کی والدہ کا نام مُعانہ بنت جوشم تھا۔[2] امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا نسب ان سے جا ملتا ہے۔[3] ان کی دو بیویاں اور چار بیٹے تھے: سودہ بنت عَک سے مُضَر اور ایاد پیدا ہوئے اور جُرہم قبیلے سے ان کے ماموں کی بیٹی حذالہ بنت وَعلان بن جوشم سے ربیعہ اور انمار پیدا ہوئے۔[4] مُضَر اور ربیعہ کی نسل حجاز (وسط عرب) میں، انمار کی اولاد اطراف حجاز اور نجد میں اور ایاد کی اولاد کاظمہ، خورنق، تکریت، دیراعور اور انبار سے آگے وادیِ اُباغ کے آس پاس جا آباد ہوئی۔ وادیِ اباغ میں بنو ایاد بکثرت آباد تھے۔[5]


انبار کے پرانے شہر کا منظر

مُضَر بن نزار

ان کا نام عمرو اور کنیت ابو الیاس تھی۔ مضر ان کا لقب تھا جو ان کی خوبصورتی، رعنائی اور سفید رنگت کی وجہ سے دیا گیا اور یہ اسی لقب سے مشہور ہوئے۔[6] ان کے والد نے میراث کی تقسیم میں تمام سرخ رنگ کی چیزیں (اونٹ، خیمہ اور دینار وغیرہ) انھیں دی تھیں، اس لیے تاریخ میں ان کا نام مضر حمراء مشہور ہو گیا۔[7]

بلاذری بیان کرتے ہیں کہ اُونٹوں کے لیے حُدی انھوں نے ایجاد کی۔ حدی کی ایجاد کا واقعہ بھی دلچسپ پیرائے میں بیان کیا گیا ہے: ایک مرتبہ یہ اُونٹ سے گر پڑے تو ان کا ہاتھ ٹوٹ گیا۔ ان کی آواز بہت سریلی تھی۔ وہ اپنی درد بھری آواز سے یَا یَدَاہُ! یَا یَدَاہُ! ''ہائے میرا ہاتھ! ہائے میرا ہاتھ!'' پکارنے لگے تو چراگاہ میں چرنے والے

---

[1] فتح الباري:206/7، الروض الأنف:30/1. [2] تاريخ الطبري:27/2، أنساب الأشراف:20/1. [3] سير أعلام النبلاء: 178/11. [4] أنساب الأشراف:28/1. [5] معجم قبائل العرب:52/1-55، معجم البلدان، مادة: أباغ. [6] سبل الهدٰى والرشاد: 289/1. [7] تاريخ الطبري:26/2.

اونٹ ان کے گرد اکٹھے ہو گئے۔ جب یہ صحت یاب ہو گئے تو انھوں نے اونٹوں کے لیے حدی خوانی کا طریقہ استعمال کرنا شروع کر دیا جو بعدازاں عربوں کا معمول بن گیا۔[1]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تاریخ ابن حبیب کے حوالے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ اثر نقل کیا ہے کہ عدنان، ان کے والد (اُدد)، معد، ربیعہ، مضر، قیس، تمیم، ضَبّہ اور اسد اسلام، یعنی ملت ابراہیم پر فوت ہوئے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی تائید میں زبیر بن بکار رحمہ اللہ کے حوالے سے ایک اور سند کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول: لَا تَسُبُّوا مُضَرَ وَلَا رَبِيعَةَ فَإِنَّهُمَا كَانَا مُسْلِمَيْنِ ''مضر اور ربیعہ کو گالی مت دو کیونکہ وہ دونوں مسلمان (ملت ابراہیم پر) تھے۔'' اور ابن سعد کے حوالے سے عبداللہ بن خالد کی ایک مرسل روایت بھی نقل کی ہے۔[2]

بنو عدنان میں مضر سب سے زیادہ صاحب ثروت تھے۔ ان کی شادی رَباب بنت حیدہ بن معد سے ہوئی جن سے ان کے دو بیٹے الیاس اور عَیلان (ناس) پیدا ہوئے۔[3]

الیاس بن مضر

ان کی کنیت ابوعمرو تھی۔ الیاس دین ابراہیمی کے سچے پیروکار تھے۔ یہ گمراہ لوگوں کو ٹوکتے تھے۔ بدعات اور دینِ ابراہیم میں ردو بدل کرنے کی وجہ سے اُن پر کڑی تنقید کرتے تھے۔ ان کی تبلیغ کا خاطر خواہ نتیجہ نکلا اور بہت سے لوگ اصل دینِ ابراہیم کی طرف واپس آ گئے۔ عربوں کے ہاں ان کا بڑا مقام اور مرتبہ تھا۔ وہ انھیں لقمان حکیم کی طرح ایک دانا آدمی سمجھتے تھے اور ان کی تعظیم کرتے تھے۔[4] یہ پہلے شخص تھے جنھوں نے حج کے موقع پر اُونٹوں کی قربانی دی۔[5] مقام ابراہیم طوفان کی وجہ سے گم ہوگیا تھا۔ انھوں نے اسے تلاش کر کے اس کی جگہ پر رکھا۔[6] الیاس کے تین بیٹے تھے: مُدرِکہ، طابخہ اور قَمعہ۔[7]

مُدرِکہ بن الیاس

ان کے نام کے بارے میں اختلاف ہے۔ علامہ بلاذری، امام ابن جریر طبری اور حافظ ابن کثیر رحمہم اللہ فرماتے ہیں: ان کا نام عمرو اور کنیت ابو ہذیل تھی۔[8] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جمہور ان کا نام عمرو قرار دیتے ہیں۔[9] عمرو کا نام مدرکہ اور ان کے بھائی عامر کا نام طابخہ پڑنے کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ اور ان کے بھائی جنگل میں

[1] أنساب الأشراف:37/1، الروض الأنف:160/1. [2] فتح الباري:647/6. [3] أنساب الأشراف:37/1، سبل الهدٰى والرشاد:292/1، السيرة لابن إسحاق:59/1. [4] سبل الهدٰى والرشاد:289/1. [5] الروض الأنف:30/1. [6] الشجرة الزكية، ص: 73. [7] السيرة لابن إسحاق:59/1. [8] أنساب الأشراف:41/1، تاريخ الطبري:24/2، البداية والنهاية: 237/2. [9] فتح الباري:206/7.

اونٹوں کی حفاظت پر مامور تھے، ایک دفعہ اونٹ بھاگ گئے، عمرو تعاقب میں دور تک نکل گئے اور اُونٹوں کو جا لیا۔ عامر نے ان کی واپسی پر کھانا تیار کیا، چنانچہ عمرو کو مُدرِکہ اور عامر کو طابخہ کا نام دیا گیا۔ مدرکہ کے معنی پالینے والا اور طابخہ کے معنی پکانے والا کے ہیں۔ یہ لقب شہرت پا کر اصل ناموں پر غالب آ گئے۔ [1] ان کی والدہ کا نام لیلٰی بنت حلوان بن عمران اور لقب خِنْدِف تھا۔ [2] مدرکہ کے دو بیٹے تھے: خزیمہ اور ہذیل۔ [3] مشہور صحابی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا نسب گیارہ واسطوں سے ہذیل سے جا ملتا ہے۔ [4]

خُزیمہ بن مدرکہ

ان کی کنیت ابو اسد تھی۔ [5] ان کی والدہ سلمٰی بنت اسلم بن الحاف بن قضاعہ تھیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کی والدہ سلمٰی بنت اسد بن ربیعہ تھیں۔ [6] خزیمہ انتہائی اعلٰی اخلاق و کردار کے حامل اور عقیدۂ توحید (ملت ابراہیم) کے سچے پیروکار تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

مَاتَ خُزَيْمَةُ عَلٰى مِلَّةِ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ.

''خزیمہ دینِ ابراہیم پر فوت ہوئے۔'' [7]

ان کی دو بیویاں اور پانچ بیٹے تھے۔ پہلی بیوی کے نام میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں: ان کا نام عوانہ بنت سعد بن قیس بن عیلان بن مضر تھا اور بعض ہند بنت عمرو بن قیس بن عیلان کہتے ہیں۔ اس بیوی سے ان کا بیٹا کنانہ پیدا ہوا۔ ان کی دوسری بیوی سے اسد، اَسَدَہ، عبداللہ اور ہون پیدا ہوئے۔ [8]

کنانہ بن خزیمہ

کنانہ کے معنی ترکش کے ہیں۔ جس طرح تیر ترکش میں محفوظ رکھے جاتے ہیں، اسی طرح یہ اپنی قوم کے لیے جائے پناہ تھے۔ اپنی قوم میں ان کا مقام و مرتبہ بہت بلند تھا۔ لوگ ان کی دانائی اور فضل کی وجہ سے ہر اہم معاملے میں ان کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔ ان کی کنیت ابونضر تھی۔ [9] علامہ بلاذری اور امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ کے مطابق کنانہ کی شادیوں اور اولاد کی تفصیل یہ ہے:

(: برّة بنت مُرّ بن أدّ ← نضر، نُضَير، مالك، مِلْكان، عامر، عمرو، حارث، سعد، عَوف، غنم،

---

[1] تاريخ الطبري: 25/2. [2] تاريخ الطبري: 24/2. [3] أنساب الأشراف: 41/1. [4] سير أعلام النبلاء: 461/1. [5] أنساب الأشراف: 41/1. [6] تاريخ الطبري: 24/2، سبل الهدٰى والرشاد: 287/1. [7] سبل الهدٰى والرشاد: 287/1. [8] أنساب الأشراف: 41/1. [9] فتح الباري: 206/7، سبل الهدٰى والرشاد: 287,286/1.

مخرمة، جَرْوَل، غزوان (عَزْوان)، حُذال (حُذال).

ب: فُكَيْهَة يا فكهة بنت هني بن بليّ بن عَمرو بن الحاف بن قضاعة سے عبد مناة پیدا ہوئے۔ فُكَيْهَة کا پسینہ خوشبودار تھا، اس لیے ان کا لقب ذفراء پڑ گیا۔ [1]

نضر بن کنانہ

ان کا نام قیس تھا۔ ان کے حسن و جمال کی وجہ سے انھیں نضر کا لقب دیا گیا جس کا مطلب شاداب اور خوبصورت ہے۔ یہ لقب ان کے اصل نام پر غالب آ گیا اور ان کا نام سمجھا جانے لگا۔ ان کی کنیت ابو مخلد تھی۔ [2] ان کے تین بیٹے تھے: مالک، مخلد اور صلت۔ [3] ابن ہشام کہتے ہیں: ”نضر کا لقب قریش ہے اور جو اس کی اولاد میں سے ہو، صرف وہی قریشی ہے۔“ [4] لیکن زیادہ مشہور اور درست روایت یہی ہے کہ ان کے پوتے فہر بن مالک کا لقب قریش تھا۔ [5]

مالک بن نضر

ان کی کنیت ابو حارث تھی۔ [6] ان کی والدہ کا نام عاتکہ بنت عدوان بن عمرو بن قیس بن عیلان اور لقب عِكْرِشَة تھا۔ [7] علامہ بلاذری کے مطابق ان کی بیوی کا نام جَنْدَلَة بنت عامر بن حارث بن مُضَاض جُرْهُمِي تھا۔ ان کے دو بیٹے تھے: فہر اور حارث۔ [8] مالک کی حکمت بھری باتیں اہل عرب میں بہت مشہور تھیں، مثلاً:

رُبَّ صُورَةٍ تُخَالِفُ الْمَخْبَرَةَ، قَدْ غَرَّتْ بِجَمَالِهَا وَاخْتُبِرَ قُبِيحُ أَفْعَالِهَا، فَاحْذَرِ الصُّوَرَ وَاطْلُبِ الْخُبَرَ وَلَا تَدَبَّرْ أَعْجَازَ الْأُمُورِ فَتَفْجُرَ.

”بہت سی صورتیں حقیقتِ حال کے بالکل برعکس ہوتی ہیں۔ وہ اپنے جمال کی وجہ سے دھوکہ دیتی ہیں اور ان کی سیاہ کاریاں پرکھ لی جاتی ہیں، لہٰذا ظاہری صورتوں سے بچو اور حقائق تلاش کرو۔ ہر معاملے کے انجام کے پیچھے نہ پڑو ورنہ گناہ میں مبتلا ہو جاؤ گے۔“ [9]

فہر بن مالک

ان کی کنیت ابو غالب تھی۔ [10] یہ اپنے زمانے میں اہل مکہ کے سردار تھے۔ ایک مرتبہ حسان بن عبد کلال حمیری

[1] تاريخ الطبري :23/2، قوسین والے نام أنساب الأشراف:44,43/1 کے مطابق ہیں۔ [2] سبل الهدٰى والرشاد:284/1. [3] أنساب الأشراف :44/1. [4] السيرة لابن هشام:93/1. [5] الجمهرة لابن الكلبي، ص:21، أنساب الأشراف:45/1. [6] أنساب الأشراف :45/1. [7] الجمهرة لابن الكلبي، ص:21، تاريخ الطبري :22/2. [8] أنساب الأشراف :45/1. [9] سبل الهدٰى والرشاد:284/1، أنساب الأشراف:46/1. [10] أنساب الأشراف:45/1.

اپنے قبیلے حمیر اور یمن کے دوسرے قبائل کو ساتھ لے کر اس نیت سے مکہ آیا کہ کعبہ کے پتھر اُٹھا کر لے جائے اور اپنے علاقے میں کعبہ تعمیر کرے تا کہ لوگ حج کے لیے اُن کے علاقے کا رُخ کریں۔ اس طرح انھیں عرب کی سیادت بھی مل جائے اور تجارتی فوائد بھی حاصل ہوں۔ یہ لوگ مکہ کے قریب پہنچ کر لوگوں کے مویشی لوٹنے اور راہ گیروں پر ڈاکے ڈالنے لگے لیکن انھیں مکہ میں داخل ہونے کی جرأت نہ ہوئی۔

فہر کو اس بات کا پتہ چلا تو اُنھوں نے کنانہ، خزیمہ، اسد، جذام اور مُضَر کے لوگوں کو ساتھ لے کر ان پر شدید حملہ کیا اور انھیں شکست فاش سے دوچار کرنے کے بعد حسان بن عبد کلال حمیری کو قید کر لیا۔ اسے فہر کے بیٹے حارث نے گرفتار کیا تھا۔ حسان تین سال تک مکہ میں قید رہا، پھر فدیہ دے کر آزاد ہوا لیکن یمن کی طرف جاتے ہوئے یمن اور مکہ کے درمیان مر گیا۔ اس جنگ کے مقتولین میں فہر کا پوتا قیس بن غالب بھی شامل تھا۔ اس فتح سے پورے عرب میں فہر کی قوت، عظمت اور شوکت کی دھاک بیٹھ گئی۔ [1]

قریش کی وجہ تسمیہ

قریش کی وجہ تسمیہ کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے متعلق پوچھا تو اُنھوں نے بتایا:

سُمِّيَ قُرَيْشٌ بِدَابَّةٍ عَظِيمَةٍ فِي الْبَحْرِ مِنْ أَقْوٰى دَوَابِّهِ، سُمِّيَتْ بِهِ قُرَيْشٌ لِقُوَّتِهَا، لِأَنَّهَا تَأْكُلُ وَلَا تُؤْكَلُ، وَتَعْلُو وَلَا تُعْلٰى

”قریش کا نام سمندر کے ایک بڑے اور سب سے طاقتور جانور (وہیل مچھلی) کے نام پر ہے۔ قریش کو اُس کی قوت کی وجہ سے یہ نام دیا گیا کیونکہ وہ دوسروں کو کھا جاتی ہے، اُسے کوئی نہیں کھا سکتا۔ وہ غالب رہتی ہے، کبھی مغلوب نہیں ہوتی۔“

اس کے لیے اُنھوں نے قریش کے مشہور شاعر وہب بن زمعہ بن اُسید جُمَحی کے اشعار سے بھی استدلال کیا:

وَقُرَيْشٌ هِيَ الَّتِي تَسْكُنُ الْبَحْرَ بِهَا سُمِّيَتْ قُرَيْشٌ قُرَيْشَا
سَلَّطَتْ بِالْعُلُوِّ فِي لُجَّةِ الْبَحْرِ عَلٰى سَاكِنِي الْبُحُورِ جُيُوشَا
تَأْكُلُ الْغَثَّ وَالسَّمِينَ وَلَا تَتْ رُكُ يَوْمًا لِّذِي الْجَنَاحَيْنِ رِيشَا

[1] تاريخ الطبري: 2/22،21.

وما ارسلناك الا رحمة للعالمين

شجرۂ طیبہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم

خاندانِ قریش



فہر (قریش) سے محمد ﷺ تک شجرۂ نسب — صحابہ و صحابیاتؓ — جنت کی بشارت پانے والے صحابہ کرامؓ

قبائل کے بانی سردار — نبی کریم ﷺ کی اولاد — خلفائے راشدینؓ

نبی کریم ﷺ کی قریشی ازواج — عبدالمطلب کی اولاد — ★ عبداللہ بن عبدالمطلب کے ماں جائے بھائی بہن

مآخذ: الأطلس التاريخي لسيرة الرسول ★ معجم قبائل العرب ★ أسد الغابة ★ معجم ما استعجم ★ الشجرة الزكية

هٰكَذَا فِي الْعِبَادِ حَيُّ قُرَيْشٍ يَأْكُلُونَ الْبِلَادَ أَكْلًا كَمِيشًا

''قریش وہ مچھلی ہے جو سمندر میں رہتی ہے، اسی کے نام پر قریش کا نام قریش رکھا گیا ہے۔ سمندر کی تاریکیوں میں رہنے والے سارے لشکروں پر وہ غالب ہوتی ہے۔ وہ ہر چھوٹی بڑی چیز کھا جاتی ہے اور کسی دن بھی دو پروں والوں کے لیے کوئی چیز باقی نہیں چھوڑتی۔ اسی طرح انسانوں میں قبیلۂ قریش کے لوگ شہروں کو اژدہے کے کھانے کی طرح کھا جاتے ہیں۔''

لفظ قریش کی اور بھی کئی توجیہات بیان کی گئی ہیں:

- قریش، تقریش سے ماخوذ ہے۔ تقریش کے معنی تفتیش اور جانچ پڑتال کے بھی ہیں۔ قریش دوسروں کی ضروریات کے بارے میں تحقیق اور جانچ پڑتال کیا کرتے تھے تاکہ اُنھیں پورا کر سکیں۔
- اخلاق سے گری ہوئی باتوں سے اجتناب کی وجہ سے یہ نام دیا گیا۔
- دشمنوں کے خلاف بلیغ ہجو میں مہارت کی وجہ سے اُنھیں یہ نام دیا گیا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کا اصل نام قریش اور فہر لقب تھا۔ ان کی والدہ نے ان کا نام قریش ہی رکھا تھا۔ لیکن مؤرخین کے ہاں پہلی بات زیادہ مشہور ہے اور وہی معتبر معلوم ہوتی ہے۔ ان کے سات بیٹے تھے: غالب، حارث، اسد، عوف، زَیْث (ذئب)، جَون اور مُحَارِث (محارب)۔ ان کی ایک بیٹی بھی تھی، اس کا نام جَنْدلہ تھا۔[1]

غالب بن فہر

ان کی کنیت ابو تیم تھی۔ ان کی والدہ کا نام لیلیٰ بنت حارث بن تمیم بن ہذیل بن مُدرِکہ تھا۔ یہ کہانت بھی کرتے تھے۔ ان کے دو بیٹے تھے: لُؤی اور تیم جو تیم الادرم کے نام سے مشہور تھے کیونکہ ان کے جبڑے کی ہڈی ایک طرف سے ناقص تھی۔[2]

لُؤی بن غالب

ان کی کنیت ابو کعب اور والدہ کا نام عاتکہ بنت یَخْلُد تھا۔[3] سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ اور ام المؤمنین سودہ بنت

---

[1] سبل الهدى والرشاد: 283,282/1، تاريخ دمشق الكبير: 63,62/44، تاريخ الطبري: 22/2، فتح الباري: 654,653/6. بریکٹ والے نام أنساب الأشراف: 45/1 کے مطابق ہیں۔ [2] الجمهرة لابن الكلبي، ص: 22، أنساب الأشراف: 46/1.
[3] أنساب الأشراف: 47,46/1، سبل الهدى والرشاد: 280/1.

زمعہ رضی اللہ عنہا کا نسب بھی ان تک پہنچتا ہے۔[1] لؤی انتہائی بردبار اور دانا آدمی تھے۔ وہ چھوٹی سی عمر ہی میں دانائی کی باتیں کرنے لگے تھے۔[2] ان کے سات بیٹے تھے: کعب، عامر، سامہ، عوف، خزیمہ، سعد اور حارث۔[3]

کعب بن لؤی

ان کی کنیت ابوہُصَیص تھی اور ان کی والدہ کا نام ماویہ بنت کعب بن قین قضاعیہ تھا۔ یہ سیادت کی صفات سے متصف اور مشہور و مقبول تھے۔ عربوں میں کعب بہت بڑا مقام رکھتے تھے، اس لیے اہل عرب اپنے سال کا آغاز ان کے روزِ پیدائش سے کرتے تھے۔ یہ سلسلہ واقعۂ فیل تک جاری رہا۔[4]

کعب بن لؤی پہلے شخص تھے جنھوں نے عروبہ کے دن لوگوں کو جمع کیا۔ اس دن وہ اپنی قوم سے خطاب کیا کرتے اور انھیں نبی کریم ﷺ کی بعثت کے متعلق بتاتے تھے۔ انھوں نے لوگوں کو بتایا کہ آخری نبی انھی کی نسل سے ہوں گے۔ وہ لوگوں کو نبی ﷺ کی پیروی اور ان پر ایمان لانے کا حکم بھی دیتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ یہی پہلے شخص تھے جنھوں نے عَرُوبہ نامی دن کا نام بدل کر جمعہ رکھا۔ بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ انھوں نے عروبہ نامی دن کا نام جمعہ نہیں رکھا بلکہ اس کا نام جمعہ اس وقت رکھا گیا جب اسلام آیا۔[5]

کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے أَمَّا بَعْدُ کے الفاظ بھی انھوں نے استعمال کیے۔[6] ان کی دو بیویاں اور تین بیٹے تھے: مَخْشِیَہ بنت شَیبان بن محارب سے مُرَّہ اور ہُصَیص پیدا ہوئے اور رَقاش بنت رُكبة بن بَلْبَلة بن کعب سے عدی پیدا ہوئے۔[7] کعب کے بیٹے عدی کی نسل سے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور ہُصیص کی نسل سے سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ تھے۔

مُرّہ بن کعب

ان کی کنیت ابو یَقَظَہ تھی۔ ان کی دو بیویاں اور تین بیٹے تھے: ہند بنت سریر بن ثعلبہ سے کلاب اور اسماء بنت سعد بن عدی سے یَقَظَہ اور تیم پیدا ہوئے۔[8]

خلیفۂ اول ابوبکر صدیق[9] اور طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہما[10] کا نسب تیم سے اور ام المؤمنین ام سلمہ،[11] خالد بن ولید رضی اللہ عنہما[12]

[1] أسد الغابة: 396/2 و 318/5، الطبقات لابن سعد: 52/8. [2] سبل الهدٰى والرشاد: 280/1. [3] أنساب الأشراف: 47/1.
[4] أنساب الأشراف: 47/1، سبل الهدٰى والرشاد: 278/1. [5] الروض الأنف: 26/1. [6] سبل الهدٰى والرشاد: 279/1.
[7] أنساب الأشراف: 53/1. [8] أنساب الأشراف: 53/1. [9] أسد الغابة: 20/3. [10] أسد الغابة: 490/2. [11] أسد الغابة: 453/5. [12] أسد الغابة: 98/2.

اور سعید بن مسیب رحمہ اللہ[1] کا سلسلۂ نسب ان کے پوتے مخزوم بن یقظہ سے جا ملتا ہے۔

کلاب بن مُرّہ

ان کا نام حکیم یا مُہذّب یا عروہ تھا۔ ان کی کنیت ابو زہرہ تھی۔ کلاب کلب کی جمع ہے جس کے معنی ''کتا'' یا ''کاٹنے والا درندہ'' کے ہیں۔ کلاب ان کا لقب تھا کیونکہ یہ کتوں سے شکار کرنے کے بہت شوقین تھے۔[2] کلاب آسمان پر ستاروں کے ایک مجموعے کا نام بھی ہے۔ وادی کے پانی میں پہلے اضافے کو بھی کلاب کہتے ہیں۔ اسی طرح گھوڑے کی پیٹھ پر خط کی صورت میں ابھری ہوئی ہڈی کو بھی کلاب کہتے ہیں۔ ایک اعرابی ابورُقیش کلابی سے پوچھا گیا: تم اپنے بیٹوں کے بُرے بُرے نام کلب، ذِئب (بھیڑیا) وغیرہ رکھتے ہو جبکہ اپنے غلاموں کے اچھے اچھے نام رکھتے ہو، جیسے: رباح (مفید)، مرزوق (آسودہ حال) وغیرہ، وہ کہنے لگا: ''ہم غلاموں کے نام اپنے لیے رکھتے ہیں تاکہ وہ ہمارے لیے مفید ثابت ہوں اور اپنے بیٹوں کے نام دشمنوں کے لیے رکھتے ہیں تاکہ وہ اُن کے لیے نقصان دہ ثابت ہوں۔''[3]

ان کے دو بیٹے: قُصَیّ اور زُہْرہ تھے۔[4] نبی کریم ﷺ کی والدہ آمنہ بنت وہب کا نسب زہرہ بن کلاب کے ذریعے سے آپ ﷺ کے نسب سے مل جاتا ہے۔[5]

قُصَیّ بن کلاب

ان کا اصل نام زید تھا۔ یہ ابھی ماں کی گود میں تھے کہ والد کا انتقال ہو گیا۔ ماں نے دوسرا نکاح بنوعذرہ کے ایک شخص ربیعہ بن حرام بن ضِنّہ (ضِبّہ) سے کر لیا۔ اس کا قبیلہ شام کی سرحد پر سکونت پذیر تھا۔ قصی نے اپنی ماں کے پاس وہیں پرورش پائی۔ وطن اور عزیز و اقارب سے دور ہونے کی وجہ سے ان کا نام قصی (وطن سے دور رہنے والا کم سن) پڑ گیا۔ ان کی والدہ کا نام فاطمہ بنت سعد بن سَیَل تھا۔[6]

ایک مرتبہ قصی اور ربیعہ کے خاندان کے ایک فرد کے درمیان کسی بات پر تنازع ہو گیا۔ وہ انھیں طعنہ دینے لگا: ''تم اپنی قوم میں کیوں نہیں چلے جاتے؟'' انھیں اس پر بڑا صدمہ پہنچا کیونکہ یہ تو ربیعہ ہی کو اپنا باپ اور اسی کے خاندان کو اپنا خاندان سمجھتے تھے۔ پوچھنے پر ان کی والدہ نے انھیں بتایا کہ تم تو انتہائی اعلیٰ خاندان کے چشم و چراغ ہو۔ یہ سن کر وہ فوراً مکہ جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ ان کی والدہ کہنے لگیں: اس وقت تمھارا جانا مناسب

---

[1] سير أعلام النبلاء: 217/4. [2] فتح الباري: 205/7، سبل الهدى والرشاد: 277,276/1. [3] الروض الأنف: 26/1.
[4] أنساب الأشراف: 54/1. [5] السيرة لابن إسحاق: 94/1. [6] أنساب الأشراف: 55/1.

نہیں۔ جب حرمت والے مہینوں کا آغاز ہو گا اور لوگ حج بیت اللہ کے لیے روانہ ہوں گے تو تم اُن کے ساتھ چلے جانا۔ قصی راضی ہو گئے اور حرمت والے مہینوں کا انتظار کرنے لگے۔ بالآخر یہ مکہ پہنچے، اپنے بڑے بھائی زہرہ سے ملے، وہ نابینا ہو چکے تھے۔ اُنھوں نے قصی کو اُن کی آواز سے پہچان لیا کیونکہ ان کی آواز بالکل اپنے باپ کلاب جیسی تھی۔

بیت اللہ قُصی کی تحویل میں

ان دنوں مکہ پر بنوخزاعہ کی حکومت تھی۔ قُصی نے حُلَیل بن حُبْشِیہ خزاعی سے اُس کی بیٹی حُبّٰی کا رشتہ مانگا۔ حُلَیل نے قُصی کے اعلیٰ نسب کے پیش نظر یہ رشتہ منظور کر لیا اور اپنی بیٹی قُصی سے بیاہ دی۔ مزید برآں بیت اللہ کا حق تولیت بھی اپنی بیٹی کو عطا کر دیا۔ بیٹی کے اس منصب کو قبول نہ کرنے پر اُس نے ابوغُبشان کو اپنا وکیل مقرر کیا۔ حلیل کے مرنے کے بعد ابوغُبشان (المحترش) نے حق وکالت قصی کے ہاتھ شراب کے ایک مشکیزے اور ایک مریل سے اونٹ کے بدلے فروخت کر دیا۔ اس طرح بیت اللہ پر قصی کا کنٹرول قائم ہو گیا۔

قصی نے مختلف مقامات پر بکھرے ہوئے قریش کے بادیہ نشینوں کو مکہ میں جمع کیا اور اپنی قوم اور اہل مکہ کے حکمران بن گئے۔ قصی نے اہل عرب کو اپنے اپنے رسم و رواج پر قائم رہنے کی آزادی دے دی کیونکہ وہ اِسے اُن کا حق اور اُن کا دین سمجھتے تھے۔ اسی نقطۂ نظر سے انھوں نے حج میں آلِ صفوان کی خدمت گزاری کا حق بھی بحال رکھا۔ [1]

ابن اسحاق کے مطابق عہدوں کی پرانی تقسیم کی رُو سے صفوان حج کے موقع پر لوگوں کو عرفات سے واپس جانے کی اجازت دیتا تھا۔ اس کے بعد ان کے بیٹے یہ ذمے داری ادا کرتے رہے حتی کہ اسلام کی عملداری شروع ہوئی۔ اس وقت اُن کا آخری شخص کَرِب بن صفوان یہ ذمہ داری نبھا رہا تھا۔ [2] اسی طرح قصی نے مزدلفہ سے حجاج کو واپس لانے کا حق بنوعَدْوان کے لیے محفوظ رکھا اور یہ حق ان کی کئی نسلوں تک متواتر باقی رہا۔ دعوت اسلام کے وقت ان کا آخری شخص ابوسیارہ (عمیلہ بن اَعْزَل) یہ فریضہ انجام دے رہا تھا۔ [3] اسلام آیا تو اُس نے جاہلیت کے تمام آثار اور رسوم و رواج ختم کر دیے اور حج کو ہر طرح کی خرافات اور بدعات سے آزاد کرا دیا۔

قریشِ مکہ کے پہلے باقاعدہ حکمران

قُصَیّ پہلے شخص تھے جنھوں نے اپنی قوم پر باقاعدہ حکومت کی۔ ان کی قوم نے بھی دل و جان سے ان کی حکومت

[1] سبل الهدٰى والرشاد: 274,273/1، الروض الأنف: 225,224/1. [2] السيرة لابن هشام: 121/1. [3] السيرة لابن هشام: 122/1.

قبول کی اور ان کے ہر حکم کی تعمیل کی۔ بیت اللہ کی نگرانی، دربانی، حجاج کو پانی پلانا، کھانا کھلانا، دارالندوہ کی صدارت اور جنگ کے وقت جھنڈے کی تفویض جیسے باوقار عہدے انھی کے پاس تھے۔ اُنھوں نے مکہ معظمہ کے اندر سکونت کے حوالے سے نئے سرے سے بندوبست کیا اور قریش کے سب قبیلوں کو منظم طریقے سے مکہ مکرمہ میں آباد کیا۔

پہلے قریش کے لوگ حدودِ حرم میں موجود اپنے اپنے گھروں کے اندر سے بھی درخت کاٹنے سے ڈرتے تھے مگر قصی نے اس وقت کی شدید ضرورت کی بنا پر اپنے حمایتیوں سے مل کر خود اپنے ہاتھ سے گھروں کے اندر کے درخت کاٹ کر اُن کا ڈر دور کیا۔ قریش کو باعزت اور منظم طریقے سے مکہ میں آباد کرنے کی وجہ سے لوگ قصی کو مُجَمِّع "جمع کرنے والے" کے لقب سے موسوم کرنے لگے۔ وہ اُن کی سربراہی کو بڑا بابرکت سمجھتے تھے۔ کسی کی شادی اُن کے مشورے کے بغیر نہیں ہوتی تھی۔ ہر پیش آنے والی مصیبت کا مداوا انھی کے گھر بیٹھ کر تلاش کیا جاتا تھا۔ لڑائی کی نوبت آتی تو قصی یا ان کی موجودگی میں ان کا کوئی لڑکا جھنڈا باندھنے کی رسم ادا کرتا۔ جب کوئی لڑکی بالغ ہو جاتی تو قصی کے گھر لڑکی کی ناپ کے مطابق قمیص تیار کی جاتی، پھر اُسے پہنا کر عزت و شفقت سے اس کے والدین کے حوالے کیا جاتا۔ غرض ان کی قوم ان کے ہر حکم کو دین کا حکم سمجھ کر اُس پر عمل پیرا ہوتی تھی۔

دارالندوہ کی تعمیر

قصی نے ایک دارالندوہ تعمیر کیا اور اس کا دروازہ خانہ کعبہ کی طرف رکھا۔ قریش اس میں بیٹھ کر اپنے تمام امور مشورے سے طے کرنے لگے۔[1] امام سُہَیلی رحمہ اللہ کہتے ہیں: "الندوۃ کا لفظ النَّدِیّ، النادی اور المنتدی سے ماخوذ ہے۔ یہ اس مجلس کو کہتے ہیں جس میں لوگ اپنے معاملات کا حل تلاش کرنے کے لیے بار بار جاتے ہیں اور کسی نہ کسی نتیجے پر پہنچ جاتے ہیں۔ دارالندوہ کی یہی عمارت بعد میں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے حکیم بن حزام بن خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی رضی اللہ عنہ کی ملکیت میں آ گئی۔ انھوں نے اسے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران میں ایک لاکھ درہم کے عوض فروخت کر دیا۔

معاویہ رضی اللہ عنہ نے انھیں ملامت کی: تم نے ایک ایسا گھر بیچ دیا جس سے تمھارے بزرگوں کے فخر و مباہات اور تعظیم کی داستانیں وابستہ ہیں۔ حکیم رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اسلام آنے کے بعد زمانۂ جاہلیت کے ہر طرح کے مفاخر مٹ گئے ہیں۔ اب عزت و وقار صرف تقویٰ سے حاصل ہو سکتا ہے۔ اللہ کی قسم! میں نے زمانۂ جاہلیت میں اسے شراب کے ایک مشکیزے کے بدلے خریدا تھا اور اب ایک لاکھ درہم میں بیچ دیا ہے۔ آپ گواہ رہیں کہ میں نے یہ ساری رقم اللہ

[1] السيرة لابن هشام :1/123-125، الروض الأنف:1/234,233، تاريخ الطبري :2/18,17.

کی راہ میں وقف کر دی ہے۔ اب بتائیے! نقصان میں کون رہا؟ [1]

سالانہ ٹیکس ''رفادہ'' کا نفاذ

قصی نے رفادہ کے نام سے قریش پر ایک سالانہ ٹیکس عائد کیا جس سے وہ نادار اور زادِ راہ سے محروم حاجیوں کے لیے کھانا تیار کرایا کرتے تھے۔ یہ ٹیکس قصی نے قریش پر یہ کہہ کر فرض کر دیا تھا: ''اے قریش! تم اللہ کے گھر کے ہمسائے اور اُس کے خادم ہو۔ حرم کے بسنے والے ہو جبکہ حجاج کرام اللہ کے مہمان اور اس کے گھر کی زیارت کرنے والے ہیں۔ یہ سب مہمانوں سے زیادہ عزت اور احترام کے مستحق ہیں۔ حج کے دنوں میں واپسی تک ان کے کھانے پینے کا انتظام کیا کرو۔'' قریش نے قصی کی اپیل منظور کر لی اور ہر سال باقاعدہ اسی مقصد کے لیے ٹیکس ادا کرنے لگے۔ اس سے قصی منٰی کے ایام میں حاجیوں کی ضیافت کرتے اور انھیں پرتکلف کھانا کھلاتے تھے۔ اسلام آنے تک یہ نظام کسی نہ کسی صورت میں جاری رہا، پھر یہ ذمہ داری اسلامی حکومت نے اُٹھالی۔ [2]

قُصی سے پہلے لوگ لؤی بن غالب کے کھدوائے گئے کنویں سے پانی پیتے تھے، یہ مکہ سے بہت دور تھا۔ دوسرا کنواں مرہ بن کعب نے عرفہ کے قریب کھدوایا تھا۔ کنویں دور ہونے کی وجہ سے اہل مکہ کو بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ اس کے علاوہ انھیں مختلف حوضوں اور وادیوں میں اکٹھا ہونے والا بارش کا پانی بھی استعمال کرنا پڑتا تھا۔ قصی نے اہل مکہ کی سہولت کے لیے ایک کنواں کھدوایا اور اس کا نام العَجُول رکھا۔ یہ پہلا کنواں تھا جو مکہ کے اندر کھودا گیا۔ [3]

عبدالدار کی جانشینی

قُصی کے ہاں حُبّیٰ بنت حُلَیل بن حُبْشِیَہ خزاعیہ سے چار بیٹے اور دو بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ بیٹوں کے نام عبدمناف، عبدالدار، عبدالعزیٰ، عبدقصی اور بیٹیوں کے نام تَخْمُر اور بَرّہ تھے۔ [4] قصی جب بوڑھے ہو گئے تو انھوں نے وہ سارے مناصب جن پر فخر کیا جاتا تھا، جیسے: بیت اللہ کی دربانی، علم برداری، سقایہ (حاجیوں کو پانی پلانا)، رفادہ (ٹیکس کی وصولی) اور حاجیوں کی ضیافتیں کرنے کا اہتمام، اپنے بڑے بیٹے عبدالدار کے سپرد کر دیے۔ [5]

غیر مسلم مؤرخین قصی کی کامیابی کو بہت بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں کہ یہی شخص تھا جس نے حکومت کو جمہوری اصولوں پر قائم کیا تھا۔ [6] درپردہ ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ نبیِ کریم ﷺ کی تعلیمات کو انھی اصلاحات کی تشریح و تجدید

---

[1] الروض الأنف: 235/1. [2] تاریخ الطبري: 19/2، السیرة لابن هشام: 130/1. [3] أنساب الأشراف: 58/1. [4] السیرة لابن إسحاق: 74/1، السیرة لابن هشام: 106,105/1. [5] السیرة لابن هشام: 130,129/1.

[6] The Life of Mohamet, William Muir: 1/295.

قرار دیں۔ لیکن جو شخص بھی تاریخ کا مطالعہ کرے گا، اُسے آسانی سے معلوم ہو جائے گا کہ قصی نے اپنی قابل افتخار وراثت کی تقسیم میں نہ انصاف کے اصولوں کا خیال رکھا نہ صلاحیتوں کا۔ انھوں نے سب کچھ اپنے بڑے بیٹے کے سپرد کر دیا۔ اسی لیے اُن کے بیٹوں کی اولاد کے درمیان شدید اختلافات پیدا ہو گئے۔

قصی مکہ میں فوت ہوئے اور الحجون میں دفن کیے گئے۔ [1]

عبدِ مَناف بن قُصَی

ان کا اصل نام مغیرہ تھا۔ ان کی والدہ حُبّٰی بنت حُلَیل بن حُبْشِیَہ نے ایک بت ''مناۃ'' سے اپنی عقیدت کی بنا پر انھیں عبد مناۃ کہنا شروع کر دیا۔ ان کے باپ قصی نے جب دیکھا کہ کنانہ کے بیٹے کا نام پہلے ہی عبد مناۃ رکھا جا چکا ہے تو اُس نے ان کا نام ایک اور بت کے نام پر عبد مناف رکھ دیا۔ یہ اسی نام سے مشہور ہو گئے اور ان کا اصل نام پس منظر میں چلا گیا۔ ان کی کنیت ابوشمس تھی۔ انھیں ان کے حسن و جمال کی وجہ سے قمر البطحاء، یعنی وادیِ بطحاء کا چاند بھی کہا جاتا تھا۔ [2]

عبد مناف کی تین بیویاں، پانچ بیٹے اور چھ بیٹیاں تھیں۔ عاتکہ کبریٰ بنت مُرَّہ بن ہلال کے بطن سے تین بیٹے: مطلب، ہاشم (عمرو)، عبد شمس اور پانچ بیٹیاں: تماضُر، بَرَّہ، حَیَّہ (حَنَّہ)، ہالہ اور قلابہ پیدا ہوئیں۔ دوسری بیوی وَاقِدہ بنت عامر بن عبد نُہم مازنِیّہ سے نوفل اور ابوعمرو (جن کا نام ابوعبید تھا) نے جنم لیا اور تیسری بیوی نافذہ سے ایک ہی بیٹی رَیطَہ پیدا ہوئی۔ [3]

ابن سعد کے مطابق عبد مناف کے چھ بیٹے اور چھ بیٹیاں تھیں۔ وہ ابوعبید کو چھٹا بیٹا شمار کرتے ہیں۔ [4] جبکہ ابن اسحاق کے مطابق ان کے چار بیٹے تھے۔ اُنھوں نے ابوعمرو اور ابوعبید کا واقدہ بنت عامر کے بیٹوں میں تذکرہ نہیں کیا۔ [5] ابن ہشام نے ابن اسحاق کی روایت نقل کرنے کے بعد بتایا: ''ان کا اس کے علاوہ ایک بیٹا ابوعمرو بھی تھا جس کی والدہ ریطہ ثقفیہ تھیں۔'' وہ مزید لکھتے ہیں: ''ان کی سب بیٹیوں کی ماں عاتکہ کبریٰ تھیں۔'' [6]

بنوعبد مناف اور بنوعبد الدار میں کشاکش

قصی کی زندگی میں ان کا ہر حکم قوم کے لیے حرفِ آخر کی حیثیت رکھتا تھا۔ کسی کو ان کے جاری کردہ نظام اور احکام پر تنقید کی مجال نہیں تھی۔ ان کے انتقال کے بعد کچھ عرصے تک ان کے بیٹے باہمی اتفاق کے ساتھ اسی راستے

[1] الکامل لابن الأثیر: 558/1. [2] تاریخ الطبري: 14/2، الروض الأنف: 25,24/1، سبل الهدٰی والرشاد: 272,271/1.
[3] أنساب الأشراف: 69/1. [4] الطبقات لابن سعد: 75/1. [5] السیرۃ لابن إسحاق: 74/1. [6] السیرۃ لابن هشام: 107/1.

پر گامزن رہے، پھر عبدمناف اور عبدالدار کے بیٹوں میں اختلاف پیدا ہوا۔ عبدمناف کی اولاد عبدالدار کے بیٹوں سے اس اعزاز میں سے اپنا حصہ حاصل کرنا چاہتی تھی جو انھیں اُن کے جدّ اعلیٰ کی طرف سے تفویض ہوا تھا۔

بنوعبد مناف مال و دولت، عز و شرف، اعلیٰ صلاحیتوں اور لوگوں میں مقبولیت کی وجہ سے اپنے آپ کو اس کا زیادہ اہل سمجھتے تھے۔ قریش کے دوسرے قبائل ان دونوں فریقوں کا ساتھ دینے کی وجہ سے دو دھڑوں میں تقسیم ہو گئے۔ کچھ عبدمناف کے ساتھ مل گئے اور بعض نے عبدالدار کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا۔ دونوں فریقوں نے اپنے اپنے حلیفوں سے بڑے پختہ عہد و پیمان کیے اور کہا:

''جب تک سمندر میں پانی کا ایک قطرہ بھی موجود ہے، وہ اپنے اپنے ساتھیوں کی مدد سے منہ موڑیں گے نہ اپنے حلیفوں کو دشمن کے رحم و کرم پر چھوڑیں گے۔''

عبدمناف کی ایک عورت خوشبو سے بھرا ہوا پیالہ لے آئی۔ سُہیلی نے زُبیر بن بکّار کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ عبد مناف کی جس خاتون نے پیالہ نکالا تھا، وہ رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی اُم حکیم بیضاء بنت عبدالمطلب تھیں۔ وہ آپ ﷺ کے والد عبداللہ کی جڑواں بہن تھیں۔[1] اس پیالے کو اُنھوں نے خانہ کعبہ کے پاس رکھا اور بنوعبد مناف اور ان کے حلیفوں سے عہد و پیمان کی پختگی کے لیے اس پیالے میں ہاتھ ڈبوئے۔ اسی وجہ سے وہ مُطَیَّبِین (معطر شدہ) کہلائے۔ دونوں طرف بڑے جوش و خروش سے لڑائی کی تیاری ہوتی رہی لیکن خوش قسمتی سے جنگ کی نوبت نہ آئی۔ ان میں مصالحت کی تحریک چلی۔ اس کے نتیجے میں سقایہ اور رفادہ کے عہدے بنوعبدمناف کو دے دیے گئے، جبکہ حجابہ، ندوہ اور لواء کے عہدے بدستور عبدالدار کے قبضے میں رہے۔ اس تقسیم پر دونوں فریق رضا مند ہو گئے اور قریش کے قبائل اسلام کی آمد تک بدستور اپنے اپنے حلیف فریق ہی کی دوستی پر قائم رہے۔[2] یہ حلف مثبت تھے۔ دونوں طرف کے حلیف اپنے دائرے میں رہ کر حجاج کے حوالے سے ضروری خدمات سرانجام دینے میں باہمی تعاون کرتے تھے۔ ایسے معاہدوں ہی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَاكَانَ مِنْ حِلْفٍ فِي الْجَاهِلِيَّةِ لَمْ يَزِدْهُ الْإِسْلَامُ إِلَّا حِدَّةً وَّشِدَّةً»

''(مختلف قبائل کے درمیان دوستی اور باہمی تعاون کے) جو معاہدے زمانۂ جاہلیت میں ہوئے تھے، اسلام نے ان کی مضبوطی اور استحکام میں اضافہ ہی کیا ہے۔''[3]

رسول اللہ ﷺ نے اسی معاہدے کی پابندی کرتے ہوئے پرانے سب انتظامات ختم ہو جانے کے باوجود بنوعبدالدار

[1] الروض الأنف:1/240. [2] السيرة لابن هشام:1/130-132 ، الروض الأنف :1/239، 240. [3] مسند أحمد:1/329.

ہی کو بیت اللہ کا کلید بردار رکھا۔


کعبہ کی چابی کا عکس

ہاشم بن عبدمناف

ہاشم کا نام عمرو اور انھیں عمرو العلا بھی پکارا جاتا تھا۔ العلا کے معنی اعلیٰ، بلند اور بزرگوار کے ہیں۔[1] ان کی کنیت ابونضلہ تھی۔[2] بیان کیا جاتا ہے: ''ہاشم اور عبدشمس جڑواں پیدا ہوئے تھے۔'' اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان میں سے ایک کی انگلی دوسرے سے جڑی ہوئی تھی۔ اسے علیحدہ کیا گیا تو اس میں سے خون بہنے لگا۔ بعض لوگوں نے اس سے یہ بدشگونی لی کہ ان کے درمیان خون ریزی ہوگی۔[3]

ہاشم کی وجہ تسمیہ

عمرو بن عبدمناف ہاشم کے لقب سے زیادہ معروف ہوئے۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ ایک موقع پر انھوں نے سنا کہ مکہ میں قحط پڑا ہوا ہے۔ اس وقت ہاشم مالِ تجارت لے کر شام گئے ہوئے تھے۔ واپسی پر آپ بہت سا آٹا اور روٹیاں خرید لائے اور مکہ پہنچ کر سب کو عمدہ کھانا کھلانا شروع کیا۔ گوشت اور شوربے میں روٹیاں توڑ کر ڈالی جاتیں۔ یہ عرب کی مشہور اور مرغوب ڈش ''ثرید'' تھی۔ ھشم خشک اور کھوکھلی چیز کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے معنی میں آتا ہے۔ اسی وجہ سے آپ کا نام ہاشم مشہور ہوگیا۔[4] ان کے بارے میں ایک شاعر عبداللہ بن زبعری کہتا ہے:

عَمْرُو الَّذِي هَشَمَ الثَّرِيدَ لِقَوْمِهِ قَوْمٍ بِمَكَّةَ مُسْنِتِينَ عِجَافِ
سُنَّتْ إِلَيْهِ الرِّحْلَتَانِ كِلَاهُمَا سَفَرُ الشِّتَاءِ وَرِحْلَةُ الْأَصْيَافِ

''یہ عمرو (ہاشم) ہی ہیں جنھوں نے قحط کی ماری ہوئی اپنی لاغر قوم کو مکہ میں روٹیاں توڑ کر شوربے میں ڈال کر کھلائیں اور سردی اور گرمی کے دونوں سفروں کا طریقہ انھی سے شروع ہوا۔''[5]

وہ ہر سال حج کے لیے آنے والوں کی بھی دعوت کیا کرتے تھے۔ زمزم کی کھدائی سے پہلے وہ چمڑے کے مشکیزے پانی سے بھر کر حجاج کے لیے رکھوا دیا کرتے تھے اور مکہ، منیٰ، مزدلفہ اور عرفات ہر جگہ ثرید، ستوؤں اور کھجوروں

[1] سبل الهدٰى والرشاد:268/1. [2] الكامل لابن الأثير:553/1. [3] تاريخ الطبري:13/2، البداية والنهاية:236/2.
[4] الطبقات لابن سعد:76,75/1. [5] السيرة لابن هشام:136/1.

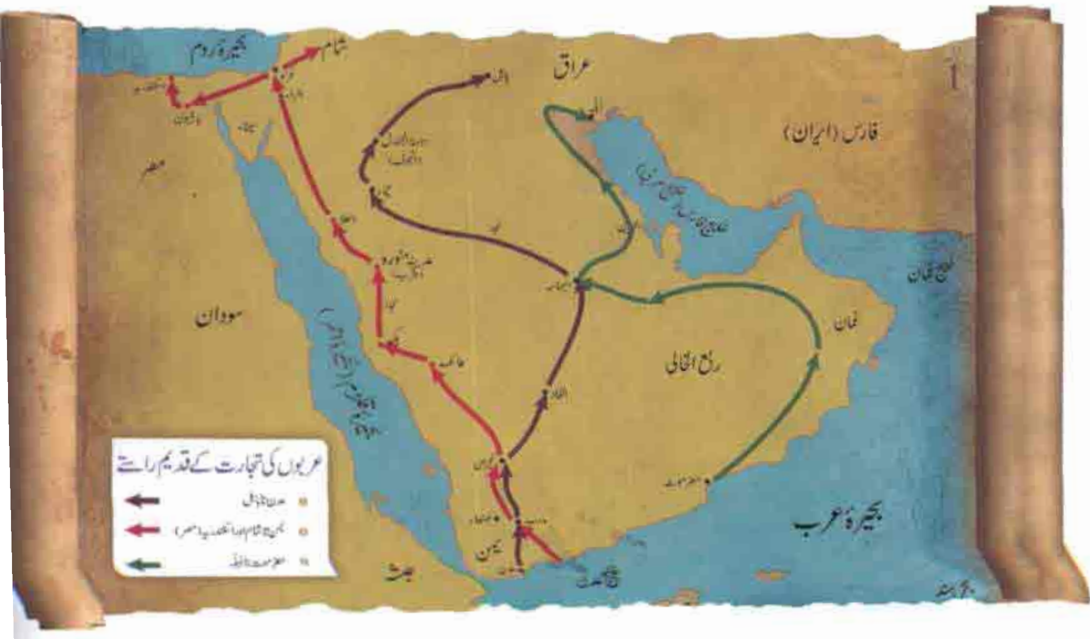
سے حجاج کرام کی ضیافت کیا کرتے تھے۔[1]

ہاشم کے سفر اور تجارتی معاہدے

ہاشم وہ پہلے شخص تھے جنھوں نے قریش کے لیے موسم سرما اور گرما میں دو علیحدہ علیحدہ تجارتی سفروں کا اہتمام کیا۔ انھوں نے اس مقصد کے لیے شاہِ حبشہ نجاشی اور شاہِ روم قیصر سے معاہدے کر کے اپنے تجارتی قافلوں کے لیے مراعات حاصل کیں۔ قیصر کے دربار میں ہاشم کو خصوصی مقام حاصل تھا۔ اُنھیں بہت سے تحفے تحائف سے نوازا جاتا تھا۔ سردیوں میں یہ تجارتی قافلے یمن اور حبشہ اور گرمیوں میں شام اور غزہ کی طرف جاتے تھے۔ بعض اوقات ان کی آخری منزل انگورہ (انقرہ) ہوتی تھی۔[2] اللہ تعالیٰ نے قریش کے ان دونوں سفروں کا تذکرہ قرآن مجید میں فرمایا ہے:

﴿ لِإِيلَافِ قُرَيْشٍ ۝ إِيلَافِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ ۝ فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَٰذَا الْبَيْتِ ۝ الَّذِي أَطْعَمَهُم مِّن جُوعٍ وَآمَنَهُم مِّنْ خَوْفٍ ۝ ﴾

''قریش کے مانوس ہونے کی وجہ سے، (یعنی) ان کے سردی اور گرمی کے سفر (سفرِ تجارت) سے مانوس ہونے



[1] سبل الہدیٰ والرشاد: 270/1۔ [2] الطبقات لابن سعد: 75/1 و 78۔


ابواء اور رابغ کے درمیان ہرشی نامی گھاٹی سے گزرتا ہوا راستہ جہاں سے مکہ کے تاجر شام جاتے تھے

کی وجہ سے، ان پر لازم ہے کہ وہ اس گھر (کعبہ) کے مالک کی عبادت کریں جس نے بھوک میں انھیں کھلایا اور خوف سے امن دیا۔“[1]

ایک مرتبہ ہاشم شام کی طرف جاتے ہوئے مدینہ کے بازار (نبط) سے گزرے۔ وہاں اُنھوں نے ایک انتہائی حسین وجمیل خاتون دیکھی۔ وہ خریداری میں مصروف تھی۔ ذہانت و فطانت اُس کے چہرے سے عیاں تھی۔ اُنھوں نے اس عورت کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ اُنھیں بتایا گیا: یہ سردارِ خزرج عمرو بن زید نجاری کی بیٹی سلمٰی ہے۔ پہلے اس کی اُحَیحَہ بن جُلاح سے شادی ہوئی تھی جس سے دو بیٹے عمرو اور معبد ہوئے، پھر دونوں میں علیحدگی ہو گئی۔ اس کے قبیلے والے اس کی قدرومنزلت کی وجہ سے شادی کے لیے یہ شرط عائد کرتے ہیں کہ یہ جب بھی چاہے گی، اسے نکاح ختم کرنے کا اختیار ہوگا۔

ہاشم نے سلمٰی کے والد کو نکاح کا پیغام بھیجا۔ اُنھوں نے ہاشم کے شرف اور اعلیٰ نسب کی وجہ سے ان کا پیغام قبول کر لیا۔ نکاح ہونے کے بعد مدینہ والوں اور اہلِ قافلہ کی ضیافت کی گئی۔ یہ قافلہ قریش کے مختلف قبائل، یعنی بنوعبدمناف، بنومخزوم اور بنوسہم کے چالیس افراد پر مشتمل تھا۔ قافلہ کئی دن وہاں ٹھہرا رہا، پھر اپنی منزل کی جانب روانہ ہو گیا۔ بعد میں سلمٰی بنت عمرو نے ایک لڑکے کو جنم دیا۔ اس بچے کے سر پر پیدائشی طور پر کچھ سفید بال تھے جن کی وجہ سے ان کی والدہ نے ان کا نام شیبہ رکھ دیا۔ شیبہ کے معنی ہیں: ”سفید بالوں والا۔“[2]

---

[1] قریش 106:1-4. [2] الطبقات لابن سعد :1/79,78، البداية والنهاية:2/236,235.

اُمیہ کا حسد اور جلا وطنی

امیہ بن عبد شمس بڑا مالدار آدمی تھا۔ اُس کے دل میں بھی شوق پیدا ہوا کہ وہ بھی ہاشم کی طرح لوگوں کی ضیافت کر کے نام کمائے لیکن وہ اس سے عاجز آ گیا۔ قریش کے لوگ امیہ کے عاجز آ جانے سے بڑے خوش ہوئے اور اس کی وجہ سے اسے معیوب ٹھہرایا تو امیہ کے دل میں ہاشم کے خلاف حسد اور بغض پیدا ہو گیا۔ اس کے نتیجے میں بالآخر دونوں میں جھگڑا ہوا۔ جب جھگڑا بڑھ گیا تو مکہ سے 75 کلومیٹر شمال کی جانب عسفان کے ایک کاہن کو منصف ٹھہرایا گیا۔ اس نے ہاشم کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ اس فیصلے کے نتیجے میں اُمیہ کو پچاس اُونٹ بطور تاوان دینے کے علاوہ دس سال کے لیے جلاوطن بھی ہونا پڑا۔[1]

امدادِ باہمی کی نادر مثال

ہاشم کے کارناموں میں ہمیں امدادِ باہمی کا ایک بے مثال نمونہ بھی ملتا ہے۔ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: قریش میں سے اگر کسی کا مال تباہ ہو جاتا تھا تو وہ کسی ویرانے میں خیمہ لگا لیتا تھا تاکہ دوسرے لوگ اُس کے فقر و فاقہ اور محتاجی سے آگاہ نہ ہو سکیں۔ ہاشم کو یہ بات معلوم ہوئی تو انھوں نے قریش سے کہا: تم مال و اسباب، مرتبے اور تعداد میں اہل عرب میں سب سے بڑھ کر ہو۔ اس کے باوجود تمھارے ہی کئی افراد مالی بحران میں مبتلا ہو جاتے ہیں، یہ اچھی بات نہیں، ہمیں اس کا کوئی حل ڈھونڈنا چاہیے۔ لوگ کہنے لگے: اگر آپ کے پاس اس مسئلے کا کوئی حل ہے تو بتائیے۔ وہ کہنے لگے: ہمیں سارے فقراء کو اپنے اہل و عیال کی طرح اپنے خاندان کا حصہ بنا لینا چاہیے اور اُنھیں اپنے مال اور تجارت میں شریک کر لینا چاہیے، اس طرح اُنھیں اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کا موقع مل جائے گا۔ سب لوگوں نے ہاشم سے اتفاق کیا اور یہ مسئلہ خوش اسلوبی سے حل ہو گیا۔[2]


مسجد سید ہاشم (غزہ) یہیں ہاشم کا مدفن ہے

شام کے ایک اور سفر کے دوران غزہ پہنچ کر ہاشم بیمار ہو گئے۔ یہ بیماری ان کے لیے جان لیوا ثابت ہوئی۔ اُن کے ساتھی اُنھیں وہیں دفن کر کے اُن کا ترکہ واپس لے آئے۔[3] عبد مناف کی

[1] الطبقات لابن سعد: 76/1، أنساب الأشراف: 68/1. [2] سبل الهدى والرشاد: 270,269/1. [3] البداية والنهاية: 236/2.

اولاد میں ہاشم سب سے پہلے فوت ہوئے۔[1] وفات کے وقت ہاشم کی عمر بیس یا راجح قول کے مطابق پچیس سال تھی۔[2] کہا جاتا ہے کہ اُن کا تجارتی ترکہ قبیلہ بنوعامر بن لؤی کے بیس سالہ نوجوان ابو رُہم بن عبدالعزّٰی بن ابو قیس لائے تھے۔[3]

اس سفر میں آپ کی بیوی سلمٰی بھی یثرب تک آپ کی شریکِ سفر رہی تھیں۔ ہاشم کا ارادہ تھا کہ شام سے واپسی پر انھیں اپنے ساتھ مکہ لے جائیں گے لیکن کاتبِ تقدیر کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ ہاشم کا یہ ارادہ پورا نہ ہو سکا اور وہ اپنے بچے کے ساتھ اپنے والدین ہی کے پاس مدینہ میں رہنے لگیں۔[4]

ہاشم نے پانچ عورتوں سے شادی کی جن سے چار بیٹے اور پانچ بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ سلمٰی بنت عمرو بن زید نجاریہ سے آپ کا بیٹا شیبۃ الحمد (عبدالمطلب) اور بیٹی رقیہ (جو بچپن ہی میں فوت ہوگئی) پیدا ہوئی۔ ہند بنت عمرو بن ثعلبہ خزرجیہ سے آپ کا بیٹا ابوصیفی اور بیٹی حَیّہ نے جنم لیا۔ قیلہ بنت عامر بن مالک خزاعیہ (ان کی بڑی جسامت کی وجہ سے انھیں جَزُور کہا جاتا تھا) کے بطن سے ایک ہی بیٹا اسد پیدا ہوا۔ امیمہ بنت عدی بن عبداللہ بن دینار قضاعیہ سے ایک بیٹا نضلہ اور ایک بیٹی شِفاء پیدا ہوئی اور واقدہ بنت ابوعُدَی مازنیہ سے دو بیٹیاں خالدہ اور ضعیفہ پیدا ہوئیں۔[5]

بیویوں اور اولاد کی مذکورہ تفصیل ابن ہشام کے مطابق ہے جبکہ طبقات ابن سعد میں ان کی ایک اور بیوی عُدَیّ بنت حبیب بن حارث ثقفیہ کا بھی ذکر ہے جن سے اُن کی بیٹی حَنّہ پیدا ہوئی۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ ہند بنت عمرو کے دو بیٹوں ابوصیفی اور صیفی کا ذکر کرتے ہیں جبکہ حیّہ کو اُن کی بیٹی شمار نہیں کرتے۔ اسی طرح وہ اُمیمہ کے تین بچوں: ایک بیٹے نضلہ اور دو بیٹیوں شفاء اور رقیہ کا ذکر کرتے ہیں۔

ابن سعد کی پیش کردہ محمد بن سائب کلبی کی روایت کے مطابق ہاشم کے پانچ بیٹے اور چھ بیٹیاں بنتی ہیں جبکہ کلبی کی روایت کے آغاز میں یہ عبارت بھی ہے: وَوَلَدُ هَاشِمِ بْنِ عَبْدِ مَنَافٍ أَرْبَعَةُ نَفَرٍ وَّخَمْسُ نِسْوَةٍ ''ہاشم بن عبدمناف کی اولاد چار بیٹوں اور پانچ بیٹیوں پر مشتمل ہے۔''[6] اس لیے ابن ہشام کی تفصیلات ہی درست معلوم ہوتی ہیں۔ ہاشم کی اولاد میں سے صرف عبدالمطلب (شیبہ) کی نسل باقی رہی۔[7]

---

[1] أعلام النبوة للماوردي:215/1. [2] أنساب الأشراف:70/1. [3] الطبقات لابن سعد:79/1، أنساب الأشراف :70/1.
[4] أنساب الأشراف:71/1. [5] السيرة لابن هشام :108,107/1، الطبقات لابن سعد:80,79/1. [6] الطبقات لابن سعد: 80,79/1. [7] الجمهرة لابن حزم، ص: 14، المعارف لابن قتيبة، ص:33.

عبدالمطلب بن ہاشم

نبی کریم ﷺ کے دادا عبدالمطلب کا نام شیبۃ الحمد اور کنیت ابو حارث اور ابوبطحا تھی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کا نام عامر اور لقب شیبہ تھا۔[1] امام سہیلی کہتے ہیں: ''درست بات یہی ہے کہ ان کا نام شیبہ ہے۔''[2] یہ انتہائی حسین و جمیل تھے۔ حذافہ بن غانم عدوی نے ان کے بارے میں کہا ہے:

وَأَوْلَادُهُ بِيضُ الْوُجُوهِ وُجُوهُهُمْ تُضِيءُ ظَلَامَ اللَّيْلِ كَالْقَمَرِ الْبَدْرِ

''ان (شیبہ) کی اولاد کے چہرے سفید ہیں۔ وہ چودھویں کے چاند کی طرح رات کی تاریکی کو روشن کردیتے ہیں۔''[3]

جب عبدالمطلب کے والد ہاشم کا انتقال ہوا تو یہ اپنی والدہ کے ساتھ اپنی ننھیال میں تھے۔ کئی سال تک وہیں مقیم رہے۔ ایک مرتبہ ثابت بن منذر بن حرام (شاعرِ رسول حسان رضی اللہ عنہ کا والد) عمرے کے لیے مکہ آیا تو اپنے دوست مُطّلب بن عبد مناف سے ملا اور ان سے کہا: اگر تم اپنے بھتیجے کو دیکھو تو تمھیں اُس میں خوبصورتی، ہیبت اور شرف کا حسین امتزاج نظر آئے گا۔ میں نے اُسے بچوں کے ساتھ تیر اندازی کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ خاندانی نجابت و شرافت اُس کے چہرے سے عیاں ہے۔

یہ بات سن کر مُطلب اُسی وقت اپنے بھتیجے کو لینے کے لیے روانہ ہوگئے۔ پہلے تو ان کی والدہ نے انکار کیا۔ مطلب نے کہا: انکار نہ کریں، میں اپنے بھتیجے کو ہر حال میں اپنے ساتھ مکہ لے کر جاؤں گا۔ اب یہ بالغ ہو چکا ہے اور یہاں اجنبی ہے، اسے اپنی قوم میں جانے دیں۔ یہ اعلیٰ حسب و نسب والا ہے، وہاں اس کا مقام و مرتبہ یہاں کی نسبت بہت بلند ہوگا۔ یہ جہاں بھی رہا، آپ ہی کا بیٹا ہوگا۔ جب سلمیٰ نے دیکھا کہ یہ اپنے بھتیجے کو لیے بغیر نہیں جائیں گے تو انھوں نے تین دن بچے کو اپنے پاس رکھنے کی اجازت طلب کی، چنانچہ تین دن کے قیام کے بعد مطلب انھیں اپنے ساتھ مکہ لے آئے۔

[1] سبل الهدیٰ والرشاد: 262/1. [2] الروض الأنف: 23/1. [3] أنساب الأشراف: 74,73/1.

عبدالمطلب کی وجہ تسمیہ

جب مطلب بچے کو سواری پر اپنے پیچھے بٹھائے ہوئے مکہ مکرمہ پہنچے تو لوگ یہ سمجھ کر کہ مطلب کوئی نیا غلام خرید لائے ہیں، کہنے لگے: هٰذَا عَبْدُ الْمُطَّلِبِ ''یہ مطلب کا غلام ہے۔'' یہ سن کر انھوں نے وضاحت کی: ''یہ میرے بھائی ہاشم کا بیٹا ہے۔ اس کا نام شیبہ بن عمرو ہے۔''[1]

ایک اور روایت میں عبدالمطلب کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی گئی ہے کہ جب مطلب انھیں لے کر واپس آرہے تھے تو مکہ میں داخل ہوتے وقت شیبہ اپنے چچا مطلب کے پیچھے اونٹ پر سوار تھے۔ شیبہ کے کپڑے سفر کی وجہ سے گرد آلود تھے۔ لوگوں نے مطلب سے دریافت کیا: ''یہ کون ہے؟'' مطلب نے حیا کی وجہ سے کہہ دیا: ''یہ میرا غلام ہے۔'' یہ بات انھوں نے اس لیے کہہ دی مبادا لوگ کہیں: ان کا بھتیجا ایسے میلے کپڑے کیوں پہنے ہوئے ہے؟ چنانچہ انھوں نے سب سے پہلے اُن کے لیے مکہ مکرمہ کے بازار حَزْوَرہ سے ایک عمدہ لباس خریدا، پھر اپنی بیوی خدیجہ بنت سعید بن سعد کے پاس لے کر گئے، پھر شام کو عمدہ لباس پہنا کر اُنھیں قریش کی مجلس میں لائے اور انھیں بتایا: ''یہ میرا بھتیجا ہے۔'' چونکہ مطلب نے پہلے ان کے متعلق کہا تھا: هٰذَا عَبْدِي اس وجہ سے لوگوں نے انھیں عبدالمطلب کہنا شروع کر دیا حتی کہ یہی نام ان کی پہچان بن گیا اور شیبہ متروک ہو گیا۔[2]

ابن سعد بیان کرتے ہیں: عبدالمطلب قریش میں سب سے زیادہ حسین و جمیل، انتہائی قوی، جسیم، بہت بُردبار، حد درجہ سخی اور کریم تھے۔ وہ شر اور فتنے سے دور بھاگتے تھے۔ کوئی بادشاہ بھی آپ سے ملتا تو آپ کی مسحور کن شخصیت کی وجہ سے عزت و احترام سے پیش آتا۔ آپ ساری زندگی قریش کے مُسلَّمہ سردار رہے۔[3] عبدالمطلب عرب میں پہلے شخص تھے جنھوں نے اپنے بالوں کو خضاب لگانا شروع کیا تھا۔ ان کے بال بچپن ہی سے سفید تھے۔ یہ یمن کے ایک بادشاہ کے پاس گئے تو اس نے بالوں کو خضاب لگانے کی طرف ان کی توجہ مبذول کرائی۔[4]

عبدالمطلب کی سیرت کے نمایاں اوصاف

عبدالمطلب کا جود و کرم اپنے باپ ہاشم سے بھی کہیں زیادہ بڑھا ہوا تھا۔ عبدالمطلب کی مہمان نوازی انسان تو انسان جانوروں اور پرندوں تک جا پہنچی تھی۔ اسی وجہ سے عرب اُنھیں فَیَّاض اور مُطْعِمُ طَيْرِ السَّمَاءِ ''آسمان کے پرندوں کو کھلانے والے'' کے لقب سے یاد کرتے تھے۔[5] زمانۂ جاہلیت میں چند افراد کے سوا ساری قوم شراب کی

---

[1] الطبقات لابن سعد: 83,82/1. [2] أنساب الأشراف: 72/1، سبل الهدٰى والرشاد: 263/1. [3] الطبقات لابن سعد: 85/1. [4] أنساب الأشراف: 73/1. [5] الشجرة الزكية، ص: 48,47.

رسیا تھی۔ امام رشاطی ؒ نے لکھا ہے کہ عبدالمطلب اُن معدودے چند افراد میں سے ایک تھے جو اپنے لیے شراب کو حرام سمجھتے تھے۔ [1]

حرب اور عبدالمطلب کے تنازع میں نُفَیل کا فیصلہ

علامہ بلاذری ؒ بیان کرتے ہیں: عبدالمطلب انتہائی بردبار، دانا اور انصاف کے علمبردار تھے۔ حرب بن اُمیہ بن عبدشمس ان کا ہم نوالہ وہم پیالہ تھا۔ عبدالمطلب کی پناہ میں اُذینہ نامی ایک یہودی رہتا تھا۔ وہ تہامہ کے بازار


تہامہ کا ایک قدیم علاقہ

میں خرید وفروخت کیا کرتا تھا۔ حرب کو یہ بات اچھی نہیں لگتی تھی۔ اُس نے قریش کے نوجوانوں کو ترغیب دی: اگر تم اس یہودی کو قتل کر کے اس کے مال پر قبضہ کر لو تو یہاں کوئی اُس کے خون کا مطالبہ کرنے والا ہے نہ اُس کا مال طلب کرنے والا۔

دو نوجوانوں ہاشم بن عبدمناف بن عبدالدار اور صخر بن عامر بن کعب نے حرب کی باتوں میں آ کر اُسے قتل کر دیا۔ عبدالمطلب کو اس جرم سے بہت تکلیف پہنچی۔ انھوں نے اس قتل کا سراغ لگا لیا اور حرب بن اُمیہ سے اُس یہودی کے قاتلوں کو پیش کرنے کا مطالبہ کیا۔ حرب نے قاتلوں کو چھپا دیا اور اُنھیں عبدالمطلب کے حوالے کرنے پر آمادہ نہ ہوا۔ دونوں کے درمیان تلخ کلامی بھی ہوئی۔ معاملہ سنگین نوعیت اختیار کر گیا تو ان دونوں نے نجاشی کو حَکَم مان لیا کہ وہ جو فیصلہ کرے گا، ہمیں منظور ہو گا لیکن نجاشی ان کا فیصل بننے کے لیے تیار نہ ہوا، پھر انھوں نے سیدنا عمر بن خطاب ؓ کے جد امجد نُفَیل بن عبدالعزّیٰ بن رِیاح کو حَکَم مان لیا۔ نفیل حرب سے مخاطب ہو کر کہنے لگے:

[1] سبل الهدیٰ والرشاد: 267/1.

"اے ابوعمرو! کیا تم ایک ایسے آدمی سے اختلاف کر رہے ہو جو قامت میں تم سے لمبا، صورت میں تم سے زیادہ حسین اور سرداری میں تم سے بڑھ کر ہے۔ اسے ملامت کرنے والے تم سے تھوڑے ہیں، اس کی اولاد تم سے زیادہ ہے۔ وہ صلہ رحمی میں تم سے بڑھ کر ہے اور اس کا دسترخوان تم سے وسیع تر ہے۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ تم حلیم ہو، تمھاری عرب میں شہرت ہے۔ تم دور اندیش ہو، تمھارے قبیلے والے تم سے محبت کرتے ہیں۔ لیکن تم ایک ایسے آدمی کے مقابلے میں آئے ہو جو تم سے بہت ممتاز ہے۔"

نفیل نے عبدالمطلب کے حق میں فیصلہ کر دیا لیکن حرب نے اُس کا فیصلہ تسلیم نہ کیا۔ عبدالمطلب نے یہ معاملہ عبداللہ بن جدعان کے سپرد کر دیا۔ عبداللہ بن جدعان حرب کے پیچھے پڑے رہے یہاں تک کہ مقتول یہودی کے چچازاد کو اس سے دیت دلوائی۔[1]

قصہ حذافہ عدوی کی رہائی کا

ایک مرتبہ جذام قبیلے کے لوگ حج کے لیے آئے تو اُن کا ایک فرد مکہ میں قتل کر دیا گیا۔ اُنھیں راستے میں حذافہ بن غانم عدوی ملا، اُنھوں نے اُسے گرفتار کر لیا۔ عبدالمطلب ابولہب کے ساتھ طائف سے واپس آئے تو اُنھیں اس ماجرے کا پتہ چلا، اُس وقت ان کی بینائی ختم ہو چکی تھی۔ عبدالمطلب نے بنوجذام سے کہا: تمھیں میری تجارت اور مال کا اندازہ ہے۔ میں حلف اُٹھاتا ہوں کہ تمھیں بیس اوقیہ سونا یا دس اونٹ یا جس پر تم راضی ہو، ادا کر دوں گا، تم حذافہ کو چھوڑ دو، میری یہ چادر تمھارے پاس گروی ہے۔ اُنھوں نے عبدالمطلب کی بات مانتے ہوئے حذافہ کو چھوڑ دیا۔ عبدالمطلب حذافہ کو اپنے ساتھ سواری پر بٹھا کر مکہ لے آئے اور اپنا وعدہ پورا کر دیا۔[2]

زم زم کے کنویں کی کھدائی

حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے ساتھ بیت اللہ کے پاس سب سے پہلے آباد ہونے والے بنوجرہم کی بے اعتدالیاں جب حد سے بڑھ گئیں، مکہ آنے والے حاجیوں پر اُن کے ظلم اور زیادتیوں میں بہت اضافہ ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے اُن سے اقتدار چھیننے اور اُنھیں مکہ سے نکالنے کے اسباب مہیا کر دیے۔ اُن کے آخری سردار عمرو بن حارث جرہمی نے کعبے کے نفیس اور قیمتی تحائف اور رکن یمانی کا پتھر چاہِ زمزم میں پھینک دیے اور چاہِ زمزم کو توڑ پھوڑ کر اس طرح بھرا کہ اس کا نشان ہی مٹا دیا اور خود یمن کی طرف بھاگ گیا۔ اس پر مدتیں بیت چکی تھیں۔ زمزم اور اُس

[1] أنساب الأشراف :82,81/1، المنمق في أخبار قريش، ص:63,62، سبل الهدیٰ والرشاد :264,263/1. [2] أنساب الأشراف :73/1.

کا محل وقوع لوگوں کے ذہنوں تک سے محو ہو گیا تھا۔[1] لیکن اب ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں سے وہ فرد فرید اس دنیا میں آنے والا تھا جو خود اور اس کے ماننے والے سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے بعد آبِ زمزم کے سب سے زیادہ حق دار تھے۔

عبدالمطلب کا خواب

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: عبدالمطلب کو خواب کے ذریعے سے اس جگہ کے کھودنے کا حکم دیا گیا اور اس جگہ کی علامات اور نشانات خواب ہی میں بتائے گئے۔ عبدالمطلب نے بیان کیا: میں حطیم میں سو رہا تھا۔ خواب میں ایک آنے والا میرے پاس آیا اور مجھ سے کہا: اِحْفِرْ بَرَّةَ ''برّہ کھودو۔'' میں نے دریافت کیا: وَمَا بَرَّةُ؟ ''برہ کیا ہے؟'' تو وہ شخص چلا گیا۔ اگلے روز میں پھر اسی جگہ سویا۔ میں نے پھر خواب میں دیکھا کہ وہ شخص کہہ رہا ہے: اِحْفِرِ الْمَضْنُونَةَ ''مضنونہ کھودو۔'' میں نے دریافت کیا: وَمَا الْمَضْنُونَةُ؟ ''مضنونہ کیا ہے؟'' وہ شخص جواب دیے بغیر چلا گیا۔

تیسرے روز پھر اسی جگہ خواب میں دیکھا کہ وہ شخص کہہ رہا ہے: اِحْفِرْ طَيْبَةَ ''طیبہ کھودو۔'' میں نے پوچھا: وَمَا طَيْبَةُ؟ ''طیبہ کیا ہے؟'' وہ شخص پھر چلا گیا۔ چوتھے روز پھر اسی جگہ یہ خواب دیکھا تو وہ شخص کہنے لگا: اِحْفِرْ زَمْزَمَ ''زمزم کھودو۔'' میں نے کہا: وَمَا زَمْزَمُ؟ ''زمزم کیا ہے؟'' اس نے جواب دیا: لَا تَنْزِفُ أَبَدًا وَلَا تُذَمُّ، تَسْقِي الْحَجِيجَ الْأَعْظَمَ ''وہ (کنواں ہے جس کا پانی) نہ کبھی ختم ہوگا نہ کبھی کم ہوگا اور وہ حاجیوں کی بہت بڑی تعداد کو سیراب کرے گا۔''

[1] سبل الهدٰی والرشاد: 187/1۔

زمزم کے کنویں کا ایک منظر

پھر اُس جگہ کے کچھ نشانات اور علامات بتائی گئیں کہ وہاں چیونٹیوں کا بل ہوگا اور وہ گوبر اور خون کے درمیان ہے جہاں سفید پروں والا ایک کوا چونچ مار رہا ہوگا۔ یہ جگہ دو بتوں اساف اور نائلہ کے درمیان تھی جہاں قریش اپنے جانوروں کو ذبح کیا کرتے تھے۔ اس طرح بار بار دیکھنے اور نشانات اُجاگر ہونے سے عبدالمطلب کو یقین ہوگیا کہ یہ خواب سچا ہے۔ یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کے والد جناب عبداللہ کی پیدائش سے پہلے پیش آیا۔

خواب کی عملی تعبیر

عبدالمطلب نے قریش کو اپنا خواب سنایا اور کہا: میرا ارادہ اس جگہ کو کھودنے کا ہے۔ قریش نے مخالفت کی مگر عبدالمطلب نے مخالفت کی کوئی پروا نہ کی۔ وہ اپنے بیٹے حارث کے ساتھ اس جگہ پہنچ گئے اور بتائے گئے نشان کے مطابق وہ جگہ کھودنی شروع کر دی۔ عبدالمطلب کھودتے جاتے تھے اور حارث مٹی اُٹھا اُٹھا کر پھینکتے جاتے تھے۔ تین روز کے بعد اُس کے کچھ آثار نظر آئے تو عبدالمطلب نے خوشی سے نعرہ لگایا: هٰذَا طَوِيُّ إِسْمٰعِيلَ ''یہی اسمٰعیل (علیہ السلام) کا کنواں ہے۔''

زم زم کی تولیت

قریش کو پتہ چلا کہ عبدالمطلب اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے ہیں تو وہ سب مل کر آئے اور کہنے لگے: اے عبدالمطلب! یہ کنواں ہمارے باپ اسماعیل (علیہ السلام) کا ہے۔ اس پر ہمارا بھی حق ہے، اس لیے اس کے جملہ حقوق میں ہمیں بھی شرکت کا موقع دو۔ عبدالمطلب نے جواب دیا: ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ یہ فضیلت میرے ہی لیے خاص کی گئی ہے۔ تمھارا اس میں کوئی حصہ نہیں۔ لیکن قریش اپنے دعوے پر اصرار کرتے رہے، آخرکار یہ طے پایا کہ اس جھگڑے کا فیصلہ بنو سعد ہذیم کی ایک کاہنہ سے کرایا جائے۔ یہ عورت شام کی سرحد کے پاس رہتی تھی۔

صحرائے شام میں قدرت کا معجزہ

عبدالمطلب اور قریش کے چند دیگر افراد کاہنہ کی طرف روانہ ہوئے۔ جب یہ قافلہ شام اور حجاز کے درمیان پہنچا تو ان کے پانی کا ذخیرہ ختم ہوگیا۔ جب صحرا کی شدید گرمی اور پیاس نے انھیں ستایا تو انھیں اپنی موت یقینی نظر آنے لگی۔ عبدالمطلب نے یہ صورت حال دیکھی تو اپنے ساتھیوں سے پوچھا: ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ وہ کہنے لگے: موجودہ اضطراب انگیز حالت میں تو ہماری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا، تم ہی کچھ بتاؤ۔ عبدالمطلب کہنے لگے: ہمیں باقی ماندہ توانائی مجتمع کر کے اپنی اپنی قبریں کھودنی چاہئیں۔ ہم میں سے جو شخص فوت ہو جائے، اُس کے ساتھی مل کر اُسے دفن



کر دیں یہاں تک کہ آخر میں جو شخص بچ جائے، وہ دفن ہونے سے رہ بھی جائے تو کوئی حرج نہیں۔ سب کے جثے ضائع ہونے سے بہتر یہی ہے کہ کوئی ایک ضائع ہو۔ انھوں نے کہا: تمھاری بات ٹھیک ہے، چنانچہ وہ سب اپنی اپنی قبر کھودنے لگے۔ انھیں موت سامنے دکھائی دے رہی تھی۔

اس کے بعد عبدالمطلب نے اُن سے کہا: اس طرح بیٹھ کر موت کا انتظار کرنے سے بہتر ہے کہ ہم پانی کی تلاش جاری رکھیں، ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ پانی کی طرف ہماری رہنمائی کر دے۔ وہ اس ارادے سے اپنی سواریوں کی طرف بڑھے۔ جب عبدالمطلب نے اپنے اونٹ کو اُٹھایا تو اُس کے پاؤں کے نیچے سے میٹھے پانی کا چشمہ جاری ہو گیا۔ یہ دیکھ کر سب نے بلند آواز سے ''اللہ اکبر'' کہا۔ انھوں نے خود بھی پانی پیا، اپنی سواریوں کو بھی پلایا اور اپنے مشکیزوں میں بھی بھر لیا، پھر وہ سب کہنے لگے: اے عبدالمطلب! ہمارے اور تمھارے درمیان فیصلہ ہو گیا ہے۔ اب اُس کاہنہ کے پاس جانے کی ضرورت نہیں۔ ہم تم سے زمزم کے بارے میں کبھی نہیں جھگڑیں گے۔ اب زمزم پر تمھارا ہی حق مسلّم ہے۔

سونے کے ہرن اور بابِ کعبہ

ابن ہشام کے مطابق زمزم کی کھدائی کے وقت سونے کے دو ہرن اور کچھ تلواریں اور زرہیں بھی ملیں۔ یہ دیکھ کر قریش نے کہا: اے عبدالمطلب! ان چیزوں پر ہمارا بھی حق ہے۔ عبدالمطلب نے ان چیزوں میں اُن کا حق تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور کہا: اگر تم حصہ لینے پر مُصر ہو تو آؤ فال کے تیر نکلوائیں۔ جس کا تیر نکل آئے، وہ حقدار ہو گا اور جس کا نہ نکلے، وہ محروم تصور کیا جائے گا۔ انھوں نے پوچھا: یہ فال گیری کیسے ہو گی؟ عبدالمطلب نے کہا: دو تیر کعبہ کے، دو میرے اور دو تمھارے لیے ہوں گے۔ جس کے تیر جس چیز پر نکل آئے، وہ چیز اسے مل جائے گی اور جس کے نہ نکلے، وہ اس سے محروم رہے گا۔ سب نے کہا: یہ ٹھیک ہے اور انصاف کی بات ہے۔



کعبہ شریف کا موجودہ دروازہ

اس پر عبدالمطلب نے دو زرد تیر کعبہ کے لیے اور دو سیاہ تیر اپنے لیے اور دو سفید تیر قریش کے لیے تیار کیے، پھر سب سے بڑے بت ہُبَل کے پاس جا کر وہ تیر پانسہ دار کے حوالے کیے اور خود عبدالمطلب کھڑے ہو کر دعا کرنے لگے۔ پانسہ دار نے فال نکالی تو کعبہ کے دو زرد تیر ہرنوں کے نام نکلے اور عبدالمطلب کے دو سیاہ تیر تلواروں اور زرہوں کے لیے نکلے مگر قریش کے تیر ناکام رہے۔ عبدالمطلب نے ان تلواروں سے بیت اللہ کا دروازہ بنا دیا اور سونے کے دو ہرن، جو کعبے کے حصے میں آئے تھے، انھیں پگھلا کر کعبے کا دروازہ سونے سے مرصّع کر دیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ کعبے کا دروازہ سونے سے مزین کیا گیا۔ عبدالمطلب نے زمزم کو بلاتخصیص سب لوگوں کے لیے وقف کر دیا۔[1]

بیٹے کی قربانی

عبدالمطلب جب کنواں کھود رہے تھے، اُس وقت اُن کا ایک ہی بیٹا حارث تھا۔ اس موقع پر جب قریش نے ان کا مذاق اُڑایا تو انھوں نے نذر مانی کہ اللہ تعالیٰ نے اگر انھیں دس بیٹے عطا کیے اور وہ ان کے لیے قوت کا ذریعہ بنے اور دشمن سے مدافعت میں کام آئے تو وہ ایک بیٹے کو کعبہ کے پاس ذبح کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے عبدالمطلب کو دس بیٹے عطا کر دیے۔ جب اُنھوں نے محسوس کیا کہ اب وہ مناسب قوت کے مالک ہو گئے ہیں اور دشمن کا آسانی سے مقابلہ کر سکتے ہیں تو انھوں نے سب لڑکوں کو جمع کیا۔ انھیں اپنی نذر سے آگاہ کیا اور نذر پوری کرنے کی ترغیب بھی دی۔ فرمانبردار بیٹوں نے باپ کی مرضی کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا اور پوچھا: اب یہ نذر پوری کرنے کی کیا صورت ہوگی؟ اُنھوں نے کہا: تم سب ایک ایک تیر پر اپنا اپنا نام لکھ کر لاؤ۔ جب سب نے اپنا اپنا نام لکھ کر تیر پیش کر دیے تو وہ ان سب بیٹوں کو لے کر ہُبَل بت کے قرعہ انداز کے پاس آئے اور اسے اپنی نذر سے آگاہ کر کے کہا: ان سے تیر لے کر قرعہ ڈالو۔ جس کے نام پر قرعہ نکلے گا، نذر پوری کرنے کے لیے اسے ذبح کر دیا جائے گا۔ عبدالمطلب کو اپنے بیٹوں میں سب سے زیادہ محبت عبداللہ سے تھی۔ اُن کی آرزو تھی کہ قرعہ ان کے نام نہ نکلے، اس لیے جب

[1] دیکھیے: السیرۃ لابن ہشام:1/143-147، السیرۃ لابن إسحاق:1/77-80، الطبقات لابن سعد :1/83-85.

قرعہ انداز نے سب سے تیر لے کر قرعہ ڈالنے کی تیاری کی تو عبدالمطلب ہبل کے پاس کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ سے دُعا کرنے میں مصروف ہو گئے۔ قرعہ انداز نے قرعہ نکالا تو وہ عبداللہ کے نام نکلا۔

عبدالمطلب نے نذر پوری کرنے کے لیے عبداللہ کا ہاتھ پکڑا، چھری سنبھالی اور انھیں لے کر ذبح کرنے کے لیے اِساف اور نائلہ کی طرف چل پڑے۔ قریش یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ وہ اپنی مجلسوں سے اُٹھے، بھاگے بھاگے آئے اور انھیں اس اقدام سے روکا۔ عبداللہ کے ماموں زاد مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو مخزومی کہنے لگے: اللہ کی قسم! جب تک بچاؤ کی تمام تدبیریں ناکام نہ ہو جائیں، تم اسے ذبح نہیں کر سکتے۔ اس کی جان بچانے کے لیے ہمیں اپنا سارا مال بھی قربان کرنا پڑا تو ہم دریغ نہ کریں گے۔

قرعہ اندازی اور 100 اونٹوں کی دِیَت

پھر وہ سب مل کر ایک کاہنہ کے پاس گئے اور اس سے اس مسئلے کا حل پوچھا۔ وہ بولی: ایک آدمی کے قتل کی تم کیا دیت دیتے ہو؟ سب نے بیک زبان کہا: ''دس اونٹ۔'' یہ سن کر وہ عورت بولی: تم اپنے گھر واپس جاؤ اور اس بچے اور دس اُونٹوں پر قرعہ اندازی کرو۔ اگر قرعہ بچے کے نام کا نکلے تو دس اُونٹ اور زیادہ کر کے پھر قرعہ ڈالو، اسی طرح دس دس اُونٹ بڑھاتے جاؤ۔ جب اُونٹوں کے نام قرعہ نکلے تو انھیں ذبح کر دو اور سمجھو کہ اللہ راضی ہو گیا ہے اور تمھارے بیٹے کی جان بچ گئی ہے۔

یہ لوگ کاہنہ کے پاس سے واپس آ گئے۔ عبدالمطلب ہبل کے پاس کھڑے ہو کر دُعا کرنے لگے۔ ادھر قریش نے عبداللہ اور دس اُونٹوں پر قرعہ ڈالا تو قرعہ عبداللہ کے نام نکلا، پھر وہ دس دس اُونٹ بڑھاتے گئے اور قرعہ نکالتے رہے مگر قرعہ عبداللہ ہی کے نام نکلتا رہا۔ جب اُنھوں نے سو اُونٹ پورے کیے تو قرعہ اونٹوں کے نام نکل آیا، اب اُنھوں نے اپنی تسلی کے لیے تین دفعہ قرعہ نکالا۔ تینوں مرتبہ اُونٹوں ہی پر قرعہ نکلا، چنانچہ سو اُونٹ ذبح کر دیے گئے اور ان کا گوشت سب کے لیے وقف کر دیا گیا۔ عبدالمطلب اور ان کی اولاد میں سے کسی نے بھی اس گوشت میں سے ایک بوٹی بھی نہ لی۔ جو شخص جتنا چاہتا، گوشت لے جاتا، کسی کے لیے ممانعت نہ تھی۔ اس کے بعد نہ صرف قریش بلکہ سارے عرب میں انسانی جان کی دیت سو اونٹ مقرر ہو گئی۔ [1] اسلام نے بھی اسی کو بحال رکھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ

[1] دیکھیے: السيرة لابن هشام: 1/151-155، الطبقات لابن سعد: 1/88، 89.

وَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ؕ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ؕ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۡ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝﴾

''اور کسی مومن کے لیے جائز نہیں کہ وہ دوسرے مومن کو قتل کرے، مگر غلطی سے (ہو جائے تو اور بات ہے) اور جو شخص کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دے، اس پر ایک مومن غلام آزاد کرنا اور مقتول کے رشتے داروں کو خون بہا ادا کرنا (لازم) ہے۔ ہاں، اگر وہ معاف کر دیں (تو اور بات ہے) پھر اگر وہ مقتول ایسی قوم میں سے ہو جو تمھاری دشمن ہو جبکہ وہ خود مومن ہو تو ایک مومن غلام آزاد کرنا (لازم) ہے۔ اور اگر وہ ایسی قوم میں سے ہو کہ تمھارے اور ان کے درمیان معاہدہ ہو چکا ہو تو اس کے وارثوں کو خون بہا دیا جائے گا اور ایک مومن غلام آزاد کرنا ہوگا، پھر جو شخص غلام آزاد کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو، وہ دو ماہ لگاتار روزے رکھے، یہ (کفارہ) اللہ کی طرف سے توبہ (قبول کرنے کا ذریعہ) ہے۔ اور اللہ خوب جاننے والا، بہت حکمت والا ہے۔''[1]

رسول اللہ ﷺ نے دیت کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

«مَنْ قَتَلَ [مُؤْمِنًا] مُتَعَمِّدًا دُفِعَ إِلٰى أَوْلِيَاءِ الْمَقْتُولِ، فَإِنْ شَاءُوا قَتَلُوا، وَإِنْ شَاءُوا أَخَذُوا الدِّيَةَ وَهِيَ ثَلَاثُونَ حِقَّةً وَّثَلَاثُونَ جَذَعَةً وَّأَرْبَعُونَ خَلِفَةً، وَمَا صَالَحُوا عَلَيْهِ فَهُوَ لَهُمْ»

''جو شخص جان بوجھ کر کسی مومن کو قتل کر دے، اُسے مقتول کے ورثاء کے حوالے کر دیا جائے گا۔ وہ چاہیں تو قصاص میں اُسے قتل کر دیں۔ اگر وہ دیت لینا چاہیں تو اُنھیں اس کا بھی اختیار ہے۔ (پھر آپ نے دیت میں اُونٹوں کی تعداد اور ان کی عمروں کی بھی وضاحت فرمادی) دیت اس طرح ہے: تیس حقہ (وہ اُونٹنیاں جو چوتھے سال میں داخل ہوں)، تیس جذعہ (جو پانچویں سال میں داخل ہوں) اور چالیس حاملہ اُونٹنیاں۔ دونوں فریق اس حوالے سے آپس میں کوئی مصالحت کر لیں تو انھیں اس کا حق حاصل ہے۔''[2]

جس طرح نبی کریم ﷺ کے جد اعلیٰ سیدنا اسماعیل علیہ السلام کو قربانی کے لیے پیش کیا گیا، آپ کے والد عبداللہ بن عبدالمطلب کو بھی قربانی کے لیے پیش کیا گیا تھا، اسی وجہ سے آپ ﷺ کو ابن الذبیحَیْن بھی کہا جاتا ہے۔[3] یہ الفاظ نبی کریم ﷺ سے مرفوعاً بھی بیان کیے گئے ہیں لیکن اس روایت کی سند ضعیف ہے۔[4]

[1] النسآء 4:92. [2] جامع الترمذي: 1387. [3] سبل الهدٰی والرشاد: 246/1. [4] السلسلة الضعيفة: 173,172/4، حديث: 1677.

عبدالمطلب کی اولاد

عبدالمطلب نے پانچ شادیاں کیں جن سے آپ کے دس بیٹے اور چھ بیٹیاں ہوئیں: 1 نُتیلہ بنت جناب بن کلیب خزرجیہ سے آپ کے دو بیٹے عباس اور ضرار نے جنم لیا۔ 2 ہالہ بنت وُہیب زہریہ سے حمزہ، مقوم، حجل (یاغیداق) اور ایک بیٹی صفیہ پیدا ہوئیں۔ 3 فاطمہ بنت عمرو بن عائذ مخزومیہ سے تین بیٹے عبداللہ (رسول اللہ ﷺ کے والد)، ابوطالب (عبدمناف)، زبیر اور پانچ بیٹیاں ام حکیم بیضاء، عاتکہ، اُمیمہ، اروی اور برہ پیدا ہوئیں۔ 4 سمراء بنت جندب ہوازنیہ سے ایک بیٹا حارث پیدا ہوا۔ 5 لُبنیٰ بنت ہاجر بن عبدمناف خزاعیہ سے ابولہب پیدا ہوا۔[1]

مذکورہ تفصیل ابن ہشام کے مطابق ہے جبکہ ابن سعد 12 بیٹوں کا ذکر کرتے ہیں۔ لیکن جب ہم ابن سعد کی بیان کردہ تفصیل دیکھتے ہیں تو اُس میں 12 کے بجائے 13 بیٹوں کے نام ہیں۔ سب سے بڑے بیٹے حارث تھے۔ دیگر بیٹوں میں عبدالکعبہ، قُثَم اور حجل کے علاوہ مصعب یا غَیداق بتائے گئے ہیں۔ قُثَم کی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ اُن کی والدہ کا نام نُتَیلہ تھا اور غیداق یا مصعب کی والدہ کا نام مُمَنَّعَہ بنت عمرو بن مالک خزاعیہ بتایا گیا ہے۔ ابن سعد اور بلاذری ﷭ نے حارث کی والدہ کا نام صفیہ بنت جُنیدب بن حُجَیر ہوازنیہ ذکر کیا ہے۔ ابن ہشام کی بیان کردہ بیویوں کی فہرست میں اس بیوی کا نام بھی شامل نہیں۔[2]

جدِّ رسول کی محبت اور وصیت

نبیِ کریم ﷺ کا نام ''محمد (ﷺ)'' عبدالمطلب ہی نے رکھا تھا۔ آپ ﷺ کی والدہ کی وفات کے بعد آپ کی کفالت کی ذمہ داری بھی انھی نے سنبھال لی تھی۔ عبدالمطلب کو نبیِ کریم ﷺ سے بے حد محبت تھی۔ عبدالمطلب نے مرض الموت میں ابو طالب کو بلا کر رسول اللہ ﷺ کی نگہداشت کرنے کی خصوصی وصیت کی۔ جب عبدالمطلب فوت ہوئے تو آپ ﷺ کی عمر آٹھ سال تھی۔[3]

نبی ﷺ دادا کی وفات پر رو دیے

عبدالمطلب کو الحجون میں دفن کیا گیا۔ وفات کے وقت اُن کی عمر 82 یا 85 سال تھی۔ بعض روایات میں اُن کی عمر 110 سال بتائی گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: ''کیا آپ کو عبدالمطلب کی وفات کے بارے میں

1 السيرة لابن هشام: 1/108-110. 2 الطبقات لابن سعد: 1/93,92، أنساب الأشراف: 1/96-99. 3 البداية والنهاية: 262/2، دلائل النبوة للبيهقي: 22/2، السيرة لابن إسحاق: 116/1.

کچھ یاد ہے؟'' تو آپ نے فرمایا:

«نَعَمْ، أَنَا يَوْمَئِذٍ ابْنُ ثَمَانِي سِنِينَ»

''ہاں! اُس وقت میری عمر 8 سال تھی۔''

ام ایمن بیان کرتی ہیں: ''میں نے عبدالمطلب کی وفات کے وقت رسول اللہ ﷺ کو عبدالمطلب کی چار پائی کے پیچھے روتے ہوئے دیکھا تھا۔''[1]

[1] الطبقات لابن سعد: 119/1، أنساب الأشراف: 93,92/1.


الحجون جہاں پر عبدالمطلب مدفون ہیں

عبداللہ بن عبدالمطلب

سردار عبداللہ بن عبدالمطلب کی والدہ کا نام فاطمہ بنت عمرو بن عائذ بن عمران بن مخزوم قرشیہ ہے۔[1] جناب عبداللہ انتہائی حسین اور اپنے والد کے چہیتے تھے۔[2] عرب میں ہر طرف عبدالعزیٰ، عبد مناۃ اور عبد وُدّ جیسے ناموں کی بھرمار تھی۔ لیکن اس مشرکانہ ماحول کے باوجود آپ کا نام عبداللہ رکھا گیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ ناموں میں سے ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَحَبُّ الْأَسْمَاءِ إِلَى اللّٰهِ عَبْدُاللّٰهِ وَعَبْدُالرَّحْمٰنِ، وَأَصْدَقُهَا حَارِثٌ وَهَمَّامٌ، وَأَقْبَحُهَا حَرْبٌ وَمُرَّةُ»

''اللہ کے ہاں پسندیدہ ترین نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں، سب سے سچے نام حارث (کمائی کرنے والا) اور ہمام (قصد و ارادہ کرنے والا) ہیں اور انتہائی ناپسندیدہ نام حرب (لڑاکا) اور مُرہ (کڑوا) ہیں۔''[3]

جناب عبداللہ کے متعلق عموماً یہ کہا جاتا ہے کہ آپ عبدالمطلب کی اولاد میں سب سے چھوٹے تھے۔[4] لیکن امام سہیلی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ بات ٹھیک نہیں کیونکہ حمزہ رضی اللہ عنہ جناب عبداللہ سے اور عباس رضی اللہ عنہ حمزہ رضی اللہ عنہ سے چھوٹے تھے، البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ عبدالمطلب کی اہلیہ فاطمہ بنت عمرو کی اولاد میں سب سے چھوٹے تھے۔[5]

عبداللہ بن عبدالمطلب کی قربانی کا ذکر گزر چکا ہے۔ قربانی کا معاملہ خوش اسلوبی سے طے ہونے کے بعد عبداللہ اپنے والد عبدالمطلب کے ساتھ واپس آ رہے تھے تو راستے میں انھیں اس زمانے کے بہت بڑے عالم، دانا اور آسمانی کتابوں کے ماہر ورقہ بن نوفل کی بہن ام قتال رقیہ بنت نوفل نے شادی کی پیش کش کی، انھوں نے اپنے بھائی ورقہ بن نوفل سے سن رکھا تھا کہ جناب عبداللہ کی نسل سے اس امت کا نبی پیدا ہوگا۔ بعض مؤرخین نے خاتون کا نام فاطمہ بنت مُرّ خثعمیہ ذکر کیا ہے۔[6] عبداللہ کہنے لگے: اس کے بارے میں میرے والد ہی فیصلہ کریں گے، میں اُن کی رائے کے خلاف نہیں جا سکتا۔

---

[1] السيرة لابن هشام: 109/1. [2] السيرة لابن هشام: 153/1. [3] سنن أبي داود: 4950. [4] السيرة لابن إسحاق: 86/1.
[5] الروض الأنف: 271/1. [6] السيرة لابن هشام: 156/1، الروض الأنف: 275/1، الطبقات لابن سعد: 96,95/1.

عبدالمطلب، عبداللہ کو وہب بن عبدمناف بن زہرہ کے پاس لے گئے اور اُن کے لیے وہب کی بیٹی آمنہ کا رشتہ طلب کیا۔ سیدہ آمنہ اُس وقت قریش کی خواتین میں نسب اور مرتبے کے اعتبار سے سب سے اعلیٰ شخصیت تھیں۔ ان کے والد نے اس رشتے کو منظور کرلیا اور سیدہ آمنہ کی شادی جناب عبداللہ سے کردی۔ یوں نبیِ کریم ﷺ پورے قریش میں والد اور والدہ دونوں جانب سے انتہائی نجیب اور عالی نسب ہیں۔ [1]

عبدالمطلب کا یمن میں ایک فیصلہ

امام سہیلی رحمہ اللہ جناب عبداللہ کی آمنہ بنت وہب سے شادی کا واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں: عبدالمطلب یمن آیا کرتے تھے اور یہاں ایک رئیس کے ہاں قیام کرتے تھے۔ ایک دفعہ وہ یمن آئے تو جس رئیس کے پاس انھوں نے قیام کیا، اس کے پاس ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ وہ قدیم آسمانی کتابوں کا مطالعہ کرتا رہتا تھا۔ وہ عبدالمطلب سے کہنے لگا: مجھے اجازت دیں۔ میں آپ کی ناک کا اچھی طرح معاینہ کروں۔ عبدالمطلب نے کہا: ''دیکھ لو!'' اس نے ان کی ناک دیکھنے کے بعد کہا: مجھے نبوت اور بادشاہت نظر آرہی ہے اور میں یہ نبوت اور بادشاہت دو منافوں میں دیکھتا ہوں۔ ایک عبدمناف بن قصی اور دوسرے عبدمناف بن زہرہ ہیں۔ عبدالمطلب جب یہ سن کر واپس مکہ پہنچے تو اپنے صاحبزادے عبداللہ کی شادی آمنہ بنت وہب سے کردی۔ [2]

شادی کے بعد جب عبداللہ کی ورقہ بن نوفل کی بہن سے دوبارہ ملاقات ہوئی تو شادی کی بات چلی۔ وہ کہنے لگیں: اب میں آپ سے شادی کے لیے تیار نہیں۔ پہلے میں اس وجہ سے آپ سے شادی کی آرزومند تھی کہ میں نے آپ کی آنکھوں کے درمیان ایک خاص طرح کا نور پھوٹتا ہوا دیکھا تھا جو اب نہیں، لہٰذا اب مجھے اس کی کوئی آرزو نہیں۔ [3]

ان کے علاوہ ایسی کئی عورتوں کا ذکر ملتا ہے جنھوں نے جناب عبداللہ کو شادی کی پیش کش کی تھی مگر ان کی شادی آمنہ بنت وہب سے ہو جانے کے بعد وہ کہنے لگیں: اب ہمیں آپ کی پیشانی میں وہ نور نظر نہیں آرہا جس کی وجہ سے ہم آپ سے شادی کرنے کی آرزومند تھیں۔ اس بات کی حتمی تصدیق کے لیے کوئی یقینی، عقلی یا نقلی دلیل دستیاب نہیں۔ [4]

---

1 السيرة لابن إسحاق:1/94. 2 الروض الأنف:1/274. 3 السيرة لابن هشام:1/157,156، السيرة لابن إسحاق:1/94، الطبقات لابن سعد:1/97,96. 4 السيرة النبوية للعمري:1/95,94.

نبی ﷺ اور حمزہ رضی اللہ عنہ کی ننھیال

جس دن عبداللہ کی شادی وہب کی بیٹی آمنہ سے ہوئی، اسی دن عبدالمطلب نے آمنہ بنت وہب کی چچا زاد بہن ہالہ بنت وُہَیب سے شادی کی۔ اس سے حمزہ بن عبدالمطلب پیدا ہوئے۔[1] سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی والدہ ہالہ کے والد وہیب اور نبی کریم ﷺ کے نانا وہب سگے بھائی تھے۔ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے چچا ہونے کے ساتھ ساتھ رشتے کی خالہ کے بیٹے اور رضاعی بھائی بھی تھے۔ ابولہب کی لونڈی ثُوَیبہ نے نبیِ کریم ﷺ اور سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ دونوں کو دودھ پلایا تھا۔[2]

پدرِ بزرگوار عبداللہ کی وفات

جناب عبداللہ بن عبدالمطلب قریش کے ایک قافلے کے ساتھ بغرضِ تجارت شام گئے۔ دورانِ سفر بیمار ہو گئے۔ واپسی پر یہ قافلہ مدینہ کے پاس سے گزرا تو عبداللہ بیمار ہونے کی وجہ سے مدینہ ہی میں اپنے والد عبدالمطلب کی ننھیال بنوعدی بن نجار کے ہاں ٹھہر گئے۔ قافلہ مکہ پہنچا تو عبدالمطلب نے اپنے بیٹے کے بارے میں پوچھا، قافلے والوں نے بتایا: وہ بیمار تھے، اس لیے واپسی پر مدینہ ٹھہر گئے ہیں۔ عبدالمطلب نے اپنے سب سے بڑے بیٹے حارث کو عبداللہ کی خبر لینے بھیجا لیکن حارث کے پہنچنے سے پہلے عبداللہ فوت ہو چکے تھے اور انھیں دارالنابغہ میں دفن کر دیا گیا تھا۔ حارث نے واپس آ کر یہ افسوس ناک خبر دی تو عبدالمطلب، اُن کے بھائی، بیٹے، بھتیجے غرضیکہ سارا خاندان انتہائی غم زدہ ہو گیا۔ وفات کے وقت عبداللہ کی عمر پچیس سال تھی اور رسول اللہ ﷺ اس وقت شکمِ مادر میں تھے۔[3]

واقدی رحمہ اللہ کہتے ہیں: عبداللہ کی وفات اور اُن کی عمر کے بارے میں یہ روایت سب سے زیادہ صحیح ہے۔ کلبی اور عوانہ بن حکم کا خیال ہے کہ جب عبداللہ فوت ہوئے تو نبیِ کریم ﷺ کی عمر 28 ماہ تھی۔ بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ آپ کی عمر سات ماہ تھی۔ ابن سعد کہتے ہیں: صحیح بات وہی ہے جو پہلے بیان کی گئی ہے کہ عبداللہ کی وفات کے وقت آپ ﷺ شکمِ مادر میں تھے۔[4] اس کے علاوہ بھی جناب عبداللہ کی عمر کے بارے میں مختلف اقوال ہیں، مثلاً: 28،25،30 اور 18۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے 18 برس کو ترجیح دی ہے۔[5]

حضرت آمنہ کا مرثیہ

جب حضرت آمنہ کو عبداللہ کی وفات کی خبر ملی تو اُنھوں نے اپنے غم کا اظہار ان اشعار کے ذریعے سے کیا:

[1] الطبقات لابن سعد:1/95. [2] أسد الغابة:2/50. [3] الطبقات لابن سعد:1/99، المستدرك للحاكم:2/605، حديث: 4191. [4] الطبقات لابن سعد:1/99,100، سبل الهدى والرشاد:1/331. [5] شرح الزرقاني على المواهب:1/204.

عَفَا جَانِبُ الْبَطْحَاءِ مِنِ ابْنِ هَاشِمٍ وَجَاوَرَ لَحْدًا خَارِجًا فِي الْغَمَاغِمِ
دَعَتْهُ الْمَنَايَا دَعْوَةً فَأَجَابَهَا وَمَا تَرَكَتْ فِي النَّاسِ مِثْلَ ابْنِ هَاشِمِ
عَشِيَّةَ رَاحُوا يَحْمِلُونَ سَرِيرَهُ تَعَاوَرَهُ أَصْحَابُهُ فِي التَّزَاحُمِ
فَإِنْ يَكُ غَالَتْهُ الْمَنَايَا وَرَيْبُهَا فَقَدْ كَانَ مِعْطَاءً كَثِيرَ التَّرَاحُمِ

''مکہ کی سرزمین ابن ہاشم سے خالی ہوگئی۔ اب وہ مکہ سے باہر شور وغل والی جگہ میں قبر کے مکین بن گئے ہیں۔ موت نے اُنھیں بلایا تو اُنھوں نے اُس کی دعوت قبول کر لی۔ موت نے لوگوں میں ابن ہاشم جیسا کوئی نہیں چھوڑا۔ پچھلے پہر لوگ اُن کی چارپائی اُٹھا کر چلے، ان کے ساتھی ہجوم کی صورت میں ان کے اردگرد جمع تھے۔ اگرچہ موت اور حوادثِ زمانہ نے ان کا خاتمہ کر دیا لیکن (ان کے کردار کے نقوش نہیں مٹائے جاسکتے کیونکہ) وہ بہت زیادہ عطا کرنے والے، رحم دلی کرنے والے تھے۔''[1]

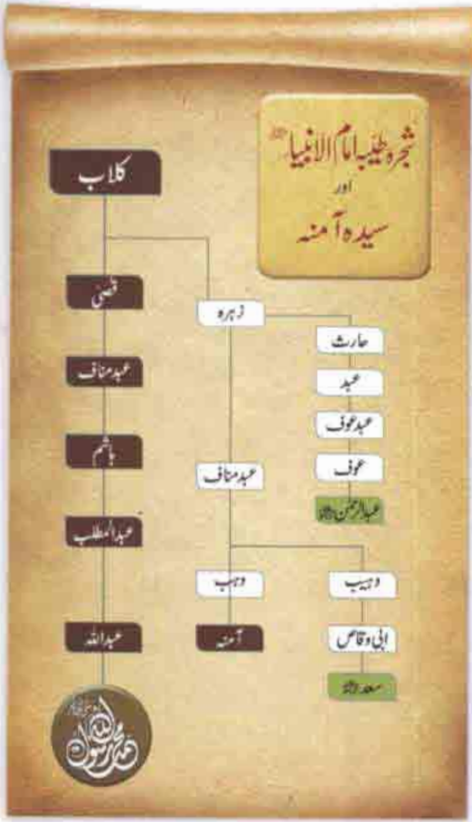
عبداللہ کا ترکہ

عبداللہ کا ترکہ ایک سیاہ فام لونڈی ام ایمن، پانچ اُونٹ اور چند بکریوں پر مشتمل تھا۔ یہی ام ایمن تھیں جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنی آغوش میں کھلایا تھا۔[2]

1 الطبقات لابن سعد: 100/1. 2 الطبقات لابن سعد: 100/1، الإصابة: 8/358-360.

آمنہ بنت وہب

حضرت آمنہ بنت وہب بن عبد مناف کی والدہ کا نام برّہ بنت عبدالعزیٰ بن عثمان بن عبدالدّار بن قُصَیّ ہے۔ [1] حضرت آمنہ کے والد وہب بنو زُہرہ کے سردار تھے۔ انھیں قریش میں انتہائی عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ آمنہ نے اپنے چچا وُہَیب کے ہاں پرورش پائی۔ وُہَیب بھی اپنے بھائی کی طرح انتہائی معزز سردار تھے۔ حضرت آمنہ کا نسب اُن کی چوتھی پشت میں کلاب پر جناب عبداللہ کے نسب سے مل جاتا ہے۔ زُہرہ قُصَی کے حقیقی بھائی تھے۔ یہ قصی سے بڑے تھے اور یہ دونوں کلاب کے بیٹے تھے۔ حضرت آمنہ اپنی والدہ سے جناب وہب کی اکیلی بیٹی تھیں۔ آمنہ کے والد وہب کی ایک اور بیوی ضعیفہ بنت ہاشم بن عبد مناف سے اُن کے دو بیٹے عبد یغوث اور عبید یغوث تھے۔ [2] نبیِ کریم ﷺ کا کوئی حقیقی ماموں نہ تھا، البتہ یہ دونوں آپ کے سوتیلے ماموں تھے۔ بنو زہرہ کے لوگ کہا کرتے تھے کہ ہم نبیِ کریم ﷺ کے ماموں ہیں کیونکہ حضرت آمنہ بنو زہرہ سے تھیں۔ [3] نبی کریم ﷺ کو یہ تعلق بہت عزیز تھا۔ آپ اس تعلق کا گاہے گاہے ذکر فرماتے تھے۔ [4] عشرہ مبشرہ میں شامل مشہور صحابی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا تعلق بھی بنو زہرہ سے تھا۔ وہ رسول اللہ ﷺ پر جان چھڑکتے تھے۔ [5] ایک مرتبہ وہ نبی کریم ﷺ



[1] السيرة لابن هشام:1/156، المنمق في أخبار قريش، ص:27. [2] شرف المصطفٰى:1/340، ذخائر العقبٰى:1/258، المنمق في أخبار قريش، ص:27. [3] السيرة لابن حبان :1/39. [4] ذخائر العقبٰى :1/258. [5] سير أعلام النبلاء : 1/91،92.

کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا:

«هٰذَا خَالِي فَلْيُرِنِي امْرُؤٌ خَالَهُ»

''یہ میرے ماموں ہیں۔ کسی کا ماموں ان جیسا ہو تو مجھے دکھائے۔'' [1]

مبارک و مسعود بچہ

حضرت آمنہ کو خواب میں بتایا گیا تھا کہ اپنے پیدا ہونے والے بچے کا نام احمد رکھیں۔ امام ابن سعد یہ روایت بیان کرتے ہیں:

أُمِرَتْ آمِنَةُ، وَهِيَ حَامِلٌ بِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، أَنْ تُسَمِّيَهُ أَحْمَدَ.

''رسول اللہ ﷺ ابھی والدہ کے پیٹ ہی میں تھے کہ آپ کی والدہ آمنہ کو حکم دیا گیا کہ اس بچے کا نام احمد رکھیں۔'' [2]

اس خواب کے بعد حضرت آمنہ کو یقین ہو گیا تھا کہ ان کے بطن سے جنم لینے والا بیٹا نہایت مبارک و مسعود ہو گا، چنانچہ جب حلیمہ سعدیہ نے رسول اللہ ﷺ کو لینے سے محض اس لیے تأمل کیا کہ آپ یتیم ہیں تو حضرت آمنہ نے فرمایا: ''اے دایہ! اس بچے سے مطمئن رہ، عنقریب اس کی شان بہت بلند ہو گی۔'' حلیمہ بچے کو لے کر چلیں تو رخصت کرتے ہوئے سیدہ آمنہ کے دل کی دعائیں ان اشعار میں ڈھل گئیں:

أُعِيذُهُ بِاللّٰهِ ذِي الْجَلَالِ مِنْ شَرِّ مَا مَرَّ عَلَى الْجِبَالِ
حَتّٰى أَرَاهُ حَامِلَ الْحِلَالِ وَيَفْعَلَ الْعُرْفَ إِلَى الْمَوَالِي
وَغَيْرِهِمْ مِّنْ حَشْوَةِ الرِّجَالِ

''میں اپنے بچے کو اللہ ذوالجلال کی پناہ میں دیتی ہوں، اُس شر سے جو پہاڑوں پر واقع ہوا یہاں تک کہ میں اسے اونٹ پر سوار دیکھوں اور دیکھ لوں کہ وہ غلاموں اور ان کے علاوہ درماندہ لوگوں کے ساتھ احسان کرنے والا ہے۔'' [3]

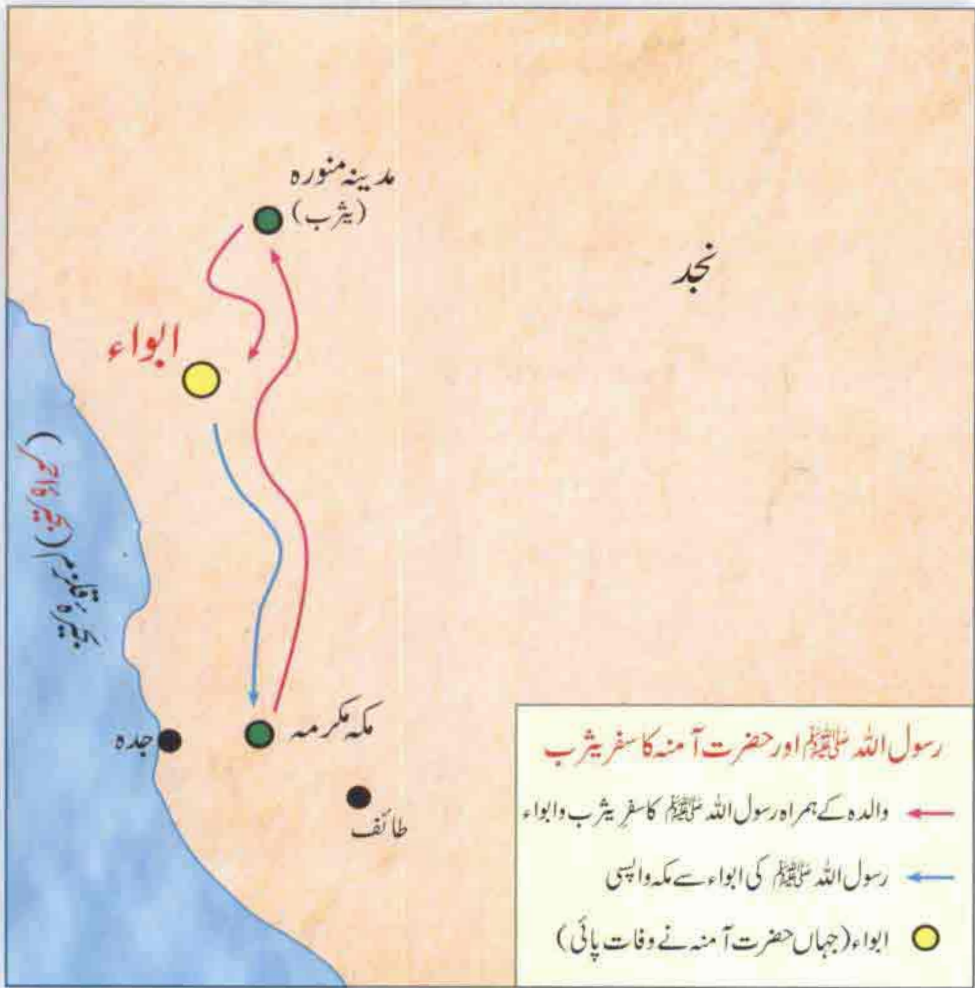
حضرت آمنہ کی وفات

جب نبی کریم ﷺ چھ سال کی عمر کو پہنچے تو آپ کی والدہ ماجدہ آمنہ آپ کو آپ کی ننھیال سے ملانے کے لیے

[1] جامع الترمذي: 3752۔ [2] الطبقات لابن سعد: 104/1۔ [3] الطبقات لابن سعد: 111/1۔

مدینہ منورہ تشریف لے گئیں۔ اس سفر میں سواری کے لیے دو اونٹ تھے۔ ام ایمن بھی شریکِ سفر تھیں۔ حضرت آمنہ نے وہاں ایک مہینے تک دارالنابغہ میں قیام کیا جہاں جناب عبداللہ مدفون تھے۔ [1]

بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ حضرت آمنہ رسول اللہ ﷺ کو ساتھ لے کر غالباً اس لیے مدینہ گئی تھیں کہ وہاں وہ اپنے خاوند اور ان کے فرزند اپنے والد عبداللہ بن عبدالمطلب کی قبر کی زیارت کرسکیں۔ [2] آمنہ اپنے عزیزوں سے ملاقات کے بعد رسول اللہ ﷺ کو واپس مکہ مکرمہ لا رہی تھیں کہ اسی دوران میں بیماری نے آلیا۔ بیماری شدت اختیار کرتی گئی یہاں تک کہ آپ مکہ اور مدینہ کے درمیان ابواء کے مقام پر فوت ہوگئیں اور آپ کو وہیں دفن کر دیا گیا۔ [3]



[1] الطبقات لابن سعد: 116/1. [2] دیکھیے: محاضرات تاریخ الأمم الإسلامية: 61/1. [3] الطبقات لابن سعد: 116/1.


ابواء کا علاقہ

ابواء مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ جانے والی شاہراہ پر مدینہ کے جنوب میں تقریباً 200 کلومیٹر اور اہل شام کے میقات جُحفہ سے تقریباً 45 کلومیٹر کے فاصلے پر بنوخزاعہ اور بنوضمرہ کے علاقے الفُرع میں ہے۔ بکثرت سیلاب آنے کی وجہ سے اس کا نام ابواء پڑ گیا۔ یہاں ایک چھوٹی سی پہاڑی پر سیدہ آمنہ کی قبر ہے۔[1]

والدہ کی قبر کی زیارت

ایک مرتبہ نبیِ کریم ﷺ اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے۔ امام مسلم نے اپنی صحیح میں یہ واقعہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

زَارَ النَّبِيُّ ﷺ قَبْرَ أُمِّهِ، فَبَكَى وَأَبْكَى مَنْ حَوْلَهُ.

"نبیِ کریم ﷺ نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی۔ (اس موقع پر) آپ روئے اور آپ نے اپنے اردگرد موجود لوگوں کو بھی رلا دیا۔"

پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

«اِسْتَأْذَنْتُ رَبِّي فِي أَنْ أَسْتَغْفِرَ لَهَا فَلَمْ يُؤْذَنْ لِي، وَاسْتَأْذَنْتُهُ فِي أَنْ أَزُورَ قَبْرَهَا فَأَذِنَ

[1] معجم البلدان، مادة: أبوى، تاريخ المكة المكرمة، محمد عبدالمعبود، ص:215-219.



لِي، فَزُورُوا الْقُبُورَ، فَإِنَّهَا تُذَكِّرُكُمُ الْمَوْتَ»

''میں نے اپنے رب سے اپنی والدہ کی مغفرت کے لیے دعا کی اجازت مانگی تو مجھے اجازت نہ ملی۔ میں نے اُن کی قبر پر جانے کی اجازت مانگی تو مل گئی، چنانچہ تم قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ یہ تمھیں موت کی یاد دلاتی ہیں۔''[1]

حضرت آمنہ جب فوت ہوئیں تو ان کی عمر تیس سال کے قریب اور نبیِ کریم ﷺ کی عمر چھ سال تھی۔[2] ممتاز سیرت نگار محمود شاکر لکھتے ہیں: ''وفات کے وقت نبیِ کریم ﷺ کے والد اور والدہ دونوں کی عمر تیس سال سے کم تھی۔''[3]

[1] صحیح مسلم: 976. [2] الشجرة الزكية، ص: 155. [3] السيرة النبوية لمحمود شاكر، ص: 72.

باب 2

رسول اللہ ﷺ کے ظہور کی عظیم نشانیاں

ابرہہ کی مکہ مکرمہ پر ناکام چڑھائی، نبی کریم ﷺ کے دادا عبدالمطلب کا جرأت مندانہ کردار اور رسول اللہ ﷺ کے ظہور کی دیگر عظیم الشان علامات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحٰبِ الْفِيلِ

أَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِي تَضْلِيلٍ

وَأَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا أَبَابِيلَ

تَرْمِيهِم بِحِجَارَةٍ مِّن سِجِّيلٍ

فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّأْكُولٍ

''اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔ (اے نبی!) کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟ کیا اس نے ان کی چال کو بے کار نہیں کر دیا؟ اور اس نے ان پر جھنڈ کے جھنڈ پرندے بھیجے۔ جو ان پر کھنگر کی کنکریاں پھینک رہے تھے۔ پھر اللہ نے انھیں کھائے ہوئے بھوسے کی طرح کر دیا۔'' (الفیل 105:1-5)

اس باب میں

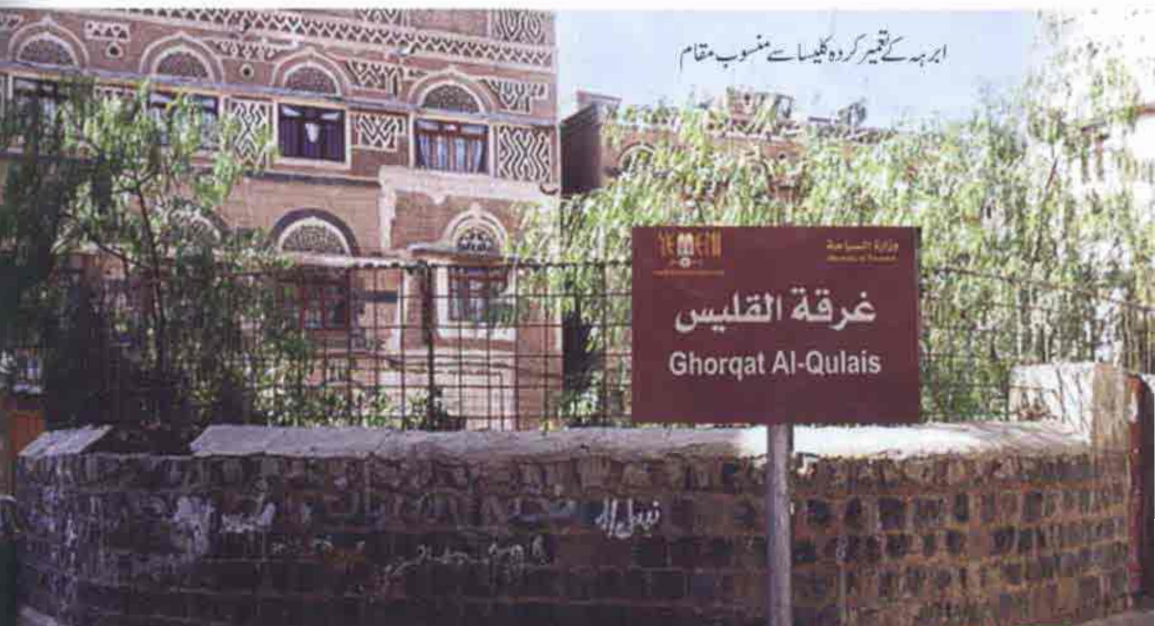
اس باب میں مسیحی بادشاہ ابرہہ الاشرم کی طرف سے صنعاء میں گرجے کی تعمیر، حجِ کعبہ کو روکنے کے اعلان اور پھر تخریبی ارادے سے مکہ مکرمہ کی طرف پیش قدمی، طائف میں بنوثقیف کے تعاون، ابرہہ کے روبرو سردارِ قریش عبدالمطلب کی کھری کھری بے باک گفتگو، اہلِ مکہ کے شہر چھوڑ جانے کا واقعہ، سردارانِ قریش کی حرم میں دعاؤں، سردار عبدالمطلب کے دعائیہ اشعار اور ابابیلوں کے ذریعے سے یمنی فوج کی تباہی کے احوال وظروف بیان کیے گئے ہیں، مزید برآں دیگر کئی اہم نشانیوں کی حقیقت بھی اسی باب میں بہ تمام وکمال بیان کر دی گئی ہے جو خاتم النبیین محمد ﷺ کے ظہورِ مبارک کا پیش خیمہ ثابت ہوئیں۔

واقعۂ اصحابِ فیل

چھٹی صدی عیسوی کے آغاز میں نجران میں یمن کے حمیری فرمانروا ذونواس نے عیسائیوں پر جوظلم کیا، اس کا بدلہ لینے کے لیے حبش کی عیسائی سلطنت نے یمن پر حملہ کر کے حمیری حکومت کا خاتمہ کر دیا تھا اور 525ء میں اس پورے علاقے پر حبشی حکومت قائم ہوگئی تھی۔ بعض مؤرخین کے بقول اسی حبشی فوج میں ابرہہ بھی تھا اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ ابرہہ اس فوج کا سپہ سالار تھا، رفتہ رفتہ وہ یمن کا خودمختار بادشاہ بن گیا مگر اس نے برائے نام شاہ حبش کی بالادستی تسلیم کر رکھی تھی اور اپنے آپ کو نائبِ شاہ لکھتا تھا۔ یمن میں پوری طرح اقتدار مضبوط کر لینے کے بعد ابرہہ نے رومی سلطنت اور اس کے حلیف حبشی عیسائیوں کے اس مشن کے لیے کام شروع کر دیا جو ابتدا ہی سے ان کے پیش نظر تھا، یعنی عربوں کی تجارت پر قبضہ جمانا اور عرب میں عیسائیت پھیلانا۔

کلیسا کی تعمیر

ابرہہ نے اس مقصد کے لیے یمن کے دارالسلطنت صنعاء میں ایک عظیم الشان کلیسا تعمیر کرایا جسے عرب مؤرخین



ابرہہ کے تعمیر کردہ کلیسا سے منسوب مقام


ابرہہ کا سکہ

القلیس یا القلّیس یا القلّیس اور یونانی میں اکلیسیا (Ekklesia) کہتے ہیں۔ محمد بن اسحاق کی روایت ہے کہ اس کام کی تکمیل کے بعد اس نے شاہِ حبش کو لکھا کہ عربوں کا رُخ حج کعبہ سے اس کلیسا کی طرف موڑے بغیر نہ رہوں گا۔

ابرہہ کی یمن سے پیش قدمی

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ابرہہ الاشرم نے یمن میں علی الاعلان اپنے اس ارادے کا اظہار کیا اور اس کی منادی کرادی۔ اس کے اس اعلان پر ایک عرب (حجازی) غضبناک ہو کر کسی نہ کسی طرح کلیسا میں گھس گیا اور رفعِ حاجت کر گیا۔ اپنے کلیسا کی اس توہین پر اس نے قسم کھائی کہ میں اس وقت تک چین سے نہ بیٹھوں گا جب تک کعبے کو ڈھا نہ دوں۔ اس کے بعد 570ء یا 571ء میں ابرہہ ساٹھ ہزار فوج اور 13 ہاتھی لے کر مکہ کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں پہلے یمن کے سردار ذونفر نے، پھر بنوخثعم کے سردار نفیل بن حبیب خثعمی نے مقابلہ کیا مگر وہ شکست کھا گئے۔

بنوثقیف کا ابرہہ سے تعاون

ابرہہ طائف کے قریب پہنچا تو بنوثقیف کا ایک سردار مسعود وفد لے کر اس سے ملا اور کہا: ہمارا بت کدہ وہ معبد نہیں جسے آپ ڈھانے آئے ہیں، وہ تو مکہ میں ہے، اس لیے آپ ہمارے معبد کو چھوڑ دیں۔ ہم مکہ کا راستہ بتانے کے لیے آپ کو رہنما فراہم کیے دیتے ہیں۔ ابرہہ نے یہ بات قبول کر لی اور بنوثقیف نے ابو رغال نامی ایک آدمی کو اس کے ساتھ کر دیا۔


اَلْمُغَمَّس میں ابو رغال سے منسوب قبر

جب مکہ تین کوس رہ گیا تو اَلْمُغَمَّس نامی مقام پر پہنچ کر ابو رغال مر گیا۔ عرب مدتوں اس کی قبر پر سنگ باری کرتے رہے۔ بنوثقیف کو بھی وہ سالہا سال تک طعنے دیتے رہے کہ انھوں نے لات کا مندر بچانے کے لیے بیت اللہ پر حملہ کرنے والوں سے تعاون کیا۔

ابرہہ کی لوٹ مار

محمد بن اسحاق کی روایت ہے کہ المُغَمّس سے ابرہہ نے اپنے مقدمۃ الجیش (ہراول دستہ) کو آگے بڑھایا جس نے اہلِ تہامہ اور قریش کے بہت سے مویشی لوٹ لیے۔ ان میں رسول اللہ ﷺ کے دادا عبدالمطلب کے بھی دو سو اونٹ تھے۔ لوٹ مار کے بعد ابرہہ نے اپنے ایک ایلچی کو مکہ بھیجا اور اس کے ذریعے سے اہل مکہ کو یہ پیغام دیا کہ میں تم سے لڑنے نہیں آیا بلکہ اس گھر (کعبہ) کو ڈھانے آیا ہوں۔ اگر تم نہ لڑو تو میں تمھارے جان و مال سے کوئی تعرض نہ کروں گا۔

عبدالمطلب ابرہہ کے روبرو

مکہ کے سب سے بڑے سردار اس وقت عبدالمطلب تھے۔ ایلچی نے ان سے مل کر ابرہہ کا پیغام پہنچایا۔ انھوں نے کہا کہ ہم میں ابرہہ سے لڑنے کی طاقت نہیں، یہ اللہ کا گھر ہے، وہ چاہے گا تو اپنے گھر کو بچالے گا۔ ایلچی نے کہا کہ آپ میرے ساتھ ابرہہ کے پاس چلیں۔ وہ اس پر راضی ہوگئے اور اس کے ساتھ چلے گئے۔ عبدالمطلب اس قدر وجیہ اور پرعظمت شخص تھے کہ ابرہہ انھیں دیکھ کر بہت متاثر ہوا اور اپنے تخت سے اتر کر ان کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔

ابرہہ نے سردار عبدالمطلب سے پوچھا کہ آپ کیا چاہتے ہیں؟ انھوں نے کہا کہ میرے جو اونٹ پکڑ لیے گئے ہیں، وہ مجھے واپس دے دیے جائیں۔ ابرہہ نے کہا کہ آپ اپنے اونٹوں کا مطالبہ تو کر رہے ہیں اور یہ گھر جو آپ کا اور آپ کے آبائی دین کا مرکز ہے، اس کے بارے میں کچھ نہیں کہتے۔ انھوں نے کہا: ”میں تو صرف اپنے اونٹوں کا مالک ہوں اور انھی کے بارے میں آپ سے درخواست کر رہا ہوں۔ رہا یہ گھر، تو اس کا ایک رب ہے، وہ خود اس کی حفاظت کر لے گا۔“ ابرہہ نے جواب دیا: ”وہ اس کو مجھ سے نہ بچا سکے گا۔“ عبدالمطلب نے کہا: ”آپ جانیں اور وہ جانے۔“ دوران گفتگو عبدالمطلب نے یہ بھی کہا: ”یہ اللہ کا گھر ہے۔ آج تک اُس نے کسی کو اس پر مسلط نہیں ہونے دیا۔“ یہ کہہ کر وہ ابرہہ کے پاس سے اٹھ آئے اور اس نے ان کے اونٹ واپس کر دیے۔

حرم میں قریشی سرداروں کی دعائیں

قریش مکہ اتنی بڑی فوج سے لڑ کر کعبے کو بچانے کی طاقت نہ رکھتے تھے۔ عبدالمطلب نے لوگوں سے کہا کہ اپنے بال بچوں کو لے کر پہاڑوں میں چلے جائیں تاکہ ان کا قتل عام نہ ہو۔ سردار عبدالمطلب قریش کے چند سرداروں کے ہمراہ حرم میں حاضر ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے حضور دعائیں مانگیں کہ وہ اپنے گھر کی خود حفاظت فرمائے۔ ابن ہشام، سہیلی

اور ابن جریر رحمہ اللہ نے عبدالمطلب کے جو دعائیہ اشعار نقل کیے ہیں، وہ یہ ہیں:

لَاهُمَّ إِنَّ الْعَبْدَ يَمْـ ـنَعُ رَحْلَهُ فَامْنَعْ حِلَالَكْ

''الٰہی! بندہ اپنے گھر کی حفاظت کرتا ہے، تُو بھی اپنے گھر کی حفاظت فرما۔''

لَا يَغْلِبَنَّ صَلِيبُهُمْ وَمِحَالُهُمْ غَدْوًا مِحَالَكْ

''کل ان کی صلیب اور ان کی قوت تیری قوت کے مقابلے میں غالب نہ آنے پائے۔''

إِنْ كُنْتَ تَارِكَهُمْ وَقِبْـ ـلَتَنَا فَأَمْرٌ مَا بَدَا لَكْ

''اگر تو ہمارے قبلے کو چھوڑ دینا چاہتا ہے تو پھر تو جو چاہے کر۔''

يَا رَبِّ لَا أَرْجُو لَهُمْ سِوَاكَا يَا رَبِّ فَامْنَعْ مِنْهُمْ حِمَاكَا

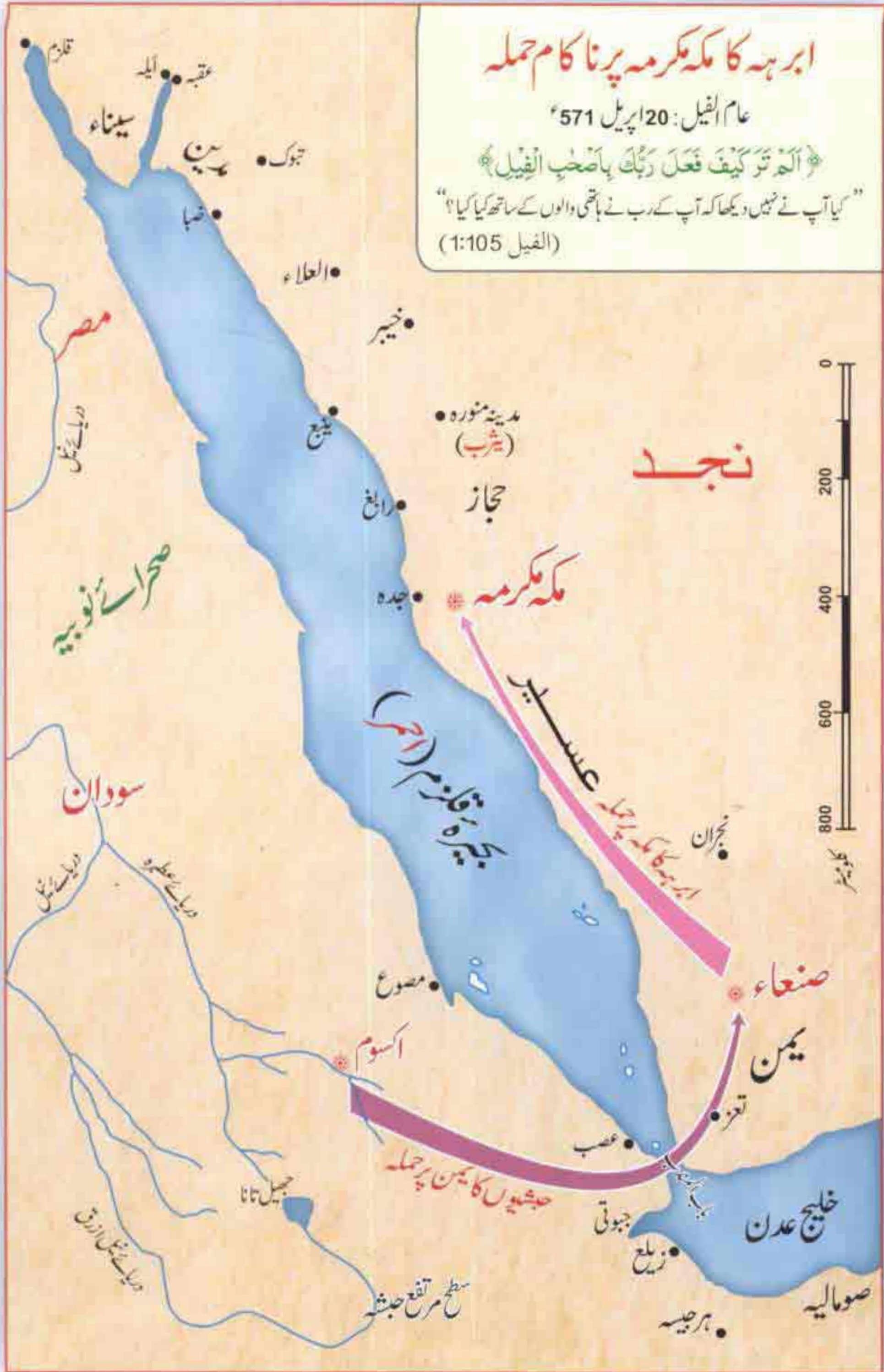
''اے میرے رب! میں ان کے مقابلے میں تیرے سوا کسی سے امید نہیں رکھتا۔ اے میرے رب! ان سے اپنے حرم کی حفاظت فرما۔''

إِنَّ عَدُوَّ الْبَيْتِ مَنْ عَادَاكَا فَامْنَعْهُمْ أَنْ يُخَرِّبُوا قُرَاكَا

''اس گھر کا دشمن تیرا دشمن ہے، لہٰذا اپنی بستی کو تباہ کرنے سے انھیں روک۔''

یہ دعائیں مانگ کر عبدالمطلب اور ان کے ساتھی بھی پہاڑوں میں چلے گئے۔


کعبہ کے نزدیک مکہ کے پہاڑ



ابرہہ کا مکہ مکرمہ پر ناکام حملہ
عام الفیل: 20 اپریل 571ء
﴿ أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ ﴾
”کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟“
(الفیل 105:1)
قلزم
ایلہ
عقبہ
سیناء
مدین
تبوک
ضبا
العلاء
خیبر
مصر
دریائے نیل
ینبع
مدینہ منورہ
(یثرب)
حجاز
نجد
رابغ
جدہ
مکہ مکرمہ
صحرائے نوبیہ
عسیر
بحیرۂ قلزم (احمر)
ابرہہ کا مکہ پر حملہ
نجران
سوڈان
دریائے عطبرہ
صنعاء
یمن
مصوع
اکسوم
تعز
عصب
حبشیوں کا یمن پر حملہ
باب المندب
جھیل تانا
جبوتی
خلیج عدن
زیلع
دریائے نیل ازرق
سطح مرتفع حبشہ
صومالیہ
ہرجیسہ
0
200
400
600
800
کلومیٹر

ابرہہ کا کعبے پر ناکام حملہ اور اس کا بھیانک انجام

دوسرے روز ابرہہ مکے میں داخل ہونے کے لیے آگے بڑھا مگر اس کا خاص ہاتھی محمود، جو آگے آگے تھا، یکایک بیٹھ گیا۔ بہت کوشش کی مگر وہ نہ ہلا۔ اتنے میں پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ اپنی چونچوں اور پنجوں میں سنگریزے لیے ہوئے آئے اور انھوں نے اس لشکر پر ان سنگریزوں کی بارش کر دی جس سے سارا لشکر ہلاک و برباد ہوگیا۔ یہ واقعہ مزدلفہ اور منیٰ کے درمیان وادی مُحَصّب کے قریب مُحسِّر کے مقام پر پیش آیا۔[1]

[1] تاريخ الطبري:1/550-557، السيرة لابن إسحاق:1/41-55، السيرة لابن هشام:1/43-51.



ولادت نبوی کی دیگر علامات

رسول اللہ ﷺ کی پیدائش کے وقت بڑے عظیم الشان آثار ظاہر ہوئے۔ ان سے سب کے دلوں میں یہ تأثر پیدا ہوا کہ پیدا ہونے والا یہ بچہ کوئی غیر معمولی ہستی ہے۔ ان عظیم علامات میں سے ایک علامت واقعہ فیل بھی ہے جس کا ذکر پیچھے ہو چکا ہے۔

سیدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

«إِنِّي عَبْدُ اللّٰهِ فِي أُمِّ الْكِتَابِ لَخَاتَمُ النَّبِيِّينَ، وَإِنَّ آدَمَ لَمُنْجَدِلٌ فِي طِينَتِهِ، وَسَأُنَبِّئُكُمْ بِتَأْوِيلِ ذٰلِكَ، دَعْوَةُ أَبِي إِبْرَاهِيمَ، وَبِشَارَةُ عِيسٰى قَوْمَهُ، وَرُؤْيَا أُمِّي الَّتِي رَأَتْ أَنَّهُ خَرَجَ مِنْهَا نُورٌ أَضَاءَتْ لَهُ قُصُورُ الشَّامِ، وَكَذٰلِكَ تَرٰى أُمَّهَاتُ النَّبِيِّينَ صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ»

”میں اللہ کا بندہ ہوں۔ آدم کی تخلیق سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں مجھے خاتم النبیین لکھ دیا تھا۔ میں تمھیں اس کی حقیقت بتاتا ہوں۔ میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا، عیسیٰ علیہ السلام کی اپنی قوم کو بشارت اور اپنی ماں کے خواب کی تعبیر ہوں۔ میری والدہ نے خواب میں دیکھا کہ ان کے وجود سے ایک نور نکلا جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے۔ انبیاء علیہم السلام کی مائیں اسی طرح کے خواب دیکھا کرتی ہیں۔“[1]

اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے امام ابن رجب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اس نور کا نکلنا اُس نور کی جانب اشارہ تھا جو نبی کریم ﷺ لے کر آئے، جس سے روئے زمین کے لوگوں نے ہدایت حاصل کی اور اس خطۂ ارضی سے شرک کی تاریکیاں ختم ہو گئیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۬ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴾ (المآئدة 15:5)

[1] مسند أحمد: 128/4. یہ روایت حسن ہے۔ البتہ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس روایت کے آخری الفاظ ”انبیاء علیہم السلام کی مائیں اسی طرح کے خواب دیکھا کرتی ہیں۔“ کو منکر قرار دیا ہے۔ (السلسلة الضعيفة: 2085)

''اے اہل کتاب ! تمھارے پاس ہمارا رسول آ گیا ہے، وہ تمھارے لیے اللہ کی کتاب کی بہت سی ایسی باتیں ظاہر کرتا ہے جنھیں تم چھپاتے تھے اور بہت سی باتوں سے درگزر بھی کرتا ہے۔ یقیناً تمھارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی اور واضح کرنے والی کتاب آ گئی ہے۔''[1]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نورِ نبوت کے ظہور کو ملک شام کے ساتھ خاص کرنا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپ کا دین شام کے علاقے میں خوب مضبوط ہو گا۔ (صحیح احادیث کے مطابق) آخری زمانے میں شام کا علاقہ اسلام اور مسلمانوں کے لیے ایک مضبوط قلعہ ہو گا۔ یہیں دمشق کے مشرق میں منارۂ بیضاء کے پاس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نزول ہو گا۔[2] عمیر بن ہانی نے بیان کیا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ

---

[1] السيرة النبوية للصلابي: 63/1، سبل الهدٰى والرشاد: 342/1. [2] تفسير ابن كثير، البقرة 129:2، صحيح مسلم: 2937، البداية والنهاية: 92/2 و 262/6.



دمشق میں اموی مسجد کا سفید مینار (منارۂ بیضاء)

سے سنا، آپ فرما رہے تھے:

«لَا تَزَالُ مِنْ أُمَّتِي أُمَّةٌ قَائِمَةٌ بِأَمْرِ اللّٰهِ، لَا يَضُرُّهُمْ مَّنْ خَذَلَهُمْ وَلَا مَنْ خَالَفَهُمْ، حَتّٰى يَأْتِيَهُمْ أَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ عَلٰى ذٰلِكَ»

''میری اُمت کا ایک گروہ ہمیشہ اللہ کے حکم پر قائم رہے گا۔ انھیں بے یارو مددگار چھوڑنے والے اور ان کی مخالفت کرنے والے انھیں نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔ اللہ کا حکم (قیامت) آنے تک وہ اسی حال میں رہیں گے۔''

عمیر بن ہانی کہتے ہیں کہ مالک بن یُخامِر نے کہا کہ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: ''وہ شام کے علاقے میں ہوں گے۔''[1]

روایات ظہور اور ان کا جائزہ

محمد رسول اللہ ﷺ کے ظہور کے حوالے سے بہت سی روایات ملتی ہیں۔ ایک روایت میں نبیِ اکرم ﷺ کی والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ بیان کرتی ہیں کہ ''مجھے محسوس ہی نہیں ہوا کہ میں حاملہ ہوگئی ہوں۔ میں نے اس حمل کو بوجھل نہیں پایا جیسا کہ عورتیں پاتی ہیں۔'' انھیں خواب میں بشارت دی گئی کہ اس بچے کا مقام و مرتبہ نہایت اعلیٰ اور عظیم الشان ہو گا۔ انھیں یہ بھی حکم دیا گیا کہ اس بچے کا نام احمد (ﷺ) رکھیں۔

یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ سیدہ آمنہ نے دورانِ حمل میں تعویذ پہنے ہوئے تھے جو خود بخود کٹ گئے، یا ایک مرتبہ آپ نیند سے بیدار ہوئیں تو دیکھا کہ اُن کے پاس سونے کا ایک صحیفہ پڑا ہے جس میں آپ کے لیے دعائیہ اشعار لکھے ہوئے ہیں۔[2] ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری کہتے ہیں: ''ان میں سے کچھ بھی ثابت نہیں۔''[3] ایک روایت یہ بھی ہے کہ جب نبی ﷺ پیدا ہوئے تو آپ نے اپنے ہاتھ زمین پر رکھ لیے اور اپنا چہرہ آسمان کی طرف اُٹھا لیا۔ یہ حلیمہ سعدیہ کی طویل روایت کا حصہ ہے جسے ابن اسحاق نے بیان کیا ہے۔[4]

ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری کے بقول اس کی سند بھی انتہائی ضعیف ہے۔ اس میں جہم بن ابوجہم مجہول راوی ہے۔ وہ مزید کہتے ہیں کہ بعض لوگوں نے اسے قوی ثابت کرنے کے لیے واقدی کی روایات کا سہارا لینے کی کوشش کی ہے۔[5]

[1] صحيح البخاري:3641، صحيح مسلم:1920 و 1037، بعد الحديث:1923. [2] الطبقات لابن سعد:1/99,98، الخصائص الكبرٰى للسيوطي:1/82,81، المواهب اللدنية:1/121,120، دلائل النبوة لأبي نعيم:1/137,136. [3] السيرة النبوية للعمري:1/99,98. [4] السيرة لابن إسحاق:1/102. [5] الطبقات لابن سعد:1/101-103.

لیکن واقدی کی روایات اس کے لیے باعثِ تقویت نہیں بن سکتیں کیونکہ وہ خود متروک راوی ہے۔ [1] اس کے شواہد میں حسان بن عطیہ، اسحاق بن عبداللہ اور داود بن ابی ہند رحمہم اللہ کی روایات پیش کی گئیں لیکن وہ سب مرسل ہیں۔ [2] ان سے بھی اس روایت کو تقویت نہیں ملتی۔

ہنڈیا کا دو حصے ہونا

ایک روایت یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ نبی ﷺ کو پتھر کی ایک ہنڈیا کے نیچے رکھا گیا تو وہ ہنڈیا دو حصوں میں تقسیم ہوگئی۔ آپ کی والدہ نے دیکھا تو آپ ﷺ کی نظریں آسمان کی طرف اُٹھی ہوئی تھیں۔ [3] ڈاکٹر العمری کہتے ہیں کہ اس طرح کی تمام روایات مرسل ہیں۔ دلائل النبوۃ بیہقی میں یہ روایت ابوحکم تنوخی سے مُرسلاً مروی ہے، وہ مجہول تابعی ہیں، نیز اس کی سند میں راوی عبداللہ بن صالح صدوق ہیں اور اکثر غلطیوں کا ارتکاب کرتے ہیں۔ [4]

ہاتفِ غیب کا خوش خبری دینا

اس طرح کی روایات بھی ہیں کہ نبی ﷺ کی پیدائش کی رات ایک ہاتفِ غیب (جن) نے آپ ﷺ کی پیدائش کی خوش خبری دی اور مکہ میں قریش کا بڑا بت اوندھا ہوگیا۔ [5] ان کی اسناد میں عبداللہ بن محمد بلوی اور عمارہ بن زید ہیں جو روایات گھڑنے میں معروف ہیں۔ [6]

یہود کا خبر دینا

یہودیوں نے نبی ﷺ کی پیدائش کی رات آپ ﷺ کے ظہور کے بارے میں خبر دی۔ [7] اس کی سند میں ابن اسحاق مدلّس ہیں اور اُن کے سماع کی وضاحت نہیں۔ [8]

راہب کا خبر دینا

مکہ کے شمال میں 22 کلومیٹر دور مرالظہران قصبہ ہے۔ مرعلاقے کا نام اور ظہران وادی کا نام ہے۔ یہاں اسلم، ہذیل اور غاضرہ قبائل کے بہت سے چشمے ہیں۔ [9] عیصا راہب نے مرالظہران میں آپ ﷺ کی پیدائش کی

---

[1] ميزان الاعتدال: 3/662- 666. [2] الطبقات لابن سعد: 1/103,102، دلائل النبوة لأبي نعيم: 1/138. [3] الطبقات لابن سعد: 1/102. [4] ميزان الاعتدال: 2/440-445، تقريب التهذيب: 1/501. [5] تاريخ دمشق الكبير: 3/240,239، البداية والنهاية: 2/316,315 و 321. [6] ميزان الاعتدال: 2/491 و 3/177. [7] المستدرك للحاكم: 2/602,601. [8] طبقات المدلسين، ص: 63. [9] معجم البلدان، مادة: مر.

خبر دی۔ ابن کثیر کہتے ہیں: ''اس میں غرابت ہے۔'' [1] اس میں مسیب بن شریک راوی متروک ہے۔ [2]
نبی ﷺ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ''میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ پنگھوڑے میں چاند سے کھیل رہے تھے۔'' امام بیہقی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اسے بیان کرنے میں احمد بن ابراہیم منفرد ہے اور وہ مجہول ہے۔ [3] بلکہ امام ابوحاتم رحمہ اللہ نے کہا ہے: اس کی بیان کردہ ساری روایات باطل اور موضوع ہیں، ان کی اصل نہیں۔ اس کی روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ کذاب ہے۔ [4]

[1] البداية والنهاية: 253/2، تاريخ دمشق: 242,241/3. [2] ميزان الاعتدال: 115,114/4. [3] دلائل النبوة للبيهقي: 41/2.
[4] الجرح والتعديل: 40/2، مزید دیکھیے: السيرة النبوية للعمري: 98/1-101.


وادی مرالظہران

باب
3

سیرت انسائیکلوپیڈیا

سید الاولین والآخرین محمد رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت

سید ولد آدم محمد رسول اللہ ﷺ کی پیدائش کے دن، تاریخ ولادت،
اسمائے مبارکہ اور عقیقہ ورضاعت کا تذکرہ

أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوَىٰ

''کیا اس نے آپ کو یتیم نہ پایا، پھر ٹھکانا دیا۔'' (الضحیٰ 6:93)

اس باب میں

اس باب میں رسول اللہ ﷺ کی پیدائش کے دن، تاریخِ ولادت، پیدائش کے مقام، نبی ﷺ کے اسمائے مبارکہ اور کنیت، انجیل برناباس میں نام "محمد"، بعثت نبوی سے پہلے کے وہ افراد جن کے نام محمد تھے، نبی کریم ﷺ کے عقیقے، ختنے اور رضاعت کے علاوہ آپ ﷺ کی اناؤں کے تعارف پر بھرپور روشنی ڈالی گئی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت

طلوعِ آفتابِ ہدایت

اللہ تعالیٰ نے سید البشر حضرت محمد ﷺ کو پیدا فرما کر دنیائے انسانیت پر سب سے بڑا احسان کیا۔ آپ ﷺ نے انسان کو شیطان سے بچنے کے طریقے بتائے۔ کفر، شرک، بدعت، معصیت، جہالت، خوف اور حزن سے محفوظ رہنے کے سلیقے سکھائے اور اللہ رب العزت کی بندگی سے روشناس کرا کر قافلۂ انسانیت کو فلاح و کامیابی کی صراطِ مستقیم پر ڈال دیا۔ اس اعتبار سے آپ تا ابد پورے عالمِ انسانیت کے محسنِ اعظم ہیں اور آپ کی پیدائش تاریخ کائنات کا انتہائی مبارک اور اہم ترین واقعہ ہے۔

پیدائش کا سال

آپ ﷺ کب اور کس سال پیدا ہوئے؟ اس بارے میں آپ ﷺ ہی کے ہم عمر ایک صحابی قیس بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کا بیان سنیے۔ وہ فرماتے ہیں:

وُلِدْتُ أَنَا وَرَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَامَ الْفِيلِ، فَنَحْنُ لِدَانِ

''میں اور رسول اللہ ﷺ عام الفیل میں پیدا ہوئے، ہم دونوں ہم عمر ہیں۔''[1]

مندرجہ بالا جملے میں عام الفیل کے الفاظ آئے ہیں۔ یہ الفاظ گورنر یمن ابرہہ حبشی کے اُس اقدام کی طرف اشارہ کرتے ہیں جب وہ ہاتھیوں کا لشکر لے کر مکہ مکرمہ پر حملہ کرنے آیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے ابابیل بھیج کر اس کے ناپاک ارادے خاک میں ملا دیے تھے۔ اس زبردست واقعے کو اہلِ مکہ نے اپنے لیے ایک طرح کا کیلنڈر بنا لیا۔ اکثر مؤرخین نے لکھا ہے: رسول اللہ ﷺ عام الفیل بمطابق 571ء میں پیدا ہوئے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی بھی یہی رائے ہے۔ اکثر سیرت نگاروں کے نزدیک یہ ایک متفقہ مسئلہ ہے۔ اس کے خلاف جس نے بھی جو رائے ظاہر کی ہے، اُس کی بنیاد محض ظن و تخمین اور اٹکل پچو پر ہے۔ مشہور بات یہی ہے کہ آپ فیل والے واقعے کے پچاس دن

[1] مسند أحمد: 215/4، السيرة لابن هشام: 159/1. امام حاکم نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔ (المستدرك للحاكم: 603/2)

بعد پیدا ہوئے۔ یہ واقعہ آپ ﷺ کی نبوت کا پیش خیمہ تھا۔ ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں:

”ہاتھیوں والے عیسائی اہلِ کتاب تھے۔ اُن کا دین اُس وقت کے اہل مکہ سے بہتر تھا، اس لیے کہ اہلِ مکہ بتوں کے پجاری تھے۔ پھر بھی اللہ تعالیٰ نے اہلِ کتاب کے مقابلے میں اُن کی ایسی بے مثال مدد فرمائی جو انسانوں کے بس کی بات نہیں تھی۔ یہ واقعہ اس شہر سے مبعوث ہوئے والے نبی کے ظہور کی نشانی اور اس محترم شہر کی زبردست عظمت وفضیلت کے اظہار کا ذریعہ بن گیا۔“ [1]

پیدائش کا مہینہ

اس بارے میں مؤرخین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں: ”آپ رمضان میں پیدا ہوئے۔“ بعض سیرت نگاروں کا خیال ہے: ”آپ محرم میں پیدا ہوئے۔“ بعض کی رائے ہے کہ ”آپ صفر میں پیدا ہوئے۔“ جمہور علماء کے نزدیک: ”آپ ربیع الاول میں پیدا ہوئے۔“ ابن جوزی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ثقہ علماء کا اسی مہینے پر اتفاق ہے۔ [2]

پیدائش کا دن

اس بات پر بھی تمام مؤرخین اور سیرت نگار متفق ہیں کہ رسول اکرم ﷺ پیر کے دن پیدا ہوئے۔ خود آپ ﷺ کا معمولِ مبارک یہ تھا کہ آپ پیر کے دن روزہ رکھتے تھے۔ جب آپ سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو آپ نے ارشاد فرمایا:

«فِيهِ وُلِدْتُ، وَفِيهِ أُنْزِلَ عَلَيَّ»

”میں پیر کے دن پیدا ہوا تھا اور اسی دن مجھ پر وحی نازل ہونی شروع ہوئی۔“ [3]

ابو قتادہ انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ اسی دوران عمر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ آپ اکثر پیر کے دن روزہ رکھتے ہیں، اس کا کیا سبب ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«يَوْمٌ وُلِدْتُ فِيهِ، وَيَوْمٌ أَمُوتُ فِيهِ»

”میں اسی دن پیدا ہوا تھا اور اسی دن میری وفات ہوگی۔“ [4]

تاریخ پیدائش

رسول اللہ ﷺ کی تاریخِ ولادت کے بارے میں بھی مؤرخین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں:

[1] المواهب اللدنية: 140,139/1، زاد المعاد: 76/1. [2] تلقيح فهوم أهل الأثر، ص: 7، المواهب اللدنية: 140/1. [3] صحيح مسلم: (198)-1162. [4] صحيح ابن خزيمة: 299,298/3، حديث: 2117.

’’نبی ﷺ 12 ربیع الاول کو پیدا ہوئے تھے۔‘‘ [1] لیکن یہ روایت بلاسند ہے، اس لیے قابلِ اعتماد نہیں۔ [2] حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ابن ابی شیبہ کی سند سے حضرت جابر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کا یہی قول نقل کیا ہے۔ اس کی سند بظاہر صحیح معلوم ہوتی ہے مگر حقیقتاً وہ منقطع ہے۔ اس کی وضاحت حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے خود بھی کی ہے۔ [3]

بعض نے دو ربیع الاول، بعض نے آٹھ، بعض نے نو، بعض نے دس، بعض نے سترہ اور بعض نے اٹھارہ ربیع الاول کو آپ ﷺ کی تاریخ پیدائش بتایا ہے۔ [4] لیکن صحیح بات یہی ہے کہ آپ 9 ربیع الاول بمطابق 20 اپریل 571ء کو پیدا ہوئے۔

قطب الدین قسطلانی کہتے ہیں کہ اکثر محدثین نے یہی لکھا ہے کہ نبی ﷺ کی صحیح تاریخ پیدائش 9 ربیع الاول ہی ہے۔ ابن عباس اور جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہم سے بھی یہی قول منسوب ہے۔ حُمیدی اور اُن کے شیخ ابن حزم رحمہما اللہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ امام قضاعی نے اہلِ میقات سے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ امام زہری رحمہ اللہ نے اسے محمد بن جبیر بن مطعم کے حوالے سے بیان کیا ہے اور محمد بن جبیر نے یہ قول اپنے والد جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے لیا ہے۔ محمد بن جبیر نسب اور تاریخ عرب کے ماہر تھے۔ [5]

مصر کے مشہور ہیئت دان محمود پاشا فلکی نے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ آپ ﷺ کی ولادت 9 ربیع الاول کو ہوئی۔ اسی تاریخ کو پیر کا دن بنتا ہے۔ اس دن اپریل کی 20 تاریخ تھی اور سن 571ء تھا۔ اُن کے دلائل کا خلاصہ یہ ہے:



قمری آسٹرولیب

- صحیح بخاری (حدیث:1043) میں ہے کہ نبیِ کریم ﷺ کے بیٹے ابراہیم رضی اللہ عنہ کے انتقال کے وقت سورج گرہن ہوا تھا۔ یہ 10 ہجری کا واقعہ ہے۔ اس وقت آپ ﷺ کی عمر کا تریسٹھواں سال تھا۔
- ریاضی کے قاعدے کے حساب سے معلوم ہوتا ہے کہ 10 ہجری کا گرہن 7 جنوری 632ء کو صبح 8 بج کر 30 منٹ پر لگا تھا۔
- اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر قمری سال کے حساب سے 63 برس پیچھے ہٹیں تو آپ کی پیدائش کا سال 571ء بنتا ہے جس میں از روئے قواعدِ ہیئت، ربیع الاول کی پہلی تاریخ 12 اپریل 571ء کے مطابق تھی۔

[1] السيرة لابن هشام: 158/1. [2] السيرة النبوية للعمري: 98/1. [3] دیکھیے: البداية والنهاية: 107/3. [4] سبل الهدى والرشاد: 334/1. [5] المواهب اللدنية: 141,140/1، البداية والنهاية: 242/2.

- اس میں شک نہیں کہ تاریخ ولادت میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ لیکن اس امر پر اکثر سیرت نگاروں کا اتفاق ہے کہ وہ ربیع الاول کا مہینہ تھا، پیر کا دن تھا اور 8 سے لے کر 12 تک کے دوران کی تاریخ تھی۔
- ربیع الاول کی ان مذکورہ تاریخوں میں پیر کا دن 9 تاریخ ہی کو آتا ہے۔ ان وجوہ کی بنیاد پر تاریخ ولادت قطعی طور پر 20 اپریل 571ء تھی۔[1]

گریگورین اور جولین تقویم کے حساب کے مختلف ہونے کی وجہ سے بعض کتابوں میں 20 اپریل کے بجائے 22 اپریل ہے۔ جولین کیلنڈر 46 ق م میں گائس جولیئس سیزر (Julius Caesar) کے عہد حکومت میں متعارف کرایا گیا۔ 1582ء تک عیسائی دُنیا میں اسی پر عمل ہوتا رہا، پھر 1582ء میں پوپ گریگوری سیزدہم (Pope Gregory XIII) نے ایک نیا کیلنڈر متعارف کرایا جو اُسی کے نام سے منسوب ہو کر گریگورین کیلنڈر کہلایا۔[2]

جائے پیدائش: مکہ مکرمہ

جمہور اہل علم کے مطابق آپ ﷺ مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔ مکہ میں کس جگہ پیدا ہوئے؟ اس بارے میں چار اقوال معروف ہیں۔ ان چاروں اقوال میں آپ کی جائے پیدائش جداگانہ بتائی گئی ہے۔ یہاں ان چاروں مقامات کے نام درج کیے جاتے ہیں:

1. شعب بنی ہاشم (شِعب ابی طالب)
2. رَدم (مکہ میں بنو جُمح کا محلّہ)
3. عُسفان
4. والد گرامی عبداللہ بن عبدالمطلب کے گھر[3]

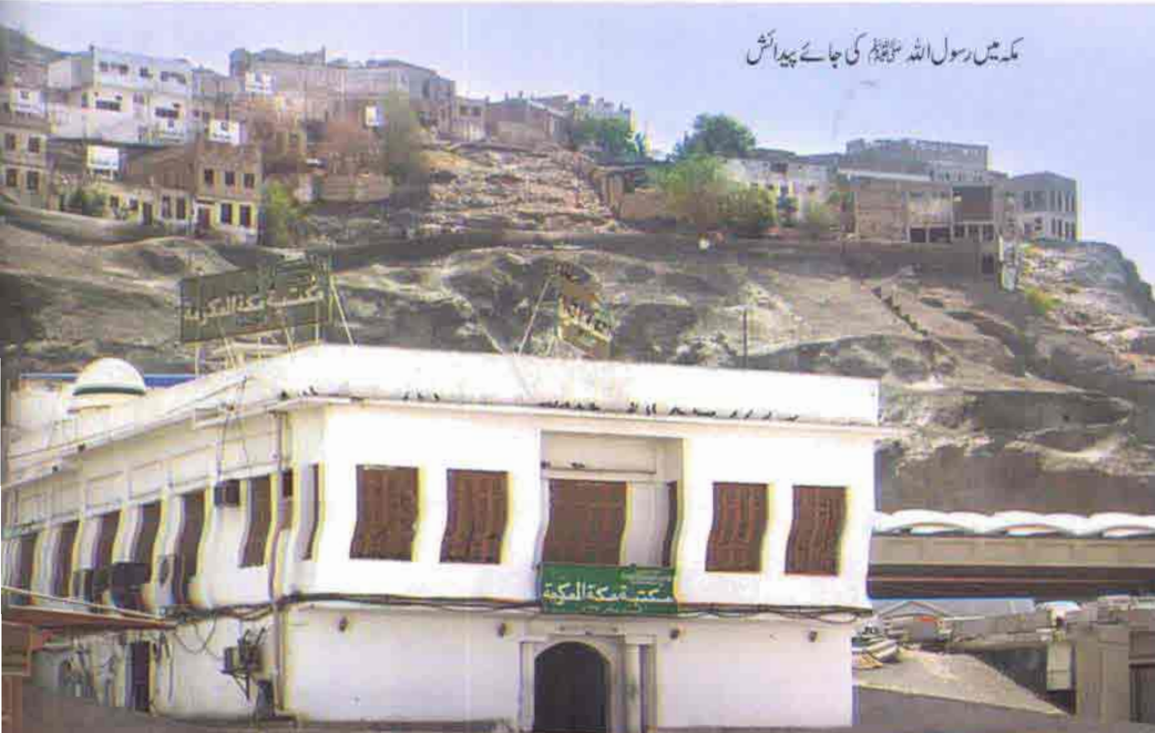
حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ (عبداللہ بن عبدالمطلب کا) گھر ہاشم بن عبدمناف کا تھا۔ بعدازاں یہ گھر عبدالمطلب کے حصے میں آیا۔ عبدالمطلب نے یہ گھر اپنی زندگی ہی میں تقسیم کر دیا جس کے نتیجے میں یہ گھر محمد ﷺ کے والد ماجد عبداللہ کی ملکیت بن گیا اور یہیں آپ پیدا ہوئے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں: آپ مکہ میں واقع اس گھر میں پیدا ہوئے جو ہجرت کے بعد ابوطالب کے بیٹوں عقیل اور طالب کی ملکیت میں آ گیا تھا۔ بعدازاں عقیل نے یہ گھر فروخت کر دیا۔

[1] سیرۃ النبی ﷺ، (حاشیہ) :124/1، محاضرات تاریخ الأمم الإسلامیة :60/1، نیز دیکھیے: رحمۃ للعالمین (حاشیہ) :47/1. [2] وکی پیڈیا انسائیکلو پیڈیا، Oxford English Reference Dictionary [3] سبل الهدیٰ والرشاد :338/1.

حافظ ابن حجر ؒ فاکہی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ یہ گھر عقیل کے بعد ان کی اولاد کی ملکیت بن گیا۔ ان کے بعد ان کے بیٹوں نے یہ گھر حجاج بن یوسف کے بھائی محمد بن یوسف کے ہاتھ ایک لاکھ دینار کے عوض بیچ دیا۔[1]

راجح بات بھی یہی ہے کہ نبی کریم ﷺ مکہ میں واقع اُسی گھر میں پیدا ہوئے تھے جو آپ کے والد گرامی کی ملکیت میں تھا اور بعد میں حجاج بن یوسف کے بھائی محمد بن یوسف نے خرید لیا تھا۔[2] ڈاکٹر ابوشہبہ محمد بن محمد کہتے ہیں کہ حجاج کے بھائی محمد بن یوسف ثقفی نے اس گھر کو اپنے مکان میں ضم کر لیا۔ اس مکان کا نام بیضاء تھا، پھر یہ گھر مدت تک اسی طرح رہا۔ جب پانچویں عباسی خلیفہ ہارون الرشید کی والدہ خیزران بنت عطاء ؒ حج کے لیے مکہ آئیں تو انھوں نے اسے خرید لیا، پھر اس جگہ مسجد بنا دی۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ گھر ہارون کی والدہ نے نہیں بلکہ ان کی بیوی زبیدہ بنت جعفر بن منصور ؒ نے خریدا تھا اور اس جگہ مسجد بنائی تھی۔[3]

[1] فتح الباري :571,570/3، الصارم المسلول، ص: 122-125. [2] المستدرك للحاكم :602/2. [3] السيرة النبوية لأبي شهبة (حاشية) :175,174/1.



مکہ میں رسول اللہ ﷺ کی جائے پیدائش

نبی کریم ﷺ کا ختنہ

ختنہ تمام انبیاء ؑ کی سنت ہے

ختنہ بنی نوع انسان کی فطرت میں شامل ہے۔ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«اَلْفِطْرَةُ خَمْسٌ: اَلْخِتَانُ، وَالْاِسْتِحْدَادُ، وَنَتْفُ الْإِبْطِ، وَقَصُّ الشَّارِبِ، وَتَقْلِيمُ الْأَظْفَارِ»

''پانچ چیزیں فطرت میں سے ہیں: ختنہ کرنا، زیر ناف بال مونڈنا، بغلوں کے بال نوچنا، مونچھیں چھوٹی کرنا اور ناخن کاٹنا۔''[1]

دین ابراہیمی میں بھی ختنے کا طریقہ جاری تھا۔ حضرت ابراہیم ؑ نے اپنا ختنہ خود کیا تھا۔[2] ابراہیم ؑ کو ماننے والی تمام قومیں اس مسنون طریقے پر عمل کرتی تھیں۔ یہودیوں میں بھی ختنے کا رواج تھا۔ عیسیٰ ؑ کا بھی ختنہ ہوا۔ اس کا ثبوت بار بار ردوبدل کی مشق کے باوجود موجودہ بائبل میں بھی موجود ہے:

''جب آٹھ دن پورے ہوئے اور اُس کے ختنے کا وقت آیا تو اُس کا نام یسوع رکھا گیا جو فرشتے نے اُس کے رحم میں پڑنے سے پہلے رکھا تھا۔''[3]

اس کے علاوہ بائبل ہی میں ختنے کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ طریقہ ہمیشہ کے لیے ایک اٹل عہد ہے، اسے کبھی نہ توڑا جائے:

''اور میرا عہد جو میرے اور تیرے درمیان اور تیرے بعد تیری نسل کے درمیان ہے اور جسے تم مانو گے سو یہ ہے کہ تم میں سے ہر ایک فرزند نرینہ کا ختنہ کیا جائے۔ اور تم اپنے بدن کی کھلڑی کا ختنہ کیا کرنا۔ اور یہ اُس عہد کا نشان ہوگا جو میرے اور تمھارے درمیان ہے۔ تمھارے ہاں پشت در پشت ہر لڑکے کا ختنہ جب وہ آٹھ روز کا ہو، کیا جائے۔ خواہ وہ گھر میں پیدا ہو، خواہ اُسے کسی پردیسی سے خریدا ہو جو تیری نسل سے نہیں۔ لازم ہے کہ تیرے خانہ زاد اور تیرے زرخرید کا ختنہ کیا جائے اور میرا عہد تمھارے

[1] صحيح البخاري: 6297. [2] صحيح البخاري: 6298. [3] کتاب مقدس (لوقا) 21:2.

جسم میں ابدی عہد ہوگا۔ اور وہ فرزند نرینہ جس کا ختنہ نہ ہوا ہو، اپنے لوگوں میں سے کاٹ ڈالا جائے کیونکہ اُس نے میرا عہد توڑا۔''[1]

نبی ﷺ کے ختنے کے حوالے سے مختلف روایات اور کئی باتیں منقول ہیں۔ بعض سیرت نگاروں کا کہنا ہے کہ آپ قدرتی طور پر مختون پیدا ہوئے تھے۔ اس لیے آپ کے ختنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔ اس کے برعکس بعض محققین نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ کے ختنے کا فرض آپ کے دادا عبدالمطلب نے ادا کیا تھا۔ امام ابن قیم نے وضاحت سے لکھا ہے کہ اس سلسلے میں تین باتیں منقول ہیں:

1 نبی ﷺ ختنہ شدہ حالت میں پیدا ہوئے تھے۔

2 جب آپ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے ہاں رہ رہے تھے، جبرئیل علیہ السلام نے آپ ﷺ کے شق صدر کے ساتھ ساتھ آپ کا ختنہ بھی کیا تھا۔

3 آپ ﷺ کے دادا عبدالمطلب نے آپ ﷺ کے پیدا ہونے کے بعد ساتویں دن آپ کا ختنہ کیا، اس تقریب میں انھوں نے بہت بڑی دعوت کی۔ اس میں ہر خاص و عام کو پُر تکلف کھانا کھلایا۔ پھر اسی تقریب میں انھوں نے آپ ﷺ کا نام محمد رکھا۔[2]

کیا نبی کریم ﷺ مختون پیدا ہوئے؟

نبی کریم ﷺ کے مختون پیدا ہونے کے بارے میں ایک حدیث بیان کی جاتی ہے۔ یہ حدیث وضعی (من گھڑت) ہے، صحیح نہیں ہے۔[3] امام ابن جوزی رحمہ اللہ نے اسے اپنی تالیف العلل المتناهية میں شامل کیا ہے۔[4] امر واقعہ بھی یہی ہے کہ اس کے بارے میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے۔ مختون پیدا ہونا آپ ﷺ کی خصوصیات میں شامل نہیں ہے۔ اکثر حالتوں میں مختلف مقامات پر ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ بعض لوگ قدرتی طور پر مختون پیدا ہوتے ہیں۔

کیا جبریل علیہ السلام نے نبی ﷺ کا ختنہ کیا؟

بعض حلقوں کا خیال یہ ہے کہ محمد ﷺ کے ختنے جبریل علیہ السلام نے کیے تھے۔ اس بارے میں ایک روایت بھی موجود

1 کتاب مقدس (پیدائش) 17: 10-14. 2 زاد المعاد: 82,81/1. 3 المعجم الأوسط: 332/4، حديث: 6148. 4 العلل المتناهية: 166,165/1، رقم: 264.

ہے۔[1] اکرم ضیاء العمری اس روایت کی تخریج و تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس کی سند میں عبدالرحمٰن بن عیینہ بصری مجہول ہے۔[2] اسی طرح مَسلمہ بن مُحارب اور مُحارب زیادی کا تذکرہ امام بخاری اور ابن ابی حاتم ؒ نے کیا ہے لیکن ان کے بارے میں کوئی جرح یا تعدیل نہیں کی۔[3] اگرچہ ابن حبان ؒ نے مسلمہ اور ان کے والد محارب کا تذکرہ اپنی کتاب الثقات میں کیا ہے[4] لیکن ابن حبان ؒ بعض اوقات تساہل سے کام لیتے ہیں اور مجہول راویوں کو بھی ثقہ قرار دے دیتے ہیں۔[5] امام ذہبی نے اُس روایت کو منکر قرار دیا ہے جس میں یہ کہا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ختنہ جبریل علیہ السلام نے کیا تھا۔[6]

دادا کی طرف سے ختنے کا اہتمام

تیسرا قول یہ ہے کہ نبی ﷺ کے دادا عبدالمطلب نے ساتویں دن آپ کے عقیقے کا اہتمام کیا۔ اسی دن آپ کا ختنہ کیا گیا اور آپ کا نام محمد (ﷺ) رکھا گیا۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر العمری لکھتے ہیں: اس کے باوجود کہ اس آخری روایت میں بھی شدید ضعف پایا جاتا ہے، حافظ ذہبی کہتے ہیں: ''یہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ والی اُس روایت سے زیادہ صحیح ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ آپ مختون پیدا ہوئے تھے۔''[7]

گویا یہ روایت بھی سخت ضعیف ہے، اس لیے اس سے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔ تاہم زیر بحث مسئلے سے آپ کی عظمت وفضیلت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ہم اس معاملے کے بارے میں وثوق سے کچھ نہیں کہہ سکتے جس کے لیے کوئی واضح دلیل نہ ہو۔

یہی وہ حقیقت ہے جس کی نسبت قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

﴿ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ﴾

''اور جس بات کا آپ کو علم ہی نہیں، اس کے پیچھے مت پڑیے۔''[8]

ہمارے لیے بس یہی بات کافی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ختنے کی تاکید فرمائی ہے اور واضح الفاظ میں آگاہ کر دیا ہے کہ ختنہ کرنا فطرت کا حصہ ہے۔ اگر کوئی بچہ مختون پیدا ہو تو اُس کے ختنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی۔ اس

[1] المعجم الأوسط: 232/4، حديث: 5821. [2] السلسلة الضعيفة: 584/13. [3] التاريخ الكبير: 387/7 و 29/8، الجرح والتعديل: 266/8 و 417. [4] الثقات لابن حبان: 490/7. [5] المقترح: 32/1، السلسلة الصحيحة: 275/2. [6] تاريخ الإسلام للذهبي (السيرة)، ص: 28. [7] تاريخ الإسلام للذهبي (السيرة)، ص: 27، نیز دیکھیے: (السيرة النبوية للعمري: 100,99/1، السلسلة الضعيفة: 13/575-587) [8] بنيّ إسرآءيل 36:17.

طرح اس کے والدین ایک مشقت اور بڑی ذمہ داری سے بچ جاتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ محض ایک سہولت ہے، اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ مختون پیدا ہونا عظمت وفضیلت کا معیار نہیں ہے، اس سے کسی کی شان اور رتبے میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ مختون پیدا ہونے کی مثالیں ہر دور میں ملتی آئی ہیں۔ [1]

[1] زاد المعاد: 81/1.

رسول اللہ ﷺ کے اسمائے مبارکہ

قرآنِ کریم نے رسول اللہ ﷺ کو محمد اور احمد کے نام سے موسوم کیا

رحمۃ للعالمین ﷺ کے سب ناموں میں آپ کے ذاتی نام محمد اور احمد ﷺ ہی معروف اور ممتاز ہیں اور ان دونوں ناموں میں بھی ''محمد'' ہی عالمگیر پیمانے پر زیادہ مشہور، معروف اور مقبول ترین اسمِ گرامی ہے۔ یہ نام قرآن مجید میں چار مرتبہ آیا ہے اور ہر مرتبہ آپ ﷺ کے منصبِ رسالت ہی کے سیاق وسباق میں آیا ہے:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ۝﴾

''اور محمد (ﷺ) ایک رسول ہی تو ہیں۔ ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ اگر ان کا انتقال ہو جائے یا یہ شہید کر دیے جائیں تو کیا تم (سلام سے) اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے؟ اور جو بھی اپنی ایڑیوں کے بل پھر جائے، وہ اللہ کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔ اور اللہ شکر ادا کرنے والوں کو جلد جزا دے گا۔''[1]

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمًا ۝﴾

''محمد (ﷺ) تمھارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، لیکن وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔''[2]

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ۝﴾

''اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے اور وہ اس (قرآن) پر بھی ایمان لائے جو محمد (ﷺ) پر نازل کیا گیا اور وہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے، اللہ نے ان سے ان کی برائیاں دور کر دیں اور ان کے حال کی اصلاح کر دی۔''[3]

[1] آل عمرٰن 3:144. [2] الأحزاب 33:40. [3] محمد 47:2.

﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا ؗ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۖۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚ۫ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا۠ ﴾

''محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں، وہ کافروں پر بہت سخت ہیں (اور) آپس میں نہایت مہربان ہیں، آپ انھیں رکوع و سجود کرتے دیکھیں گے، وہ اللہ کا فضل اور (اس کی) رضا تلاش کرتے ہیں، ان کی خصوصی پہچان ان کے چہروں پر سجدوں کا نشان ہے۔ ان کی یہ صفت تورات میں بھی ہے اور انجیل میں بھی۔ ان کی صفت اس کھیتی کی طرح ہے جس نے اپنی کونپل نکالی، پھر اسے مضبوط کیا اور وہ (پودا) سخت ہو گیا، پھر اپنے تنے پر سیدھا کھڑا ہو گیا، وہ کسانوں کو خوش کرتا ہے، (اللہ نے یہ اس لیے کیا) تاکہ ان (صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم) کی وجہ سے کفار کو خوب جلائے، اللہ نے ان لوگوں سے جو ان میں سے ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔''[1]

رسول اللہ ﷺ کا نام نامی ''احمد'' قرآن مجید میں صرف ایک جگہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت کے بیان میں آیا ہے:

﴿ وَ اِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ ؕ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴾

''اور جب عیسیٰ ابن مریم نے کہا: ''اے بنی اسرائیل! بے شک میں تمھاری طرف اللہ کا رسول ہوں، تصدیق کرنے والا ہوں اس (کتاب) تورات کی جو مجھ سے پہلے ہے اور ایک رسول کی بشارت دینے والا ہوں جو میرے بعد آئے گا، اس کا نام احمد ہوگا، پھر جب وہ (رسول) ان کے پاس کھلی نشانیوں کے ساتھ آیا تو وہ بولے: یہ تو کھلا جادو ہے۔''[2]

انجیل برناباس میں اسم گرامی محمد ﷺ کا تذکرہ

عبدالمطلب یا حضرت آمنہ نے آپ ﷺ کا نام محمد اور احمد ﷺ تجویز کیا۔ درحقیقت ان کی تجویز سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے یہی اسمائے گرامی تجویز فرما دیے تھے اور پہلے انبیاء، خصوصاً سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے خود آپ ﷺ کا نام گرامی لے کر آپ کے بارے میں پیش گوئی کی تھی جو کئی بار رد و بدل کی زد میں آنے والی بائبل

[1] الفتح 29:48. [2] الصف 6:61.

میں آج بھی موجود ہے۔

انجیل برناباس میں نہایت واضح لفظوں میں درج ہے:

''شاگردوں نے جواب میں کہا اے معلم! وہ آدمی کون ہوگا۔ جس کی نسبت تو یہ باتیں کہہ رہا ہے اور جو کہ دنیا میں عنقریب آئے گا؟'' یسوع نے دلی خوشی کے ساتھ جواب دیا۔ ''بے شک وہ محمد رسول اللہ (ﷺ) ہیں۔'' [1]

اسی انجیل میں ایک اور مقام پر دیکھیے کہ آپ کا اسم گرامی کس شان سے جگمگا رہا ہے:

''اور جبکہ میں نے اس کو دیکھا، میں تسلی سے بھر کر کہنے لگا: ''اے محمد (ﷺ)! اللہ تیرے ساتھ ہو۔ اور مجھے اس قابل بنائے کہ میں تیری جوتی کا تسمہ کھولوں۔ کیونکہ اگر میں یہ (شرف) حاصل کرلوں تو بڑا نبی اور اللہ کا قدوس ہو جاؤں گا اور جبکہ یسوع نے اس بات کو کہا اس نے اللہ کا شکر ادا کیا۔'' [2]

اس سلسلے میں مزید تفصیلات اس جلد کے باب ''بشاراتِ نبوت و رسالت'' میں ملاحظہ کیجیے۔

رسول اللہ ﷺ ٹھیک ٹھیک عیسیٰ علیہ السلام کی بشاراتِ نبوت و رسالت کے مطابق ہی مبعوث ہوئے۔ اس وقت کے اہل کتاب، علمائے تورات و انجیل، راہِ حق کے متلاشیوں اور بادشاہوں تک نے آپ ﷺ کو اچھی طرح پہچان لیا۔ بعض لوگوں نے پیامِ حق قبول بھی کر لیا لیکن عیسائیوں کا انوکھا مزاج تھا۔ ان کی بڑی اکثریت اجتماعی طور پر یہودیوں کے نقش قدم پر چل پڑی۔ دنیا کی مصلحتیں اور مفادات ان کے پاؤں کی زنجیر بن گئے۔ اس طرح وہ راہِ حق پر قدم نہ رکھ سکے اور گمراہی کے گڑھے میں گر پڑے۔

مختلف انبیائے کرام علیہم السلام نے اپنے اپنے عہد اور اپنے اپنے مقام پر لوگوں کو واضح طور پر محمد رسول اللہ ﷺ کے کئی نام بتائے اور آپ ﷺ کے ظہور مبارک کی صاف صاف پیش گوئی کر دی تھی، یہی اسمائے گرامی عبدالمطلب اور سیدہ آمنہ کو بھا گئے، اس لیے انھوں نے آپ ﷺ کو انھی مبارک ناموں سے موسوم کر دیا۔

ایک نورانی خواب

عبدالمطلب نے محمد رسول اللہ ﷺ کی ولادت سے پہلے ایک خواب دیکھا۔ انھوں نے دیکھا کہ اُن کی پشت پر چاندی کی ایک زنجیر نمودار ہوئی ہے جس کے کئی سرے ہیں۔ ایک سرا آسمان، ایک زمین، ایک مشرق اور ایک مغرب میں ہے۔ کچھ دیر بعد یہی زنجیر ایک درخت کی شکل میں بدل گئی جس کے ہر پتے پر نور کا ہالہ تھا اور مشرق و مغرب

[1] انجیل برناباس 8,7:163. [2] انجیل برناباس 32-30:44.

کے لوگ اس کی شاخوں سے لپٹے ہوئے تھے۔

تعبیر بتانے والوں نے عبدالمطلب کو اس خواب کی یہ تعبیر بتائی کہ تمھاری نسل سے ایک بے مثال لڑکا پیدا ہوگا۔ اس کی نرالی شان ہوگی، مشرق سے مغرب تک لوگ اُس کی اتباع کریں گے اور آسمان و زمین والے اس کی تعریف (حمد) کریں گے۔ اسی وجہ سے اُنھوں نے آپ کا نام ''محمد'' (ﷺ) رکھا۔ [1]

والدہ محترمہ کو ''احمد'' اور ''محمد'' نام رکھنے کا حکم

سیدنا بُریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی والدہ سیدہ آمنہ بنت وہب نے ایک خواب دیکھا۔ آپ کو خواب میں بتایا گیا کہ آپ ایک ایسے صاحبزادے کو جنم دینے والی ہیں جو سید البشر اور فخرِ موجودات ہوگا۔ جب آپ کے ہاں یہ بے مثل فرزند پیدا ہو جائے تو آپ اُس کا نام ''احمد'' اور ''محمد'' رکھیے۔ [2]

آپ ﷺ کا نام ''محمد'' کیوں رکھا گیا؟

ابوالحکم تنوخی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: ''جب نبی کریم ﷺ کی پیدائش کا ساتواں دن ہوا تو عبدالمطلب نے جانور ذبح کیے اور قریش کو کھانے پر بلایا۔ وہ لوگ کھانا کھا چکے تو انھوں نے پوچھا: ''اے عبدالمطلب! آپ نے اس بچے کا کیا نام رکھا ہے؟'' عبدالمطلب نے جواب دیا: ''میں نے اس کا نام ''محمد'' رکھا ہے۔'' وہ بولے: ''آپ نے اپنے خاندانی ناموں کو نظر انداز کر کے یہ نام کیوں رکھا؟'' عبدالمطلب نے کہا: ''میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں میں اس بے مثال بچے کی تعریف کرے اور اللہ کی مخلوق زمین پر اس کے لیے رطب اللسان رہے۔'' [3]

ہر چند یہ روایات سنداً قوی نہیں لیکن قرآن مجید میں مذکور عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کی پیش گوئیاں متقاضی تھیں کہ اللہ عزوجل آپ ﷺ کی والدہ اور دادا کی انھی مبارک ناموں کی طرف رہنمائی فرمائے۔ آپ ﷺ کے والد گرامی آپ کی پیدائش سے پہلے ہی فوت ہو گئے تھے، اس لیے نام رکھنے کی ذمہ داری آپ کی والدہ محترمہ اور دادا جان پر آ گئی، چنانچہ یہی دونوں شخصیتیں آپ ﷺ کا نام رکھنے کی مجاز تھیں۔ امام نووی رحمہ اللہ ابن فارس رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَبِهِ سُمِّيَ نَبِيُّنَا ﷺ مُحَمَّدًا وَّ أَحْمَدَ أَيْ أَلْهَمَ اللّٰهُ تَعَالٰى أَهْلَهُ أَنْ سَمُّوهُ بِهِ لِمَا عُلِمَ مِنْ جَمِيلِ صِفَاتِهِ

[1] الروض الأنف: 280/1. [2] دلائل النبوة لأبي نُعَيم: 136/1. [3] دلائل النبوة للبيهقي: 113/1.


ادخلوها بسلام آمنين

"ہمارے نبی کریم ﷺ کا نام محمد اور احمد اس لیے رکھا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے آپ ﷺ کے گھر والوں کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ وہ آپ ﷺ کا نام "محمد" اور "احمد" ہی رکھیں۔ یہ مبارک نام رکھنے کی ایک اہم وجہ یہ بھی تھی کہ آپ کی یگانہ صفات (اسی وقت سے ہویدا ہو رہی تھیں اور دم بدم) احاطۂ علم میں آ رہی تھیں۔"[1]

"احمد" اور "محمد" (ﷺ) کے معنی

دونوں اسمائے گرامی "احمد اور محمد" میں سے "محمد" کی معنوی تشریح و توضیح خود رسول اللہ ﷺ نے بڑے لطیف پیرائے میں بیان فرمائی ہے۔ اس سلسلے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَلَا تَعْجَبُونَ كَيْفَ يَصْرِفُ اللّٰهُ عَنِّي شَتْمَ قُرَيْشٍ وَّلَعْنَهُمْ؟ يَشْتِمُونَ مُذَمَّمًا وَّيَلْعَنُونَ مُذَمَّمًا وَّأَنَا مُحَمَّدٌ»

"کیا تمھیں تعجب نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح قریش کی گالیوں اور طعنوں کا رُخ میری طرف سے پھیر دیا! وہ لوگ مذمم کو گالیاں اور طعنے دیتے ہیں جبکہ میں تو محمد ہوں۔"[2] (مُذَمَّم کے معنی ہیں: وہ شخص جس کی مذمت کی جائے۔)

رسول اللہ ﷺ کا نام احمد "حمد" سے ہے۔ یہ اسم تفضیل کا صیغہ ہے۔ اس کا مطلب ہے: اللہ کی مخلوق میں اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ حمد و ستائش کرنے والا۔

رسول اللہ ﷺ کا اسم مبارک "محمد" باب تفعیل سے اسم مفعول کا صیغہ ہے۔ یہ یہاں محمود (تعریف کیا گیا) کے مفہوم میں ہے۔ اس میں مبالغے کے معنی پائے جاتے ہیں۔[3] امام بخاری رحمہ اللہ اپنی کتاب "التاريخ الصغير" میں علی بن زید کے طریق سے روایت کرتے ہیں کہ ابو طالب کہا کرتے تھے:

فَشَقَّ لَهُ مِنِ اسْمِهِ لِيُجِلَّهُ ۔۔۔ فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُودٌ وَّهٰذَا مُحَمَّدٌ

"اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام اپنے نام سے اخذ کر کے رکھا ہے تاکہ اسے بھی عظمت عطا کرے۔ سو صاحبِ عرش محمود (سزاوارِ حمد) ہے اور آپ محمد ہیں، یعنی جس کی بہت زیادہ، بار بار تعریف کی جائے۔"[4]

ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ محمد وہ ہے جس کی بار بار مدح کی جائے۔ نامور عرب شاعر الاعشیٰ شاہِ حیرہ نعمان سے

[1] شرح النووي على صحيح مسلم: 153,152/15. [2] صحيح البخاري: 3533. [3] فتح الباري: 678/6، الروض الأنف: 281/1. [4] التاريخ الصغير: 38/1. سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے بھی یہ شعر منقول ہے۔ (دیوان حسان بن ثابت، ص: 47)

مخاطب ہو کر کہتا ہے:

إِلَيْكَ أَبَيْتَ اللَّعْنَ كَانَ وَجِيفُهَا إِلَى الْمَاجِدِ الْقَرْمِ الْجَوَادِ الْمُحَمَّدِ

(اے نعمان بن منذر!) ''تو ہر قسم کی مذمت سے بچے، تجھ جیسے سخی اور بار بار تعریف کیے جانے والے برگزیدہ سردار ہی کے پاس (لیلیٰ) پناہ لے سکتی تھی۔'' [1]

لہٰذا لفظ ''محمد'' کا مطلب ایسی ہستی ہے جس میں تمام اچھی باتیں جمع ہو جائیں۔ [2] آپ کے اسمائے گرامی محمد اور احمد کا مادہ ''حمد'' ہے۔ حمد کا مفہوم یہ ہے کہ کسی کے اخلاق حسنہ، اوصاف حمیدہ، کمالات جمیلہ اور فضائل و محاسن نہایت محبت، عقیدت اور عظمت کے ساتھ بیان کیے جائیں۔ ابن قیم رحمہ اللہ ''محمد'' کے معانی واضح کرنے کے بعد کہتے ہیں: پس محمد وہ ہے جس کی حمد کرنے والوں نے بار بار حمد کی ہو اور وہ جو غیر منقطع طور پر مسلسل لگاتار حمد کیے جانے کا مستحق ہو۔ [3]

اصل حقیقت یہ ہے کہ لفظ ''حمد'' کا آپ کی ذاتِ گرامی سے بڑا گہرا معنوی تعلق ہے۔ آپ کو سورۃ الحمد عطا کی گئی، لواء الحمد، یعنی الحمد نامی علَم مبارک بخشا گیا اور مقام محمود سے سرفراز کیا گیا۔ آپ کے لیے کھانے پینے اور سفر سے واپس آنے کے بعد کی دُعا الحمدللہ ہی مقرر کی گئی۔ مزید برآں آپ کی اُمت کو ''الحمادون'' کا خطاب دیا گیا، یعنی ایسی امت جو ہر آن اپنے مقدس خالق و مالک کی تعریف و توصیف کرتی ہے۔ دین اسلام بھی درحقیقت اللہ رب العزت کی حمد و ثنا اور شکر و سپاس ہی کا نام ہے۔ [4]

بعثت نبوی سے پہلے کے ''محمد'' نامی دوسرے افراد

زمانۂ جاہلیت میں اہل عرب کاہنوں پر بڑا اعتقاد رکھتے تھے اور علمائے اہل کتاب کی شہادتوں کو بہت اہمیت دیتے تھے۔ انھی لوگوں کے کہنے پر اہل عرب نے اپنے متعدد بیٹوں کے نام محمد رکھے۔ امام سُہیلی نے ایسے تین افراد کے نام بتائے ہیں جن کا نام محمد تھا۔ ان کی تفصیل یہ ہے:

1 محمد بن سفیان بن مُجاشع دارمی تمیمی۔ یہ دورِ جاہلیت کے عرب سرداروں میں سے تھے۔ مشہور شاعر فرزدق کا سلسلۂ نسب انھی سے جاملتا ہے۔

2 محمد بن (عقبہ بن) اُحَیحہ بن جُلاح بن حریش اوسی۔

1 ديوان الأعشىٰ الكبير، ص:131. دیوان میں وجیفھا کے بجائے كَلَالُهَا اور القرم کے بجائے الفَرْع کے الفاظ آئے ہیں۔
2 فتح الباري:6/678. 3 جلاء الأفهام، ص:277. 4 فتح الباري:6/679,678.

3 محمد بن حُمران بن ربیعہ جعفی (اَلشُّوَیْعِر)۔ یہ دورِ جاہلیت کے شاعر اور امرؤ القیس کے ہم عصر تھے۔

ان تینوں، یعنی محمد بن سفیان، محمد بن احیحہ اور محمد بن حمران کے باپ اکٹھے ہو کر کسی بادشاہ کے پاس گئے تھے۔ وہ بادشاہ پہلی کتابوں کے بارے میں بڑی معلومات رکھتا تھا۔ اُس نے انھیں بتایا کہ عنقریب ایک نبی کا ظہور ہونے والا ہے۔ اُس کا نام محمد ہوگا، چنانچہ ان تینوں نے اپنے ہاں پیدا ہونے والے بچوں کا نام محمد رکھا۔[1]

لغت کی کتابوں میں ایسے سات آدمیوں کا تذکرہ بھی موجود ہے جن کا نام زمانۂ جاہلیت میں محمد رکھا گیا تھا۔[2]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: بعثت سے پہلے جن افراد کا نام محمد رکھا گیا تھا، میں نے ان کی ایک علیحدہ فہرست بنائی۔ ان کی تعداد بیس تک پہنچ گئی لیکن ان میں سے بعض افراد کے نام میں گڑ بڑ اور تکرار تھی، انھیں حذف کر کے ان میں سے پندرہ افراد باقی بچے جن کا نام محمد رکھا گیا تھا۔ ان میں سے زیادہ مشہور محمد بن عدی بن ربیعہ تمیمی ہیں۔

ابوسویہ اپنے والد خلیفہ بن عبدہ مُنقری سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: میں نے محمد بن عدی بن ربیعہ سے پوچھا: تمھارے باپ نے زمانۂ جاہلیت میں تمھارا نام محمد کس طرح رکھ دیا؟ انھوں نے جواب دیا: میں نے یہی بات اپنے باپ سے پوچھی تھی۔ انھوں نے بتایا: ہم بنوتمیم کے چار افراد تھے، یعنی اُن میں میرے علاوہ میرے ساتھ سفیان بن مجاشع، یزید بن عمرو بن ربیعہ اور اُسامہ بن مالک بن حبیب موجود تھے، ہم عمرو بن جفنہ غسانی سے ملنے شام گئے۔ راستے میں ہم نے ایک یہودی خانقاہ کے پاس ایک تالاب پر پڑاؤ ڈالا۔ وہاں موجود راہب نے ہمیں دیکھا تو کہنے لگا: عنقریب تمھارے ہاں ایک نبی کا ظہور ہونے والا ہے، لہٰذا اس کی پیروی کرنے میں جلدی کرنا۔ ہم نے پوچھا: اُس کا نام کیا ہوگا؟ اس نے بتایا: محمد (ﷺ)۔ پھر ہم واپس آئے تو ہم میں سے ہر ایک نے اپنے پیدا ہونے والے بیٹے کا نام محمد رکھ دیا۔ ان میں سے صرف محمد بن عدی کو صحابیت کا شرف حاصل ہوا۔ ابن سعد نے انھیں صحابہ میں شمار کیا ہے۔[3]

معلومہ تاریخی حقائق کے مطابق رسول اللہ ﷺ سے پہلے کسی شخص کا نام ''احمد'' نہیں تھا، نیز آپ ﷺ کے علاوہ ''محمد'' نام کے ان لوگوں میں سے کسی نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا۔

یہاں یہ عرض کرنا بھی بے محل نہ ہوگا کہ عمرو بن جفنہ شام کے غسانی بادشاہوں میں وہ پہلا بادشاہ تھا جس نے سب سے پہلے تاج پہنا۔ اس نے بلقاء میں رومیوں سے جنگ کی اور فتح یاب رہا۔ بعد میں اس نے اپنی کمزوری کی وجہ سے خراج دینے کی شرط پر قیصر سے صلح کر لی مگر کچھ عرصہ بعد موقع پا کر قیصر سے پھر بغاوت کر دی۔ قیصر نے مصلحتاً بادیۃ الشام

1 الروض الأنف :280/1. 2 لسان العرب، مادة: حمد، تاج العروس، مادة: حمد. 3 فتح الباري:680,679/6.

کی بادشاہت مستقل طور پر اُسی کو سونپ دی۔ وہ پندرہ سال تک برسرِ اقتدار رہا۔ وہ دوسری صدی عیسوی کا فرمانروا تھا۔ [1]

پانچ مبارک نام

اللہ کے رسول ﷺ کے معروف ذاتی نام ''محمد'' اور ''احمد'' ہی ہیں جیسا کہ آپ پیچھے پڑھ آئے ہیں۔ ان کے علاوہ آپ کے صفاتی نام بھی ہیں جو احادیث اور سیرت مطہرہ کی کتابوں میں بتائے گئے ہیں۔ جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لِي خَمْسَةُ أَسْمَاءٍ: أَنَا مُحَمَّدٌ وَّ أَحْمَدُ وَأَنَا الْمَاحِي الَّذِي يَمْحُو اللّٰهُ بِيَ الْكُفْرَ، وَأَنَا الْحَاشِرُ الَّذِي يُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰى قَدَمَيَّ، وَأَنَا الْعَاقِبُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي»

''میرے پانچ نام ہیں: محمد، احمد، ماحی، میرے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کفر کو مٹا دے گا، میں حاشر ہوں، قیامت کے دن سب لوگ میرے بعد اُٹھائے جائیں گے۔ میں عاقب ہوں، یعنی سب سے آخر میں مبعوث ہونے والا نبی ہوں۔ میرے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا۔'' [2]

نبیِ اکرم ﷺ کے چند اور نام

امام مسلم رحمہ اللہ نے آپ ﷺ کے وصفی ناموں میں اَلْمُقَفِّي (سب کے بعد آنے والے)، نَبِيُّ التَّوْبَة اور نَبِيُّ الرَّحْمَة کا اضافہ کیا ہے۔ [3] اسی طرح امام ترمذی نے آپ ﷺ کے صفاتی اسمائے گرامی میں نَبِيُّ الْمَلَاحِم (میدان کارزار میں سرگرم رہنے والا نبی) کا اضافہ کیا ہے۔ [4]

امام ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے ناموں کی دو قسمیں ہیں:

1. وہ نام جن میں دوسرے انبیاء علیہم السلام شریک نہیں، جیسے: محمد، احمد، عاقب وغیرہ۔
2. وہ نام جن میں دیگر انبیاء علیہم السلام بھی شریک ہیں، جیسے: نبی، عبد، شاہد، مبشر، نذیر، نبی الرحمہ، نبی التوبہ وغیرہ۔ لیکن ان صفات میں بھی آپ اوجِ کمال پر فائز ہونے کی وجہ سے دوسرے انبیاء علیہم السلام سے ممتاز ہیں۔ [5]

قرآن مجید میں نبیِ اکرم ﷺ کے صفاتی نام

قرآن مجید میں رسول اللہ ﷺ کے ذاتی اسمائے مبارکہ محمد اور احمد کے علاوہ کئی صفاتی ناموں کا ذکرِ جمیل موجود ہے، ملاحظہ فرمائیے:

---

[1] الأعلام: 75/5. [2] صحيح البخاري: 3532. [3] صحيح مسلم: 2355. [4] الشمائل النبوية للترمذي، ص: 448، 449.
[5] زاد المعاد: 88/1.

	نام	معنی ومفہوم	سورت / آیت
1	مُصَدِّق	اپنے سے پہلے کی آسمانی کتابوں کی تصدیق کرنے والے	آل عمرٰن 81:3
2	شَهِيد	گواہ/ گواہی دینے والے	النسآء 41:4
3	بَشِير	خوشخبری دینے والے	المآئدۃ 19:5
4	اَلْمُسْلِم	اطاعت گزار	الأنعام 163:6
5	اَلْأُمِّيّ	ان پڑھ ...... آپ ﷺ کو کسی انسان نے کچھ نہیں پڑھایا۔ آپ ﷺ کو خود اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کے ذریعے تعلیم دی۔	الأعراف 157:7
6	ثَانِيَ اثْنَيْن	دو افراد کے دوسرے	التوبۃ 40:9
7	عَبْد	بندگی کرنے والے	بنيَ إسرآءيل 1:17
8	بَشَر	انسان ...... آپ کو اللہ تعالیٰ نے سید البشر قرار دیا	الکهف 110:18
9	رَحْمَةٌ لِّلْعَالَمِين	تمام جہانوں کے لیے رحمت	الأنبيآء 107:21
10	اَلنَّبِيّ	پیغمبر ...... قیامت، آخرت، جنت، دوزخ، برزخ اور پل صراط جیسی سچی اور پکی خبریں دینے والے	الأحزاب 6:33
11	خَاتَمُ النَّبِيِّين	سلسلۂ نبوت کی آخری کڑی، یعنی تمام انبیائے کرام کے بعد تشریف لانے والے آخری رسول محمد ﷺ	الأحزاب 40:33
12	شَاهِد	گواہی دینے والے	الأحزاب 45:33
13	مُبَشِّر	اللہ تعالیٰ کے انعامات اور جنت کی بشارت دینے والے	الأحزاب 45:33
14	نَذِير	اللہ کے عذاب اور دوزخ سے ڈرانے والے	الأحزاب 45:33
15	دَاعِي إِلَى اللّٰه	اللہ کی طرف دعوت دینے والے	الأحزاب 46:33
16	سِرَاجٌ مُّنِير	روشن چراغ	الأحزاب 46:33
17	مُبِين	کھول کھول کر وضاحت سے بیان کرنے والے	الزخرف 29:43
18	رَسُولُ اللّٰه	اللہ کے رسول	الفتح 29:48

19	کَرِیم	نہایت معزز	الحآقة 40:69
20	عَبْدُاللّٰه	اللہ کے بندے	الجن 19:72
21	اَلْمُزَّمِّل	کملی والے	المزمل 1:73
22	اَلْمُدَّثِّر	لحاف اوڑھنے والے	المدثر 1:74
23	مُذَكِّر	نصیحت کرنے والے	الغاشية 21:88
24	اَلْبَيِّنَة	روشن دلیل	البينة 1:98 [1]

ان صفاتی ناموں کے علاوہ بھی قرآن مجید میں آپ کی کئی صفاتِ عالیہ مخصوص سیاق وسباق میں بیان ہوئی ہیں لیکن ان سے آپ کا نام اخذ کرنا اور انھیں صفاتی ناموں میں شامل کرنا صحیح نہیں،[2] جیسے حَرِیص، رَءُوف اور رَحِیم۔ ان میں سے ہر ایک اسم مبارک کے جداگانہ مستقل معنی ہیں۔ یہی الفاظ قرآن مجید میں نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ بابرکات کے لیے اس طرح آئے ہیں:

﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝﴾

''(لوگو!) یقیناً تمھارے پاس تمھی میں سے ایک رسول آچکا ہے، اس پر تمھارا ہلاکت میں پڑنا بہت شاق گزرتا ہے، وہ تمھاری بھلائی کا حریص اور اہلِ ایمان کے لیے سراپا شفقت ورحمت ہے۔''[3]

اس آیت مقدسہ میں حَرِیص، رَءُوف اور رَحِیم کو سیاق وسباق کی عبارت سے جدا کر کے رسول اللہ ﷺ کے ناموں میں شامل کرنا صحیح نہیں۔

یٰسٓ اور طٰہٰ نبی اکرم ﷺ کے نام نہیں

عوام میں یہ بات مشہور ہوگئی ہے کہ یٰسٓ اور طٰہٰ نبی اکرم ﷺ ہی کے ناموں میں سے ہیں لیکن یہ بات صحیح نہیں۔ یہ دونوں الفاظ نبی اکرم ﷺ کے ناموں کے طور پر کسی بھی صحیح، حسن اور مرسل حدیث سے ثابت نہیں، نہ یہ کسی صحابی سے منقول ہیں۔ ان کے بارے میں بس یہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ الفاظ قرآن مجید کے حروفِ مقطعات میں سے ہیں۔[4]

[1] رسول اللہ ﷺ کے ناموں سے متعلق دیکھیے: أحكام القرآن لابن العربي، الأحزاب 46,45:33، فتح الباري: 682,681/6، سبل الهدٰى والرشاد: 1/400-535، الخصائص الكبرٰى للسيوطي 1/132-134، الشفا للقاضي عياض: 1/311-336، صفة الصفوة: 1/54-56. [2] دیکھیے: فتاوى الدين الخالص: 63/2، الماتريدية للشمس السلفي الأفغاني: 403/2. [3] التوبة 128:9. [4] تحفة المودود، ص: 122.

رسول اللہ ﷺ کی کنیت

عربوں میں نام کے علاوہ کنیت رکھنے کا بھی رواج تھا اور یہ عمل باعثِ تکریم سمجھا جاتا تھا، اس لیے جن کی اولاد نہیں تھی، وہ بھی کنیت رکھتے تھے۔ کنیت عموماً بڑے بیٹے کے نام پر رکھی جاتی تھی۔ بعض اوقات یہ کنیت کسی پیشے، میلان و رجحان یا امتیازی خصوصیت اور فضل و کمال کی وجہ سے بھی رکھی جاتی تھی، جیسے: ابوبکر، ابو ہریرہ، ابوشامہ وغیرہ۔

نبی کریم ﷺ کی ایک کنیت اپنے بڑے بیٹے قاسم کے نام پر ''ابوالقاسم'' ہے۔ دوسری کنیت دوسرے صاحبزادے کی مناسبت سے ''ابوابراہیم'' ہے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے نبیِ اکرم ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو جبرئیل علیہ السلام آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان الفاظ میں سلام عرض کیا:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا أَبَا إِبْرَاهِيمَ!

''سلامتی ہو آپ پر اے ابوابراہیم!''[1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ابوالقاسم ﷺ نے فرمایا:

«سَمُّوا بِاسْمِي وَلَا تَكْتَنُوا بِكُنْيَتِي»

''میرے نام پر نام رکھو، لیکن میری کنیت پر کنیت نہ رکھو۔''[2]

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن نبیِ کریم ﷺ بازار گئے ہوئے تھے کہ ایک آدمی نے پکارا: ''اے ابوالقاسم!'' آپ ﷺ اس کی طرف متوجہ ہوئے تو وہ بولا: ''میں نے آپ کو نہیں بلکہ فلاں شخص کو آواز دی ہے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا:

«سَمُّوا بِاسْمِي وَلَا تَكَنَّوْا بِكُنْيَتِي»

''میرے نام پر نام رکھو لیکن میری کنیت پر کنیت نہ رکھو۔''[3]

[1] المستدرك للحاكم: 604/2، حديث: 4188. [2] صحيح البخاري: 3539. [3] صحيح البخاري: 2120.

نبی کریم ﷺ کی مبارک زندگی میں آپ ﷺ کی کنیت اختیار کرنا جائز نہ تھا مگر جمہور علماء کا خیال ہے کہ آپ ﷺ کے بعد اب آپ کا نام اور کنیت دونوں رکھے جا سکتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: ''اے اللہ کے رسول! اگر آپ کے بعد میرے ہاں بچہ پیدا ہو تو کیا میں اس کا نام اور کنیت آپ کے نام اور کنیت پر رکھ سکتا ہوں؟'' آپ نے فرمایا: ''ہاں۔''[1]

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ رخصت صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے مخصوص تھی۔ لیکن یہ بات ٹھیک معلوم نہیں ہوتی کیونکہ کئی اور صحابہ، مثلاً: طلحہ بن عبیداللہ، ابوبکر، سعد، جعفر بن ابی طالب، عبدالرحمٰن بن عوف، مشہور بدری صحابی حاطب بن ابی بلتعہ اور اشعث بن قیس رضی اللہ عنہم نے اپنے بیٹوں کا نام محمد رکھا اور اُن کی کنیت بھی ابوالقاسم رکھی۔[2]

[1] سنن أبي داود: 4967. [2] فتح الباري: 703/10.

نبی کریم ﷺ کا عقیقہ

یہاں پہلے یہ بات سمجھ لیجیے کہ عقیقہ کا مطلب کیا ہے۔ عقیقہ اس جانور کو کہتے ہیں جو بچے کی پیدائش کے ساتویں دن بچے کے بال کاٹنے کے بعد ذبح کیا جاتا ہے۔[1]

ملتِ ابراہیمی کے جن چند احکام پر اہل عرب عمل پیرا تھے، اُن میں سے ایک عقیقہ بھی تھا جو حسبِ روایت بچے کی پیدائش کے بعد ساتویں دن کیا جاتا تھا۔ اس بارے میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے تاکید فرمائی:

«مَعَ الْغُلَامِ عَقِيقَةٌ، فَأَهْرِيقُوا عَنْهُ دَمًا وَأَمِيطُوا عَنْهُ الْأَذٰى»

”بچے (کی پیدائش) پر عقیقہ ہے۔ اس کی طرف سے خون بہاؤ اور اس سے اذیٰ کو دور کرو۔“[2] یعنی جانور ذبح کرو، بچے کا سر مونڈو اور ختنہ کرو۔

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«كُلُّ غُلَامٍ رَهِينَةٌ بِعَقِيقَتِهِ، تُذْبَحُ عَنْهُ يَوْمَ سَابِعِهِ، وَيُحْلَقُ وَيُسَمّٰى»

”ہر بچہ اپنے عقیقے کے عوض گروی ہوتا ہے۔ (لہٰذا) ساتویں دن اس کی طرف سے جانور ذبح کیا جائے، اس کا سر مونڈا جائے اور اس کا نام رکھا جائے۔“[3]

صلح حدیبیہ کے دن مسلمان ہونے والی ام کرز خزاعیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

«عَنِ الْغُلَامِ شَاتَانِ، وَعَنِ الْجَارِيَةِ شَاةٌ، لَا يَضُرُّكُمْ أَذُكْرَانًا كُنَّ أَمْ إِنَاثًا»

”لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ذبح کی جائے۔ اس بات میں تمھارے لیے کوئی حرج نہیں کہ ذبح کیے جانے والے جانور چاہے نر ہوں یا مادہ۔“[4]

بیہقی کی روایت میں ہے کہ (عرب کے دستور کے مطابق) جناب عبدالمطلب نے رسول اللہ ﷺ کے عقیقے کے لیے

[1] المعجم الوسيط، مادة: عق. [2] صحيح البخاري: 5472. [3] سنن أبي داود: 2838. [4] سنن أبي داود: 2835.

ساتویں دن جانور ذبح کیے اور قریش کو ضیافت دی۔ [1] تاہم سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے:

عَقَّ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ عَنْ نَفْسِہٖ بَعْدَ مَا بُعِثَ بِالنُّبُوَّۃِ

''رسول اللہ ﷺ نے شرف نبوت پانے کے بعد اپنا عقیقہ خود کیا۔'' [2]

[1] [ضعیف] دلائل النبوۃ للبیہقي: 113/1. [2] المصنف لعبد الرزاق: 329/4، حدیث: 7960، السلسلۃ الصحیحۃ: 502/6-506، حدیث: 2726. ختنہ، عقیقہ اور نام تجویز کرنے کے علاوہ نومولود بچے کے بارے میں دوسرے مفصل احکام و مسائل جاننے کے لیے امام ابن قیم رحمہ اللہ کی کتاب تحفۃ المودود بأحکام المولود اور مکتبہ دارالسلام لاہور کی اسلامی ناموں کی ڈکشنری کا مطالعہ فرمائیے۔

رسول اللہ ﷺ کی رضاعت اور پرورش

عرب میں رضاعت

عرب کے ممتاز گھرانوں کا دستور تھا کہ وہ اپنے بچوں کو شہری اور وبائی بیماریوں سے محفوظ رکھنے کے لیے دودھ پلانے والی بدوی عورتوں کے حوالے کردیا کرتے تھے تاکہ وہ تندرست رہیں، ان کے جسم طاقتور اور اعصاب مضبوط ہوجائیں۔ مزید برآں وہ اپنے گہوارے ہی میں ٹھیٹھ عربی زبان کا ذوق پیدا کرلیں اور صحیح لب ولہجہ کے ساتھ بخوبی بولنے لگیں۔ [1] شرفائے عرب نے یہ روایت جاری رکھی حتی کہ مدتوں بعد بنواُمیہ کے دور اقتدار میں بھی یہ روایت بدستور جاری رہی۔ بنوامیہ نے دمشق کو دارالحکومت بنادیا اور شاہانہ شان وشوکت اختیار کرلی۔ پھر بھی یہ روایت نہیں بدلی اور شاہانِ بنوامیہ کے بچے بادیہ نشین بدوؤں ہی کے گھروں میں دودھ پیتے اور پلتے رہے۔ صرف خلیفہ ولید بن عبدالملک وہ چھٹا اموی حکمران تھا جو مخصوص اسباب کی وجہ سے صحرائی ماحول میں نہ جاسکا، وہ شاہی حرم ہی میں پلا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ خاندان بنی اُمیہ میں وہی اکیلا شخص تھا جو فصیح عربی کے ذوق سے ناآشنا رہا۔ اس کی حالت یہ تھی کہ وہ صحیح عربی بولنے سے بھی قاصر تھا۔ [2]

سب سے پہلے والدہ ماجدہ نے دودھ پلایا

رسول اللہ ﷺ پیدا ہوئے تو سب سے پہلے آپ ﷺ کو آپ کی والدہ ماجدہ ہی نے اپنا دودھ پلایا، پھر وہ اپنے بے مثل لخت جگر ﷺ کو متواتر سات دن تک دودھ پلاتی رہیں۔ [3] یہ ایک معلوم ومعروف حقیقت ہے کہ جب کسی خاتون کے ہاں بچے کی ولادت ہوتی ہے تو اس وقت اُسے دوسری خواتین کے تعاون کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ حضرت آمنہ اس مرحلے سے گزریں تو اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد کرنے اور جناب رسالت مآب ﷺ کو دودھ پلانے کے لیے کئی مہذب اور مہربان خواتین کا اہتمام فرمادیا۔ آیئے! اب ان عظیم خوش نصیب خواتین کے حالات پڑھیے جنھوں نے حضرت آمنہ کا ہاتھ بٹایا اور آپ ﷺ کو دودھ پلایا۔

[1] محاضرات تاریخ الأمم الإسلامیۃ: 61/1. [2] سیرۃ النبی ﷺ: 125,124/1، مزید دیکھیے: البدایۃ والنہایۃ: 168/9. [3] سبل الہدٰی والرشاد: 375/1.

رسول اللہ ﷺ کی نظر میں ام ایمن کا درجہ

ام ایمن رضی اللہ عنہا وہ نیک نہاد اور خوش نصیب خاتون ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو گود میں کھلانے کا شرف عطا فرمایا۔

نبی ﷺ کے پیدا ہوتے ہی ام ایمن آپ ﷺ کی دیکھ بھال میں لگ گئیں۔ انھوں نے آپ ﷺ کی خبر گیری کے لیے حضرت آمنہ کا خوب ہاتھ بٹایا۔ پھر آپ ﷺ کو شیر خواری کے لیے بنو سعد بھیج دیا گیا، آپ ﷺ وہاں سے



بنو سعد کا پرانا علاقہ

واپس آئے تو ام ایمن رضی اللہ عنہا ہی نے آپ کی نگہداشت کا فرض انجام دیا اور آپ کی والدہ محترمہ کے ساتھ مل کر آپ ﷺ کی ہر ممکن خدمت کی۔ حضرت آمنہ رحلت فرما گئیں تو آپ ﷺ کی دیکھ بھال تنِ تنہا سیدہ ام ایمن ہی نے کی۔ اس وقت ام ایمن کو بھلا کیا اندازہ ہوسکتا تھا کہ میری گود میں عالم انسانیت کی سب سے بڑی ہستی سانس لے رہی ہے۔ اور یہ وہ عظیم الشان اعزاز و امتیاز ہے جو رب العزت نے محض اپنے فضل و کرم سے میرے نصیب میں لکھ دیا ہے۔ وہ آپ ﷺ سے بے حد محبت کرتی تھیں اور یہ ایسا مبارک اور محترم رشتہ تھا کہ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے:

«أُمُّ أَيْمَنَ أُمِّي بَعْدَ أُمِّي»

''میری ماں کے بعد اُم اَیمن ہی میری ماں ہیں۔''[1]

[1] [ضعیف] السلسلة الضعيفة:7059، الإصابة:359/8، الاستيعاب، ص:863، تهذيب الكمال:447/22.

نبی کریم ﷺ ام ایمن کا بہت خیال رکھتے تھے۔ ان سے ملنے کے لیے خود تشریف لے جاتے تھے اور ان کی ضروریات پوری کرنے کی کوشش فرماتے تھے۔ وہ بڑی دانا خاتون تھیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد ایک دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے: ''آؤ، ہم ام ایمن سے اسی طرح ملنے چلیں جس طرح رسول اللہ ﷺ اُن سے ملنے تشریف لے جاتے تھے۔'' جب ہم ان کی خدمت میں پہنچے تو اُم ایمن رضی اللہ عنہا رو پڑیں۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے پوچھا: ''(ام ایمن!) آپ کیوں رو پڑیں؟ جو کچھ اللہ کے پاس ہے، وہ رسول اللہ ﷺ کے لیے (اس دنیا کی ہر متاع سے کہیں زیادہ) بہتر ہے۔'' وہ فرمانے لگیں: ''میں اس حقیقت سے بے خبر نہیں کہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے، وہ رسول اللہ ﷺ کے لیے بہت بہتر ہے:

وَلٰكِنْ أَبْكِي أَنَّ الْوَحْيَ قَدِ انْقَطَعَ مِنَ السَّمَاءِ

''میں تو اس لیے رو رہی ہوں کہ اب آسمان سے وحی اُترنے کا مبارک سلسلہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا ہے۔'' اُم ایمن رضی اللہ عنہا کی یہ بات سن کر سیدنا ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی بے اختیار رو پڑے۔[1]

محترمہ ثُوَیبہ

حضرت آمنہ کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کو ابتدائی دنوں میں ابولہب کی ثویبہ نامی لونڈی نے بھی دودھ پلایا تھا۔ ام المومنین ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ایک بار میں نے سید الانبیاء ﷺ سے درخواست کی: ''اے اللہ کے رسول! میری بہن، ابوسفیان کی بیٹی، سے نکاح کر لیجیے۔'' آپ ﷺ نے معاً فرمایا: ''کیا تم یہ بات پسند کرو گی کہ تمھاری بہن تمھاری سوکن بنے؟'' میں نے کہا: ''جی ہاں! میں آپ کے نکاح میں تنہا نہیں ہوں۔ میں اپنے ساتھ ہر خیر میں شریک کرنے کے لیے اپنی بہن کو سب سے زیادہ محبوب رکھتی ہوں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ میرے لیے حلال نہیں۔'' سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے مزید کہا: ''اے اللہ کے رسول! لوگ کہتے ہیں کہ آپ ابوسلمہ کی بیٹی جو ام سلمہ ہی کے بطن سے ہے، سے نکاح کرنے والے ہیں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر وہ میری ربیبہ (بیوی کی بیٹی) اور میری پرورش میں نہ بھی ہوتی، تب بھی میرا اُس سے شادی کرنا جائز نہ ہوتا کیونکہ وہ میرے رضاعی بھائی کی بیٹی ہے۔ مجھے اور ابوسلمہ دونوں کو ثویبہ نے دودھ پلایا تھا۔ یہ بات یاد رکھو کہ تم مجھے اپنی بیٹیوں اور بہنوں سے نکاح کی پیش کش نہ کیا کرو۔''[2]

ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ ثویبہ نے نبی ﷺ کے چچا حمزہ بن عبدالمطلب اور عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو بھی دودھ پلایا

[1] صحیح مسلم: 2454. [2] صحیح البخاري: 5101.

تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دودھ پینے میں ثویبہ کا بیٹا مسروح بھی شریک تھا۔ [1]

امام بخاری رحمہ اللہ نے مذکورہ بالا حدیث کے بعد عروہ کا ایک قول بیان کیا ہے کہ ثویبہ ابولہب کی لونڈی تھی۔ ابولہب نے اُسے آزاد کر دیا تھا اور اس نے نبی ﷺ کو دودھ پلایا تھا۔ ابولہب مر گیا تو اس کے کسی عزیز نے اُسے خواب میں بہت بری حالت میں دیکھا۔ پوچھا: ''کیا حال ہے، تم پر کیا گزری؟'' وہ کہنے لگا: ''میں جب سے تم سے جدا ہوا ہوں مجھے کبھی آرام نہیں ملا، ہاں! میں نے ثویبہ کو آزاد کرتے ہوئے اس (انگلی) سے جو اشارہ کیا تھا، اُس کی وجہ سے تھوڑا سا پانی پینے کو مل جاتا ہے۔'' [2] امام سہیلی نے لکھا ہے کہ ثویبہ نے ابولہب کو نبی اکرم ﷺ کی پیدائش کی خوش خبری دی تو ابولہب نے اسے اُسی وقت آزاد کر دیا۔ [3] لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابولہب نے ثویبہ کو فوراً نہیں بلکہ کچھ عرصہ بعد آزاد کیا تھا۔ [4]

عیسائیوں کی عید ''کرسمس'' کی پیروی میں بعض لوگوں نے عروہ (تابعی) کے اس قول سے متاخرین کی ایجاد کردہ رسم ''عید میلاد النبی'' کا جواز ثابت کرنے کی کوشش کی ہے جو بالکل غلط اور مضحکہ خیز ہے۔ کیا کوئی مسلمان رسول اللہ ﷺ کے بدترین دشمن ابولہب کے ایسے عمل سے استدلال کے بارے میں سوچ بھی سکتا ہے جسے خود رسول اللہ ﷺ، آپ کے چچا حضرت عباس یا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما یا کسی بھی صحابی، تابعی، مجتہد یا محدث نے ہیچ اور ناقابل توجہ سمجھا ہو۔ حضرت عروہ نے خواب دیکھنے والے شخص کا نام نہیں بتایا، تاہم امام سہیلی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ بخاری کے علاوہ دیگر روایات میں بتایا گیا ہے کہ یہ خواب عباس رضی اللہ عنہ نے ابولہب کی وفات کے ایک سال بعد دیکھا تھا۔ [5]

اگر رسول اللہ ﷺ نے خود اس بات کی خبر دی ہوتی، تب بھی اسے زیادہ سے زیادہ جناب ابوطالب پر تخفیف عذاب کی طرح رسول اللہ ﷺ کے ایک اور ایمان نہ لانے والے چچا کی خصوصیت کہہ دیا جاتا۔ یہاں حالت یہ ہے کہ خواب دیکھنے والے نے صرف ابولہب کو دیکھا اور اسی کی زبانی یہ خبر سن لی جبکہ فقہاء اور محدثین کا کہنا یہ ہے کہ چاہے کوئی خود رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھے اور ان سے کوئی بات سنے تو اسے بھی کسی معاملے کا جواز یا عدم جواز اور کسی شرعی مسئلے کی بنیاد نہیں بنایا جا سکتا۔ امام محمد ابن الحاج فاسی رحمہ اللہ اپنی کتاب المدخل (4/302-304) میں فرماتے ہیں: ''اس فتنے سے بچنا چاہیے جس میں آج کل بعض لوگ مبتلا ہیں۔ کوئی شخص اپنے خیال میں نبی کریم ﷺ کو خواب میں دیکھتا ہے، آپ ﷺ اُسے کسی بات کا حکم دیتے ہیں یا کسی بات سے منع کرتے ہیں، وہ بیدار ہو کر بے دھڑک

[1] الطبقات لابن سعد: 1/108، الروض الأنف: 1/285، زاد المعاد: 1/83,82. [2] صحيح البخاري، بعد الحديث: 5101. [3] الروض الأنف: 3/99. [4] فتح الباري: 9/181. [5] الروض الأنف: 3/98.

اپنے خواب پر عمل کرنا شروع کر دیتا ہے، یہ نہیں دیکھتا کہ یہ بات قرآن وسنت اور اسلاف کے فہم کے مطابق ہے یا نہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ إِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ﴾ (النسآء 59:4)

''اگر تمھارے مابین کسی معاملے پر کوئی اختلاف پیدا ہو جائے تو اسے اللہ اور اُس کے رسول کی طرف لوٹا دو۔''

اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی کتاب سے رجوع کرو اور رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹانے کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں آپ کی ذات بابرکات اور وفات کے بعد آپ کی سنت کی طرف رجوع کرو۔ ائمۂ تفسیر اس سے یہی مراد لیتے ہیں۔[1]

ابوولید محمد بن احمد بن رشد قرطبی رحمہ اللہ سے ایک حاکم کے بارے میں پوچھا گیا کہ اس حاکم کے سامنے دو عادل آدمیوں نے کسی معاملے میں گواہی دی، پھر حاکم سو گیا، اُس نے خواب میں نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں: ''ان کی گواہی قبول نہ کرنا، یہ گواہی باطل ہے۔'' ابن رشد رحمہ اللہ نے جواب دیا: ''اُس حاکم کا فرض یہ ہے کہ وہ عادل لوگوں کی گواہی قبول کرے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو یہ خواب کے ذریعے سے شریعت کے احکام کو باطل کرنے والی بات ہوگی کیونکہ یہ اندازِ فکر یکسر غلط اور گمراہ کن ہے۔ خواب کے ذریعے سے صرف انبیاء علیہم السلام ہی کو علم حاصل ہو سکتا ہے کیونکہ اُن کے خواب بھی وحی ہوتے ہیں۔''[2]

یہاں یہ بات یاد رہنی چاہیے کہ اس امر پر فقہاء اور محدثین کا اتفاق ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے خواب وحی ہوتے ہیں۔ ان کے سوا کسی اور انسان کے کسی بھی قسم کے خواب سے کوئی شرعی مسئلہ اور کسی کام کا جواز یا عدم جواز اخذ نہیں کیا جا سکتا۔

ام فروہ

ام فروہ رضی اللہ عنہا بھی رسول اللہ ﷺ کی رضاعی ماؤں کی فہرست میں شامل کی گئی ہیں۔ شیعی مؤرخ جعفر بن محمد مستغفری نے لکھا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی دایہ ام فروہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے یہ تاکید فرمائی:

«إِذَا أَوَيْتِ إِلٰى فِرَاشِكِ فَاقْرَئِي ﴿قُلْ يٰٓأَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝﴾ فَإِنَّهَا بَرَاءَةٌ مِّنَ الشِّرْكِ»

''جب تم بستر پر لیٹو تو سورۂ ﴿قُلْ يٰٓأَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝﴾ پڑھو۔ یہ شرک سے بیزاری ہے۔''[3]

لیکن یہ روایت پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی، چہ جائیکہ اس سے ام فروہ رضی اللہ عنہا کا رضاعی ماں ہونا ثابت کیا جائے۔

[1] رسائل في حكم الاحتفال بالمولد النبوي: 542/2. [2] رسائل في حكم الاحتفال بالمولد النبوي: 546/2، الاعتصام للشاطبي: 335/1. [3] أسد الغابة: 480/5، الإصابة: 451/8.

ابو موسیٰ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کے راوی کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض نے فروہ بیان کیا ہے، بعض نے ابو فروہ اور بعض نے نوفل۔ ام فروہ والا قول سب سے غریب ہے بلکہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے صریحاً غلط قرار دیا ہے اور انھیں صحابیہ شمار نہیں کیا۔ [1]

یہ روایت بیان کرنے والوں میں امام ابوداود، ترمذی، نسائی، حاکم، ابن حبان اور دارمی رحمہم اللہ وغیرہ شامل ہیں۔ ان حضرات نے یہ روایت اپنی اپنی کتاب میں نقل کی ہے لیکن ان کے ہاں ظِئر (دودھ پلانے والی دایہ) کا لفظ نہیں۔ [2] ظِئر کا لفظ صرف جعفر مستغفری بیان کرتے ہیں۔ مستغفری کے بارے میں محدثین کہتے ہیں کہ ہر چند یہ خود صدوق تھے لیکن اُنھیں حدیث کی کما حقہ پہچان نہ تھی، موضوعات بھی روایت کر دیا کرتے تھے۔ [3] اس لیے صرف مستغفری پر اعتماد کرتے ہوئے ام فروہ کو رسول اللہ ﷺ کی رضاعی ماؤں میں شامل نہیں کیا جا سکتا۔

بعض سیرت نگاروں نے نبی کریم ﷺ کی رضاعی ماؤں میں اُم بردہ خولہ بنت منذر انصاریہ نجاریہ کا بھی ذکر کیا ہے لیکن یہ بات ٹھیک نہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ وہ آپ ﷺ کے بیٹے ابراہیم کی رضاعی ماں تھیں۔ [4]

ان کے علاوہ بنی سُلَیم کی تین عورتوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے کہ انھوں نے بھی نبی کریم ﷺ کو دودھ پلایا۔ [5] لیکن یہ بات پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی۔

حلیمہ سعدیہ

ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ بنو سعد بن بکر بن ہوازن کی خاتون حلیمہ بنت ابی ذُؤیب نے آپ کو دودھ پلایا تھا۔ ابو ذُؤیب کا نام عبداللہ بن حارث بن شِجْنَۃ ہے۔ ان کا تعلق قیس عیلان قبیلے سے ہے۔ [6] حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا اور بنو ہوازن کا علاقہ طائف کے مضافات میں تھا۔ [7]

حلیمہ رضی اللہ عنہا کی دلنشین باتیں

ابن اسحاق نے حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کی زبانی اس رضاعت کی تفصیل اس طرح بیان کی ہے: حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں اپنے شوہر حارث بن عبدالعزیٰ کے ساتھ اپنا ایک دودھ پیتا بچہ لے کر بنو سعد کی عورتوں کے قافلے میں

---

[1] الإصابة: 452,451/8. [2] سنن أبي داود: 5055، جامع الترمذي: 3403، السنن الكبرٰى للنسائي: 200/6، المستدرك للحاكم: 538/2، صحيح ابن حبان (الإحسان): 82,81/2، سنن الدارمي: 309/2. [3] تذكرة الحفاظ: 200/3، سير أعلام النبلاء: 565,564/17. [4] الإصابة: 120/8، دلائل النبوة للبيهقي (حاشية): 131/1، سبل الهدٰى والرشاد: 378,377/1. [5] دلائل النبوة للبيهقي (حاشية): 131/1، سبل الهدٰى والرشاد: 378/1. [6] السيرة لابن إسحاق: 100/1، الإصابة: 87/8. [7] السيرة النبوية للمهدي، ص: 114.

جبل بام
الزيمة
السيل الكبير
جبل الراحه
الطريق الرياض
ميقات قرن منازل
جبل الامهاد
السيل الصغير
الشعل
الشريف
الحوية
الريقة
ميقات وادی محرم
الحلقة
الرميدة
الهدا
وادی وج
الوزير
مرفوض
جبال نعمان
الغمير
الملعب
السور
القعور
الطائف
الطريق اليمن
غرابة
مظللة
شقصان
جبل الاديم
ثمالة
ابوعواد
غديرة
القوم
جويرة
الذيابات
الشفا
اللبة
جبل عامة
جبل حمر
القصر
بنو سعد
شوحطه
الصحن
جبل كوشان
جبل جودة
جبل داوة
الطفلان
العوصاء
جبل الحمرية
الدار الحمراء
لغب
الريقة
جبل الاحمر
ميسان
جبل المشارق
جبل العرف
القنع
المريفق
وادی یلملم
الشعاعيب
جبل الاعطية
50 کلومیٹر 40 30 20 10 0

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے قبیلے بنو سعد کا علاقہ



حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے علاقہ بنوسعد کا منظر

شامل ہوئی۔ پھر اپنی بستی سے باہر دودھ پینے والے بچوں کی تلاش میں نکلی۔ یہ قحط سالی کے دن تھے۔ قحط نے کچھ باقی نہ چھوڑا تھا۔ میں اپنی ایک سفید گدھی پر سوار تھی۔ ہمارے ساتھ ہماری ایک اونٹنی بھی تھی لیکن واللہ! وہ دودھ کی ایک بُوند بھی نہیں دیتی تھی۔ ادھر بچہ بھوک سے اس قدر بلکتا تھا کہ اس کی وجہ سے ہم رات کو سو بھی نہیں سکتے تھے۔ میری چھاتی سے دُودھ اُترتا تھا نہ اونٹنی دودھ دیتی تھی۔ بس ہم بارش اور خوشحالی کی آس لگائے بیٹھے تھے۔ میں اپنی گدھی پر سوار ہوکر چلی تو وہ کمزوری اور دُبلے پن کے سبب اتنی سست رفتار تھی کہ اس سے سارا قافلہ تنگ آ گیا۔ خیر ہم کسی نہ کسی طرح دودھ پینے والے بچوں کی تلاش میں مکہ پہنچ گئے، پھر ہم میں سے ہر عورت کو محمد (ﷺ) کو گود لینے کی پیش کش ہوئی مگر جب اسے بتایا جاتا کہ آپ ﷺ یتیم ہیں تو وہ آپ کو لینے سے انکار کر دیتی تھی کیونکہ ہم تو بچے کے والد ہی سے انعام و اکرام کی اُمید رکھتے تھے۔ ہم نے سوچا کہ یہ بچہ تو یتیم ہے، بھلا اس کی بیوہ ماں اور اس کے دادا کیا دے سکتے ہیں؟ بس اسی وجہ سے ہم آپ ﷺ کو نہیں لینا چاہتے تھے۔

ادھر جتنی عورتیں میرے ساتھ آئی تھیں اُن سب کو کوئی نہ کوئی بچہ مل گیا، بس اکیلی میں ہی تھی جسے کوئی بچہ نہ مل سکا۔ واپسی کا وقت آیا تو میں نے اپنے شوہر سے کہا: ''اللہ کی قسم! مجھے اچھا نہیں لگتا کہ میرے ساتھ آنے والی عورتیں تو بچے لے کر جائیں اور میں کوئی بچہ لیے بغیر ہی خالی گود واپس چلی جاؤں، اس لیے میں تو اب اسی یتیم بچے کو لے چلتی ہوں۔'' شوہر نے کہا: ''ہاں ہاں! اس میں کوئی حرج نہیں۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ اسی میں ہمارے لیے برکت ڈال دے۔'' اس کے بعد میں نے محمد ﷺ کو لے لیا اور اس بنا پر لے لیا کہ ہمیں کوئی اور بچہ مل ہی نہ سکا تھا۔

جب میں اس بچے کو لے کر مکہ کے قریب اپنے ٹھکانے پر واپس آئی اور اسے اپنی آغوش میں لے کر بیٹھی تو میری چھاتی سے دفعتاً دُودھ چھلک پڑا۔ اس بچے نے خوب پیٹ بھر کر دودھ پیا اور اس کے ساتھ اس کے (رضاعی) بھائی، یعنی میرے حقیقی بیٹے نے بھی جی بھر کر دودھ پیا، پھر دونوں سوگئے۔ اس سے پہلے حالت یہ تھی کہ ہم اپنے بچے کے ساتھ سو بھی نہیں سکتے تھے۔ ادھر میرے شوہر اونٹنی دوہنے گئے تو دیکھا کہ اس کے تھن دودھ سے لبریز ہیں، انھوں نے اتنا دودھ دوہا کہ ہم دونوں نے خوب جی بھر کر پیا۔ پھر بڑے آرام سے رات گزاری۔ صبح ہوئی تو میرے شوہر نے کہا: ''حلیمہ! اللہ کی قسم! تم نے بڑی بابرکت روح حاصل کی ہے۔'' میں نے کہا: ''آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ میرا بھی یہی خیال ہے۔''

اس کے بعد ہمارا قافلہ روانہ ہوا۔ میں نے اس بچے کو گود میں لیا اور اپنی خستہ حال مریل گدھی پر بیٹھ گئی۔ اللہ کی قسم! وہی مریل گدھی جس کی ٹانگیں کانپتی تھیں، اب پورے قافلے کا راستہ کاٹ کر اس برق رفتاری سے آگے نکل گئی کہ قافلے کا کوئی گدھا اس کی گرد کو بھی نہ پاسکا۔ میری سہیلیاں حیران ہو کر مجھ سے کہنے لگیں: ''اے ابوذؤیب کی بیٹی! یہ کیا؟ ذرا ہم پر مہربانی کر، بتا کیا یہ تیری وہی گدھی نہیں جس پر تو سوار ہو کر آئی تھی؟'' میں نے جواب دیا: ''ہاں ہاں! واللہ! یہ وہی ہے۔'' وہ کہنے لگیں: ''ہو نہ ہو اس کے ساتھ ضرور کوئی خاص بات پیش آئی ہے۔'' پھر ہم بنوسعد پہنچے اور اپنے گھروں میں واپس آگئے۔

روئے زمین کا شاید ہی کوئی خطہ ایسا ہو جو ہمارے علاقے سے زیادہ قحط زدہ ہو۔ لیکن ہمارے واپس آنے کے بعد اچانک حالت ہی بدل گئی۔ اب میری بکریاں چرنے جاتیں تو خوب سیر ہو کر دودھ سے لبریز واپس آتیں۔ ہم ان کا دودھ دوہتے اور پیتے جبکہ ہماری بستی میں کسی اور شخص کو دودھ کا ایک قطرہ بھی نصیب نہ ہوتا۔ ان کے جانوروں کے تھنوں میں سرے سے دودھ ہوتا ہی نہ تھا۔ ہماری قوم کے لوگ اپنے چرواہوں سے کہتے تھے: ''ارے کم بختو! جانور وہیں چرانے جایا کرو جہاں ابوذؤیب کی بیٹی کا چرواہا جاتا ہے۔'' لیکن پھر بھی ان کی بکریاں بھوکی سوکھی ہی واپس آتیں۔ ان کے تھنوں میں دودھ کا نام ونشان بھی نہ ہوتا جبکہ میری بکریاں خوب سیر اور دودھ سے لبریز ہو کر واپس آتی تھیں۔

اس طرح ہم اللہ کی طرف سے مسلسل ہونے والی خیر و برکت کا مشاہدہ کرتے رہے یہاں تک کہ اس بچے کے دوسال پورے ہوگئے۔ میں نے اس کا دودھ چھڑا دیا۔ یہ بچہ دوسرے بچوں کے مقابلے میں اس طرح بڑھ رہا تھا کہ دوسال پورے ہوتے ہی وہ خوب توانا، تندرست اور مضبوط ہو چکا تھا۔ اس کے بعد ہم اس بچے کو اس کی ماں کے

پاس لے گئے۔ لیکن اس کی جو برکت ہم لگا تار دیکھتے چلے آئے تھے، اس کی وجہ سے ہماری طلب اور تڑپ یہ تھی کہ یہ بچہ ہمارے پاس ہی رہے، چنانچہ ہم نے اس کی ماں سے درخواست کی: ''آپ اپنے نونہال کو میرے پاس ہی رہنے دیجیے تاکہ یہ مزید تنومند ہو جائے؟ مجھے اس کی بڑی فکر ہے۔ مکہ کی آب و ہوا اس کے لیے مُضر ہے۔'' غرض ہمارے مسلسل اصرار پر انھوں نے یہ بابرکت بچہ ہمیں واپس دے دیا۔[1] اس دوران میں حلیمہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کو ہر چھٹے مہینے آپ کی والدہ ماجدہ اور دیگر عزیز واقارب سے ملانے کے لیے لاتی تھیں۔[2]

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے دودھ پلانے اور اُن کے ہاں رہنے کا مفصل واقعہ صرف ابن اسحاق رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے جسے ابن کثیر رحمہ اللہ نے سیرت نگاروں اور مؤرخین کے ہاں مشہور اور متداول احادیث میں شمار کیا ہے۔[3] تاہم سیرت ابن ہشام کے محققین اور شیخ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے اس واقعے کی سند کو جہم کے مجہول ہونے کی بنا پر ضعیف قرار دیا ہے۔[4] جہم کو صرف ابن حبان نے ثقات میں شمار کیا ہے۔[5] اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اس واقعے کے لیے بہت سے شواہد اور قرائن ہیں جو اس کی صحت پر دلالت کرتے ہیں، جیسے صحیح مسلم کی روایت ہے کہ جب شق صدر کا واقعہ رُونما ہوا، اُس وقت آپ اپنی رضاعی ماں کے ہاں قیام پذیر تھے۔[6]


جعرانہ کا علاقہ

اسی طرح امام احمد اور ابن اسحاق رحمہما اللہ کی ایک روایت ہے: جب نبی ﷺ غزوۂ حنین سے واپسی پر جِعِرّانہ نامی مقام پر ٹھہرے ہوئے تھے، اس وقت بنوہوازن کے وفد نے آپ ﷺ سے استدعا کی تھی: ''حضور! ان قیدیوں میں آپ کی پھوپھیاں، خالائیں اور خادمائیں بھی ہیں جو آپ کو اپنی گود میں کھلایا کرتی تھیں۔''[7]

اس روایت میں یہ صراحت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بنوہوازن کے ہاں دودھ پیا تھا۔ حلیمہ بنت ابی ذؤیب کی قوم بنوسعد بھی بنوہوازن میں سے تھی۔ ابن سعد نے ابن قبطیہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ بنوسعد بن بکر

[1] السيرة لابن إسحاق :1/100-102، السيرة لابن هشام :1/162-164، البداية والنهاية :2/254، 255. اس روایت کی سند میں جہم بن ابوجہم مجہول راوی ہے۔ [2] رحمۃ للعالمین :1/48. [3] السيرة النبوية لابن كثير، ص :40. [4] دفاع عن الحديث النبوي والسيرة للألباني، ص :38-40، السيرة لابن هشام (محقق) :1/211-214. [5] كتاب الثقات لابن حبان :4/113.
[6] صحيح مسلم :162-(261). [7] مسند أحمد :2/218، السيرة لابن هشام :4/131، واللفظ له.

کے ہاں دودھ پیتے رہے۔ [1] ابن سعد ہی کی ایک دوسری روایت میں ہے: نبی کریم ﷺ کی والدہ محترمہ نے آپ کو بنوسعد کی ایک خاتون حلیمہ بنت ابی ذؤیب کے سپرد کیا تھا جس نے آپ کو دودھ پلایا۔ [2]

ان روایات کے علاوہ ایسی روایات بھی موجود ہیں جو بتاتی ہیں کہ آپ کے رضاعی ماں باپ بھی آپ کے پاس آئے تھے اور آپ نے اپنی رضاعی بہن شیماء کو پہچان لیا تھا جو غزوۂ حنین کے قیدیوں کی سفارش کے لیے آئی تھی (ان روایات کا تفصیلی ذکر اپنے محل پر آگے آئے گا۔) ان مضبوط شواہد کی وجہ سے تمام مؤرخین اور سیرت نگار اس بات پر متفق ہیں کہ سیدہ حلیمہ آپ ﷺ کی رضاعی ماں تھیں اور آپ ﷺ نے ابتدائی عمر میں انھی کے ہاں پرورش پائی۔

رسول اللہ ﷺ کی رضاعت کا یہ دور جو بنوسعد کے ہاں گزرا، انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ اس میں بے شمار حکمتیں تھیں۔ اس دور کے نہ صرف آپ ﷺ کی مبارک زندگی پر بہت اچھے اثرات مرتب ہوئے بلکہ یہ بنوسعد، خصوصاً حلیمہ سعدیہ اور ان کے خاندان کے لیے لازوال برکتوں اور رحمتوں کا سبب بن گیا۔

(ل) جسمانی صحت، طہارتِ قلب اور عقل وشعور پر دیہی ماحول کا اثر

الشیخ محمد الغزالی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ دیہی ماحول میں بچوں کی پرورش کے بے شمار فائدے ہیں۔ اس سے ان کی فطری صلاحیتیں نشوونما پاتی ہیں۔ وہ فطرت کی آغوش میں پروان چڑھتے ہیں۔ شفاف آب وہوا اور کھلی فضا سے مستفید ہوتے ہیں۔ اعضاء مضبوط اور بھرپور ہوتے ہیں، نت نئے احساسات جنم لیتے ہیں اور افکار ونظریات میں حریت پیدا ہوتی ہے۔

یہ ہماری بدنصیبی ہے کہ ہمارے بچے کئی کئی منزلہ عمارتوں کے تنگ وتاریک فلیٹوں میں رہتے ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے انھیں کسی ڈبے میں بند کر کے تازہ ہوا میں سانس لینے کے حق سے بھی محروم کر دیا گیا ہے۔ جدید سہولتوں سے آراستہ شہری زندگی اپنے غیر فطری اسلوب کی بنا پر اپنے باسیوں خصوصاً معصوم بچوں کے لیے اعصابی تناؤ، بدہضمی اور دیگر کئی طرح کی بیماریوں کا باعث بن رہی ہے۔ ان بیماریوں کا بنیادی سبب فطری ماحول سے دوری اور نئی تہذیب کی نمائشی بودوباش ہے۔

اہل مکہ کی یہ خواہش قابل قدر تھی کہ ان کے بچے دیہی ماحول میں پرورش پائیں اور ان کی ابتدائی تربیت آزاد فضا میں ہو۔ اکثر ماہرین نفسیات (Psychologists) زور دیتے ہیں کہ بچے کی پرورش کے لیے فطری ماحول ہی مہیا ہونا چاہیے تاکہ اس کا شعور اس کائنات کی حقیقتوں سے ہم آہنگ ہو۔ لیکن یوں لگتا ہے کہ اب اس خواب کی تعبیر بہت مشکل ہے۔ [3]

[1] الطبقات لابن سعد: 113/1. [2] الطبقات لابن سعد: 111,110/1. [3] فقه السيرة للغزالي، ص: 66,65.

(ب) فصاحت و بلاغت

رسول اللہ ﷺ میں فصاحت و بلاغت کی شان فطری طور پر موجود تھی۔ بنوسعد میں پرورش پانے کی وجہ سے اس صلاحیت کو چار چاند لگ گئے جو آپ کی آنے والی زندگی کے لیے ایک ضروری عنصر تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کے واقعے سے بھی پتہ چلتا ہے کہ ایک نبی کو دعوت دینے کے لیے فصاحت و بلاغت کی کس قدر ضرورت تھی۔ موسیٰ علیہ السلام پر اعتراض کرتے ہوئے فرعون نے کہا تھا:

﴿ اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ مَهِيْنٌ ۙ وَّلَا يَكَادُ يُبِيْنُ ○﴾

''بلکہ میں تو اس (موسیٰ) سے کہیں بہتر ہوں جو حقیر ہے اور صاف بول بھی نہیں سکتا۔''[1]

فرعون کا سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو ﴿ مَهِيْنٌ ﴾ ''حقیر'' کہنا سفید جھوٹ تھا کیونکہ تخلیق، اخلاق اور دین کے اعتبار سے مہین اور حقیر تو وہ خود تھا جبکہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام شریف، صادق، عظیم، نیکوکار اور ہدایت یافتہ تھے۔ اسی طرح اس کا ﴿ وَلَا يَكَادُ يُبِيْنُ ﴾ ''اور وہ صاف بول نہیں سکتا۔'' کہنا بھی افترا پردازی ہے، اگرچہ بچپن میں زبان پر آگ کا انگارا لگنے کی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں لکنت پیدا ہوگئی تھی مگر انھوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ وہ ان کی زبان کی گرہ کھول دے تاکہ لوگ ان کی بات کو سمجھ سکیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کی اس دعا کو بھی قبول فرما لیا تھا۔ اگر فرض کر لیا جائے کہ ان کی زبان میں کچھ لکنت باقی رہ گئی تھی تو تخلیقی اشیاء، جو آدمی کا اپنا فعل نہیں، کی بنیاد پر کوئی الزام دیا جا سکتا ہے نہ کوئی مذمت کی جا سکتی ہے۔[2]

موسیٰ علیہ السلام نے اسی بات کا اظہار کیا تھا جسے قرآن مجید ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

﴿ وَاَخِيْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْاً يُّصَدِّقُنِيْٓ ۡ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ○﴾

''اور میرا بھائی ہارون زبان کے لحاظ سے مجھ سے زیادہ فصیح ہے، لہٰذا تو اسے میرے ساتھ مددگار بنا کر بھیج دے تاکہ وہ میری تصدیق کرے۔ یقیناً میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے۔''[3]

موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے بنیادی طور پر یہی دو درخواستیں کیں:

1. اے اللہ! مجھے شرح صدر کے ساتھ طلاقتِ لسانی اور فصاحت و بلاغت عطا کر کے میرا کام آسان کر دے۔
2. اے اللہ! میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر اور مددگار بنا دے۔

موسیٰ علیہ السلام کی دونوں درخواستیں قرآن مجید ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

[1] الزخرف 52:43. [2] تفسیر ابن کثیر، الزخرف 52:43. [3] القصص 34:28.

﴿قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ۝ وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ ۝ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ۝ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ ۝ وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ ۝ هٰرُوْنَ اَخِي ۝ اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِيْ ۝ وَاَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ ۝ كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًا ۝ وَّنَذْكُرَكَ كَثِيْرًا ۝ اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيْرًا ۝ قَالَ قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى ۝﴾

''موسیٰ نے کہا: اے میرے رب! میرے لیے میرا سینہ کھول دے۔ اور میرے لیے میرا کام آسان کردے۔ اور میری زبان کی گرہ کھول دے۔ (تاکہ) وہ میری بات سمجھ سکیں۔ اور میرے لیے میرے کنبے میں سے ایک وزیر بنادے۔ (یعنی) میرے بھائی ہارون کو۔ اس کے ساتھ میری کمر مضبوط کردے۔ اور اسے میرے کام (نبوت) میں شریک کردے۔ تاکہ ہم بکثرت تیری تسبیح کریں۔ اور بکثرت تجھے یاد کریں۔ بے شک تو ہمیں خوب دیکھتا ہے۔ اللہ نے فرمایا: اے موسیٰ! جو کچھ تو نے مانگا، تجھے دے دیا گیا۔''[1]

رسول اللہ ﷺ کا نصب العین قیامت تک کی پوری انسانیت کے لیے تھا۔ جتنا یہ مشن عظیم الشان تھا، اسی حساب سے آپ کو فصاحت و بلاغت عطا کی گئی۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«بُعِثْتُ بِجَوَامِعِ الْكَلِمِ»

''مجھے جامع کلام دے کر بھیجا گیا ہے۔''[2]

یعنی آپ ﷺ کو ایسا حُسنِ کلام عطا کیا گیا جس کے الفاظ بہت محدود مگر معانی نہایت وسیع اور عظیم الشان ہیں۔ آپ کی خوش کلامی کی شان یہ تھی کہ لسانِ مبارک سے نکلا ہوا ہر جملہ نپا تُلا، ایمان پرور اور بصیرت افروز ہوتا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ کہنے لگے: ''اے اللہ کے نبی! میں نے آپ سے بڑا فصیح کوئی نہیں دیکھا۔'' آپ ﷺ نے فرمایا:

«وَمَا يَمْنَعُنِي، وَأَنَا مِنْ قُرَيْشٍ وَّأُرْضِعْتُ فِي بَنِي سَعْدٍ»

[1] طٰهٰ 20:25-36. [2] صحيح البخاري: 2977.


بنوسعد کا علاقہ جہاں کے قدرتی ماحول میں آپ ﷺ نے پرورش پائی

''میں ایسا کیوں نہ ہوتا جبکہ میں خود قریش سے ہوں اور میری رضاعت بنوسعد میں ہوئی ہے۔''[1]

اس ارشادِ گرامی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ بنوسعد میں سیدہ حلیمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں بیتے ہوئے دن رسول اللہ ﷺ کے مبارک حافظے میں کس طرح جگمگاتے تھے اور آپ ان دنوں کا کہاں کہاں کس شگفتہ پیرائے میں تذکرہ فرماتے تھے۔ حق یہ ہے کہ سید الانبیاء کو دودھ پلانا حضرت حلیمہ پر اللہ تعالیٰ کا وہ نادر فضل و کرم ہے جس نے محترمہ حلیمہ کو ابدی عزت بخشی اور لازوال فضائل و برکات سے سرفراز کر دیا۔

آیئے، ذرا حضرت حلیمہ پر اترنے والی برکتوں اور رحمتوں پر ایک نظر ڈالیں۔

حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا پر برکات کا نزول

- حضرت حلیمہ سعدیہ پر طرح طرح کی برکات مختلف طریقوں سے ظاہر ہوئیں۔ ان کی چھاتی سے وافر دودھ اُترنا نبی ﷺ ہی کی برکت کا ایک مظہر تھا۔ آپ سے پہلے تو حلیمہ کا دودھ اتنا قلیل ہوتا تھا کہ خود ان کے اپنے بیٹے کے لیے بھی ناکافی تھا مگر اب دونوں بچوں کے لیے بڑی مقدار میں دودھ فراہم ہوگیا۔
- یہ بھی آپ ﷺ ہی کی برکت تھی کہ حلیمہ سعدیہ کے بیٹے کو اطمینان نصیب ہوا ورنہ پہلے تو وہ روتا ہی رہتا تھا، اپنی ماں کے لیے بے چینی اور پریشانی کا سبب بنتا تھا، انھیں سونے ہی نہیں دیتا تھا۔ اب اسے پیٹ بھر کے دودھ ملنے لگا تو وہ خود بھی آرام سے سونے لگا اور ماں کو بھی میٹھی نیند نصیب ہوئی۔
- آپ ﷺ کی برکت حلیمہ رضی اللہ عنہا کی کمزور اونٹنی اور بکریوں میں بھی ظاہر ہوئی۔ وہ پہلے دودھ کا ایک قطرہ بھی نہیں دیتی تھیں اور اب حیرت انگیز حد تک بکثرت دودھ دینے لگیں۔

خاندانِ حلیمہ کی عزت افزائی

یہ برکات اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ کی تکریم کے بڑے روشن مظاہر ہیں۔ آپ ﷺ کو دودھ پلانے کی سعادت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے حلیمہ سعدیہ اور ان کے خاندان کی عزت افزائی فرمائی۔[2] اس میں حکمت یہ تھی کہ حلیمہ سعدیہ کے خاندان کے دل میں اس بے مثل بچے کی محبت پیدا ہو، اہلِ خاندان آپ ﷺ سے شفقت سے پیش آئیں، آپ کی پرورش و پرداخت کی ذمہ داری بخوبی نبھائیں اور پوری توجہ سے آپ کی دیکھ بھال کریں، چنانچہ ایسا ہی ہوا، ان لوگوں نے اپنی اولاد سے بڑھ کر آپ ﷺ پر اپنی محبت کا اثاثہ نچھاور کیا اور آپ ﷺ کو انتہائی محبت و شفقت کی گود میں پالا۔

[1] الروض الأنف :287/1. [2] فقه السيرة للبوطي، ص:72.

اللہ تعالیٰ کے برحق اور بابرکت فیصلے

بندے کے حق میں اللہ تعالیٰ ہی کا فیصلہ بہرحال بہتر اور بابرکت ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یہ تھا کہ یہ منفرد یتیم بچہ حلیمہ سعدیہ کو ملے جبکہ انھوں نے کوئی اور بچہ نہ ملنے کی وجہ سے آپ ﷺ کو بحالت مجبوری لیا تھا۔ حلیمہ اس بچے کی رضاعت کی برکت سے نہ صرف تاریخ کے اوراق میں زندۂ جاوید ہوگئیں بلکہ قحط سالی کے کٹھن دور میں وافر دودھ اور عمدہ خوراک سے بھی مستفید ہوتی رہیں۔ اس کے برعکس وہ خواتین جن کے مقابلے میں شروع شروع حلیمہ سعدیہ کو اپنی محرومی کا احساس ہوتا تھا، انھیں نہ صرف شدید قحط سالی کا سامنا کرنا پڑا بلکہ وہ آئینۂ تاریخ ہی سے اوجھل ہوگئیں۔

اس واقعے میں ہر مسلمان کے لیے یہ سبق جگمگا رہا ہے کہ ہمیں تقدیر اور اللہ کے فیصلوں پر پوری طرح مطمئن ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے مقدر میں جو چیز نہیں لکھی اور وہ ہمیں نہیں مل سکی، اس پر کسی غم اور احساس محرومی کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔ [1] اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰي مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِۨ ۝﴾

”جتنی مصیبتیں پہلی قوموں پر اور خود تم پر نازل ہوئیں وہ سب ہم نے (ایک منضبط قانون کی شکل میں) ایک کتاب میں لکھ رکھی ہیں اس سے پہلے کہ ہم انھیں پیدا کریں۔ بے شک ایسا کرنا اللہ کے لیے کوئی مشکل بات نہیں تھی۔ یہ اس لیے (بتا دیا) ہے کہ جو چیز تمھارے ہاتھ نہ لگے، اُس پر افسردہ دل نہ ہو جاؤ اور جو کچھ وہ تمھیں عطا فرمائے، اُس پر نہ اتراؤ۔ اور اللہ تعالیٰ کسی خود پسند فخر کرنے والے کو پسند نہیں فرماتا۔“ [2]

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَـيْـــًٔـا وَّھُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَـيْـــــًٔـا وَّھُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝﴾

”اور ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور وہ تمھارے لیے بہتر ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ تمھارے لیے بری ہو اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔“ [3]

[1] دیکھیے: السيرة النبوية لأبي فارس، ص: 119,118. [2] الحديد 57:22,23. [3] البقرة 2:216.

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«...... وَ ارْضَ بِمَا قَسَمَ اللّٰهُ لَكَ تَكُنْ أَغْنَى النَّاسِ ...... »

''......اور اللہ نے جو کچھ تیرے لیے تقسیم (مقدر) کر دیا ہے، اس پر راضی ہو جا تو سب لوگوں سے زیادہ دولت مند ہو جائے گا......۔'' [1]

نبی ﷺ کے رضاعی عزیز و اقارب

رضاعی ماں کے خاوند، اولاد اور دیگر عزیز و اقارب کے ساتھ بھی حقیقی والد، بہن بھائیوں اور عزیز و اقارب جیسا معاملہ ہوتا ہے۔ جو رشتے ولادت کی وجہ سے حرمت والے ہیں، وہی رضاعت کی وجہ سے بھی حرمت والے قرار دیے گئے ہیں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرے رضاعی چچا (اَفْلَح) آئے اور اندر آنے کی اجازت چاہی۔ میں نے اُن سے کہا: ''جب تک میں رسول اللہ ﷺ سے نہ پوچھ لوں، آپ کو آنے کی اجازت نہیں دے سکتی۔'' پھر آپ ﷺ تشریف لائے تو میں نے آپ سے اُن کے بارے میں پوچھا، آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّهُ عَمُّكِ فَأْذَنِي لَهُ»

''بے شک وہ تمھارے (رضاعی) چچا ہیں، انھیں اجازت دے دو۔''

میں نے کہا: ''اے اللہ کے رسول! مجھے تو ایک خاتون نے دودھ پلایا ہے، مرد نے تو نہیں پلایا۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّهُ عَمُّكِ فَلْيَلِجْ عَلَيْكِ»

''(بہرحال) وہ تمھارے چچا ہی ہیں، اس لیے وہ تمھارے پاس آ جائیں (اس میں کوئی ممانعت نہیں)۔''

یہ واقعہ پردے کا حکم نازل ہونے کے بعد کا ہے۔ [2]

رضاعت کے مسئلے میں ایک انتہائی اہم نکتہ یہ ہے کہ رضاعت متعدی نہیں ہوتی۔ ایک بچے کے دودھ پینے کا اثر اُس کے بہن بھائیوں اور دیگر عزیز و اقارب پر نہیں پڑتا، مثلاً: ایک بچے نے کسی خاتون کا دودھ پیا ہے، اُس کی اپنی رضاعی بہن سے شادی نہیں ہو سکتی۔ وہ اُس کے لیے حقیقی بہن کی طرح ہے۔ لیکن اس دودھ پینے والے بچے کے بھائی کی اس سے شادی ہو سکتی ہے۔ [3]

[1] جامع الترمذي: 2305. [2] صحيح البخاري: 5239. [3] المغني لابن قدامة: 202/9.

نبی کریم ﷺ کا رضاعی باپ

حضرت حلیمہ کے خاوند رسول اللہ ﷺ کے رضاعی والد تھے۔ ان کا نام یہ ہے:

حَارِثُ بْنُ عَبْدِالْعُزّٰى بْنِ رِفَاعَةَ بْنِ مَلَّانَ بْنِ نَاصِرَةَ بْنِ فُصَيَّةَ بْنِ نَصْرِ بْنِ سَعْدِ بْنِ بَكْرِ ابْنِ هَوَازِنَ . ابن ہشام کہتے ہیں: ''بعض لوگ مَلَّان بن نَاصِرَہ کو هِلَال بن نَاصِرَہ کہتے ہیں۔''[1]

ابو کبشہ کون ہیں؟

مشرکین نبی کریم ﷺ کو ابن ابی کبشہ (ابو کبشہ کا بیٹا) بھی کہا کرتے تھے۔ جب ابوسفیان اور ہرقل کا مکالمہ ہوا تو ابوسفیان نے ہرقل کے دربار سے باہر نکلتے ہی یہ جملہ کہا:

لَقَدْ أَمِرَ أَمْرُ ابْنِ أَبِي كَبْشَةَ إِنَّهُ يَخَافُهُ مَلِكُ بَنِي الْأَصْفَرِ

''ابن ابی کبشہ (محمد ﷺ) کا معاملہ بہت آگے بڑھ گیا ہے۔ اُن سے تو بنو اصفر (رومیوں) کا بادشاہ بھی خوف زدہ ہے۔''[2]

بنو اصفر روم بن عیص بن اسحاق بن ابراہیم (علیہ السلام) کی نسل سے ہیں۔ لوگ اسے زرد رنگ کی وجہ سے اصفر (گورا) کہتے تھے۔[3]

قدیم سیرت نگاروں کا اس امر پر اختلاف ہے کہ ابو کبشہ سے مراد وہ کون صاحب ہیں جن کی طرف قریش رسول اللہ ﷺ کو اظہارِ عداوت کے لیے منسوب کرتے تھے۔ اس سلسلے میں سیرت نگاروں کی مختلف آراء ملاحظہ فرمائیے:

- ابوکبشہ آپ کے اجداد میں سے کسی فرد کی کنیت تھی۔ اہل عرب کا طریقہ تھا کہ جب وہ کسی کی تنقیص کرنا چاہتے تھے تو کسی غیر معروف جد کی طرف نسبت کر دیتے تھے۔
- نبی ﷺ کے نانا کا نام وہب تھا اور وہب کے نانا کی کنیت ابوکبشہ تھی۔ لیکن یہ بات محل نظر ہے کیونکہ وہب کی والدہ کا نام عاتکہ بنت اوقص بن مرہ بن ہلال ہے اور علمائے نسب میں سے کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ اوقص کی کنیت ابوکبشہ تھی۔
- عبدالمطلب کے نانا کی کنیت ابوکبشہ تھی۔ لیکن یہ بات بھی محل نظر ہے کیونکہ عبدالمطلب کی والدہ کا نام سلمٰی بنت عمرو بن زید خزرجی ہے۔ علمائے نسب میں سے کسی نے بھی یہ نہیں لکھا کہ عمرو بن زید کی کنیت ابوکبشہ تھی۔

[1] السيرة لابن هشام: 161/1. [2] صحيح البخاري: 7. [3] الجمهرة لابن حزم، ص: 511، فتح الباري: 56/1.

- اندلس کے معروف عالم اور کثیر کتب کے مؤلف ابن حبیب نے المجتبٰی میں لکھا ہے کہ نبی ﷺ کے والد اور والدہ کے آباء واجداد میں سے کئی افراد کی کنیت ابوکبشہ تھی۔
- امام ابن قتیبہ، سنن ابوداود کے شارح خطابی اور امام ابوالحسن علی دارقطنی کہتے ہیں کہ یہ خزاعہ قبیلے کے ایک شخص وجز بن عامر بن غالب الخزاعی کی کنیت تھی۔ اس نے قریش کی مخالفت کی تھی۔ بت پرستی چھوڑ دی تھی اور شعریٰ ستارے کی پوجا شروع کر دی تھی۔ قریش محض مخالفت میں اشتراک کی بنا پر نبیِ کریم ﷺ کو اس کی طرف منسوب کر کے اپنے دل کی بھڑاس نکالا کرتے تھے۔ انساب اور اخبار عرب کے جید عالم زبیر بن بکار رحمہ اللہ نے بھی یہی بات کہی ہے۔
- ابوالفتح ازدی اور صاحب الإکمال ابن ماکولا کہتے ہیں کہ ابوکبشہ نبی کریم ﷺ کے رضاعی والد حارث بن عبدالعزیٰ کی کنیت ہے۔ اسی نسبت سے آپ کو ابن ابی کبشہ کہا جاتا تھا۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حافظ الحدیث یونس بن بکیر رحمہ اللہ نے ابن اسحاق کے حوالے سے روایت کی ہے کہ یہ اسلام لے آئے تھے، ان کی ایک بیٹی کا نام کبشہ تھا، اسی سے ان کی کنیت ابوکبشہ تھی۔ [1]

رضاعی ماں باپ کی تکریم

تمام صحابہ میں سب سے آخر میں وفات پانے والے ابوطفیل عامر بن واثلہ لیثی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو جِعِرّانہ کے مقام پر گوشت تقسیم کرتے دیکھا۔ میں ان دنوں نوخیز لڑکا تھا، اونٹ کی ہڈی اُٹھا سکتا تھا۔ اچانک ایک عورت آئی اور نبی ﷺ کے قریب پہنچ گئی۔ آپ نے اس کے لیے اپنی چادر مبارک بچھا دی تو وہ اس پر بیٹھ گئی۔ میں نے پوچھا: ''یہ خاتون کون تھی؟'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے بتایا کہ یہ آپ ﷺ کی وہ ماں تھیں جنھوں نے آپ کو دودھ پلایا تھا۔ [2]

عمر بن سائب مصری رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ''مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ ﷺ کے رضاعی والد آئے۔ آپ ﷺ نے اپنی چادر کا ایک حصہ ان کے لیے بچھا دیا۔ وہ اس پر بیٹھ گئے، پھر آپ ﷺ کی رضاعی والدہ آئیں۔ آپ ﷺ نے چادر کا دوسرا حصہ ان کے لیے بچھا دیا۔ وہ اس پر بیٹھ گئیں، پھر آپ ﷺ کے رضاعی بھائی آئے تو رسول اللہ ﷺ اٹھ کھڑے ہوئے اور انھیں اپنے سامنے بٹھالیا۔'' [3]

[1] فتح الباري: 56,55/1. [2] [ضعيف] سنن أبي داود: 5144. [3] [ضعيف] سنن أبي داود: 5145، السلسلة الضعيفة: 1120.

پہلی روایت کے راوی عمارہ بن ثوبان اور جعفر بن یحییٰ بن عمارہ مستور ہیں۔ اور دوسری حدیث کے بارے میں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اشارہ کیا کہ وہ مرسل ہے [1] تاہم رضاعی والدین اور بہن بھائیوں کا احترام اسی طرح کرنا چاہیے جس کا نمونہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے عمل سے دکھایا۔ رضاعی عزیز و اقارب کے ساتھ صلہ رحمی کرنا شرعی واجبات میں سے ہے۔

ابن جوزی رحمہ اللہ الحدائق میں لکھتے ہیں: ''حلیمہ سعدیہ رسول اللہ ﷺ کو آپ کی والدہ کے سپرد کرنے کے بعد دو مرتبہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ وہ پہلی مرتبہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آپ کی شادی کے بعد آئی تھیں۔ اُس وقت اُن کے علاقے میں شدید قحط پڑا ہوا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے ان کی مدد کے لیے خدیجہ رضی اللہ عنہا سے بات کی تو اُنھوں نے حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کو ایک اونٹ اور چالیس بکریاں عنایت فرمائیں۔ دوسری مرتبہ وہ نبوت کے بعد تشریف لائیں۔ اس موقع پر انھوں نے اسلام قبول کیا اور آپ ﷺ سے بیعت کی۔ اُن کے خاوند حارث نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا۔'' [2]

رضاعی بہن بھائی سے رسول اللہ ﷺ کا مثالی سلوک

حارث کے بیٹے اور بیٹیاں رضاعت کے ناتے رسول اللہ ﷺ کے بہن بھائی تھے۔ ان کے نام یہ تھے: عبداللہ، اُنیسہ، حذافہ (جدامہ یا خذامہ) انھی کا لقب شَیماء تھا اور وہ اسی نام سے زیادہ مشہور ہوئیں۔ یہ رسول اللہ ﷺ کو اپنی گود میں کھلایا کرتی تھیں۔ [3]

قتادہ کی روایت میں آپ کی رضاعی بہن شَیماء بنت حارث کا نام لیا گیا ہے۔ وہ حنین کے قیدیوں میں شامل تھیں۔ جب انھیں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لایا گیا اور انھوں نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ میں آپ کی بہن شیماء بنت حارث ہوں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر یہ بات ہے تو اپنی بات کے ثبوت میں کوئی نشانی بتایئے۔'' شیماء نے معاً اپنے بازو سے کپڑا ہٹایا اور کہا: اللہ کے رسول! آپ کے بچپن کے دن تھے، میں نے آپ کو اپنے بازوؤں میں اُٹھا رکھا تھا، اُس وقت آپ نے اچانک اس جگہ کاٹ لیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ یہ نشانی دیکھ کر انھیں فوراً پہچان گئے، پھر آپ نے ان کی بڑی عزت افزائی فرمائی۔ اپنی چادر مبارک بچھائی۔ انھیں احترام سے بٹھایا، پھر ارشاد فرمایا: ''مانگو، تمھیں عطا کیا جائے گا۔ کسی کی سفارش کرنا چاہو تو کرو، تمھاری سفارش قبول کی جائے گی۔'' [4] اس روایت کی سند کمزور ہے کیونکہ قتادہ نے اس امر کی وضاحت نہیں کی کہ وہ یہ واقعہ کس سے بیان کرتے ہیں۔

[1] البداية والنهاية:363/4. [2] سبل الهدى والرشاد :383/1. [3] السيرة لابن هشام : 161/1، مختصر سنن أبي داود للمنذري:40,39/8، الإصابة :205/8. [4] دلائل النبوة للبيهقي:200,199/5.

ان کے علاوہ وہ حضرات بھی آپ ﷺ کے رضاعی بھائی ہیں جنھوں نے ثویبہ کا دودھ پیا۔ ان میں ابوسلمہ،[1] آپ کے چچا حمزہ، عبداللہ بن جحش اور ثویبہ کا بیٹا مسروح شامل ہیں۔[2]

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ سے رضاعی رشتہ

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی بھی باقاعدہ رضاعت رسول اللہ ﷺ ہی کی طرح بنوسعد میں ہوئی۔ ایک دن بنوسعد کی اس خاتون نے بھی جو حمزہ رضی اللہ عنہ کی رضاعی والدہ تھیں، رسولِ اکرم ﷺ کو دودھ پلایا۔ اس طرح حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سے آپ کا رضاعی رشتہ قائم ہو گیا۔ ایک طرف سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے چچا بھی تھے اور دوسری طرف وہ آپ ﷺ کے رضاعی بھائی بھی تھے اور یہ رضاعت بھی دوہری تھی۔ ایک اس مذکورہ سعدیہ خاتون کے واسطے سے اور دوسرا ثویبہ کی طرف سے دودھ پلانے کے ناتے سے۔ رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بھی حلیمہ سعدیہ کے واسطے سے آپ کے رضاعی بھائی تھے۔ دورِ نبوت کی ابتدا میں وہ رسول اللہ ﷺ سے شدید عداوت رکھتے تھے۔ فتح مکہ کے سال مسلمان ہوئے اور جلیل القدر صحابی ثابت ہوئے۔[3]

رضاعی والدین کا قبولِ اسلام

حافظ منذری ''مختصر سنن ابی داود'' میں بیان کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کی رضاعی ماں حلیمہ نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور انھوں نے آپ سے احادیث بھی بیان کیں۔[4] حافظ ابن عبدالبر، ابن اثیر، ابن جوزی اور ابن حجر رحمہم اللہ جیسے حفاظ حدیث اور ماہرین جرح و تعدیل نے حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کو صحابیات میں شمار کیا ہے۔[5]

رسول اللہ ﷺ کے رضاعی باپ حارث بن عبدالعزیٰ رضی اللہ عنہ اسلام لے آئے تھے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اور علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ نے اُنھیں صحابہ میں شمار کیا ہے۔ یونس بن بکیر نے ابن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ قرآن مجید کے نزول کے بعد ایک مرتبہ آپ ﷺ کے رضاعی والد مکہ آئے۔ قریش اُن سے کہنے لگے: ''اے حارث! کیا تم نے سنا کہ تمھارا بیٹا کیا کہتا ہے؟ اُس کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں موت کے بعد دوبارہ زندہ کرے گا، پھر نیک لوگوں کو اُن کے اعمال کی جزا میں جنت اور برے لوگوں کو اُن کے اعمال کی سزا میں جہنم میں بھیج دیا جائے گا۔ اُس نے ہماری

[1] صحيح البخاري: 5101. [2] الروض الأنف: 285/1، زاد المعاد: 83,82/1. [3] زاد المعاد: 83/1. [4] مختصر سنن أبي داود للمنذري: 40,39/8. [5] الاستيعاب، ص: 872، أسد الغابة: 252,251/5، صفة الصفوة: 62,61/1، الإصابة: 88,87/8.

صفوں میں اختلاف کا بیج بودیا ہے اور ہمارے اتحاد کو پارہ پارہ کردیا ہے۔''

حارث نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور کہنے لگے: ''اے میرے بیٹے! قوم تمھارے بارے میں یہ کیسی شکایتیں کررہی ہے؟ لوگ کہتے ہیں: تمھارا دعویٰ یہ ہے کہ انسان موت کے بعد دوبارہ اُٹھائے جائیں گے۔ نیک لوگوں کو جنت اور برے لوگوں کو جہنم میں بھیجا جائے گا۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جی ہاں، میرا یہی ایمان ہے۔ اگر اُس دن میری آپ سے ملاقات ہوئی تو میں آپ کا بازو پکڑ کر آپ کو ان باتوں کی حقیقت کا مشاہدہ کراؤں گا۔'' اس کے بعد حارث مسلمان ہوگئے اور بڑے اچھے مسلمان ثابت ہوئے۔ مسلمان ہونے کے بعد وہ کہا کرتے تھے: ''کاش! اُس دن میرا بیٹا میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے ان چیزوں کی حقیقت سے روشناس کرائے، پھر وہ جنت میں داخل کرائے بغیر میرا ہاتھ نہ چھوڑے۔''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے: ابن سعد نے ایک اور مرسل حدیث میں یہ قصہ آپ ﷺ کے رضاعی بھائی کے بارے میں روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں: اس بات کا قوی احتمال ہے کہ یہ قصہ آپ کے رضاعی والد اور بھائی دونوں کے ساتھ پیش آیا ہوگا۔[1]

[1] الروض الأنف:1/284,283، الإصابة :1/677,676، أسد الغابة :1/384، یہ روایت انتہائی ضعیف ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا لڑکپن

رسول اللہ ﷺ کے بچپن، شقِ صدر، مہرِ نبوت، چچا ابو طالب کے ساتھ
شام کے سفر اور زمانۂ جاہلیت میں بھی بُرائیوں سے اجتناب
اور بتوں سے دور رہنے کے واقعات وتفصیلات

أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ
وَوَضَعْنَا عَنكَ وِزْرَكَ

”(اے نبی!) کیا ہم نے آپ کے لیے آپ کا سینہ نہیں کھول دیا؟ اور ہم نے آپ سے آپ کا بھاری بوجھ اتار دیا۔“ (الم نشرح 94:1-2)

اس باب میں

اس باب میں رسول اللہ ﷺ کے بچپن کے حالات، گلہ بانی، کئی مرتبہ شق صدر اور اس کی حکمتیں، شق صدر کے بارے میں پیدا کیے جانے والے شکوک وشبہات کا جواب، مہر نبوت، آپ کی والدہ اور دادا کی وفات کے علاوہ ابوطالب کے ساتھ شام کے سفر میں بحیرا راہب سے آپ ﷺ کی ملاقات کی سرگزشت تفصیل سے بتائی گئی ہے۔ مزید برآں آپ ﷺ جس طرح شروع ہی سے برائیوں سے دور اور بتوں سے متنفر رہے، اس کا سبق آموز تذکرہ بھی پوری شرح وبسط سے کیا گیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا لڑکپن اور شقِ صدر

رسول اللہ ﷺ بچپن ہی سے بے حد مہذب اور متین تھے۔ عام بچوں کی طرح آپ ﷺ نے کبھی کسی بات کی ضد نہیں کی۔ کسی سے کوئی لڑائی جھگڑا نہیں کیا۔ کبھی کھیل کود کے متوالے نہیں ہوئے۔ زبان مبارک سے کبھی کوئی نازیبا جملہ نہیں کہا۔ حق یہ ہے کہ آپ ﷺ اس طرح کی باتوں سے ہمیشہ دور رہے۔ حلیمہ اور ان کے عزیز واقارب یہ دیکھ کر ہکا بکا ہو گئے کہ محمد (ﷺ) عام بچوں سے بالکل مختلف اور ممتاز ہیں، نہ کسی سے لڑنا جھگڑنا، نہ چیخنا چلانا، نہ کسی سے رُوٹھنا، نہ کسی کو پریشان کرنا، نہ کھیل کود کے درپے رہنا، غرضیکہ محمد ﷺ میں بچوں جیسی کوئی چنچل عادت ہی نہیں بلکہ وہ سراسر شرافت ومتانت کا مرقع ہیں۔ ان کی ساری سیر وتفریح صرف یہ ہے کہ رضاعی بھائی کے ساتھ بکریاں چرانے نکل جاتے ہیں اور صحرا کی وسعتوں میں دور تک گھوم پھر کر واپس آجاتے ہیں۔ حلیمہ اور ان کے شوہر یہ تو نہیں سمجھ سکے کہ اِس حسین وجمیل منفرد بچے کے بچپن کے پیچھے ساری دنیا کی قیادت وامامت اور عظمت و فضیلت کے کرشمے کھڑے ہیں، البتہ وہ یہ حقیقت خوب سمجھ گئے کہ ”ہونہار بروے کے چکنے چکنے پات“، یعنی یہ مقدس بچہ انتہائی بابرکت، امین، متین اور اقبال مند ہے۔

پھر جب آپ ﷺ بچپن کی دہلیز پار کر کے عنفوان شباب کی منزل تک پہنچے، تب بھی آپ ﷺ کی شخصیت اندھیروں میں روشنی کی طرح چمکتی رہی۔ یہ وہ وقت تھا جب مکہ میں ہر طرف شاعروں کا کلام گونجتا تھا۔ موسیقی اور داستان گوئی کی محفلیں جمتی تھیں، شرابِ ناب کے جام چھلکتے تھے۔ بلا مواخذہ تعیش کے تمام راستے کھلے ہوئے تھے۔ کفر اور شرک کی آندھیاں چل رہی تھیں۔ گھر گھر بت پوجے جاتے تھے حتی کہ بتوں کی بہتات سے خانہ کعبہ کی دیواریں چھپ گئی تھیں۔ اِس فضا میں بھی محمد ﷺ کی جوانی چاند کی چاندنی سے زیادہ روشن اور پھولوں سے زیادہ پاکیزہ تھی۔ آپ ﷺ کبھی نہیں بھٹکے۔ ادنیٰ درجے کی کوئی حرکت نہیں کی۔ لہو ولعب کی کسی محفل میں نہیں گئے۔ شراب کے قریب بھی نہیں پھٹکے۔ بتوں سے اس قدر بیزار رہے کہ ان کے پاس سے گزرنا بھی گوارا نہ کیا۔ مکہ کے اس دور کے پس منظر میں آپ کی درخشاں شخصیت کو دیکھ کر یوں لگتا تھا جیسے کوئلوں کے ڈھیر میں کوئی ہیرا دمک رہا ہے۔ اپنا یا پرایا، چھوٹا یا بڑا جو بھی آپ ﷺ کی ذاتِ والا صفات کو دیکھتا تھا، بے اختیار بول اُٹھتا تھا کہ آپ ﷺ

صادق ہیں۔ آپ ﷺ امین ہیں۔ آپ ﷺ کریم ہیں۔ آپ ﷺ سب کی بھلائی اور سب کی خیر خواہی کرنے والے ہیں۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ جسے کچھ بنانا ہوتا ہے، وہ پہلے خود بنتا ہے اور اس کی ذہنی بناوٹ میں دوسرے انسانوں سے گہری ہمدردی کا جذبہ شامل ہو جاتا ہے۔ محمد ﷺ کو تو پوری انسانیت کی تربیت اور قیادت کرنی تھی، اس لیے اللہ تعالیٰ سید الانبیاء کو بچپن ہی سے ایک عظیم مقصد کے لیے تیار فرما رہا تھا۔ سب انبیاء کے ساتھ اسی طرح کا معاملہ پیش آیا۔ ان کی زندگی پیغمبری سے پہلے بھی قدرتی طور پر انھی خطوط پر استوار ہوئی جن پر انھیں پیغمبر بننے کے بعد چلنا تھا۔ ان کی دونوں زندگیوں میں کوئی تضاد نہیں ہوتا تھا۔ قبل از بعثت زندگی ایسا گلستان ہوتی تھی جس سے بعد از بعثت زندگی کی بہار کا اندازہ کیا جا سکتا تھا۔ اولیاء اور انبیاء میں یہی بڑا فرق ہے۔ یہ عین ممکن ہے کہ ایک شخص ابتدا میں پکا شیطان ہو، مشرک ہو، رہزن ہو، شرابی ہو، بدکار ہو، سب کچھ ہو اور پھر اچانک اس کی زندگی میں ایسا انقلاب آ جائے کہ نہ صرف اس کی ساری بدکرداریوں کی تلافی ہو جائے بلکہ اس کا نام مقربین میں سرفہرست لکھ دیا جائے۔ لیکن اس قسم کا کوئی تضاد نبی کی زندگی میں کبھی رُونما نہیں ہوتا۔

رسول اللہ ﷺ کی ابتدائی زندگی ہر قسم کے منفی جذبوں سے پاک تھی۔ اس دور میں بھی آپ سارے خاندان، سارے قبیلے بلکہ سارے اہل مکہ کی آنکھوں کا تارا تھے۔ سبھی آپ سے ٹوٹ کر محبت کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ ہر انسان سے محبت کرتے تھے، سب کی فلاح کے متمنی اور سب کے خیر خواہ تھے۔

آپ ﷺ کے بچپن کی زندگی کا ایک بہت اہم واقعہ شقِ صدر تھا۔ یہ واقعہ کس فضا میں، کس زمانے میں، کس طرح پیش آیا؟ آئیے! یہ واقعہ خود اللہ کے رسول ﷺ ہی کی زبانِ حقیقت ترجمان سے سنتے ہیں۔

شقِ صدر

حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا نبیِ کریم ﷺ کو رضاعت کے بعد آپ کی والدہ کے پاس مکہ لے گئی تھیں۔ جب وہ آپ ﷺ کو دوبارہ اپنے علاقے بنوسعد میں لے آئیں تو اس مرحلے میں نبی ﷺ کو شق صدر کا واقعہ پیش آیا۔ امام ابن کثیر، ابو نُعیم اصفہانی کی روایت بیان کرتے ہیں:

ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: ''اے اللہ کے رسول! پہلی دفعہ آپ کا شق صدر کس طرح ہوا تھا؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ ان دنوں کی بات ہے جب میں اپنی رضاعی والدہ کے پاس بنوسعد میں تھا۔ ایک دفعہ میں اپنے رضاعی بھائی کے ساتھ بکریاں چرانے گیا۔ ہم کھانے پینے کی کوئی چیز لے کر نہیں گئے تھے۔ میں نے اپنے



بنو سعد کا علاقہ

بھائی سے کہا: ''جاؤ! اماں جان سے کھانا لے آؤ۔'' میرا بھائی چلا گیا۔ میں (دوسرے چرواہے بچوں کے ساتھ) بکریوں کے پاس ٹھہر گیا۔ اچانک دو سفید پرندے اُڑتے دکھائی دیے۔ اُن کی شکل گدھ جیسی تھی۔ اُن میں سے ایک نے دوسرے سے پوچھا: ''کیا یہ وہی ہیں؟'' اُس نے اثبات میں جواب دیا، پھر وہ سیدھے میری طرف آ گئے۔ اُنھوں نے مجھے چت لٹا دیا، میرا سینہ چیرا، میرا دل نکالا، اُسے بھی چیر دیا اور سیاہ رنگ کے خون کے دو ٹکڑے نکال کر پھینک دیے، پھر ان میں سے ایک دوسرے سے کہنے لگا: ''برف والا پانی لاؤ۔'' وہ پانی لایا، پھر اُنھوں نے میرا سینہ دھویا، پھر اُس نے کہا: ''ٹھنڈا پانی لاؤ۔'' وہ پانی لایا، اُنھوں نے اُس پانی سے میرا دل دھویا، پھر کہا: ''سکینت لاؤ۔'' پھر اسے میرے دل میں ڈال دیا، پھر ایک نے دوسرے سے کہا: ''اسے سی دو۔'' اُس نے سی دیا اور میرے دل پر مہرِ نبوت لگا دی۔ بعد ازاں اُن میں سے ایک اپنے ساتھی سے کہنے لگا: ''اسے ترازو کے ایک پلڑے میں ڈالو اور دوسرے پلڑے میں اُمت کے ایک ہزار افراد ڈالو۔'' میں نے دیکھا کہ میرا پلڑا جھک گیا اور دوسرے پلڑے کے ایک ہزار افراد میرے سر سے اُوپر متحرک نظر آئے۔ میں ان کا پلڑا ہلتا دیکھ رہا تھا۔ مجھے ڈر لگا مبادا ان میں سے کچھ افراد میرے اوپر گر پڑیں، پھر وہ کہنے لگا: ''اگر تم دوسرے پلڑے میں ساری اُمت کو بھی ڈال دو، پھر بھی اِنھی کا

پلڑا بھاری رہے گا۔'' پھر وہ دونوں مجھے چھوڑ کر چل دیے۔

میں گھبرا گیا۔ سیدھا اپنی رضاعی ماں کے پاس پہنچا، اُنھیں سارا واقعہ بتایا تو وہ بھی گھبرا گئیں، فرمانے لگیں کہ یہ کوئی شیطانی کارروائی نہ ہو، پھر انھوں نے مجھ سے فرمایا: ''میں تجھے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں دیتی ہوں۔'' اس کے بعد اُنھوں نے اونٹ پر پالان کسا، مجھے اپنی گود میں بٹھایا اور ہم چل دیے یہاں تک کہ انھوں نے مجھے میری حقیقی والدہ ماجدہ کے پاس پہنچا دیا۔ ان سے حلیمہ نے کہا: ''میں نے آپ کی امانت لوٹا دی ہے اور اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوگئی ہوں۔'' پھر اُنھوں نے مجھ پر بیتنے والا سارا واقعہ سنایا۔ میری والدہ محترمہ بالکل پریشان نہ ہوئیں بلکہ انھوں نے فرمایا:

إِنِّي رَأَيْتُ خَرَجَ مِنِّي نُورٌ أَضَاءَتْ مِنْهُ قُصُورُ الشَّامِ

''(جس وقت میں نے اسے جنم دیا تھا اُسی وقت) میں نے دیکھ لیا تھا کہ میرے وجود سے ایک روشنی نکلی ہے جس سے شام کے محلات چمک اُٹھے ہیں۔'' [1]

امام مسلم ؒ نے یہ واقعہ اختصار کے ساتھ نقل کیا ہے۔ اُنھوں نے اس واقعے کے محل وقوع کا ذکر نہیں کیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے۔ اُس وقت آپ ﷺ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کو پکڑ کر لٹایا۔ سینہ چاک کیا۔ دل نکالا، پھر دل سے ایک لوتھڑا نکال کر کہا: ''یہ آپ کے بدن سے شیطان کا حصہ (نکالا گیا) ہے۔'' پھر انھوں نے آپ ﷺ کے دل کو سونے کے ایک طشت میں رکھ کر زمزم کے پانی سے دھویا، پھر اسے جوڑ کر اس کی جگہ پر لگا دیا۔ یہ منظر دیکھ کر دوسرے بچے بھاگ کھڑے ہوئے۔ وہ آپ کی رضاعی ماں کے پاس پہنچے اور کہنے لگے: ''محمد (ﷺ) کو قتل کر دیا گیا۔'' یہ وحشت اثر خبر سن کر حلیمہ کے گھر کے لوگ سرپٹ بھاگے۔ آپ کے پاس پہنچے۔ انھوں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کا رنگ اُڑا ہوا ہے۔ [2]

شقِ صدر کا واقعہ کب پیش آیا؟

اس بات کا تعین نہیں کیا گیا کہ جب یہ واقعہ رونما ہوا، اُس وقت رسول اکرم ﷺ کی عمر مبارک کتنی تھی۔ ہر چند مختلف علماء نے تحدید کی ہے مگر کسی معین عمر پر اتفاق نہیں ہو سکا۔ ابن اسحاق کی روایت سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اُس

[1] مسند أحمد: 185,184/4، البداية والنهاية: 256/2، السلسلة الصحيحة: 373. [2] صحيح مسلم: (261)-162.

وقت آپ کی عمر دو سال سے کچھ اوپر تھی۔ حضرت حلیمہ کہتی ہیں: ''دو سال کی عمر تک آپ کا جسم خاصا مضبوط ہو چکا تھا۔ ہم انھیں ان کی والدہ محترمہ کی خدمت میں لے گئے۔ ہم ان کے پاس بادل ناخواستہ گئے تھے کیونکہ ہماری دلی تمنا تھی کہ آپ ہمارے ہاں مزید قیام کریں...... اور یہ تو آپ کو اپنے گھر دوبارہ لانے کے دو یا تین مہینے بعد کی بات ہے کہ آپ اپنے رضاعی بھائی کے ساتھ ہمارے گھر کے پچھواڑے بکریاں چرا رہے تھے......''[1]

ابن سعد کی روایت کے مطابق اس واقعے کے وقت رسول اللہ ﷺ کی عمر چار سال تھی۔[2] علامہ زرقانی اسی بات کو ترجیح دیتے ہیں۔[3] ابونعیم بھی یہی کہتے ہیں لیکن ان کی بیان کردہ روایت کی سند مرسل ضعیف ہے۔ بعض دوسرے حضرات نے اسے پانچویں سال یا اس سے بھی بعد کا واقعہ قرار دیا ہے۔ ابونعیم اصفہانی نے پانچ سال والی بات ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب کی ہے لیکن اس کی کوئی سند بیان نہیں کی۔[4]

ڈاکٹر مہدی رزق اللہ مذکورہ روایات کے بارے میں کہتے ہیں: ہم علامہ زرقانی کی بات سے اتفاق کرتے ہیں اور ابن سعد کی روایت کو ترجیح دیتے ہیں کہ یہ واقعہ چار سال کی عمر میں پیش آیا کیونکہ کم سے کم اسی عمر میں بکریاں چرانے کا کام کیا جا سکتا ہے اور اردگرد کے واقعات کو سمجھا جا سکتا ہے۔[5]

شقِ صدر کتنی مرتبہ ہوا؟

رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں شق صدر کا واقعہ چار مرتبہ پیش آیا:

1 اولاً اُس موقع پر جب آپ بنوسعد میں قیام پذیر تھے۔

2 ثانیاً دس سال کی عمر میں۔

اس کی دلیل کاتب وحی ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ سے سوال کرنے میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہم سب سے آگے تھے۔ وہ آپ ﷺ سے ایسی باتیں بھی پوچھ لیا کرتے تھے جنھیں کوئی اور شخص پوچھنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

ایک مرتبہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے پوچھا: ''اے اللہ کے نبی! آپ نے نبوت کے سلسلے میں سب سے پہلے کیا چیز ملاحظہ فرمائی تھی؟'' آپ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔ پھر فرمایا: ''ابوہریرہ! اب تم نے پوچھ ہی لیا ہے تو سنو: میری عمر دس سال سے اُوپر تھی۔ میں صحرا میں تھا۔ اچانک میں نے اپنے سر سے اُوپر باتیں ہوتی سُنیں۔ ایک آدمی

[1] السيرة لابن إسحاق: 102,101/1. [2] الطبقات لابن سعد: 112/1. [3] شرح الزرقاني على المواهب اللدنية: 282/1. [4] دلائل النبوة لأبي نعيم: 162,161/1. [5] السيرة النبوية للمهدي، ص: 117.

دوسرے شخص سے پوچھ رہا تھا: ''کیا یہ وہی ہے؟'' دوسرے نے جواب دیا: ''ہاں!'' پھر وہ میرے سامنے اس شکل میں آئے کہ ایسے لوگ میں نے کبھی نہیں دیکھے۔ اُن سے ایسی خوشبو آرہی تھی کہ اس سے پہلے کبھی کسی مخلوق سے نہیں سونگھی، نہ کبھی ان جیسا لباس دیکھا۔

وہ دونوں میرے پاس آگئے۔ انھوں نے مجھے بازوؤں سے پکڑ لیا لیکن میں اُن کی گرفت محسوس نہ کرسکا۔ اُن میں سے ایک شخص نے اپنے ساتھی سے کہا: ''انھیں لٹا دو۔'' اُنھوں نے مجھے آرام سے لٹا دیا، پھر اس نے اپنے ساتھی سے کہا: ''ان کا سینہ چیرو۔'' اُس نے میرا سینہ چیر دیا۔ خون نکلا نہ مجھے کوئی تکلیف ہوئی، پھر اس شخص نے اپنے ساتھی سے کہا: ''اس میں سے حسد اور کینے کا مادہ نکال دو۔'' اُس نے لوتھڑے جیسی کوئی چیز نکالی اور باہر پھینک دی، پھر وہ بولا: ''اب اس میں نرمی اور شفقت بھر دو۔'' اس نے چاندی جیسی کوئی چیز نکالی (اور اُسے میرے سینے میں سمو دیا۔) پھر اُس نے میرے دائیں پاؤں کے انگوٹھے کو حرکت دی اور کہا: ''جاؤ، سلامت رہو۔'' میں واپس آگیا۔ (اُسی وقت سے) میرا دل چھوٹوں کے لیے شفقت اور بڑوں کے لیے رحمت کے جذبوں سے چھلک رہا ہے۔''[1]

یہ لگ بھگ اُسی زمانے کی بات ہے جب آپ جناب ابو طالب کے خاندان کی کفالت کے لیے اجرت پر مکہ کے لوگوں کی بکریاں چرایا کرتے تھے۔

3 شق صدر کا واقعہ بعثت کے وقت بھی پیش آیا تھا۔[2]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ بعثت کے وقت بھی شق صدر ثابت ہے۔[3]

اس کی سند کے بارے میں علامہ ہیثمی نے کہا ہے کہ اس میں جعفر بن عبداللہ بن عثمان مکی ہے۔ اُسے امام احمد اور ابن حبان ثقہ قرار دیتے ہیں۔[4]

4 شق صدر کا واقعہ معراج کے موقع پر بھی ظہور میں آیا۔ اس کی تفصیل اسراء و معراج کے واقعے کے تناظر میں بیان کی جائے گی۔

شق صدر کی حکمتیں

آپ نے شق صدر کے واقعات ملاحظہ فرما لیے۔ آئیے! اب اس کی حکمتوں کا جائزہ لیں:

1 جب نبیِ کریم ﷺ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے ہاں قیام فرما تھے، آپ کا قلبِ اطہر پہلی دفعہ چاک کر کے ایک سیاہ ٹکڑا

---

[1] [ضعيف] مسند أحمد: 139/5، مجمع الزوائد: 408/8، حديث: 13843. [2] دلائل النبوة لأبي نعيم: 221/1. [3] فتح الباري: 257/7. [4] الجرح والتعديل: 483،482/2، الثقات لابن حبان: 159/8.

نکالا گیا۔اس کے بارے میں بتایا گیا کہ یہ شیطان کا حصہ ہے۔ یہ درحقیقت گناہ کا مادہ تھا جس سے آپ کا قلبِ اطہر بالکل پاک کر کے آپ کو شیطانی حربوں، حیلوں اور چالبازیوں سے پوری طرح محفوظ کر دیا گیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ ایک رات رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف فرما تھے۔ اچانک آپ اُٹھے اور گھر سے باہر تشریف لے گئے۔ یہ فطری بات تھی کہ میں آپ کے اس طرح یکایک چلے جانے سے بہت آزردہ ہوئی۔ آپ واپس تشریف لائے تو آپ نے مجھ پر نگاہ ڈالتے ہی میرے غم و غیرت کے جذبات صاف محسوس فرما لیے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: «مَالَكِ، يَاعَائِشَةُ! أَغِرْتِ؟»'' عائشہ! تمھیں کیا ہوا؟ کیا (اس وقت میرے باہر جانے پر) تمھیں غیرت نے آلیا؟'' میں نے عرض کی کہ مجھ جیسی سوکن دار خاتون کو آپ جیسے عظیم شوہر کے باہر تشریف لے جانے پر غیرت و آزردگی کا احساس کیوں نہ ہوگا؟'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «أَقَدْ جَاءَكِ شَيْطَانُكِ؟» ''کیا تمھارے پاس تمھارا شیطان آ گیا تھا؟'' میں نے پوچھا: ''اے اللہ کے رسول! کیا میرے ساتھ بھی شیطان ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں!'' میں نے مزید پوچھا: ''کیا ہر انسان کے ساتھ شیطان ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں!'' میں نے پھر دریافت کیا: ''اے اللہ کے رسول! کیا آپ کے ساتھ بھی شیطان ہے؟'' آپ نے فرمایا: «نَعَمْ، وَلٰكِنْ رَبِّي أَعَانَنِي عَلَيْهِ حَتّٰى أَسْلَمَ» ''ہاں! لیکن اللہ تعالیٰ نے اُس کے خلاف میری مدد فرمائی ہے، یہاں تک کہ وہ مطیع ہو گیا ہے۔''[1]

2 دوسری بار دس سال کی عمر میں آپ ﷺ کا سینہ چاک کیا گیا تو اس کا مقصد یہ تھا کہ اس اٹھتی عمر ہی میں آپ کے دل کو بنی نوع انسان کے بارے میں ہر طرح کے منفی جذبات سے پاک کر دیا جائے کیونکہ اس عمر کے بچے میں یہ سرگوشی شروع ہو جاتی ہے کہ دوسرے بچوں کا لباس، رہن سہن اور کھانا پینا کیسا ہے؟ چلو، ان سب سے آگے بڑھو، سب سے بڑھیا کپڑے پہنو، سب سے اچھا کھاؤ۔...... لیکن اس عمر میں محمد (ﷺ) پر اس انداز فکر کی پرچھائیں بھی نہیں پڑی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے شق صدر کا انتظام فرما کر آپ ﷺ کو حرص و ہوس، لایعنی مسابقت اور مجادلے کے جذبوں سے ماورا کر دیا اور آپ کے قلبِ اطہر کو تمام بنی نوع انسان کے لیے بھلائی، خیر خواہی، شفقت اور محبت کے جذبوں سے معمور کر دیا۔ یوں جوانی کے دن شروع ہونے سے پہلے ہی آپ ﷺ کے قلب مبارک پر گھٹیا جذبات اور لہوولعب کی طرف رغبت و رجحان کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا۔

3 تیسری بار جب بعثت کے وقت دل چاک کیا گیا، اس کا مقصد یہ تھا کہ قلب مبارک وحی اور علوم الٰہیہ کا متحمل ہو جائے۔

[1] صحیح مسلم: 2815.

4 چوتھی مرتبہ معراج کے وقت سینۂ مبارک اس لیے چاک کیا گیا تا کہ قلب مبارک عالمِ ملکوت کی سیر، تجلیات الٰہیہ اور آیات ربانیہ کے مشاہدے اور رب ذوالجلال سے کلام کرنے کا اہل ہو جائے۔

شق صدر کے بارے میں بودے شکوک وشبہات

شق صدر کے بارے میں غیر مسلموں بلکہ خود نئی تہذیب کے متوالے بعض ''روشن خیال'' مسلمانوں کی طرف سے طرح طرح کے شکوک وشبہات پیش کیے جاتے ہیں۔ اول تو یہ کہا جاتا ہے کہ یہ محض ایک تخیلاتی یا روحانی تجربہ تھا، حقیقتاً ایسا کوئی واقعہ رونما نہیں ہوا۔ یہ بات کئی وجوہ سے محل نظر ہے:

1 حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا نے اس واقعے کے معاً بعد نبی کریم ﷺ کو آپ کی والدہ محترمہ کے پاس پہنچا دیا۔

2 نبی کریم ﷺ کے ساتھ بکریاں چرانے والے بچے سراسیمگی کی حالت میں یہ کہتے ہوئے آئے کہ محمد (ﷺ) کو قتل کر دیا گیا۔

3 اس واقعے کے راوی حضرت انس رضی اللہ عنہ بہ چشم دید حالت بیان کرتے ہیں:

وَقَدْ كُنْتُ أَرٰى أَثَرَ ذٰلِكَ الْمِخْيَطِ فِي صَدْرِهِ

''میں (شق صدر کی) سلائی کے نشان آپ ﷺ کے سینۂ مبارک پر دیکھتا تھا۔''[1]

یہ تینوں باتیں شق صدر کی بڑی پکی گواہی ہیں جو اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ آپ ﷺ کا سینۂ مبارک شق کیا گیا اور اس کے نشانات بھی موجود رہے۔

اس کے علاوہ واقعۂ شق صدر پر کچھ عرصہ پہلے تک ناممکن ہونے کی تخیلاتی بنیاد پر جو اعتراضات کیے جاتے تھے، انسانی علم کی پیش قدمی نے اب وہ بنیاد ہی نابود کر دی ہے۔ آج بہت سے سرجن دل کا آپریشن کرتے ہوئے مریض کا دل سینے سے باہر نکال کر الگ رکھ دیتے ہیں، پھر اس کا آپریشن کرتے ہیں۔ دل کی باریک باریک رگوں سے کثافت نکالتے ہیں، پھر ضروری اصلاح اور پیوندکاری کے بعد دل کو دوبارہ اس کی جگہ پر رکھ دیتے ہیں۔ انسان اس پورے عرصے میں نہ صرف زندہ رہتا ہے بلکہ صحت یاب ہو کر پہلے سے بہتر ہشاش بشاش زندگی گزارنے کے قابل ہو جاتا ہے۔

جب ایک سرجن کو سینہ چیر کر دل ٹھیک کر دینے کی مہارت حاصل ہے تو پھر اُس حکیم و بصیر قادر مطلق کی قدرت و قُدرت کا کیا اندازہ کیا جا سکتا ہے جو اس پورے کارخانۂ زندگی کا خالق و مالک ہے۔ بحیثیت مسلمان ہم سو فیصد یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سید الانبیاء علیہ السلام کے شق صدر کا اہتمام خود اپنے ارادے سے کیا تھا، پس ہمارے

1 صحيح مسلم: (261)-162.

لیے تو تحقیق طلب امر صرف یہ ہے کہ شقِ صدر کا واقعہ قابل اعتماد ذرائع سے پایۂ ثبوت کو پہنچتا ہے یا نہیں؟ اگر مصدقہ روایات موجود ہیں تو اس سلسلے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ واقعہ خود اللہ تعالیٰ کے حکم سے وقوع پذیر ہوا جس میں اہلِ نظر کو اس کی قدرت، حکمت اور بصیرت کے ان گنت جلوے نظر آتے ہیں۔

نشانِ مہر نبوت

مہر نبوت رسول اللہ ﷺ کے دونوں کندھوں کے درمیان ایک نمایاں نشان تھا۔ اس نشان کا تذکرہ بنی اسرائیل کے ہاں ہوتا تھا اور وہ اسی سے رسول اللہ ﷺ کو پہچانتے تھے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی روایت میں ہے کہ آپ کے جسم اطہر پر یہ مہر شق صدر کے بعد لگائی گئی۔ زیادہ تر روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ مہر نبوت آپ کے جسدِ اطہر پر شروع ہی سے پیدائشی طور پر موجود تھی۔ [1]

ماں کی آغوشِ محبت میں

بنو سعد میں شقِ صدر کے واقعے کے بعد حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا قدرتی طور پر انتہائی فکر مند ہوئیں۔ انھیں شدت سے احساس ہو گیا کہ اب وہ محمد (ﷺ) کی نگہداشت کی ذمہ داریاں نہیں نبھا سکیں گی۔

ابن اسحاق کہتے ہیں: لوگ نبی کریم ﷺ کے بارے میں جو واقعات بیان کرتے ہیں، اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ حلیمہ سعدیہ حضرت محمد ﷺ کو آپ کی والدہ کے پاس واپس لا رہی تھیں۔ اسی دوران میں آپ ﷺ مکہ کے قریب کہیں کھو گئے۔ حلیمہ نے بہت تلاش کیا لیکن آپ کہیں نظر نہیں آئے۔ وہ بہت پریشان ہوئیں۔ عبدالمطلب کے پاس پہنچیں اور بتایا: ''میں محمد (ﷺ) کو اپنے ساتھ لا رہی تھی، ابھی مکہ کے بالائی علاقے ہی میں تھی کہ وہ کہیں گم ہو گئے۔ اللہ کی قسم! میں نہیں جانتی کہ وہ کہاں ہیں؟'' عبدالمطلب فوراً خانہ کعبہ میں گئے اور اللہ تعالیٰ سے دُعا شروع کر دی: ''اے اللہ! محمد (ﷺ) کو واپس لے آ۔''

ادھر یہ دُعا جاری تھی اُدھر آپ ﷺ اللہ کی مہربانی سے ورقہ بن نوفل اور قریش کے ایک اور آدمی کو مل گئے۔ وہ آپ ﷺ کو عبدالمطلب کے پاس لے آئے۔ انھوں نے بتایا کہ آپ کا بیٹا ہمیں مکہ کے بالائی علاقے سے ملا ہے۔ عبدالمطلب نے آپ کو گلے لگایا۔ بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے آپ کی حفاظت کے لیے دُعائیں کیں، پھر آپ ﷺ کو حضرت آمنہ کے پاس بھیج دیا۔ [2]

[1] دیکھیے: البداية والنهاية: 256/2، شرح الزرقاني على المواهب: 1/302-306. [2] السيرة لابن هشام: 167/1.

شق صدر اور گم شدگی کے تسلسل پر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ بھی فیصلہ ہو چکا تھا کہ محمد ﷺ اس مہلت کے دوران دادا کی سرپرستی اور اپنی والدہ کی آغوش محبت میں کچھ وقت بسر کریں تا کہ ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان ہو جائے۔ حضرت آمنہ کی مامتا کے مرکز تنہا آپ تھے اور سردار عبدالمطلب کا دل آپ کی محبت سے لبریز تھا۔ مکہ واپسی کے بعد کا یہ عرصہ آپ نے اس طرح بسر کیا جس طرح ایک بہت لاڈلا اور انتہائی محبوب سعادت مند بیٹا بسر کرتا ہے۔ اس دور کی زندگی کا نقش آپ کے قلبِ مبارک پر اس طرح ثبت ہو گیا کہ ساری عمر روشن رہا۔

والدہ محترمہ کے ساتھ یثرب کا سفر

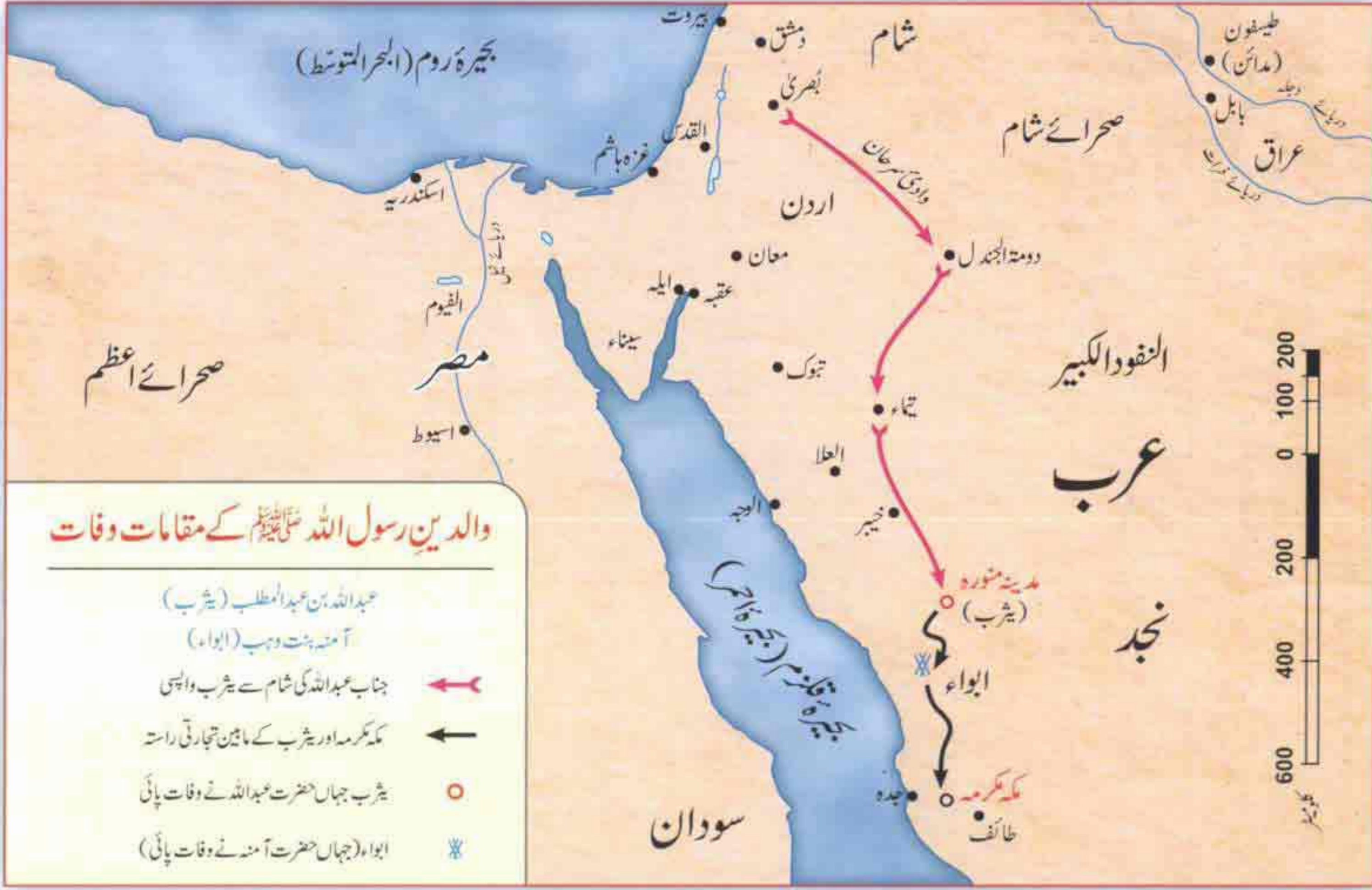
رسول اللہ ﷺ اپنی والدہ ماجدہ کی آغوش محبت اور دادا کے سایۂ عاطفت میں بخیر و خوبی پرورش پاتے رہے۔ جب آپ ﷺ کی عمر چھ برس کی ہوئی تو حضرت آمنہ کو مدینہ جانے کا خیال آیا۔ مدینہ آپ کے انتہائی شفیق دادا کی ننھیال تھا اور وہیں آپ کے والد محترم کی قبر بھی تھی۔ بنو عدی بن نجار عبدالمطلب کی ننھیال تھے۔ عبدالمطلب کی والدہ سلمٰی بنت عمرو کا تعلق بنونجار سے تھا۔ اسی رشتے کی بنا پر وہ نبیِ کریم ﷺ کی بھی ننھیال قرار پائے۔[1]

حضرت آمنہ کے دل میں خاوند کی قبر کی زیارت کرنے کی تمنا بھی تھی بلکہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ وہ سال بھر میں ایک مرتبہ اپنے خاوند کی قبر کی زیارت کے لیے ضرور جایا کرتی تھیں۔ ان کا سفر اکثر اوقات عبدالمطلب کی معیت میں ہوتا تھا۔ یہ سفر بھی حسب معمول عبدالمطلب کے ساتھ ہوا۔ سیدہ ام ایمن رضی اللہ عنہا بھی ہمراہ تھیں۔ یہ سفر اس قدر ناقابلِ فراموش تھا کہ پچاس سال بعد بھی اس کی یادیں آپ ﷺ کے حافظے میں جگمگاتی رہیں۔ ہجرت کے بعد آپ ﷺ نے صحابہ کو مدینہ میں اپنے قیام کے دنوں کی رُوداد سنائی۔

مدینہ سے واپسی پر جب یہ مختصر سا قافلہ ابواء نامی جگہ پر پہنچا تو رسول اللہ ﷺ کی والدہ محترمہ علیل ہو گئیں۔ وہ اس مرض سے جانبر نہ ہو سکیں اور خالقِ حقیقی سے جا ملیں۔ انھیں ابواء ہی میں سپرد خاک کر دیا گیا۔[2]

نبی کریم ﷺ کے سر پر والد کا سایہ پہلے ہی نہ تھا، اب والدہ کا سایہ بھی اُٹھ گیا۔ حکمت الٰہی کا یہی تقاضا تھا کہ آپ ﷺ یتیمی کی حالت میں پرورش پائیں۔ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی حفاظت آپ کے شامل حال رہے۔ باپ کی محبت تو مل نہ سکی، اب جلد ہی والدہ کے لاڈ پیار کی چھاؤں سے بھی دور ہو جائیں۔ ابتدا ہی سے زندگی کی مشکلات کا سامنا کرنے کا سبق سیکھیں اور ناز و نعمت کے عادی نہ ہو جائیں۔ آپ کے دل میں مال و منصب کی محبت جنم نہ

[1] السيرة لابن هشام: 168/1. [2] السيرة لابن هشام: 168/1، أنساب الأشراف: 103/1، محاضرات تاريخ الأمم الإسلامية: 61/1، نیز دیکھیے: الطبقات لابن سعد: 117,116/1.



والدینِ رسول اللہ ﷺ کے مقامات وفات
عبداللہ بن عبدالمطلب (یثرب)
آمنہ بنت وہب (ابواء)
جناب عبداللہ کی شام سے یثرب واپسی
مکہ مکرمہ اور یثرب کے مابین تجارتی راستہ
یثرب جہاں حضرت عبداللہ نے وفات پائی
ابواء (جہاں حضرت آمنہ نے وفات پائی)
بحیرۂ روم (البحر المتوسط)
بیروت
دمشق
شام
بُصریٰ
القدس
غزہ ہاشم
اسکندریہ
اردن
وادی سرحان
صحرائے شام
طیسفون
(مدائن)
بابل
عراق
معان
دومۃ الجندل
عقبہ
ایلہ
الفیوم
سیناء
مصر
صحرائے اعظم
تبوک
النفود الکبیر
تیماء
اسیوط
العلا
عرب
الوجہ
خیبر
مدینہ منورہ
(یثرب)
نجد
ابواء
جدہ
مکہ مکرمہ
طائف
سودان
200
100
0
200
400
600

لے، نہ آپ سرداری کے تحکمانہ ماحول سے متاثر ہوں۔ بصورتِ دیگر لوگوں کے لیے نبوت کے تقدس اور دنیاوی جاہ وجلال میں فرق کرنا مشکل ہوجاتا اور انھیں یہ کہنے کا موقع ملتا کہ آپ ﷺ نے اپنے منصب کی دلآویزیوں میں اضافے کے لیے نبوت کا دعویٰ کر ڈالا ہے۔[1]

رسول اللہ ﷺ کے والدین کی عین جوانی کے عالم میں وفات ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے والدین کو صرف اس لیے اپنے پاس بلالیا تھا کہ اُن کی تخلیق کا مقصد پورا ہوچکا تھا۔ وہ اس دنیا میں رسول اللہ ﷺ کے ظہورِ مبارک کا ذریعہ بنے تھے۔ اب آپ ﷺ کی ذات بابرکات جہالت کے اندھیروں میں بھٹکنے والے بے یار و مددگار لوگوں کے لیے سہارا اور ملجا و ماویٰ بننے والی تھی۔

سائے پسند آئے نہ پروردگار کو

چونکہ محمد ﷺ ساری دنیا کے لیے فیض بخشی کا شجر سایہ دار بننے والے تھے، اس لیے ہمارا کریم پروردگار آپ کی تربیت اپنے ہی سایۂ رحمت میں کرنا چاہتا تھا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو والدین اور دیگر بزرگوں کے سائے سے محروم کردیا تاکہ سب کی آنکھیں یہ دیکھ لیں کہ ہر دنیاوی سہارے کے فقدان کے باوجود محمد ﷺ کتنے بلند اخلاق، کتنے پاکیزہ کردار اور کیسی زبردست بصیرت و دانائی کے حامل ہیں تاکہ یہ بات اس حقیقت کا بیّن ثبوت بن جائے کہ آپ کی تعلیم و تربیت خود رب العالمین ہی نے براہِ راست فرمائی ہے۔

والدین کے سہارے سے محروم کرنے میں یہ مشیت ایزدی بھی کارفرما تھی کہ نبی ﷺ نہایت محکم اور ناقابل تسخیر ارادے کے مالک بن جائیں۔ اپنے معاملات میں اللہ رب العزت کے سوا کسی کا محتاج بننے کا خیال تک دل میں نہ لائیں حتی کہ آپ ﷺ کی دعوت میں بھی والدین کی اعانت کا کوئی شائبہ نظر نہ آئے۔ آپ ﷺ کی تعلیم و تربیت میں کسی انسانی کوشش کا کوئی دخل نہ ہو بلکہ یہ تربیت سراسر محض اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی کی جانب سے ہو۔ جاہلانہ نظریات اور رسوم ورواج کا آپ ﷺ کی شخصیت پر کوئی اثر نہ ہو۔ آپ کی ہر سوچ اور ہر فکر صرف اُسی ذاتِ عالی کی عطا کردہ ہو جو علیم و خبیر ہے۔ اُسی نے آپ ﷺ کے تمام ظاہری سہارے اور اسباب چھین کر آپ کو بے سروسامان کردیا اور آپ کی ذہنی، فکری اور اخلاقی تربیت مکمل طور پر اپنے ذمے رکھی۔[2]

دادا کی کفالت

حضرت آمنہ کو دفن کر کے جب یہ سوگوار قافلہ مکہ پہنچا تو عبدالمطلب کا دل اپنے پوتے کی محبت سے چھلک رہا تھا۔

[1] فقه السيرة للبوطي، ص: 72. [2] فقه السيرة للغضبان، ص: 85,84، السيرة النبوية للصلابي: 60/1.

اس ننھے سے دل پر چھوٹی سی عمر ہی میں کئی چرکے لگ چکے تھے۔ پیدا ہوئے تو باپ کی شکل دیکھنا نصیب نہ ہوئی۔ اب والدہ بھی ساتھ چھوڑ گئیں۔ ان محسوسات کے ساتھ عبدالمطلب کے دل میں نبی کریم ﷺ کے لیے ایسی والہانہ محبت پیدا ہوگئی جو انھیں اپنے سگے بیٹوں سے بھی نہ تھی۔ ابتدا ہی سے عجیب وغریب واقعات اور نشانیوں کا ظہور ہو رہا تھا۔ عبدالمطلب کے ذہن میں یہ بات راسخ ہوگئی تھی کہ آپ مستقبل میں انتہائی غیر معمولی شخصیت کے مالک ہوں گے۔ اسی بنا پر عبدالمطلب آپ ﷺ کو حد سے زیادہ اہمیت دیتے تھے۔

ابن ہشام رحمہ اللہ کی روایت ہے: عبدالمطلب کے لیے خانہ کعبہ کے سائے میں ایک مسند سجائی جاتی تھی۔ ان کے سارے بیٹے اس مسند کے اردگرد بیٹھ جاتے تھے۔ عبدالمطلب تشریف لاتے تو اپنی مسند پر بیٹھ جاتے۔ ان کے ادب و احترام کے پیش نظر ان کا کوئی بیٹا مسند پر نہ بیٹھتا لیکن رسول اللہ ﷺ تشریف لاتے تو عبدالمطلب کے ساتھ ہی مسند پر بیٹھ جاتے۔ آپ کم عمر تھے، لہٰذا آپ ﷺ کے کئی چچا آپ کو پکڑ کر مسند سے اُتارنے کی کوشش کرتے تھے لیکن جب عبدالمطلب اُنھیں ایسا کرتے دیکھتے تو فوراً فرماتے: ”میرے اس بیٹے کو یہیں چھوڑ دو۔ واللہ! اس کی شان نرالی ہے۔“ پھر انھیں اپنے ساتھ ہی مسند پر بٹھا لیتے۔ آپ کی کمر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے اور آپ کی نقل و حرکت دیکھ کر بہت خوش ہوتے تھے۔ [1]

سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے مشابہت

بنو مدلج قیافہ شناسی میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ اُنھوں نے بچپن میں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے قدموں کو دیکھ کر عبدالمطلب کو تاکید کی کہ اپنے اس بیٹے کی اچھی طرح حفاظت کرنا۔ یہ بڑا مبارک بچہ ہے۔ مقام ابراہیم پر ثبت قدموں کی سب سے زیادہ مشابہت اسی بچے کے قدموں سے ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشان

عبدالمطلب نے بنو مدلج کی یہ بات سنی تو ابوطالب سے کہا: ”سنو! یہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں؟“ اس کے بعد ابوطالب نے آپ کا خاص خیال رکھنا شروع کر دیا۔ عبدالمطلب نے وفات سے پہلے ام ایمن کو بھی تاکید کی: ”اے برکہ! میرے اس بیٹے کی پرورش میں ذرا بھی غفلت نہ برتنا۔ اہلِ کتاب کا خیال ہے کہ میرا یہ بیٹا اس اُمت کا نبی ہوگا۔“ عبدالمطلب جب بھی کھانا کھانے لگتے تو کہتے: ”پہلے میرے بیٹے کو لاؤ۔“ [2]

[1] السیرۃ لابن ھشام: 168/1. [2] الطبقات لابن سعد: 118/1، البدایۃ والنھایۃ: 262/2.

بنو مدلج کی اس بات کی تائید خود بہ نفسِ نفیس رسول اللہ ﷺ کے ارشاد مبارک سے بھی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو انبیائے کرام کے حلیوں کی شناخت کرادی تھی، چنانچہ آپ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے سابقہ انبیائے کرام کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

«أَمَّا إِبْرَاهِيمُ فَانْظُرُوا إِلَى صَاحِبِكُمْ»

''ابراہیم علیہ السلام کو دیکھنا ہو تو مجھے دیکھ لو (میں ان سے سب سے زیادہ مشابہت رکھتا ہوں۔)''[1]

کندیر بن سعید اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں: ''میں ایک مرتبہ زمانۂ جاہلیت میں حج کے لیے گیا۔ میں نے دیکھا کہ ایک بزرگ آدمی بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے والہانہ انداز میں یہ اشعار پڑھ رہا ہے:

رَبِّ! رُدَّ . إِلَيَّ رَاكِبِي مُحَمَّدًا يَا رَبِّ! رُدَّهُ وَاصْطَنِعْ عِنْدِي يَدًا

''اے میرے رب! میرے سوار محمد (ﷺ) کو واپس لے آ۔ اے میرے رب! مجھ پر احسان فرما اور اُسے لوٹا دے۔''

میں نے پوچھا: ''یہ کون ہیں؟'' لوگوں نے بتایا: ''یہ عبدالمطلب بن ہاشم ہیں۔ اُنھوں نے اپنے پوتے محمد (ﷺ) کو گم شدہ اُونٹ تلاش کرنے بھیجا ہے۔ یہ جب بھی اُسے کسی کام کے لیے بھیجتے ہیں تو وہ ہمیشہ کامیاب لوٹتا ہے۔ آج اُسے دیر ہوگئی ہے۔ ابھی تک واپس نہیں آیا۔ یہ بزرگ اسی وجہ سے پریشان ہیں۔'' ابھی عبدالمطلب وہیں کھڑے تھے کہ محمد ﷺ اُونٹ لے کر آگئے۔ عبدالمطلب نے آپ کو گلے لگایا اور کہا: ''اے میرے بیٹے! کیا بتاؤں میں تمھارے لیے کس قدر پریشان تھا۔ میں کسی کے لیے کبھی اتنا پریشان نہیں ہوا۔ اللہ کی قسم! اب میں تمھیں کسی کام کے لیے نہیں بھیجوں گا، نہ تم مجھ سے کبھی جدا ہونا۔''[2]

دادا بھی ساتھ چھوڑ گئے

جناب عبدالمطلب نے تو رسول اللہ ﷺ سے تاکیداً کہا کہ تم مجھ سے کبھی جدا نہ ہونا لیکن ابھی نبی کریم ﷺ کی عمر 8 سال ہی ہوئی تھی کہ خود عبدالمطلب دنیا سے رخصت ہو کر سب سے جدا ہوگئے۔ یوں آپ کے سر سے دادا کا سایہ بھی اُٹھ گیا۔[3]

عبدالمطلب کی وفات سے بنو ہاشم کے وقار پر گہری ضرب لگی۔ ایسا محسوس ہوا گویا زندگی کی مضبوط طناب ٹوٹ

---

[1] صحيح البخاري: 5913، فتح الباري: 471/6. [2] المستدرك للحاكم: 604,603/2، حديث: 4184، دلائل النبوة للبيهقي: 21,20/2. [3] تلقيح فهوم أهل الأثر، ص: 13.

گئی ہے۔ ساری بہاریں انھی کے دم سے تھیں۔ آج دنیا ان کی نظر میں تاریک ہوگئی اور زندگی کے وہ تمام سہارے نابود ہو گئے جن پر ان کا سارا خاندان فخر کرتا تھا۔ عبدالمطلب کے بیٹوں میں سے نہ تو کسی میں باپ کا سا عزم اور قوت تھی، نہ ان کی سی دور اندیشی، نہ ویسی سخاوت و بخشش اور نہ کسی کا ان کی طرح رعب و اقتدار تھا۔ عبدالمطلب حاجیوں کی ضیافت کرتے تھے۔ ان کے پینے کے لیے شیریں پانی فراہم کرتے تھے۔ اہل مکہ پر ان کی شفقت کا یہ عالم تھا کہ جب بھی ان پر بری گھڑی آتی تو عبدالمطلب ان کی حمایت میں سینہ سپر ہو جاتے۔ ان کے بیٹوں میں کوئی بھی صحیح معنوں میں پوری طرح باپ کا جانشین نہ بن سکا۔ بعض نادار ہونے کی وجہ سے بے بس تھے اور بعض اپنی دولت بڑھانے کے لیے کوشاں تھے۔

عبدالمطلب کی موت بنوہاشم کے لیے بہت بڑی محرومی کا باعث تھی۔ خاص طور پر اس صدمے کا سب سے گہرا اثر محمد ﷺ پر ہوا تھا۔ عبدالمطلب کا جنازہ اُٹھا تو آپ ﷺ بھی ساتھ تھے اور شفیق دادا کے فراق میں رو رہے تھے۔ آپ نے یہ روح فرسا صدمہ بھی اُسی صبر و استقلال سے جھیلا جس طرح اپنی والدہ ماجدہ کی وفات کا صدمہ اٹھایا تھا۔[1]

شفیق چچا کی سرپرستی میں

عبدالمطلب کی وفات کے بعد رسول اللہ ﷺ کی نگہداشت کی ذمہ داری ابوطالب کے حصے میں آئی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ نگہداشت زبیر اور ابوطالب دونوں کے ذمے تھی۔ یہ دونوں رسول اللہ ﷺ کے حقیقی چچا تھے۔ زبیر جلد ہی فوت ہو گئے جبکہ ابوطالب طویل عمر پا کر فوت ہوئے، اس لیے آپ ﷺ کو اپنے سایۂ عاطفت میں رکھنے کی سعادت صرف ابوطالب کو نصیب ہوئی۔

ابوطالب کی مالی حالت اچھی نہیں تھی۔ وہ عیال دار تھے۔ تنگ دست رہتے تھے۔ محمد ﷺ ان کے ساتھ رہنے لگے۔ آپ ﷺ نے ان کی خستہ حالی دیکھ کر خود حصولِ معاش کی جدوجہد کا فیصلہ کر لیا۔ آپ بنوسعد میں بکریاں چرانے کی تربیت پا چکے تھے، اب وہ تربیت کام آئی اور آپ ﷺ نے اجرت پر اہل مکہ کی بکریاں چرانی شروع کر دیں۔ یوں آپ اپنے شفیق چچا کے خاندان کی کفالت میں ان کا ہاتھ بٹانے لگے اور یہ گھرانہ آپ ﷺ کی برکتوں سے فیض یاب ہونے لگا۔ آپ کی برکت کا ایک کھلا نظارہ اُس وقت نظر آتا تھا جب کھانا کھانے کا وقت ہوتا تھا۔ اگر آپ اس وقت گھر میں تشریف فرما نہ ہوتے تو ابوطالب کے گھر والے کھانا کھا لینے کے باوجود بھوکے رہتے تھے۔ اور جب وہ آپ ﷺ کی معیت میں دسترخوان لگاتے اور کھانا کھاتے تو خوب سیر ہو کر کھاتے تھے۔ اسی لیے

[1] الطبقات لابن سعد: 119/1، القدوة في السيرة النبوية، ص: 71,70.

ابوطالب آپ سے کہا کرتے تھے: إِنَّكَ لَمُبَارَكٌ ''تم بڑے باعث برکت ہو۔''

حقیقت بھی یہی ہے کہ عام بچوں کے مقابلے میں آپ کی شخصیت بالکل جداگانہ نظر آتی تھی۔ عالم یہ تھا کہ جب دوسرے بچے بیدار ہوتے تو اُن کے بال بکھرے ہوئے، آنکھیں مُندی ہوئی اور چہرے کملائے ہوئے ہوتے تھے۔ لیکن نبیِ کریم ﷺ سوتے جاگتے ہمیشہ ہر حال میں نہایت صاف ستھرے، تروتازہ اور شاداب دکھائی دیتے تھے۔ [1]

ابوطالب بچوں کو صبح کے وقت ناشتہ دیتے تو وہ چھینا جھپٹی کرتے۔ یہ صورتحال دیکھ کر نبیِ کریم ﷺ فوراً اپنا ہاتھ روک لیتے تھے اور وقار کے ساتھ خاموش بیٹھ جاتے تھے۔ چھینا جھپٹی میں کبھی شریک نہیں ہوتے تھے۔ ابوطالب نے یہ صورت حال دیکھی تو انھوں نے آپ ﷺ کو الگ ناشتہ فراہم کرنا شروع کر دیا۔ [2]

قیافہ شناس کی پیش گوئی

خاندانِ بنولہب بن اجحن ازدی کا ایک ماہر قیافہ شناس مکہ آیا کرتا تھا۔ قریش کے آدمی اپنے بچے اس کے پاس لے جاتے تھے۔ وہ قیافے کی مدد سے اُن کے بچوں کے مستقبل کے بارے میں بتاتا تھا۔ ایک دفعہ وہ مکہ آیا۔ ابوطالب نبیِ کریم ﷺ کو اس کے پاس لے گئے۔ اس نے آپ ﷺ کو ایک نظر دیکھا، پھر کسی دوسرے کام میں مصروف ہوگیا۔ فارغ ہوا تو کہنے لگا: ''ابھی ابھی میں نے یہاں ایک بچہ دیکھا تھا، وہ کہاں ہے؟ اسے میرے پاس لاؤ۔''

ابوطالب کو حضرت محمد ﷺ کے بارے میں اس کا یہ اصرار پسند نہ آیا۔ انھوں نے آپ ﷺ کو چھپا دیا۔ وہ بار بار کہتا رہا: ''وہ بچہ میرے پاس لاؤ۔ واللہ! اس کی شان بڑی بلند ہوگی۔'' لیکن ابوطالب نے آپ ﷺ کو دوبارہ اس کے سامنے نہیں آنے دیا۔ [3]

ابوطالب نے بہت جلد دیکھ لیا کہ محمد ﷺ نیکی، ذہانت، شرافت، شجاعت، محنت، احساس ذمہ داری اور حسن کردار میں اُن کے حقیقی بیٹوں سے بہت آگے، منفرد اور ممتاز ہیں۔ وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ ابوطالب کے دل میں آپ ﷺ کی محبت راسخ ہوتی چلی گئی۔ وہ آپ ﷺ کو اپنی اولاد سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ آپ ﷺ کو اپنے پاس سلاتے، کبھی جدا نہ ہونے دیتے، ہر جگہ آپ کو ساتھ لے جاتے۔

بارانِ رحمت کی دعا

ابن عساکر نے جَلْهَمَه بن عُرْفُطَه سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں مکہ گیا۔ لوگ قحط سے دوچار تھے۔

---

[1] البداية والنهاية: 262/2. [2] البداية والنهاية: 263/2. [3] السيرة لابن هشام: 180,179/1.

عرصۂ دراز سے بارش کی ایک بوند بھی نہیں ٹپکی تھی۔ اہل مکہ میں سے ایک آدمی کہنے لگا: ''آؤ! لات و عزّیٰ کے پاس جا کر فریاد کریں۔'' ایک خوبرو اور خوش اندام بزرگ کہنے لگے: ''ارے تم کہاں بھٹکتے پھر رہے ہو؟ تمھارے پاس ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کی درخشاں یادگار موجود ہے؟'' لوگوں نے کہا: ''تمھارا کیا مطلب ہے؟ کیا ہم ابوطالب کے پاس جائیں؟'' بزرگ نے کہا: ''ہاں۔'' سب لوگ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ میں بھی اُن کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ پھر ہم ابوطالب کے گھر پہنچے۔ دروازہ کھٹکھٹایا۔ ابوطالب باہر نکلے۔ ہم نے کہا: ''ابوطالب! وادی قحط کا شکار ہے۔ بال بچے کال کی زد میں ہیں۔ چلیے بارش کی دعا کیجیے۔''

ابوطالب کے ساتھ ایک بچہ بھی تھا۔ اُس کا چہرہ آفتاب کی طرح جگمگا رہا تھا۔ اس کے اردگرد اور بچے بھی تھے۔ ابوطالب نے اس بچے کا ہاتھ پکڑ کر اس کی کمر کعبہ کی دیوار سے لگا دی۔ بچے نے اپنے چھوٹے چھوٹے خوبصورت ہاتھ دُعا کے لیے اُٹھا دیے۔ اس وقت مطلع صاف تھا۔ دور دور تک بادل کا کوئی ٹکڑا نہ تھا لیکن جونہی اس بچے نے دعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے، ہر طرف بادل منڈلانے لگے، پھر ایسی موسلا دھار بارش ہوئی کہ وادی میں سیلاب آ گیا اور شہر و بیاباں جل تھل ہو گئے۔ بعدازاں ابوطالب نے رسول اللہ ﷺ کی مدح میں اسی واقعے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

وَأَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهِ ثِمَالُ الْيَتَامٰى عِصْمَةٌ لِّلْأَرَامِلِ

''وہ سفید رنگت والا جس کے چہرے کے ذریعے سے بارش طلب کی جاتی ہے، وہ یتیموں کا سہارا اور بیواؤں کی آبرو کا محافظ ہے۔''[1]

رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ لوگوں نے آپ سے قحط سالی کے مصائب بیان کیے۔ آپ نے نماز استسقا ادا کی یا محض دُعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے فوراً باران رحمت سے نواز دیا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی مبارک زندگی میں ایک مرتبہ لوگ قحط سالی کا شکار تھے۔ خطبۂ جمعہ کے دوران میں ایک دیہی باشندہ کھڑا ہو گیا، کہنے لگا: ''اے اللہ کے رسول! جانور ہلاک ہو رہے ہیں، بچے بھوک کا شکار ہیں، آپ ہمارے لیے بارش کی دُعا کریں۔ آپ نے اُسی وقت دعا کے لیے ہاتھ اُٹھا دیے۔ اس وقت آسمان پر بادل کا نام و نشان تک نہ تھا۔ اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! آپ نے ابھی اپنے ہاتھ نیچے نہیں کیے تھے کہ

[1] المواهب اللدنية: 1/184، 185، صحيح البخاري: 1008 مختصرًا، فتح الباري: 2/638، تاريخ الإسلام للذهبي (السيرة)، ص: 52، 53.

ہرطرف پہاڑوں جیسے بادل چھا گئے۔ ابھی آپ ﷺ منبر سے نہیں اُترے تھے کہ موسلا دھار بارش شروع ہوگئی۔ مسجد کی چھت ٹپکنے لگی۔ میں نے بارش کے قطرے نبی کریم ﷺ کی داڑھی پر گرتے دیکھے۔ کئی دنوں تک موسلا دھار بارش ہوتی رہی یہاں تک کہ اگلا جمعہ آ گیا۔ وہی اعرابی یا کوئی اور شخص کھڑا ہوگیا، کہنے لگا: ''اے اللہ کے رسول! گھر منہدم ہو رہے ہیں، مال غرق ہونے لگے ہیں، آپ ہمارے حق میں اللہ سے دُعا کریں۔'' آپ ﷺ نے ہاتھ بلند کیے اور انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے التجا کی:

«اَللّٰهُمَّ! حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا»

''اے اللہ! ہمارے اردگرد بارش برسا دے، ہم پر نہ برسا۔''

رسول اللہ ﷺ کی انگلی جس طرف گھومتی گئی، وہیں سے بادل چھٹتے گئے۔ مدینہ ایک تاج کے مانند ہوگیا۔ مدینہ کے اردگرد تو بارش ہو رہی تھی مگر مدینہ کا موسم بالکل صاف تھا۔ وادیِ قناۃ کی ندی ایک مہینے تک بہتی رہی۔ پھر جس علاقے سے بھی جہاں سے بھی کوئی شخص مدینہ آیا، اُس نے یہی کہا کہ ہمارے علاقے میں بہت بارش ہوئی ہے۔[1]

وادیِ قناۃ مدینہ منورہ اور جبل احد کے درمیان بہتی ہے۔ آگے چل کر وادیِ قناۃ، وادیِ بطحان اور وادیِ عقیق اکٹھی ہوجاتی ہیں۔ اس مقام پر اسے اضم کہا جاتا ہے۔ یہ اُلوجہ کے علاقے سے گزرتی ہوئی بحیرۂ احمر میں ضم ہوجاتی ہے۔[2]

بارش کے لیے دُعا کا معاملہ صرف ایک دفعہ کا واقعہ نہ تھا۔ جب بھی قحط سالی کا سامنا ہوا، آپ کی دُعا کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا اور پریشان حال لوگوں کی پریشانی دور فرما دی۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور میں جب کبھی قحط برپا ہوتا، وہ عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے جا کر بارش کی دُعا کرتے اور کہتے:

[1] صحيح البخاري: 933. [2] معجم البلدان، مادة: قناة، أطلس الحديث النبوي، ص: 310، المعالم الجغرافية الواردة في السيرة النبوية: 118/1.


وادیِ قناۃ


وادیِ بطحان


وادیِ عقیق

اَللّٰهُمَّ! إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا ﷺ فَتَسْقِينَا، وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا

''اے اللہ! ہم اپنے نبی ﷺ کی وساطت (دعا) سے تجھ سے بارش کی درخواست کرتے تھے اور تو ہمیں بارانِ رحمت سے سیراب فرماتا تھا۔ اب ہم اپنے نبی کے چچا کی وساطت (دعا) سے تجھ سے بارش کی التجا کرتے ہیں۔ اے اللہ! ہمیں بارش سے نواز۔''

پھر بارش ہو جایا کرتی تھی۔ [1]

[1] صحيح البخاري: 1010.

گلہ بانی سے جہاں بانی تک

گلہ بانی ابتدا ہی سے ایک معزز پیشہ رہا ہے۔ ابوطالب کی مالی حالت اچھی نہیں تھی، اس لیے آپ ﷺ نے اپنے چچا سے بھیڑ بکریاں چرانے کی اجازت چاہی۔ پہلے تو ابوطالب تیار نہ ہوئے لیکن آپ کے مسلسل اصرار پر اُنھوں نے اجازت دے دی۔ واضح رہے کہ عرب میں بھیڑ بکریاں چرانا کوئی معیوب کام نہ تھا۔ بڑے بڑے شرفاء اور امراء کے بچے بھیڑ بکریاں چراتے تھے۔ انبیائے کرام علیہم السلام نے بھی بھیڑ بکریاں چرائیں جیسا کہ سورۂ طٰہٰ میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے بکریاں چرانے کا ذکر ہے۔[1] مزید برآں سورۃ النحل میں فرمایا گیا ہے:

﴿وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ ۝﴾

''اور تمھارے لیے ان (جانوروں) میں خوبصورتی (بھی) ہے جب تم شام کو چرا کر لاتے ہو اور جب صبح چرانے کو لے جاتے ہو۔''[2]

جب آپ ﷺ اپنے چچا کو مالی سہارا دینے کے لیے بکریاں چرانے نکلے تو درحقیقت یہ جہاں بانی کی تربیت کا آغاز تھا۔ زمانۂ رسالت میں آپ اس سادہ اور پرلطف مشغلے کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔ جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مرالظہر ان سے گزر رہے تھے۔ ہم وہاں سے پیلو کے پھل چننے لگے تو نبیِ کریم ﷺ نے فرمایا:

[1] طٰہٰ 20:18۔ [2] النحل 16:6۔



وادی مرالظہران

«عَلَيْكُمْ بِالْأَسْوَدِ مِنْهُ فَإِنَّهُ أَطْيَبُ»

''جو کالا ہو وہ توڑو کیونکہ وہ زیادہ لذیذ ہوتا ہے۔''

نبی ﷺ سے پوچھا گیا: ''کیا آپ بھیڑ بکریاں چراتے رہے ہیں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا:

«نَعَمْ، وَهَلْ مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا رَعَاهَا»

''ہاں! اور ہر نبی نے بھیڑ بکریاں چرائی ہیں۔''[1]

اسی طرح ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَا بَعَثَ اللّٰهُ نَبِيًّا إِلَّا رَعَى الْغَنَمَ»

''اللہ تعالیٰ نے جو نبی بھی مبعوث فرمایا، اس نے گلہ بانی ضرور کی ہے۔''

صحابہ نے پوچھا: ''اللہ کے رسول! کیا آپ نے بھی گلہ بانی کی ہے؟'' آپ نے فرمایا:

«نَعَمْ، كُنْتُ أَرْعَاهَا عَلٰى قَرَارِيطَ لِأَهْلِ مَكَّةَ»

''ہاں، میں چند قراریط کے عوض اہل مکہ کی بھیڑ بکریاں چرایا کرتا تھا۔''[2]

یہاں قراریط کا مطلب سمجھ لیجیے۔ قراریط کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ صحیح اور راجح قول یہ ہے کہ قراریط قیراط کی جمع ہے۔ قیراط درہم کے بارھویں حصے کو کہتے ہیں۔ یہ جواہرات اور سونے کے لیے وزن کی اکائی ہے۔ یہ یونانی زبان کے لفظ keration (کیراٹیون) سے مشتق ہے جو carob (کیروب) نامی درخت کا بیج ہے۔[3] امام ابن ماجہ رحمہ اللہ کے اُستاد سوید بن سعید کہتے ہیں کہ ہر بھیڑ بکری چُرانے کی اُجرت ایک قیراط ہوتی تھی۔[4]

ایک لیڈر کے لیے سب سے مشکل اور صبر آزما کام اپنے پیروکاروں کو کنٹرول میں رکھنا ہوتا ہے۔ بھیڑ بکریوں کو کنٹرول کرنا بھی بڑا محنت طلب، صبر آزما اور تھکا دینے والا کام ہے۔ تمام انبیائے کرام علیہم السلام کو اس تربیتی کورس سے رُوشناس کرایا گیا تاکہ وہ اپنے پیروکاروں کی تنظیم، تعلیم، تربیت، تزکیے اور نگہداشت کی گراں بار ذمہ داری نبھانے کی سعیِ مسلسل سے بخیر وخوبی عہدہ برآ ہوسکیں۔ عیسیٰ علیہ السلام نے تو نبوت کی ذمے داری کو بھی بھیڑیں چرانے سے تعبیر کیا:

''اس (یسوع) نے کہا کہ میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔''[5]

[1] صحيح البخاري:5453، صحيح مسلم:2050. [2] صحيح البخاري:2262.

[3] Oxford English Reference Dictionary, p: 218.

[4] فتح الباري:557/4. [5] کتاب مقدس (متی) 24:15.

یسوع علیہ السلام نے اپنے حواریوں کو تلقین کرتے ہوئے کہا:

''غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا۔ بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا۔''[1]

گلہ بانی کے تربیتی فوائد

صبر: بھیڑ بکریاں چرانے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ صبح سے شام تک انتہائی صبر و استقامت کے ساتھ ڈیوٹی دے تاکہ بھیڑ بکریوں کو پیٹ بھر کے چارہ میسر آ سکے۔ اگر چرواہا صبر و تحمل کا مظاہرہ نہیں کرے گا تو بھیڑ بکریاں بھوکی رہ جائیں گی۔ اسی طرح انسانوں کی تربیت کرنے والے افراد کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ صبر و تحمل سے کام لیں۔

تواضع: چرواہے کی عادت ثانیہ بن جاتی ہے کہ وہ بھیڑ بکریوں کی خدمت کرتا ہے، ان کی نسل بڑھانے کا اہتمام کرتا ہے، ان کی حفاظت کا بندوبست کرتا ہے اور خبر گیری کی خاطر ان کے قریب سوتا ہے۔ اگر کبھی اس کے ہاتھ پاؤں یا کپڑے ان کے بول و براز سے آلودہ بھی ہو جائیں، تب بھی تنگ دل نہیں ہوتا۔ زندگی کے یہ سادہ طور طریقے اس کے نفس کو تکبر اور غرور سے پاک کر کے اس میں تواضع اور انکسار پیدا کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنْ كِبْرٍ»

''جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہو، وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔''

ایک شخص نے پوچھا: ''اے اللہ کے نبی! انسان کا جی چاہتا ہے کہ اُس کا لباس اچھا ہو اور اُس کے جوتے عمدہ ہوں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ جَمِيلٌ يُّحِبُّ الْجَمَالَ. اَلْكِبْرُ: بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ»

''بے شک اللہ تعالیٰ جمیل ہے، وہ خوبصورتی کو پسند کرتا ہے۔ تکبر حق کو جھٹلانا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا ہے۔''[2]

رسول اللہ ﷺ انتہائی متواضع تھے۔ سیدنا ابوہریرہ اور ابوذر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کے درمیان بے تکلفی سے بیٹھا کرتے تھے۔ کوئی اجنبی آتا تو اسے پتہ ہی نہ چلتا کہ رسول اللہ ﷺ کون ہیں۔ ہم نے آپ سے درخواست کی کہ ہم آپ کے لیے خاص نشست بنا دیں تاکہ کوئی اجنبی آئے تو آپ کو آسانی سے پہچان لیا کرے، چنانچہ ہم نے آپ کے لیے گارے کا ایک چبوترہ بنا دیا۔ آپ اس پر بیٹھ جاتے اور ہم اس کے اردگرد بیٹھ جاتے۔[3]

---

[1] کتاب مقدس (متی) 10:5,6۔ [2] صحيح مسلم: 91. [3] سنن أبي داود: 4698.

اسی طرح انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی شخص محبوب نہ تھا۔ اس کے باوجود جب وہ آپ کو دیکھتے تو رسم تعظیم کے طور پر کھڑے نہیں ہوتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تشریف آوری پر ہمارا اپنی جگہ پر کھڑا ہو جانا پسند نہیں کرتے۔[1]

شجاعت: چرواہے کو بسا اوقات بھیڑ بکریوں اور خود اپنی جان کے تحفظ کے لیے جنگلی درندوں کا مقابلہ بھی کرنا پڑتا ہے، اس لیے اُس میں بہادری بدرجۂ اتم ہونی چاہیے۔ تاریخ گواہ ہے کہ حق کے مخالفین میں وحشت اور درندگی حلول کر جاتی ہے۔ وہ حق کو دبانے کے لیے حیوانی سطح پر بھی اُتر آتے ہیں، ایسی صورت میں درندگی کا ازالہ ضروری ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شجاعت انبیاء علیہم السلام کی سیرت کا بڑا امتیاز اور ناگزیر وصف ہوتا ہے۔

نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس خوبی میں بھی عدیم النظیر تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے حالات و حوادث پیش آئے جن سے بہادر ترین آدمی کا دل بھی لرز اُٹھتا ہے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم کبھی متزلزل نہ ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے سے بڑے خطرے کو بھی خاطر میں نہ لائے۔ آپ ان خطروں کے سامنے پوری مضبوطی سے یوں ثابت قدم رہے جیسے یہ معمولی بات ہے۔ گلہ بانی کی تربیت نے آپ کی فطری شجاعت کو چار چاند لگائے۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت میں غیر معمولی شجاعت نہ ہوتی تو مسلمانوں کو وہ شاندار کامیابیاں حاصل نہ ہوتیں جو انھیں حاصل ہوئیں اور ساری دنیا کو حیرت زدہ کر گئیں۔

شفقت و رحمت: ایک چرواہا بھیڑ بکریوں کے تمام اُمور کی نگرانی کرتا ہے۔ اگر کوئی بکری بیمار ہو جائے، اُسے چوٹ لگ جائے یا اس کی کوئی ہڈی وغیرہ ٹوٹ جائے تو اس صورت حال کا فوری تقاضا یہ ہوتا ہے کہ بکری کا علاج کیا جائے اور اس کے ساتھ شفقت سے پیش آیا جائے۔ جب ایک چرواہا ان تمام ذمے داریوں سے عہدہ برآ ہوتا ہے تو قدرتی طور پر اُس کے دل میں شفقت اور رحمت کا جذبہ پروان چڑھتا ہے۔ اس تناظر میں اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ شخص جو جانوروں کے ساتھ بھی شفقت سے پیش آتا ہو، بھلا وہ انسانوں سے سنگ دلی کا مظاہرہ کس طرح کر سکتا ہے؟ بالخصوص وہ ذات گرامی جس کی تعلیمات اور سیرت تمام انسانوں کے لیے مشعلِ راہ بننے والی تھی، جس کا منصب ہی انسانیت کی بے لوث خدمت تھا، جس کا نصب العین ہی انسانوں کو آگ سے بچانا اور دونوں جہانوں کی سعادتوں سے سرفراز کرنا تھا، اس ہستی میں ان صفات کا اوج کمال پر ہونا ضروری تھا۔

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بے پایاں شفقت و رحمت سے کسی کو محروم نہیں رکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رأفت و رحمت کی درخشاں مثالیں قائم فرمائیں اور عمر بھر کریمانہ اخلاق اور رحیمانہ رویوں کو فروغ دیا۔ یہ صفات آپ کی ابدی تعلیمات

[1] جامع الترمذي: 2754.

کا لازمی حصہ تھیں۔ جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا يَرْحَمُ اللّٰهُ مَنْ لَا يَرْحَمُ النَّاسَ»

''جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا، اس پر اللہ بھی رحم نہیں فرماتا۔''[1]

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلرَّاحِمُونَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ، اِرْحَمُوا أَهْلَ الْأَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ»

''رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم کرتا ہے۔ تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔''[2]

محنت سے روزی کمانے کا جذبہ: اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو نبیِ کریم ﷺ کو بھیڑ بکریاں چرانے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔ لیکن یہ بھیڑ بکریاں چرانے کا معاملہ آپ ﷺ کی ہمہ گیر تربیت کا ایک حصہ تھا۔ اس سے اُمت کو یہ سبق دیا گیا کہ وقار اور خودداری کی زندگی بسر کرو۔ رزق کے لیے دوسروں کے عطیات کا انتظار نہ کرو بلکہ خود اپنی قوتِ بازو سے کام لو۔ محنت کرو، رزقِ حلال کماؤ۔ خود کھاؤ اور دوسروں کو بھی کھلاؤ۔

ایک داعی کے لیے ضروری ہے کہ وہ کامل معنوں میں خوددار اور باوقار ہو، اُس کی نظر دوسروں کے مال پر نہ ہو بلکہ وہ خود اپنے دست و بازو سے اپنی روزی کا اہتمام کرے۔ اس سے اُس کی قدر بڑھے گی اور مرتبے میں اضافہ ہوگا۔ انبیائے کرام علیہم السلام متاعِ عیش کے کبھی طلب گار نہیں رہے۔ انھوں نے ہمیشہ دوٹوک اعلان کیا کہ وہ کسی سے بھی دنیاوی اجر کے خواستگار نہیں:

﴿وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾

''اور میں تم سے اس پر کوئی اجر نہیں مانگتا، میرا اجر تو رب العالمین ہی کے ذمے ہے۔''[3]

سیدنا مقدام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَا أَكَلَ أَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ خَيْرًا مِنْ أَنْ يَأْكُلَ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ، وَإِنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَأْكُلُ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ»

''کسی شخص نے کبھی اس سے بہتر روزی نہیں کھائی جو وہ اپنے ہاتھ سے کما کر کھائے۔ اللہ کے نبی داود علیہ السلام بھی خود اپنے ہاتھ سے کما کر کھاتے تھے۔''[4]

[1] صحيح البخاري:7376. [2] سنن أبي داود:4941، دیکھیے: السيرة النبوية لأبي فارس، ص:130,129. [3] الشعراء 109:26 و 127 و 145 و 164 و 180. [4] صحيح البخاري:2072.

نبی کریم ﷺ کو اپنے عظیم الشان مشن کی تکمیل کے لیے جس صبر، استقامت، متانت، سنجیدگی اور ٹھہراؤ کی ضرورت تھی، گلہ بانی کے زمانے میں آپ ﷺ کو ان سب صفات کو مضبوط و مستحکم کرنے کا موقع میسر آیا۔ آپ ﷺ صحرا کی فطری خوبصورتی سے آگاہ ہوئے۔ خالقِ کائنات کی شانِ تخلیق کے مظاہر آپ پر آشکارا ہوئے۔ چاندنی راتوں کی ٹھنڈی ہوا اور خاموش فضا میں آپ ﷺ کو اپنے محبوب پروردگار سے راز و نیاز کی نہایت بیش قیمت اور پُرسکون ساعات میسر آتی تھیں۔ اسی فضا میں آپ ﷺ تزکیۂ نفس، صبر، استقامت، بردباری، تحمل، نرمی، نوازش، شفقت و رحمت اور اسی طرح کی دیگر عالی صفات سے متصف ہوئے۔ [1]

[1] محمد رسول اللہ ﷺ لمحمد صادق عرجون: 1/177.

بَحیرا راہب سے ملاقات

رسول اللہ ﷺ کی عمر بارہ برس دو مہینے دس دن تھی۔ ابوطالب قریش کے ایک تجارتی قافلے کے ساتھ شام کے سفر پر نکلے۔ [1] دور دراز کے سفر کی صعوبتوں اور مشکلات کی وجہ سے ابوطالب آپ ﷺ کو ساتھ لے جانے کے حق میں نہ تھے مگر عین روانگی کے وقت جب اُنھوں نے آپ ﷺ کے چہرے پر کربِ جدائی کے آثار دیکھے تو آپ کو اپنے ساتھ شریکِ سفر کر لیا۔ [2]

یہ قافلہ شام کے ایک شہر ''بُصریٰ'' پہنچا جو ''حوران'' کا مرکزی شہر ہے۔ اس وقت یہ شہر جزیرۃ العرب کے رومی مقبوضات کا دارالحکومت تھا۔ یہ شام (سوریہ) کے جنوب میں مضافاتِ دمشق میں واقع ہے۔ رومی اور یونانی زمانے


شام کا پرانا شہر بصریٰ

میں یہ شہر بوریٔس کے نام سے مشہور تھا۔ تورات میں اس کا نام باشان آیا ہے۔ [3] اسی حوران کے علاقے میں ایک راہب رہتا تھا۔ اُس کا نام جرجیس تھا لیکن وہ بَحیرا کے لقب سے مشہور تھا۔ اس سے پہلے قریش بارہا اس راستے سے گزرتے اور یہاں قیام کرتے رہے لیکن اس راہب نے ان کی طرف کبھی توجہ نہیں دی۔ اس مرتبہ قریش کا قافلہ وہاں ٹھہرا تو وہ راہب خلافِ معمول گرجے سے باہر نکل آیا اور سب کو تجسس سے دیکھنے لگا۔ اچانک اُس کی نظر حضرت محمد ﷺ پر پڑی۔ اُس نے لپک کر آپ کا ہاتھ تھام لیا اور کہنے لگا:

[1] تلقیح فهوم أهل الأثر، ص:13. [2] السیرة لابن هشام:180/1. [3] معجم البلدان، مادة: حوران، وکی پیڈیا انسائیکلوپیڈیا.



رسول اللہ ﷺ کا چچا کے ساتھ سفر
مکہ مکرمہ سے بُصریٰ الشام تک
بحیرۂ روم (Mediterranean)
بیروت
دمشق
شام
بُصریٰ
بلقاء
صحرائے شام
القدس (یروشلم)
غزہ ہاشم
اسکندریہ
اردن
دومۃ الجندل
معان
عقبہ
ایلہ
ہیلیو پولس
صحرائے اعظم
الفیوم
مصر
سیناء
تبوک
النفود الکبیر
برِّ اعظم افریقہ
اسیوط
تیماء
العلا
الوجہ
خیبر
عرب
مدینہ منورہ
(یثرب)
نجد
نوبیہ
جدہ
مکہ مکرمہ
طائف
سُودان
طیسفون
(مدائن)
بابل
حیرہ
عراق
600
400
200
0
100
200


کے تاریخی شہر بُصریٰ میں بحیرا راہب کی خانقاہ کا بیرونی منظر

هٰذَا سَيِّدُ الْعَالَمِينَ ، هٰذَا رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ، يَبْعَثُهُ اللّٰهُ رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ

''یہ جہانوں کے سردار ہیں، یہ رب العالمین کے پیغمبر ہیں، اللہ تعالیٰ انھیں تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر مبعوث فرمائے گا۔''

قریش کے اکابر پوچھنے لگے: ''یہ بات آپ کو کیسے معلوم ہوئی؟'' اُس نے بتایا: ''جس وقت آپ لوگ گھاٹی سے نکلے تو سارے درخت اور پتھر ان کے لیے سجدہ ریز ہوگئے۔ یہ کسی نبی ہی کے لیے سجدہ ریز ہو سکتے ہیں۔ میں انھیں مہرِ نبوت سے بھی پہچانتا ہوں۔ یہ آپ کے شانے کی نچلی جانب ہے اور سیب کی طرح ہے۔''

پھر راہب واپس گیا، اس نے اُن کے لیے کھانے کا اہتمام کیا۔ قریش کھانا کھانے چلے گئے اور محمد (ﷺ) کو چھوٹا بچہ سمجھتے ہوئے اُونٹوں کی نگرانی کے لیے چھوڑ گئے۔ راہب نے دسترخوان پر آپ کو نہ پایا تو کہنے لگا: ''اُنھیں فوراً بلاؤ۔'' جب آپ تشریف لا رہے تھے تو ایک بادل آپ پر سایہ فگن تھا۔ آپ ﷺ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ لوگ آپ سے پہلے ہی ایک درخت کے سائے میں بیٹھ چکے ہیں اور اب کوئی سایہ دار جگہ موجود نہیں مگر جب آپ بیٹھے تو درخت

کا سایہ آپ کی طرف جھک گیا۔ راہب بولا: ''دیکھو یہ درخت ان پر کس طرح اپنی چھاؤں نچھاور کر رہا ہے۔'' پھر اس نے تاکید کی کہ آپ لوگ انھیں روم نہ لے جائیں۔ اگر رومیوں نے دیکھ لیا تو خدشہ ہے کہ وہ انھیں ان کی علامات سے پہچان لیں گے اور قتل کر دیں گے۔

نبی ﷺ کی تلاش میں رومیوں کی آمد

راہب کا یہ اندیشہ بلاوجہ نہ تھا، ابھی وہ باتیں کر ہی رہا تھا کہ اس کی نظر روم کی طرف سے آنے والے سات آدمیوں پر پڑی۔ وہ قریب آ گئے۔ راہب نے پوچھا: ''کس لیے آئے ہو؟'' رومیوں نے کہا: ''ہم اس نبی کی تلاش میں نکلے ہیں جس کی تورات اور انجیل میں بشارت دی گئی ہے۔ ہمیں پتہ چلا ہے کہ وہ اس مہینے سفر کے لیے نکلا ہے۔ ہم نے اس کی تلاش میں ہر طرف اپنے آدمی بھیجے ہیں۔'' راہب نے پوچھا: ''کیا تم میں کوئی زیادہ باخبر آدمی موجود نہیں؟'' وہ کہنے لگے: ''ہم اچھی طرح باخبر ہیں۔ ہمیں پکی خبر ملی ہے کہ وہ اسی راستے سے آئے گا۔'' یہ بات سن کر راہب نے پوچھا: ''ارے اللہ کے بندو! اگر اللہ تعالیٰ کسی کام کا ارادہ کر لے تو کیا دنیا کی کوئی طاقت اُسے روک سکتی ہے؟'' وہ بولے: ''ہرگز نہیں!'' پھر اُنھوں نے راہب سے عہد کیا کہ ہم آیندہ اس نبی کے درپے آزار نہیں ہوں گے۔ بعد ازاں وہ لوگ راہب ہی کے پاس ٹھہر گئے۔

راہب نے قریشیوں سے کہا: ''میں تمھیں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں، بتاؤ! اس کا سرپرست کون ہے؟'' اُنھوں نے کہا: ''ابوطالب!'' اُس نے ابوطالب سے نہایت اصرار کے ساتھ درخواست کی: ''از راہِ کرم اس بچے کو فوراً واپس بھیج دیجیے۔'' ابوطالب رضامند ہو گئے اور آپ کو واپس روانہ کر دیا۔[1]

بحیرا کے واقعے پر مستشرقین کا ردِعمل

اس روایت پر دو طرح کا انتہا پسندانہ ردِعمل ہوا۔ پہلا ردِعمل مستشرقین کی طرف سے تھا۔ ''بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا'' انھیں اس واقعے کی بدولت ایک موقع ہاتھ آ گیا۔ اُنھوں نے بحیرا راہب سے اس مختصر سی سرِراہے ملاقات کو حسبِ منشا مبالغہ آرائی کا پہاڑ بنا دیا اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ عقیدۂ توحید کی صاف شفاف اور بے لاگ تعلیمات آپ ﷺ نے دراصل اسی عیسائی عالم سے حاصل کیں۔ اس سے زیادہ قابلِ تعجب بات یہ ہے کہ ایک فرانسیسی مستشرق کرا ڈی ویو (Carra de Vaux) نے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب تصنیف کر ڈالی۔ اس کا

[1] جامع الترمذي: 3620، السيرة لابن إسحاق: 1/122-124، السيرة لابن هشام: 1/180-183. بعض روایات میں سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کا ذکر ملتا ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یہ حدیث سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کے ذکر کے بغیر صحیح ہے۔'' دیکھیے: (صحيح سنن الترمذي: 3/486، 487)

عنوان ''مصنفِ قرآن'' رکھا۔ اس کتاب میں اُس نے دعویٰ کیا کہ اس ملاقات میں بحیرا نے محمد (ﷺ) کو پورا قرآن املا (Dictate) کرا دیا تھا۔

یہ بات نہ صرف حقائق سے بعید ہے بلکہ مضحکہ خیز بھی ہے۔ کیا کسی کی عقل باور کر سکتی ہے کہ ایک کم سن بچہ جس کی عمر نو سال یا زیادہ سے زیادہ بارہ سال بتائی گئی ہے، ایک ایسے بوڑھے شخص سے جس کی زبان سے بھی وہ ناآشنا ہے اور جسے صرف ایک ہی وقت کے کھانے پر اس کے ساتھ بیٹھنے کا موقع ملا ہے، وہ ایسے دقیق، اہم مسائل اور ان کی نازک تفصیلات پر تبادلہ خیال کرے گا اور چھٹی صدی عیسوی میں تحریف شدہ عیسائیت کے مشرکانہ عقائد و افکار کی اُن باریکیوں سے واقف ہو جائے گا جن تک پروٹسٹنٹ مذہب کے بڑے بڑے پادریوں اور عالموں کی بھی رسائی نہ ہو سکی، پھر تیس چالیس سال بعد وہ ان سب باتوں کو قرآن کی شکل میں مرتب کر دے گا؟ ایسی غلط اور نامعقول بات صرف وہی شخص کہہ سکتا ہے جسے تعصب نے اندھا کر دیا ہو یا وہ فرضی باتیں گھڑنے میں اُتارُو ہو۔

جھوٹی باتیں گھڑنے کی اس ٹکسال میں برطانوی مؤرخ جان ولیم ڈریپر صاحب سب سے زیادہ تیز نکلے۔ وہ اپنی کتاب ''معرکۂ علم و مذہب'' میں لکھتے ہیں کہ بحیرا راہب نے بُصریٰ کی خانقاہ میں محمد (ﷺ) کو نسطوری عقائد کی تعلیم دی اور آپ کے اَخاذ دماغ نے اپنے اتالیق کے مذہبی افکار اور فلسفیانہ خیالات کا گہرا اثر قبول کیا۔[1]

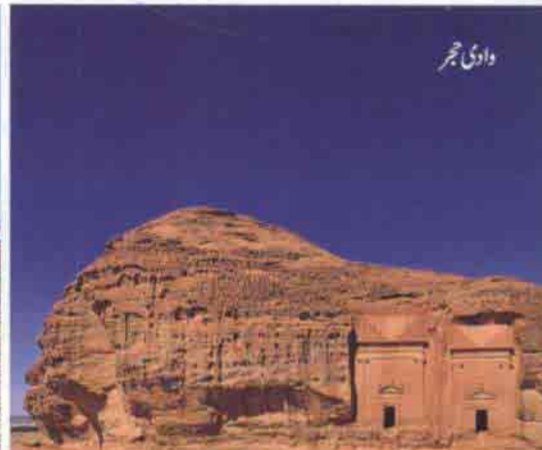
ولیم میور (William Muir) نے بھی اس واقعے پر بڑی حاشیہ آرائی کی ہے۔ اُس نے لکھا ہے کہ محمد (ﷺ) کو وادیٔ حجر، بحیرۂ مردار، یہودیوں اور خصوصاً عیسائیوں کے متعلق معلومات اسی سفر کے ذریعے سے حاصل ہوئیں۔[2]

---

[1] سیرۃ النبی ﷺ، (حاشیہ): 128/1. یہ ''معرکۂ علم و مذہب'' وہی کتاب ہے جس کا ترجمہ مولانا ظفر علی خاں نے ''معرکۂ مذہب و سائنس'' کے نام سے کیا ہے۔

[2] The Life Of Mohamet :2/13,14.


بحیرہ مردار کا منظر


وادیٔ حجر

دوسرا انتہا پسندانہ ردعمل یہ ہوا کہ مستشرقین کی فتنہ انگیزیوں کی وجہ سے بہت سے مسلم سکالرز نے سرے سے اس واقعے کی صحت ہی کا انکار کردیا جبکہ محض مستشرقین کی کارستانیوں کی بنا پر اس واقعے کی صحت کا انکار قرینِ دانش نہیں۔ مشہور سکالر ڈاکٹر محمد حمید اللہ رحمہ اللہ اس واقعے کی توجیہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''عیسائیوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیش گوئیوں کے مطابق اس زمانے میں کسی اہم انقلاب کا انتظار تھا۔ (یوحنا 16:14 و 16:7-16) یہودیوں کو بھی آنے والے ایسے مسیحا کا انتظار تھا جسے بنی اسرائیل کے بھائیوں کے خاندان (بنو اسماعیل) سے ہونا چاہیے تھا۔ (استثنا 18:18) سردارانِ قریش کی ضیافت سے بحیرا راہب کا مقصد سہ گونہ ہو جاتا ہے: مسافر پروری، تبلیغ نصرانیت اور تسلی دہندہ کی تلاش۔ لیکن بہرحال اس کے وہ مقاصد نہ تھے جن کا مغربی سکالرز تذکرہ کرتے ہیں۔ اس ایک ملاقات سے، جو سب کے سامنے ہوئی، اتنا گہرا تاثر پیدا ہو جانا کہ اس کی بنیاد پر نئے دین کا دعویٰ کیا جا سکے، محض بیمار ذہنوں کی اختراع ہے۔''[1]

قابل غور بات یہ ہے کہ عقیدۂ تثلیث کا رد، یسوع کے ابن اللہ ہونے کی تردید، واقعۂ صلیب کا انکار وغیرہ اگر واقعی اُن کے بزرگ بحیرا راہب کی تعلیم کا نتیجہ ہیں تو پھر عیسائی سکالر اور جملہ مستشرقین مسلمانوں کا یہ موقف کیوں تسلیم نہیں کرتے کہ عقیدۂ تثلیث اور ابن اللہ ہونے کے دعووں کا عیسیٰ علیہ السلام کی اصل تعلیمات سے کوئی واسطہ نہیں۔

محدثین کا تبصرہ

رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ابوطالب سے بحیرا راہب کی بات چیت کی نسبت محدثین کرام نے کیا لکھا ہے؟ آیئے اس کا جائزہ لیں۔

قدیم علماء کے مابین بحیرا راہب والی روایت کی صحت اور عدم صحت کے بارے میں شدید اختلاف ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس روایت کو حسن غریب[2] اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''یہ امام بخاری و مسلم کی شروط کے مطابق ہے۔''[3] البانی، عرجون، شعیب ارناؤط اور عبدالقادر ارناؤط نے بھی امام حاکم کی تائید کی ہے۔[4] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''اس روایت کے راوی ثقہ ہیں۔ سیدنا ابوبکر اور سیدنا بلال رضی اللہ عنہما کے ذکر کے علاوہ اس میں کوئی سقم نظر نہیں آتا، ہوسکتا ہے کسی راوی نے کسی اور روایت کے الفاظ اس میں غلطی سے بیان کردیے ہوں۔''[5]

[1] سیرۃ خیر الانام، ص:85-87. [2] جامع الترمذي :3620. [3] المستدرك للحاكم :616/2، حديث:4229. [4] صحيح السيرة النبوية للألباني، ص:29 -31، فقه السيرة للغزالي (حاشية)، ص:71، محمد رسول اللهﷺ:169/1-171، زاد المعاد (حاشية):76/1. [5] الإصابة:475,476/1.

ابن قیم رحمہ اللہ بھی کہتے ہیں: ''یہ واضح غلطی ہے۔''[1] ان کے علاوہ امام ابن کثیر اور ابن سید الناس رحمہ اللہ نے بھی ابوبکر اور بلال رضی اللہ عنہما کے ذکر پر اعتراض کیا ہے اور اس تذکرے کے بغیر اس روایت کو قبول کیا ہے۔[2]

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے مستدرک حاکم کی تلخیص میں کہا ہے کہ میں اس روایت کو من گھڑت سمجھتا ہوں اور میرے نزدیک اس کے کچھ حصے یکسر باطل ہیں۔[3] وہ السیرۃ النبویۃ میں اس روایت کے بارے میں کہتے ہیں: ''یہ روایت انتہائی ضعیف ہے۔ ابوبکر کہاں سے آگئے؟ اُن کی عمر اُس وقت بمشکل دس سال ہوگی۔ وہ نبی کریم ﷺ سے اڑھائی سال چھوٹے تھے۔ بلال اُس وقت کہاں تھے؟ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اُنھیں بعثت کے بعد خریدا تھا۔ وہ تو اُس وقت پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ اگر بادل آپ پر سایہ فگن تھا تو پھر درخت کے سائے کے کیا معنی؟ ہم نے کہیں نہیں پڑھا کہ نبی کریم ﷺ نے ابوطالب کو کبھی بحیرا کا واقعہ یاد دلایا ہو، نہ قریش نے کبھی اس کا ذکر کیا، حالانکہ یہ ایسا واقعہ تھا جو فوراً مشہور ہو جانا چاہیے تھا کیونکہ وہ لوگ اس طرح کے واقعات نقل کرنے میں بڑے مستعد اور پر جوش تھے۔



غار حراء

پھر نبی کریم ﷺ کو بھی اپنے نبی ہونے کا یقین رہتا۔ جب پہلی مرتبہ غار حراء میں وحی آئی تو اس وقت آپ قطعاً پریشان نہ ہوتے اور ڈرتے ڈرتے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس نہ آتے ...... مزید برآں اگر ابوطالب نے راہب کی باتوں سے ڈر کر آپ ﷺ کو واپس بھیج دیا تھا تو پھر وہ دوبارہ آپ ﷺ سے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مال شام لے جانے کی بات کیوں کرتے؟ اس حدیث کی زبان بھی عجیب سی ہے۔ یہ صوفیاء کی زبان اور انھی کی اصطلاحات سے ملتی جلتی ہے۔ ابن عائذ نے اسی کے ہم معنی ایک روایت اپنی کتاب ''المغازی'' میں سیدنا ابوبکر اور بلال رضی اللہ عنہما کے ذکر کے بغیر نقل کی ہے۔''[4]

ڈاکٹر مہدی رزق اللہ نے کہا ہے: ''ہمارا رجحان اُن لوگوں کی طرف ہے جنھوں نے یہ حدیث قبول کی ہے۔ ان میں امام ترمذی، حاکم، ابن سید الناس، ابن اثیر جزری، ابن کثیر، ابن حجر عسقلانی، سیوطی، البانی اور دیگر قدیم و جدید علماء شامل ہیں۔''[5] باقی رہے امام ذہبی رحمہ اللہ کے متن پر اعتراضات تو محدثین کے طریق پر ان کی توضیح و تطبیق اس طرح ممکن ہے:

[1] زاد المعاد:76/1. [2] البداية والنهاية:265/2، عيون الأثر، ص:30. [3] المستدرك للحاكم:616,615/2، حديث: 4229. [4] تاريخ الإسلام للذهبي(السيرة)، ص:57. [5] السيرة النبوية للمهدي:122,121/1.

- نبی کریم ﷺ کی پیدائش سے لے کر اس واقعے تک کئی نشانیوں کا ظہور ہو چکا تھا جن میں شق صدر کا واقعہ بھی شامل ہے جو اس سے زیادہ محیر العقول ہے، اس لیے قریش کو راہب کی باتیں سن کر زیادہ تعجب نہیں ہوا۔
- ابوطالب کو اس واقعے کی یاد دہانی کی ضرورت ہی نہیں تھی کیونکہ انھوں نے نبی کریم ﷺ کی نبوت کے بارے میں کبھی شک کا اظہار نہیں کیا جیسا کہ اُن کے اشعار سے ثابت ہے:

وَاللّٰهِ! لَنْ يَّصِلُوا إِلَيْكَ بِجَمْعِهِمْ حَتّٰى أُوَسَّدَ فِي التُّرَابِ دَفِينَا

''واللہ! جب تک میں زمین میں دفن نہ ہو جاؤں، یہ سب مل کر بھی تمھارا بال بیکا نہیں کر سکتے۔''

فَاصْدَعْ بِأَمْرِكَ مَا عَلَيْكَ غَضَاضَةٌ وَأَبْشِرْ بِذَاكَ وَقَرَّ مِنْكَ عُيُونَا

''اپنے دین کی علی الاعلان تبلیغ کرو، اس میں تمھارے لیے کوئی عار نہیں۔ اس کامیابی پر خوش ہو جاؤ اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر لو۔''

وَدَعَوْتَنِي وَزَعَمْتَ أَنَّكَ نَاصِحِي فَلَقَدْ صَدَقْتَ وَكُنْتَ قَبْلُ أَمِينَا

''تم نے مجھے دعوت دی اور تم سمجھتے ہو کہ تم میرے خیر خواہ ہو۔ تم نے بالکل سچ کہا، تم شروع ہی سے امین ہو۔''

وَعَرَضْتَ دِينًا قَدْ عَرَفْتُ بِأَنَّهُ مِنْ خَيْرِ أَدْيَانِ الْبَرِيَّةِ دِينَا

''تم نے جو دین پیش کیا ہے، میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ وہ کائنات کے تمام ادیان سے بہتر ہے۔''

لَوْلَا الْمَلَامَةُ أَوْ حِذَارُ مَسَبَّةٍ لَوَجَدْتَّنِي سَمْحًا بِذَاكَ يَقِينَا

''اگر مجھے ملامت اور گالی گلوچ کا خوف نہ ہوتا تو تم دیکھ لیتے کہ میں بڑی خوش دلی سے اسے قبول کرنے کا اعلان کر دیتا۔''[1]

ابوطالب کو نبی کریم ﷺ کی نبوت اور سچائی کا پورا یقین تھا، اسی وجہ سے وہ آپ کی حمایت میں ہمیشہ سرگرم رہے۔ ایک جگہ تو اُنھوں نے یہاں تک کہا:

كَذَبْتُمْ وَبَيْتِ اللّٰهِ! نُبْزٰى مُحَمَّدًا وَلَمَّا نُطَاعِنْ دُونَهُ وَنُنَاضِلِ

''بیت اللہ کی قسم! تمھاری یہ بات باطل ہے کہ محمد (ﷺ) کو کوئی ہم سے چھین سکتا ہے۔ ارے! ابھی تو ہمیں محمد ﷺ کے دفاع میں نیزے اُٹھانے اور شمشیریں چلانے کی نوبت ہی نہیں آئی۔''

[1] دلائل النبوة للبيهقي (حاشية): 341/2.

وَنُسْلِمُهُ حَتّٰى نُصَرَّعَ حَوْلَهُ وَنَذْهَلَ عَنْ أَبْنَائِنَا وَالْحَلَائِلِ

''(یہ جھوٹ ہے کہ) ہم انھیں تمھارے حوالے کریں گے، یہاں تک کہ ہم ان کے اردگرد ہلاک کر دیے جائیں۔ ہم (اُن کی حفاظت کے لیے) اپنے بیوی بچوں کو بھی فراموش کر دیں گے۔''[1]

غور کا مقام ہے، ابوطالب کہہ رہے ہیں کہ وہ آپ کی حفاظت کے لیے اپنے اہل وعیال بھی قربان کر دیں گے۔ کیا انھیں جھوٹا سمجھنے کی صورت میں وہ یہ بات کہہ سکتے تھے؟

- نبیِ کریم ﷺ وحی کے جلال اور فرشتے سے ملاقات کی ہیبت سے گھبرا کر گھر پہنچے تھے، آپ کسی آسیب یا شیطانی حملے سے خوف زدہ نہیں ہوئے تھے۔
- یہ اعتراض کہ ابوطالب نے نبیِ کریم ﷺ کو دوسری مرتبہ شام کیوں جانے دیا؟ اس کی کئی وجوہ ہیں:

1 اس واقعے کو گزرے ہوئے طویل عرصہ بیت چکا تھا۔ اب نبی کریم ﷺ جوان تھے، اپنی حفاظت آپ کر سکتے تھے۔

2 نبیِ کریم ﷺ کو نبیِ آخرالزمان بننا تھا۔ اللہ تعالیٰ خود آپ ﷺ کی حفاظت فرما رہا تھا۔ یہی بات بحیرا راہب نے ان رومیوں سے کہی جو نبیِ کریم ﷺ کو قتل کرنے کے ناپاک ارادے سے نکلے تھے۔ راہب نے اُن سے کہا: ''ذرا سوچو! اگر اللہ تعالیٰ نے ایک کام کا فیصلہ کر لیا ہے تو کیا کوئی شخص اسے روک سکتا ہے؟'' وہ کہنے لگے: ''نہیں!''

3 ابوطالب تو اس یقین کی بنا پر اُس وقت بھی آپ ﷺ کو واپس نہیں بھیجنا چاہتے تھے۔ انھوں نے بحیرا راہب کے خدشے اور اصرار ہی پر آپ ﷺ کو واپس بھیجا۔

واقعۂ بُصریٰ کی اہمیت

بُصریٰ میں بحیرا راہب کی بات چیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اہل کتاب رسول اللہ ﷺ کی عظیم الشان صفات اور آپ کے زمانے کو اچھی طرح پہچانتے تھے، یہ سب کچھ اُن کی کتابوں میں لکھا ہوا تھا۔ یہ واقعہ قرآن مجید کی اُس آیت کی بھی تفسیر کرتا ہے جو یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی:

﴿ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾

''وہ لوگ جنھیں ہم نے کتاب دی، اسے (نبیِ کریم ﷺ کو اسی طرح) پہچانتے ہیں جیسے وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں اور بے شک ان میں سے کچھ لوگ یقیناً جانے بوجھے حق کو چھپاتے ہیں۔''[2]

[1] البداية والنهاية: 52,51/3. [2] البقرة 146:2.

بلکہ نبی کریم ﷺ کے ظہور سے پہلے وہ ان نشانیوں کی بنا پر عربوں کو دھمکیاں بھی دیا کرتے تھے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿ وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ؗ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ○﴾

''اور جب ان (اہلِ کتاب) کے پاس اللہ کی طرف سے وہ کتاب (قرآن) آگئی جو اس (سابقہ کتاب) کی تصدیق کرتی ہے جو ان کے پاس ہے اور اس سے پہلے وہ ان لوگوں کے خلاف فتح مانگتے تھے جنھوں نے کفر کیا، پھر جب ان کے پاس وہ حق آگیا جسے انھوں نے پہچان لیا تو انھوں نے اس کا انکار کردیا، لہٰذا کافروں پر اللہ کی لعنت ہے۔''[1]

یہی بات حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا باعث بنی تھی۔ اُنھوں نے یکے بعد دیگرے کئی عیسائی راہبوں اور یہودی عالموں سے تعلیم حاصل کی تھی اور ان سے نبیِ آخرالزماں ﷺ کی صفات کے بارے میں خاصی معلومات حاصل کی تھیں۔

رومیوں (مسیحیوں) کی دشمنی کے اسباب



قیصرِ روم ہرقل کا سکہ

ہر استعماری قوت بہت سے موہوم خطروں اور وسوسوں میں مبتلا رہتی ہے۔ رومیوں نے بھی عربوں کے بہت سے علاقوں بالخصوص شام و اُردن پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا تھا۔ وہ شام کے غلے، پھلوں، دودھ اور شہد پر خوب عیش کر رہے تھے۔ اُنھیں خطرہ تھا کہ آنے والا نبی اور اُس کے ساتھی ہمیں ان ثمر بار علاقوں سے محروم کردیں گے۔ رومیوں کے یہ خدشات صحیح ثابت ہوئے اور غزوۂ موتہ اور تبوک کے بعد رسول اللہ ﷺ کے صحابہ نے شام کے علاقے فتح کر لیے اور وہاں کے باشندوں کو جو عربوں ہی کے رشتہ دار تھے، رومیوں کے ظلم و استحصال سے نجات دلائی۔

یہودیوں کی اسلام دشمنی

یثرب، وادی القریٰ، خیبر اور اس کے آس پاس بہت سے یہودی آباد تھے۔ یہ مختلف علاقوں، خصوصاً شام سے ہجرت کر کے اس علاقے میں آئے تھے۔ یہودی علماء وقتاً فوقتاً اس علاقے میں اپنے آنے کی وجہ یہ بیان کرتے تھے کہ

[1] البقرۃ 2:89.



نبی آخرالزمان کا ظہور اسی علاقے سے ہونے والا ہے۔ ان کی یہ بھی آرزو تھی کہ آنے والا نبی انھی میں سے ہو۔ وہ اس نبی کے شدت سے منتظر تھے اور اس کے ظہور کی صورت میں دوبارہ اپنے عروج کے خواب دیکھ رہے تھے جیسا کہ بائبل میں درج ہے:

''اور یوحنا کی گواہی یہ ہے کہ یہودیوں نے یروشلیم سے کاہن اور لاوی یہ پوچھنے کو اُس (یوحنا) کے پاس بھیجے کہ تو کون ہے؟ تو اُس نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا بلکہ اقرار کیا کہ میں تو مسیح نہیں ہوں۔ اُنھوں نے اُس سے پوچھا: ''پھر کون ہے؟ کیا تو ایلیاہ ہے؟'' اُس نے کہا: ''میں نہیں ہوں۔'' کیا تُو وہ نبی ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ نہیں۔ پس اُنھوں نے اُس سے کہا: ''پھر تو ہے کون؟ تاکہ ہم اپنے بھیجنے والوں کو جواب دیں، تُو اپنے حق میں کیا کہتا ہے؟'' اُس نے کہا: میں جیسا یسعیاہ نبی نے کہا ہے بیابان میں ایک پکارنے والے کی آواز ہوں کہ تم خداوند کی راہ کو سیدھا کرو۔ یہ فریسیوں کی طرف سے بھیجے گئے تھے۔ اُنھوں نے اُس سے یہ سوال کیا کہ اگر تو نہ مسیح ہے، نہ ایلیاہ، نہ وہ نبی تو پھر بپتسمہ کیوں دیتا ہے؟''[1]

کاہن اور لاوی کی اصطلاحیں موسیٰ علیہ السلام کی پرانی شریعت میں استعمال ہوئی ہیں۔ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ ہر لاوی کاہن ہوسکتا ہے لیکن ہر کاہن لاوی نہیں ہوسکتا۔ عربی میں لاوی (Levi) کی جمع لاویین (Levites) ہے۔ یہ لاوی بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام سے منسوب ہیں۔[2]

یہودی مسیح اور ایلیاہ کے علاوہ ایک اور نبی کے بھی منتظر تھے اور یہ چاہتے تھے کہ وہ انھی میں سے ہو۔ لیکن جب

[1] کتاب مقدس (یوحنا) 1: 19-25. [2] قاموس الکتاب، ص: 853، المنجد في الأعلام، ص: 491.

انھوں نے دیکھا کہ اس کا تعلق یہود سے نہیں تو وہ شدید حسد اور بغض میں مبتلا ہو گئے۔ قرآن حکیم کا بیان ہے:

﴿ اَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰی مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَیْنَاۤ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اٰتَیْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِیْمًا ۝﴾

''یا وہ لوگوں سے اس بنا پر حسد کرتے ہیں جو اللہ نے انھیں اپنے فضل سے دیا ہے، ہم نے تو آل ابراہیم کو کتاب اور حکمت عطا فرمائی اور ہم نے انھیں بہت بڑی سلطنت عطا فرمائی۔''[1]

یہودیوں نے صدیوں سے دُنیا میں انسانیت کُش سودی نظام کا جال پھیلا رکھا ہے۔ قرونِ وسطیٰ ہی میں یہود سودی استحصال کے نتیجے میں اس قدر مردم خور بن گئے تھے کہ سولھویں صدی عیسوی کے انگریز ڈراما نویس ولیم شیکسپیئر نے ایک سودخور یہودی کردار شائیلاک تخلیق کر کے ان کی اس ظالمانہ استحصالی فطرت کو عالمی ادب کا مستقل عنوان بنا دیا۔ شیکسپیئر کے ڈرامے ''وینس کے سوداگر'' (Merchant of Venice) میں شائیلاک انٹونیو کو قرض دیتے وقت یہ شرط رکھتا ہے کہ اگر تم معینہ وقت کے اندر قرض واپس نہ کر سکے تو تمھیں اپنے جسم کا ایک پونڈ گوشت مجھے دینا ہوگا۔[2]

جب یہود نے اپنے شائیلاکی سودی نظام کی شدید مذمت اور خود ساختہ رسوم و عقائد کے بخیے اُدھڑتے دیکھے اور پھر اُن کے تبحر علمی کا بھرم بھی ٹوٹنے لگا تو وہ نبی کریم ﷺ اور اسلام کے شدید دشمن بن گئے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الْیَهُوْدَ وَالَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّا نَصٰرٰی ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّیْسِیْنَ وَرُهْبَانًا وَّ اَنَّهُمْ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ ۝﴾

''(اے نبی!) یقیناً آپ اہل ایمان کی عداوت میں سب لوگوں سے زیادہ سخت یہودیوں اور مشرکوں کو پائیں گے اور اہل ایمان کے لیے دوستی رکھنے میں قریب ترین یقیناً ان لوگوں کو پائیں گے جنھوں نے کہا: بے شک ہم نصاریٰ ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بے شک ان میں کچھ پختہ دانش مند (عالم) ہیں اور کچھ دنیا سے الگ تھلگ رہنے والے ہیں اور یہ کہ وہ غرور نہیں کرتے۔''[3]

نبی کریم ﷺ کا سفرِ یمن

امام ابن کثیر اور امام ابن جوزی رحمہ اللہ نے ایک روایت نقل کی ہے جس میں نبی کریم ﷺ کے سفرِ یمن کا حال

[1] النسآء 4:54.

[2] Oxford English Reference Dictionary, p:1344.

[3] المآئدة 5:82.

بیان کیا ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ جب نبی کریم ﷺ کی عمر تیرہ یا چودہ سال کی تھی تو آپ ﷺ نے جناب زبیر بن عبدالمطلب کے ساتھ یمن کی طرف ایک تجارتی سفر کیا۔ قافلے والوں نے بتایا کہ انھوں نے اس سفر میں کئی غیر معمولی نشانیاں دیکھی ہیں، مثلاً: انھوں نے بتایا کہ ہم جس راستے سے گزر رہے تھے، وہاں ایک خوفناک اڑیل اونٹ ملا، وہ راستہ روکے کھڑا تھا۔ جونہی اس اونٹ نے محمد (ﷺ) کو دیکھا، وہ فوراً بیٹھ گیا اور ادب و عاجزی سے اپنا سینہ زمین پر رگڑنے لگا۔ رسول اللہ ﷺ اس پر سوار ہو گئے۔ اسی طرح ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ راستے میں شدید سیلاب آگیا۔ محمد (ﷺ) کی معیت کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے سارا پانی خشک کر دیا اور ہم وادی سے صحیح سلامت گزر گئے۔[1]

یہ روایت سنداً ضعیف ہے۔ امام ابن کثیر اور ابن جوزی رحمہ اللہ کے سوا کسی مشہور سیرت نگار یا مؤرخ نے اس روایت کا ذکر نہیں کیا۔ ہم یہ تو یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ آپ نے یمن کا سفر کیا لیکن روایت کے دوسرے حصے میں جانوروں کی طرف سے آپ کے احترام کا جو ذکر ہے، اس کی تصدیق متعدد صحیح روایات سے ہوتی ہے جیسا کہ عبداللہ بن قُرط رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے:

وَقُرِّبَ لِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ بَدَنَاتٌ خَمْسٌ أَوْ سِتٌّ فَطَفِقْنَ يَزْدَلِفْنَ إِلَيْهِ بِأَيَّتِهِنَّ يَبْدَأُ

''رسول اللہ ﷺ کے سامنے پانچ یا چھ اونٹنیاں لائی گئیں۔ وہ آپ کے قریب سے قریب تر ہونے لگیں تاکہ آپ ﷺ اسی سے ذبح کرنے کی ابتدا کریں۔''[2]

یہ فدویت اور ...... ''ترے ہاتھوں سے مرنا زندگی ہے!'' ...... کا بڑا نادر مظاہرہ ہے۔ یہ فدویت صرف سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ ہی کی خدمت میں پیش کی گئی۔ آپ ﷺ کے علاوہ دنیا کی کسی اور شخصیت کو ایسی محبت اور جاں سپاری کبھی میسر نہیں آئی۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ ہے۔ ایک انصاری خاندان کے پاس ایک اونٹ تھا، اس خاندان کے لوگ اس اونٹ سے باربرداری کا کام لیتے تھے، وہ کنویں سے پانی نکالتے تھے اور اس اونٹ پر لاد کر لایا کرتے تھے۔ اچانک ایک دن یہ اونٹ سرکش ہوگیا، اس نے کام کرنے سے انکار کر دیا۔ جونہی وہ لوگ اس پر سامان لادتے، وہ بیٹھ جاتا، پھر اٹھنے کا نام ہی نہ لیتا تھا۔ یوں ان کا سارا کاروبار ٹھپ ہوگیا، غریب لوگ تھے، دوسرا اونٹ لینے کی سکت نہ تھی۔ بہت پریشان ہوئے، آخر کار مجبور ہو کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے، عرض کی: ''یارسول اللہ! ہمارے پاس

[1] البداية والنهاية: 258/2، السيرة الحلبية: 191/1. [2] سنن أبي داود: 1765.

صرف ایک ہی اونٹ ہے، اسی پر ہم پانی بھر کے لاتے تھے، وہ سرکش ہوگیا ہے، اپنی پیٹھ پر کوئی چیز نہیں رکھنے دیتا، نتیجہ یہ ہے کہ ہماری فصلیں مرجھا گئی ہیں اور کھجوریں خشک ہوگئی ہیں۔'' آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا: ''اٹھو!'' سب اٹھے اور آپ ﷺ کے ساتھ چل پڑے، باغ میں قدم رکھا تو دیکھا کہ وہ اونٹ ایک کنارے پر الگ تھلگ کھڑا ہے، آپ ﷺ اس کی جانب چل پڑے، خوف کے مارے انصاریوں کے دل دھڑکنے لگے مبادا اونٹ آپ کو نقصان پہنچادے، وہ گھبرا گئے اور چلا کر کہنے لگے: ''اے اللہ کے رسول! یہ اونٹ تو باؤلے کتے کی طرح (وحشی) ہو چکا ہے۔ ہمیں ڈر ہے، وہ آپ پر حملہ کردے گا۔'' آپ ﷺ نے اطمینان سے فرمایا: «لَيْسَ عَلَيَّ مِنْهُ بَأْسٌ» ''مجھے اس سے کوئی خطرہ نہیں۔''

جب اونٹ کی نگاہ آپ ﷺ پر پڑی تو وہ بھاگا بھاگا آیا اور آپ کے قریب پہنچ کر سجدہ کرکے آپ کے قدموں میں گر پڑا، آپ نے اسے پیشانی سے پکڑا اور کام پر لگا دیا۔ صحابہ کو بڑی حیرت ہوئی، انھوں نے عرض کی: ''اے اللہ کے رسول! ایک جانور نادان ہونے کے باوجود آپ کے سامنے سجدہ کرنے کے لیے گر پڑا ہے، ہم تو انسان اور صاحبِ عقل و دانش ہیں، ہمیں تو بالاولی آپ کے سامنے سربسجود ہوجانا چاہیے، آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا يَصْلُحُ لِبَشَرٍ أَنْ يَسْجُدَ لِبَشَرٍ، وَلَوْ صَلَحَ لِبَشَرٍ أَنْ يَسْجُدَ لِبَشَرٍ لَأَمَرْتُ الْمَرْأَةَ أَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا مِنْ عِظَمِ حَقِّهِ عَلَيْهَا»

''کسی انسان کو زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنی پیشانی کسی انسان کے آگے جھکائے، اگر کسی انسان کے لیے سجدے کی اجازت ہوتی تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کے سامنے سربسجود ہوجائے، اس لیے کہ خاوند کے بیوی پر بہت زیادہ حقوق ہیں۔''[1]

یعلی بن مرہ ثقفی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''ایک دن ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جا رہے تھے، دورانِ سفر ہم ایک اونٹ کے پاس سے گزرے۔ اس پر پانی لاد کر لایا جا رہا تھا، جیسے ہی اونٹ کی نظر رسول اللہ ﷺ پر پڑی تو وہ فوراً اپنی گردن آپ کے قدموں میں جھکا کر یوں بلبلانے لگا جیسے وہ آپ ﷺ سے کوئی گزارش کر رہا ہے، آپ ﷺ وہیں ٹھہر گئے اور دریافت فرمایا:

«أَيْنَ صَاحِبُ هٰذَا الْبَعِيرِ؟»

''اس اونٹ کا مالک کہاں ہے؟''

[1] مسند أحمد: 159،158/3.

وہ آ گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: «بِعْنِيهِ» ''یہ اونٹ میرے ہاتھ بیچ دو۔'' اس نے کہا: ''جی نہیں! میں اسے بیچوں گا نہیں بلکہ میں یہ اونٹ آپ کی خدمت میں بطور تحفہ پیش کرتا ہوں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: «لَا، بِعْنِيهِ» ''نہیں، تم اسے میرے ہاتھ فروخت کرو۔'' اس نے کہا: ''میں تو یہ اونٹ آپ کو بطور ہدیہ پیش کرتا ہوں، یہ اونٹ ایک ایسے گھر والوں کا ہے جن کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی ذریعۂ معاش نہیں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَمَا إِذْ ذَكَرْتَ هٰذَا مِنْ أَمْرِهِ فَإِنَّهُ شَكٰى كَثْرَةَ الْعَمَلِ وَ قِلَّةَ الْعَلَفِ فَأَحْسِنُوا إِلَيْهِ»

''اگر معاملہ ایسا ہی ہے تو سنو! یہ اونٹ شکایت کر رہا ہے کہ اس کا مالک اس سے کام زیادہ لیتا ہے اور خوراک تھوڑی دیتا ہے، لہٰذا تم اس سے حسنِ سلوک سے پیش آؤ۔''[1]

[1] مسند أحمد: 173/4.

محمد ﷺ کی بتوں اور برے اخلاق سے بیزاری

نبیِ کریم ﷺ ابتدا ہی سے اللہ تعالیٰ کی خصوصی نگرانی اور حفاظت میں تھے۔ زمانۂ رضاعت کے دوران ہی میں شقِ صدر کر کے آپ ﷺ کے قلب اطہر کو شیطانی وسوسوں اور فتنوں سے محفوظ کر دیا گیا تھا۔ زندگی کے ہر موڑ پر خصوصی نگہداشت کا یہ انتظام سدا آپ کے ساتھ ساتھ رہا۔ یوں آپ ﷺ کا دامن بچپن، لڑکپن، جوانی غرض ہر دور میں زمانۂ جاہلیت کی اُن آلائشوں سے یکسر پاک رہا جن میں سارا عرب بُری طرح لت پت تھا۔

بُت پرستی سے نفرت

آدم علیہ السلام سے لے کر نبیِ کریم ﷺ تک تمام انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کا مرکزی نکتہ یہی تھا کہ کائنات کا خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہے اور اس کا سارا اختیار صرف اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے، کوئی غیر اس کا شریک نہیں، اس حقیقتِ عظمیٰ کے ساتھ ساتھ انبیائے کرام علیہم السلام یہ بھی بتاتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو بہت فضیلت دی ہے۔ آدم کی اولاد اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی پرستش نہ کرے، نہ خود ایک دوسرے کا رب بننے کی کوشش کرے۔ انسان کی پیشانی صرف اللہ تعالیٰ ہی کے حضور جھکنی چاہیے۔ یہی انسان کی فضیلت ہے۔ نبیِ کریم ﷺ نے فرمایا:

«كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ»

''ہر بچہ فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے۔ اُس کے والدین ہی ہیں جو اُسے یہودی، عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔''[1]

جس کی فطرت سلیم ہو، وہ ناموافق حالات کے باوجود حق تک پہنچ جاتا ہے۔ اس کی ایک روشن مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے۔ وہ کتنے کٹھن اور کیسے کیسے نازک حالات سے گزرے لیکن ہر لمحے اُن کا کردار منور نظر آیا۔ ساری قوم مظاہر پرستی، توہم پرستی اور بت پرستی میں مبتلا تھی۔ خود اُن کا اپنا گھر بت پرستی کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ اُن کے باپ کا پیشہ ہی بت بنا کر فروخت کرنا تھا۔ مگر یہ ساری باتیں مل کر بھی ابراہیم علیہ السلام کی فطرت سلیمہ کو بدل نہ سکیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی زندگی کا رخ ہمیشہ ایک ہی خالق و مالک کی طرف رکھا، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

[1] صحيح البخاري: 1385.

﴿ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۚ وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ؕ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ فِی اللّٰهِ وَ قَدْ هَدٰىنِ ؕ وَلَاۤ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ رَبِّیْ شَیْـًٔا ؕ وَسِعَ رَبِّیْ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ○ وَكَیْفَ اَخَافُ مَاۤ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ عَلَیْكُمْ سُلْطٰنًا ؕ فَاَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ ﴾

”(ابراہیم علیہ السلام نے کہا:) بے شک میں نے اپنا چہرہ اس ذات کی طرف مرکوز کرلیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، میں اسی (اللہ) کا پرستار ہوں اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔ اور اس (ابراہیم) کی قوم نے اس سے جھگڑا کیا تو اس نے کہا: کیا تم مجھ سے اللہ کے بارے میں جھگڑا کرتے ہو، حالانکہ اسی نے مجھے ہدایت دی ہے اور میں ان سے نہیں ڈرتا جنھیں تم اس کا شریک ٹھہراتے ہو۔ ہاں، اگر میرا رب کچھ چاہے (تو وہ ضرور ہوسکتا ہے)، میرے رب کا علم ہر چیز پر چھایا ہوا ہے۔ کیا پھر بھی تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟ اور میں ان سے کیوں ڈروں جنھیں تم شریک ٹھہراتے ہو جبکہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ تم انھیں اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو جن کی اس نے تم پر کوئی دلیل نہیں اُتاری؟ پس دونوں فریقوں میں سے کون امن کا زیادہ حقدار ہے؟ اگر تم جانتے ہو (تو بتاؤ)۔“[1]

محمد ﷺ بھی اسی فطرت سلیمہ پر قائم رہے۔ آپ ابراہیم علیہ السلام کی آل سے تھے۔ انھی کی دعا تھے۔ آپ نہ صرف ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے عہد پر قائم رہے بلکہ اولاد آدم کو اسی فطرت پر واپس لانے اور ان کے اس پر قائم رہنے کے سب سے بڑے داعی اور مربی بنائے گئے۔ قیامت تک فطرتِ سلیمہ کی طرف واپسی کا ذریعہ آپ ﷺ ہی کی تعلیمات ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا طبعی رجحان اور رویہ بچپن ہی سے سب سے جداگانہ اور ممتاز تھے۔ آپ ﷺ بتوں سے شدید نفرت کرتے تھے۔ بتوں سے یہ نفرت اُس وقت بڑی وضاحت سے نمایاں ہو کر سامنے آئی جب بحیرا راہب آپ ﷺ سے باتیں کر رہا تھا۔ باتیں کرتے کرتے اُس نے قریش کے طریقے کے مطابق لات اور عزّیٰ کی قسم کھائی تو آپ ﷺ نے اُسے فوراً ٹوک دیا، فرمایا:

«لَا تَسْأَلْنِي بِاللَّاتِ وَالْعُزّٰى شَيْئًا، فَوَاللّٰهِ! مَا أَبْغَضْتُ بُغْضَهُمَا شَيْئًا قَطُّ»

”لات و عزّیٰ کا حلف دے کر مجھ سے کچھ نہ پوچھیے۔ اللہ کی قسم! مجھے ان بتوں سے جس قدر شدید بغض اور نفرت ہے، اتنی کسی اور شے سے نہیں۔“[2]

عروہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: ”مجھے خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا کے پڑوسی نے بتایا کہ ایک دفعہ اُس نے نبیِ کریم ﷺ

[1] الأنعام6:79-81. [2] دلائل النبوة لأبي نعيم:169/1، دلائل النبوة للبيهقي:35/2.

کو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے گفتگو فرماتے سنا، آپ ﷺ خدیجہ سے فرما رہے تھے:

«وَاللّٰهِ! لَا أَعْبُدُ اللَّاتَ أَبَدًا وَّاللّٰهِ! لَا أَعْبُدُ الْعُزّٰى أَبَدًا»

''اللہ کی قسم! میں کبھی لات کی پوجا نہیں کروں گا۔ اللہ کی قسم! میں ہرگز عزیٰ کی پوجا نہیں کروں گا۔''

خدیجہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں: ''عزیٰ کو چھوڑیے۔'' عزیٰ کے بارے میں عروہ کہتے ہیں کہ یہ اُن (کفار قریش) کا بت تھا جس کی وہ رات کو سونے سے پہلے پوجا کیا کرتے تھے۔[1]

مستشرقین کی بددیانتی

مستشرقین کو اسلام سے جو دشمنی ہے، وہ کسی پڑھے لکھے آدمی سے پوشیدہ نہیں۔ وہ ہمیشہ ہر موقع پر مفروضات اور بے اصل باتوں کی بنیاد پر طومار باندھنے میں بڑی تیزی دکھاتے ہیں، انھوں نے اس روایت کے حوالے سے بھی اپنے خبث باطن کا مظاہرہ کیا ہے۔ یہودی مستشرق پروفیسر ڈیوڈ سیموئیل مارگولیتھ (David Samuel Margolioth) کہتا ہے کہ اس حدیث میں عروہ کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ (نعوذ باللّٰہ) نبی کریم ﷺ اور خدیجہ رضی اللہ عنہا سونے سے پہلے روزانہ لات اور عزیٰ کی پوجا کیا کرتے تھے۔ حوالے کے طور پر اس نے یہی عروہ کی روایت پیش کر دی ہے، حالانکہ عربی زبان سے معمولی سی واقفیت رکھنے والا بھی جانتا ہے کہ اس وضاحتی فقرے میں تمام صیغے جمع کے ہیں:

كَانَتْ صَنَمَهُمُ الَّتِي كَانُوا يَعْبُدُونَ، ثُمَّ يَضْطَجِعُونَ.

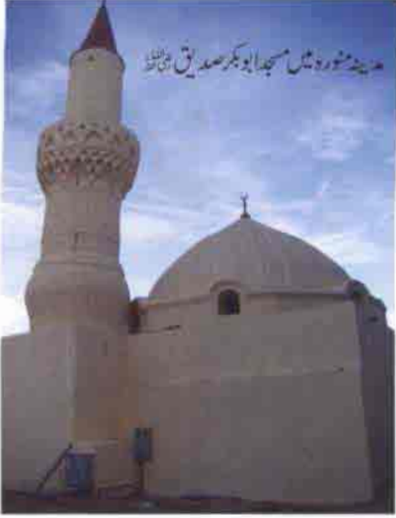
''یہ اُن کا بت تھا جس کی وہ سونے سے پہلے پوجا کیا کرتے تھے۔''[2]

ﺍ۔ روایت میں دو افراد کا ذکر ہے جن کے درمیان گفتگو ہو رہی ہے۔ ظاہر ہے اگر ان دونوں کے بارے میں خبر دینی مقصود ہوتی تو ان کے لیے تثنیہ کا صیغہ لایا جاتا، نہ کہ جمع کا۔

ب۔ یہ وضاحتی فقرہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پڑوسی کا نہیں بلکہ عروہ رحمہ اللہ کا ہے جو عربوں کے رواج کے بارے میں بتلا رہے ہیں۔ جبکہ رسول اللہ ﷺ اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا دونوں اس رسم بد سے براءت اور بیزاری کا اظہار کر رہے ہیں۔

بحیرا راہب کی گفتگو والی روایت مستشرقین کی من بھاتی روایت ہے۔ اس میں رسول اللہ ﷺ نے ببانگ دہل اعلان فرمایا ہے کہ ''مجھے دنیا میں سب سے زیادہ نفرت لات و عزیٰ سے ہے۔'' جب آپ کو بتوں سے اتنی شدید نفرت تھی تو پھر آپ ﷺ ان کی عبادت کیسے کر سکتے تھے؟

[1] مسند أحمد: 222/4 و 362/5. [2] مسند أحمد: 222/4 و 362/5.


مدینہ منورہ میں مسجد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

ابوبکر رضی اللہ عنہ پر بتوں کی حقیقت کس طرح کھلی؟

قریش میں محمد ﷺ کی طرح کئی اور سلیم الفطرت افراد بھی موجود تھے جو بت پرستی کی طرف کبھی مائل نہیں ہوئے۔ ان میں سے ایک نمایاں شخصیت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تھی جنھوں نے ایام جاہلیت میں بھی کبھی بت نہیں پوجے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں کہ میں نے اسلام سے پہلے کبھی کسی بت کو سجدہ نہیں کیا۔ یہ سن کر لوگوں کو بڑی حیرت ہوئی کیونکہ بتوں سے اٹے ہوئے ماحول میں رہ کر بت پرستی سے بچ جانا فی الواقع بڑے تعجب کی بات تھی۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تفصیل بیان کرتے ہوئے بتایا: میں بلوغت کے قریب تھا، ایک دن میرے والد ابوقحافہ مجھے بت خانے لے گئے، انھوں نے بتوں کی طرف اشارہ کیا، پھر مجھ سے کہنے لگے: ''یہ تمھارے معبود ہیں۔'' میں فطری طور پر ذہین تھا۔ میں نے بتوں کو آزمانے کا فیصلہ کرلیا۔ میں ایک بت کے قریب گیا اور اس سے کہا: ''میں بھوکا ہوں، مجھے کھانا کھلاؤ۔'' بت نے کوئی جواب نہ دیا، پھر میں نے کہا: ''میرے پاس ڈھنگ کے کپڑے نہیں ہیں، مجھے اچھا سا لباس فراہم کرو۔'' اس کا بھی جواب نہ ملا۔ میں نے ایک پتھر اُٹھا کر بت پر مارا۔ وہ ایک دم منہ کے بل گر پڑا۔ یوں مجھ پر بتوں کی حقیقت کھل گئی، میں جان گیا کہ ان بے حس و حرکت بتوں کی پوجا بہت بڑی حماقت ہے۔[1]

جب بت پرستی کے سلسلے میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حالت یہ تھی تو اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ بتوں کی نسبت اُس مقدس ہستی کا ردِعمل کیا ہوگا جس کے سر پر انسانیت کی رہنمائی کا تاج سجنے والا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ نبی ﷺ نبوت سے پہلے بھی نہ صرف خود بتوں سے ہمیشہ دور اور نفور رہے بلکہ دوسروں کو بھی بت پرستی سے منع کرتے رہے۔

نبوت سے پہلے ہی بتوں سے اجتناب کی نصیحت

زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قریش طواف کرتے ہوئے برکت کے لیے اپنے بت إساف یا نائلہ کو بھی ہاتھ لگایا کرتے تھے۔ یہ دونوں بت تانبے کے بنے ہوئے تھے۔ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے بیت اللہ کا طواف کیا۔ آپ کے ساتھ میں نے بھی طواف کیا۔ جب میں ایک بت کے پاس سے گزرا تو میں نے اسے ہاتھ لگایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے ہاتھ نہ لگاؤ۔'' میں نے دل میں کہا کہ میں تو اسے ضرور ہاتھ لگاؤں گا تاکہ دیکھوں اس کا ردعمل کیا

[1] التاريخ الإسلامي لمحمود شاكر: 29/3.

ہوتا ہے۔ میں نے اسے پھر ہاتھ لگا دیا تو آپ ﷺ نے منع فرمایا: ''کیا تمھیں (اس حرکت سے) منع نہیں کیا گیا؟''
زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

فَوَالَّذِي هُوَ أَكْرَمَهُ وَأَنْزَلَ عَلَيْهِ الْكِتَابَ! مَااسْتَلَمَ صَنَمًا حَتّٰى أَكْرَمَهُ اللّٰهُ بِالَّذِي أَكْرَمَهُ وَأَنْزَلَ عَلَيْهِ.

''اُس ذات کی قسم جس نے نبی ﷺ کو معزز بنایا اور آپ پر کتاب نازل کی! آپ ﷺ نے کبھی کسی بت کو نہیں چُھوا یہاں تک کہ اللہ نے آپ کو نبوت سے سرفراز فرمایا اور آپ پر قرآن نازل کیا۔''[1]

یہ اس شخص کی شہادت ہے جو آپ ﷺ کو بیٹوں کی طرح عزیز تھا اور سفر و حضر میں ہر وقت آپ کے ساتھ رہتا تھا۔ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے اِساف اور نائلہ نامی جن دو بتوں کا ذکر کیا ہے، وہ ایک جوڑا تھا۔ قریش کے ہاں مشہور تھا کہ یہ مرد اور عورت تھے۔ دونوں نے کعبہ کے اندر زنا کا ارتکاب کیا۔ دونوں مسخ ہو کر پتھر بن گئے تھے۔[2] مشرکین نے اس جوڑے کے تانبے کے بت بنا کر ان کی پوجا شروع کر دی تھی۔

قریش کی عید میں شرکت سے انکار

''بوانہ'' ینبع کے پیچھے ایک چوٹی ہے جو بحیرۂ احمر کے ساحل کے قریب ہے۔ اس کے قریب دو چشمے ہیں جن کا نام

[1] دلائل النبوة للبيهقي:34/2، البداية والنهاية:267/2، تاريخ الإسلام للذهبي (السيرة)، ص:70,69. [2] السيرة لابن هشام: 83,82/1.

بحیرۂ احمر کے ساحل کے قریب بوانہ کی چوٹی

قصیبہ اور المجاز ہے۔[1] قریش ہر سال ''بوانہ'' پر اپنے ایک بت کے پاس عید منایا کرتے تھے۔ ایسے ہی ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے اس بت کے پاس جانے سے صاف انکار کر دیا۔ اس وجہ سے آپ کی پھوپھیاں اور چچا ابوطالب آپ سے بہت ناراض ہوئے۔ آپ نے مجبوراً اُن کی بات مان لینے کا ارادہ کر لیا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے آپ ﷺ کو اس نجاست سے بچا لیا۔ لمبے قد کا ایک سفید رُو آدمی آپ کے سامنے ظاہر ہوا۔ اس نے آپ ﷺ کو بت چھونے سے روک دیا۔ پھر آپ نے زندگی بھر قریش کی کسی عید میں شرکت نہیں کی۔[2]

بیہقی کی روایت سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ آغازِ وحی سے پہلے کے زمانے میں دو فرشتوں نے آپ ﷺ کو مشرکین کے ساتھ اُن کے میلوں میں جانے سے روک دیا تھا، چنانچہ آپ کبھی کسی میلے اور کھیل تماشے میں نہیں گئے۔[3]

نبوت سے پہلے بھی غیر اللہ کے نام کا ذبیحہ نہیں کھایا

اللہ کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیے گئے جانور کا گوشت کھانا حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَآ أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ﴾

''مردہ جانور، خون، سؤر کا گوشت اور وہ جانور جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے، تمھارے لیے حرام کیے گئے ہیں۔''[4]

نبیِ کریم ﷺ کی نبوت سے پہلے بھی یہی عادت مبارک تھی کہ آپ غیر اللہ کے نام پر ذبح ہونے والے جانور کا گوشت نہیں کھاتے تھے۔ نبوت سے پہلے بلدح کے نشیب میں نبی اکرم ﷺ کی زید بن عمرو بن نفیل سے ملاقات ہوئی۔ بلدح مکہ کے مغرب میں ایک ندی (وادی) ہے اور جبل حراء سے شروع ہو کر مرالظہر ان میں ختم ہوتی ہے اور حدیبیہ (شُمیسی) کے شمال سے گزرتی ہے۔[5] اس موقع پر آپ کے سامنے ایک دسترخوان آراستہ کیا گیا۔ اس پر ایک بت کے نام پر ذبح کیے ہوئے جانور کا گوشت رکھا ہوا تھا۔ آپ نے اُسے کھانے سے انکار کر دیا۔ زید بن عمرو نے (بھی) کہا: ''میں بھی ان جانوروں کا گوشت نہیں کھاتا جنھیں قریش بتوں کے نام پر ذبح کرتے ہیں۔ میں صرف وہی گوشت کھاتا ہوں جس پر ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو۔'' بتوں کے نام پر جانور ذبح کرنے کی وجہ سے زید بن عمرو قریش کی مذمت کیا کرتے تھے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ بکری اللہ نے پیدا کی، پھر اللہ تعالیٰ

---

1 معجم البلدان، مادة: بوانة. 2 الطبقات لابن سعد: 158/1. 3 دلائل النبوة للبيهقي: 35/2، البداية والنهاية: 268/2.
4 المآئدة 3:5. 5 معجم البلدان، مادة: بلدح، معجم المعالم الجغرافية، مادة: بلادح.

ہی نے اس کے لیے بارش برسائی اور اسی نے اس کے لیے سبز چارہ اُگایا، پھر تم لوگ اُسے غیر اللہ کے نام پر کیوں ذبح کرتے ہو؟ [1]

جھوٹ سے اجتناب

سچائی کا سب سے بڑا حسن یہی ہے کہ وہ سچائی ہے۔ سچائی کو کسی خوف یا طمع کے زیر اثر نہیں بلکہ صرف سچائی کے لیے اختیار کرنا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب سے شعور کی آنکھیں کھولیں، سچائی ہی کو اپنا شعار بنایا۔ آپ ﷺ نے ہر طمع سے بے نیاز اور ہر خوف سے بے پروا ہو کر سچائی کو صرف سچائی کے لیے اختیار فرمایا۔ جب کہ آپ ﷺ کی ولادت اور بعثت کے دور میں عرب کے مشرکانہ معاشرے میں جھوٹ کی گرم بازاری تھی۔ لوگ اپنا درجہ بڑھانے، عیب چھپانے، دوسروں کا مال ہتھیانے، تجارت بڑھانے، رشتہ داروں اور دوستوں کو مطمئن کرنے اور اپنے جرائم پر پردہ ڈالنے کے لیے دیدہ دلیری سے جھوٹ بولتے تھے بلکہ بعض اوقات خواہ مخواہ دوسروں کو بھٹکا کر یا بیوقوف بنا کر لطف اندوز ہونے کے لیے جھوٹی باتیں بناتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسی معاشرے میں آنکھ کھولی اور اسی بستی میں پرورش پائی لیکن آپ ﷺ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔

اہل مکہ اور اردگرد کے علاقوں کے سارے باشندے آپ ﷺ کی سیرت مقدسہ کے اس گرانقدر پہلو سے خوب آگاہ تھے کہ آپ ﷺ کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔ اسی لیے وہ آپ کو صادق اور امین کہتے تھے۔ یہ وصف آپ کے نام نامی کی طرح مشہور ہو گیا تھا۔ سچائی وہ اعلیٰ ترین اخلاقی خوبی ہے جو تمام صفاتِ حسنہ کی بنیاد ہے۔ بنیادی طور پر یہ اللہ تعالیٰ کی اپنی عظیم صفت ہے جو وہ اپنے محبوب بندوں کو بھی ودیعت کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بارے میں فرماتا ہے:

﴿ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴾

”اور اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر بات کا سچا کون ہے؟“ [2]

اللہ تعالیٰ سچا ہے، اس کا پیغام بھی سچا ہے، لہٰذا جو لوگ اس پیغام کے حامل ہیں، اسے دوسروں تک پہنچانے کے ذمہ دار ہیں اور اس پر عمل کرنے کا عہد کرتے ہیں، وہ بھی لازماً سچے ہیں۔ صداقت انبیائے کرام ﷺ کی وہ سب سے اہم اور روشن ترین خوبی ہے جس پر نہ صرف ان کی نبوت کا انحصار ہے بلکہ ساری شریعت اور پیغمبرانہ جدوجہد کی عمارت

[1] صحيح البخاري:3826. [2] النسآء 4:87.

بھی اسی پر قائم ہے، اسی لیے قرآن پاک نے انبیاء ﷷ کے تعارف میں ان کی بے داغ سچائی ہی کو بنیادی صفت اور دلیل کے طور پر پیش کیا ہے:

﴿ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۬ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۝ ﴾

''اور کتاب میں ابراہیم (علیہ السلام) کا ذکر کرو، بے شک وہ نہایت سچے پیغمبر تھے۔''[1]

﴿ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ۡ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۝ ﴾

''اور کتاب میں اسماعیل (علیہ السلام) کا ذکر کرو، بے شک وہ وعدے کے سچے اور ہمارے بھیجے ہوئے نبی تھے۔''[2]

﴿ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ ۡ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۝ ﴾

''اور کتاب میں ادریس (علیہ السلام) کا ذکر کرو، بے شک وہ نہایت سچے پیغمبر تھے۔''[3]

نبی کریم ﷺ اس صفت میں بھی یکتا تھے۔ سب انسانوں سے بڑھ کر بے لاگ سچ بولتے تھے۔ بچپن ہی سے آپ کی زبانِ صداقت ترجمان سے ہمیشہ سچائی ہی کا اظہار واعلان ہوتا رہا۔ کبھی کسی صورت کوئی ایسی بات لب مبارک سے نہیں نکلی جو سچائی کے منافی ہو۔

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جو بھی ارشاد فرماتے تھے، میں اُسے لکھ لیا کرتا تھا۔ ایسا میں اس لیے کرتا تھا تاکہ آپ کی تمام باتوں کو اچھی طرح محفوظ کرلوں۔ قریش کے کچھ لوگ کہنے لگے: ''ارے بھئی! تم ہر بات لکھ لیتے ہو، حالانکہ نبی کریم ﷺ انسان ہیں۔ کبھی خوشی کی حالت میں ہوتے ہیں اور کبھی ناراضی کی حالت میں بھی ہوتے ہیں......'' یہ بات سن کر میں نے لکھنا چھوڑ دیا، بعد کو میں نے یہی بات رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کر دی۔ آپ ﷺ نے اپنی انگلی سے اپنے دہنِ مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

«اُكْتُبْ ! فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهٖ! مَايَخْرُجُ مِنْهُ إِلَّا حَقٌّ»

''تم لکھا کرو! اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اس زبان سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔''[4]

نبوت کا اعلان کرتے وقت رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے اپنے مخاطبین سے اپنی سچائی کے بارے میں گواہی طلب کی تو سب لوگوں نے بلا تأمل یک زبان ہوکر کہا: مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ إِلَّا صِدْقًا ''ہم نے آپ کو جب بھی آزمایا، ہمیشہ سچا ہی پایا ہے۔''[5]

[1] مریم 41:19. [2] مریم 54:19. [3] مریم 56:19. [4] سنن أبي داود: 3646. [5] صحيح البخاري: 4770.

نبی ﷺ کے بدترین مخالفین بھی آپ کی سچائی کا لوہا مانتے تھے۔ وہ آپ پر جھوٹ بولنے کا الزام لگانے کی کبھی جرأت نہ کر سکے۔ زمانۂ جاہلیت میں جب ابوسفیان رسول اللہ ﷺ کے سب سے بڑے دشمن تھے اور ہرقل کی طلبی پر اس کے دربار میں گئے تھے، اس موقع پر ہرقل نے اُن سے پوچھا کہ کیا آپ لوگوں نے محمد (ﷺ) کے دعوائے نبوت سے پہلے ان پر کبھی جھوٹ کی تہمت لگائی ہے؟ ابوسفیان نے فوراً جواب دیا: ''کبھی نہیں۔''[1]



میدان بدر کا منظر

رسول اللہ ﷺ کی سچائی کے بارے میں یہی شہادت اس اُمت کے فرعون ابوجہل نے بھی دی۔ جنگ بدر کے موقع پر گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی۔ اسی دوران اخنس بن شَریق اور ابوجہل کو تنہائی کے لمحات میسر آئے۔ اخنس نے ابوجہل سے کہا کہ دیکھو، اس وقت یہاں میرے اور تمھارے سوا کوئی تیسرا شخص موجود نہیں۔ سچ سچ بتاؤ تم فی الحقیقت محمد (ﷺ) کو سچا سمجھتے ہو یا جھوٹا؟ ابوجہل نے فوراً جواب دیا: ''اللہ کی قسم! محمد (ﷺ) بالکل سچے انسان ہیں، انھوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ اصل بات یہ ہے کہ جب جھنڈے کی ذمے داری، حاجیوں کو پانی پلانے کی فضیلت، بیت اللہ کی دربانی اور اب نبوت کا منصب سب کچھ بنو قصی ہی کے قبضے میں چلا جائے تو تم ہی بتاؤ پھر دوسرے قریشیوں کے

[1] صحيح البخاري: 7.

پلّے کیا رہ جائے گا؟“ [1]

ابوجہل نبی کریم ﷺ کو بالکل سچا اور کھرا سمجھتا تھا۔ وہ محض رشتے داری کی چشمک، جاہ وحشمت کی طلب اور حسد کی وجہ سے آپ ﷺ کی نبوت کا اعتراف کرنے سے انکار کرتا تھا۔ یہی حقیقت اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس طرح بیان فرمائی ہے:

﴿ قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ○ ﴾

”(اے نبی!) تحقیق ہم جانتے ہیں کہ جو کچھ وہ کہتے ہیں، یقیناً وہ بات آپ کو غمگین کرتی ہے۔ بلاشبہ وہ آپ کو نہیں جھٹلاتے بلکہ وہ ظالم اللہ کی آیات ہی کا انکار کرتے ہیں۔“ [2]

ایک مرتبہ مدینہ منورہ کے باہر ایک مختصر سا قافلہ آ کر ٹھہرا۔ قافلے والوں کے پاس ایک سرخ رنگ کا اونٹ تھا۔ اتفاقاً آپ ﷺ ادھر سے گزرے۔ آپ نے اُس اونٹ کی قیمت پوچھی، لوگوں نے قیمت بتادی۔ رسول اللہ ﷺ نے کوئی مول تول کیے بغیر وہی قیمت منظور کر لی۔ شام کو قیمت بھجوانے کا وعدہ فرمایا اور اونٹ کی مہار پکڑ کر شہر کی طرف روانہ ہوگئے۔ بعد میں ان لوگوں کو خیال آیا کہ ہم نے بغیر جان پہچان کے اُنھیں اونٹ کیوں دے دیا؟ سب پریشان تھے۔ قافلے کے ساتھ ایک خاتون بھی تھیں، وہ کہنے لگیں: ”مطمئن رہو، ہم نے اُس شخص سے زیادہ روشن چہرے والا آدمی کبھی نہیں دیکھا۔ ایسا شخص دغا نہیں کرے گا۔“ رات ہوئی تو آپ ﷺ نے اُن سب لوگوں کے لیے کھانا اور حسب وعدہ اونٹ کی قیمت کے برابر کھجوریں بھجوادیں۔ [3]

آپ کی سچائی کی صفت اس قدر کامل تھی کہ اس کا نور آپ کے چہرے سے جھلکتا تھا۔ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو لوگ جوق در جوق آپ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ میں بھی لوگوں کے ساتھ آپ سے ملاقات کے لیے پہنچا۔ جونہی میری نظر آپ کے چہرے پر پڑی، میرے دل نے اُسی وقت گواہی دی کہ یہ کسی جھوٹے آدمی کا چہرہ نہیں ہوسکتا۔ اس موقع پر سب سے پہلی بات جو آپ نے فرمائی، وہ یہ تھی:

«يَا أَيُّهَا النَّاسُ! أَفْشُوا السَّلَامَ، وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ، وَصَلُّوا وَالنَّاسُ نِيَامٌ، تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ»

”اے لوگو! سلام کو عام کرو، کھانا کھلاؤ اور جب لوگ نیند کی گود میں انگڑائیاں لے رہے ہوں تم نماز پڑھو،

[1] تفسیر ابن کثیر، الأنعام 6:33. [2] الأنعام 6:33. [3] المستدرك للحاكم: 2/611,612، حديث: 4219، سنن الدارقطني: 3/44، حديث: 2957.

جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے۔''[1]

بے پردگی سے وحشت

عربوں کی اکثریت ناخواندہ اور تہذیبی حُسن سے بے خبر تھی۔ یوں گرد و پیش کے ممالک کی طرح عرب میں بھی شرم و حیا کا لحاظ کم تھا۔ ننگے نہانا عام بات تھی۔ باہر سے آنے والے لوگ کپڑے نہ خرید سکتے تو عریاں حالت ہی میں کعبے کا طواف کر لیا کرتے تھے۔ میدانوں میں سرعام ایک دوسرے کے سامنے قضائے حاجت کے لیے بیٹھ جاتے تھے اور بے تکلفی سے فحش باتیں کرتے تھے۔ اس ماحول میں محمد رسول اللہ ﷺ ہی وہ فرد فرید تھے جو بچپن ہی سے عریانی سے مکمل طور پر محفوظ تھے۔ آپ ایک کنواری لڑکی سے بھی زیادہ حیادار تھے۔ نظر، قول اور عمل میں انتہائی پاکباز تھے۔ آپ ﷺ کے حُسنِ کردار کی یہ حالت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے عیاں ہے:

كَانَ النَّبِيُّ ﷺ أَشَدَّ حَيَاءً مِّنَ الْعَذْرَاءِ فِي خِدْرِهَا.

''نبی کریم ﷺ پردہ دار کنواری لڑکی سے بھی زیادہ صاحبِ حیا تھے۔''[2]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلْحَيَاءُ لَا يَأْتِي إِلَّا بِخَيْرٍ»

''حیا سے بھلائی ہی حاصل ہوتی ہے۔''[3]

جب کسی شخص میں شرم و حیا باقی نہ رہے تو اُس سے ہر غیر اخلاقی حرکت متوقع ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ مِمَّا أَدْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النُّبُوَّةِ الْأُولٰى: إِذَا لَمْ تَسْتَحِ فَاصْنَعْ مَاشِئْتَ»

''پہلی نبوتوں کے کلام سے لوگوں کو جو (علمی سرمایہ) حاصل ہوا ہے، اُس میں یہ بات بھی شامل ہے: جب تم میں حیا نہ رہے تو پھر جو چاہو کرو۔''[4]

لوگوں کی نظروں سے بہت دور، پوشیدہ ہو کر بول و براز کرنا بھی حیا کی علامت ہے۔ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا أَرَادَ الْبَرَازَ انْطَلَقَ حَتّٰى لَا يَرَاهُ أَحَدٌ.

''نبی کریم ﷺ جب قضائے حاجت کے ارادے سے نکلتے تو دور چلے جاتے تھے یہاں تک کہ کوئی آپ کو

1 جامع الترمذي: 2485. 2 صحيح البخاري: 3562. 3 صحيح البخاري: 6117. 4 صحيح البخاري: 6120.

دیکھ نہیں سکتا تھا۔''[1]

اسی طرح سیدنا یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ کھلی جگہ میں تہبند باندھے بغیر نہا رہا تھا۔ بعدازاں آپ منبر پر تشریف لائے اور اللہ عزوجل کی حمد و ثنا بیان کی، پھر فرمایا:

«إِنَّ اللَّهَ حَيِيٌّ سِتِّيرٌ يُحِبُّ الْحَيَاءَ وَالسَّتْرَ، فَإِذَا اغْتَسَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَسْتَتِرْ»

''بے شک اللہ بہت حیا فرمانے والا اور پردہ پوش ہے، وہ حیا اور پردہ پوشی کو پسند کرتا ہے، اس لیے جب تم میں سے کوئی غسل کرنے لگے تو پردہ کر لے۔''[2]

رسول اللہ ﷺ ابتدا ہی سے اپنی فطرتِ سلیمہ کی وجہ سے شرم وحیا کے سب سے اونچے درجے پر فائز رہے۔ اگر کہیں کسی وجہ سے اتفاقاً ایسی صورت پیدا ہوگئی جس کے باعث مکمل ستر پوشی میں کچھ کمی ہوگئی تو فرطِ حیا سے آپ کی جان پر بن گئی، آپ ﷺ بے ہوش ہو کر گر گئے اور آنکھیں اوپر چڑھ گئیں۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب بیت اللہ تعمیر کیا جا رہا تھا، اُس وقت نبیِ کریم ﷺ اور عباس رضی اللہ عنہ بھی پتھر اُٹھا اُٹھا کر لا رہے تھے۔ عباس رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے کہنے لگے: ''اپنے تہبند کو کندھے پر رکھ لیجیے۔ اس طرح آپ پتھروں کی رگڑ سے محفوظ رہیں گے۔'' رسول اللہ ﷺ ایسا کرنے لگے تو دفعتاً زمین پر گر گئے۔ آپ کی آنکھیں اوپر چڑھ گئیں۔ جب آپ کو ہوش آیا تو آپ کہہ رہے تھے: «إِزَارِي، إِزَارِي» ''میرا تہبند، میرا تہبند۔'' پھر آپ نے اپنا تہبند خوب اچھی طرح کس کر باندھ لیا۔[3]

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تحفظ کا عجیب انتظام تھا کہ جس عریانی کو اس وقت کے لوگ معمولی سی بات سمجھتے تھے، اُس کے خلاف اللہ کے رسول ﷺ کے دل میں اتنی شدید نفرت بھر دی گئی اور حیا کی ایسی پاسداری ڈال دی گئی کہ وہ آپ کی سیرتِ مقدسہ کا سب سے قیمتی جوہر بن گئی۔ حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو عزت و توقیر کے اعلیٰ معیار کے مطابق تخلیق فرمایا تھا اور ایسی ناقابلِ تسخیر فطرتِ سلیمہ عطا فرمائی تھی کہ اس پر ماحول کی خرابی ذرا بھی اثر انداز نہ ہو سکی۔

رسول اللہ ﷺ کے بچپن کا زمانہ تھا۔ ایک دن آپ قریش کے بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ کسی ضرورت کے تحت پتھر اٹھانے کی نوبت آ گئی۔ آپ نے اپنا تہبند کھولا اور گردن پر رکھ لیا۔ جونہی ننگے ہوئے، عین اسی لمحے کسی

[1] سنن أبي داود: 2. [2] سنن أبي داود: 4012. [3] صحيح البخاري: 364و3829.

غیبی قوت نے آپ کو زور سے دھکا دیا اور کہا: ''اپنا تہبند باندھو۔'' آپ نے فوراً باندھ لیا۔[1]

شرابِ خانہ خراب سے نفرت

نبی کریم ﷺ نے جس ماحول میں پرورش پائی، شراب اُس کا جزوِ لازم تھی۔ عرب شراب کے بڑے دلدادہ تھے۔ اس کے بغیر وہ زندگی کا تصور ہی نہیں کر سکتے تھے۔ اُن کی شاعری کا بہت بڑا حصہ شرابِ خانہ خراب کے بارے میں ہے۔ لیکن یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ منشیات، بالخصوص شراب، انسانی خصائل و فضائل کو بُری طرح مسخ کر دیتی ہے، اسی لیے اسلام نے شراب نوشی کو گھناؤنا شیطانی فعل قرار دیا ہے اور اس سے سختی کے ساتھ روکا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۝ ﴾

''اے ایمان والو! حقیقت یہی ہے کہ شراب اور جوا اور شرک کے لیے نصب کردہ چیزیں اور فال کے تیر سراسر پلید اور شیطانی کام ہیں، ان سے بچو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے سے تمھارے درمیان دشمنی اور بغض ڈال دے اور تمھیں اللہ کے ذکر اور نماز سے روک دے۔ کیا تم باز آنے والے ہو؟''[2]

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

«لَعَنَ اللّٰهُ الْخَمْرَ وَشَارِبَهَا وَسَاقِيَهَا وَبَائِعَهَا وَمُبْتَاعَهَا وَعَاصِرَهَا وَمُعْتَصِرَهَا وَحَامِلَهَا وَالْمَحْمُولَةَ إِلَيْهِ»

''اللہ تعالیٰ نے شراب، اس کے پینے والے، پلانے والے، بیچنے والے، خریدنے والے، نچوڑنے والے، نچڑوانے والے، اسے اٹھانے والے اور جس کی طرف اٹھا کر لے جائی جارہی ہو، ان سب پر لعنت کی ہے۔''[3]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«كُلُّ مُخَمِّرٍ خَمْرٌ، وَكُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ، وَمَنْ شَرِبَ مُسْكِرًا بُخِسَتْ صَلَاتُهُ أَرْبَعِينَ صَبَاحًا، فَإِنْ تَابَ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ، فَإِنْ عَادَ الرَّابِعَةَ كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ أَنْ يَسْقِيَهُ مِنْ طِينَةِ الْخَبَالِ»

''ہر وہ چیز جو عقل پر پردہ ڈال دے، وہ خمر (شراب) ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔ جس نے کوئی نشہ آور

[1] [ضعيف] السيرة لابن هشام:1/183، البداية والنهاية:2/266. [2] المآئدة5:90,91. [3] سنن أبي داود:3674.

چیز استعمال کی، اس کی چالیس دن کی نمازیں تلف کر دی جائیں گی۔ اگر اس نے توبہ کی تو اللہ اس کی توبہ قبول فرمالے گا (اگر تین بار یہ مکروہ فعل کر لیا اور معاً اللہ تعالیٰ سے سچی توبہ کر لی تو معافی تلافی ہو جائے گی)۔ اگر اس نے چوتھی بار پھر (یہ گندی اور حرام چیز) پی تو اللہ پر لازم ہوگا کہ اسے طِينَةُ الْخَبَالِ پلائے۔"

پوچھا گیا: "اے اللہ کے رسول! طِينَةُ الْخَبَالِ سے کیا مراد ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا:

«صَدِيدُ أَهْلِ النَّارِ، وَمَنْ سَقَاهُ صَغِيرًا لَّا يَعْرِفُ حَلَالَهُ مِنْ حَرَامِهِ كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ أَنْ يَّسْقِيَهُ مِنْ طِينَةِ الْخَبَالِ»

"یہ جہنمیوں کے جسم سے نکلنے والی پیپ ہے اور جس نے کسی ایسے کم عمر کو شراب پلادی جسے حلال وحرام کی کوئی تمیز نہیں تھی تو اللہ تعالیٰ کے ذمے لازم ہے کہ پلانے والے کو طِينَةُ الْخَبَالِ پلائے۔"[1]

نبی کریم ﷺ شراب کی حرمت کا علم ہونے سے پہلے بھی کبھی شراب کے قریب نہیں پھٹکے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا: "کیا آپ نے کبھی بت پرستی کی ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا: "نہیں۔" پھر پوچھا گیا: "کیا آپ نے کبھی شراب پی ہے؟" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا! وَمَازِلْتُ أَعْرِفُ أَنَّ الَّذِي هُمْ عَلَيْهِ كُفْرٌ وَّمَا كُنْتُ أَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ»

"نہیں! بلکہ میں تو ہمیشہ سے جانتا تھا کہ جس چیز پر یہ لوگ عمل پیرا ہیں، وہ کفر ہے، حالانکہ (اُس وقت) مجھے کتاب اور ایمان کے بارے میں کوئی علم نہیں تھا۔"[2]

کبھی گانا سننے کا خیال بھی نہیں گزرا

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اہل جاہلیت جو کام کرتے تھے، مجھے دو دفعہ کے علاوہ کبھی ان کا خیال بھی نہیں گزرا۔ دونوں مرتبہ اللہ تعالیٰ نے میری حفاظت فرمائی۔ (ایک دفعہ) میں نے اپنے ساتھی چرواہے سے، جو میرے ساتھ مکہ کے بالائی علاقے میں قریش کی بکریاں چراتا تھا، کہا: "ذرا تم میری بکریوں کا خیال رکھو تاکہ میں مکہ جاؤں اور دوسرے نوجوانوں کی طرح قصہ گوئی کی محفل میں شرکت کروں۔" وہ بولا: "ٹھیک ہے۔" جب میں مکہ کے قریب پہنچا تو میں نے گانے بجانے کی آواز سنی، میں نے لوگوں سے پوچھا: "یہ کیا ہے؟" انھوں نے بتایا کہ فلاں قریشی شخص کی فلاں خاتون سے شادی ہو رہی ہے، گانے بجانے کی یہ محفل وہیں جمی

[1] سنن أبي داود: 3680. [2] الخصائص الكبرىٰ: 150/1، سبل الهدىٰ والرشاد: 149/2.

ہوئی ہے۔ میں وہاں پہنچا تو مجھے نیند آ گئی، پھر سورج کی تمازت سے میری آنکھ کھلی۔ میں اپنے ساتھی کے پاس واپس چلا گیا۔ دوسری مرتبہ بھی ایسا ہی معاملہ پیش آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«فَوَاللّٰہِ! مَاهَمَمْتُ بَعْدَهَا أَبَدًا بِسُوءٍ مِّمَّا يَعْمَلُ أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ حَتّٰى أَكْرَمَنِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى بِنُبُوَّتِهٖ»

''واللہ! اس کے بعد میں زمانۂ جاہلیت کی کسی بُرائی کی طرف کبھی راغب نہیں ہوا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی نبوت سے سرفراز فرمادیا۔''[1]

[1] صحیح ابن حبان: 57,56/8، حدیث: 6239، المستدرك للحاكم: 245/4، حدیث: 7619.

حروبِ فجار اور حلف الفضول

دورِ جاہلیت میں بنوقیس اور بنوکنانہ کی باہمی جنگوں، ان کے اسباب وعوامل، جنگ فجار میں محمد رسول اللہ ﷺ کی شرکت، حرمت والے مہینوں اور حلف الفضول کے اثرات کا تذکرہ اور سردارِ قریش عبداللہ بن جدعان کے کردار کا جائزہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَاۗءَ بِالْقِسْطِ
وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓي اَلَّا تَعْدِلُوْا
اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى
وَاتَّقُوا اللّٰهَ

”اے ایمان والو! تم اللہ کے لیے (حق پر) قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو اور کسی قوم کی دشمنی تمھیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم عدل نہ کرو، عدل کرو، یہی بات تقویٰ کے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرو۔“ (المآئدۃ 5:8)

اس باب میں

اس باب میں قیسی اور کنانی قبائل کے مابین حروبِ فجار کا جائزہ، قبیلہ قیس عیلان کے سردار عروہ بن عتبہ کے قتل پر چھڑنے والی چوتھی جنگِ فجار، اس کے اسباب وانجام اور اس میں قریش اور نبی ﷺ کی شرکت کا تذکرہ ہے۔ ضمناً حرمت والے مہینوں میں قریش کی طرف سے من مانی تبدیلیاں کرنے کا ذکر بھی آ گیا ہے۔ مزید برآں حلف الفضول کی وجہ تسمیہ، حلف مطیبین اور احلاف، حلف الفضول طے پانے کی تفصیل، اس کے مثبت اثرات اور سردارِ قریش عبداللہ بن جدعان کی مصالحتی خدمات جیسے موضوعات سمٹ آئے ہیں۔

جنگِ فجار اور اس کا انجام

انسانی فطرت میں جہاں الفت و محبت کے جذبات رکھے گئے ہیں، وہیں غیرت، غصے اور انتقام کا عنصر بھی سمو دیا گیا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ انسان بے حسی اور بزدلی کی زندگی بسر نہ کرے، اعلیٰ اقدار کی حفاظت کرے۔ اگر ظالم ظلم اور فساد برپا کرے، غریبوں اور ناتوانوں کو ستائے، ان کے جان و مال اور آبرو پر ڈاکہ ڈالے تو اس سے ڈٹ کر لڑائی لڑی جائے تاکہ اللہ کی زمین پر حق اور انصاف کا بول بالا ہو۔

عرب بہادر بھی تھے، لڑاکے بھی تھے، ان میں غیرت کا مادہ بھی تھا۔ مگر انسان کی گمراہیوں کی داستان عجیب ہے۔ عربوں نے اپنی دلیری اور جنگجوئی کی خوبیاں بھی جہالت کے الاؤ میں جھونک دیں۔ یہ بات ہم سب جانتے ہیں کہ عربوں کا معاشرہ خانہ بدوشوں کا قبائلی معاشرہ تھا۔ وہ تپتے ہوئے صحراؤں کی وسعتوں میں ناپتے پھرتے تھے۔ جہاں کہیں پانی کا ذخیرہ اور عمدہ چراگاہ دیکھ لیتے، وہیں ڈیرے ڈال دیتے تھے۔ پھر کوئی دوسرا طاقتور قبیلہ مٹرگشت کرتا ہوا آتا تو پہلے سے قابض لوگوں سے پانی اور چراگاہ چھیننے کے لیے ان پر حملہ کر دیتا، اُنھیں لوٹ لیتا، مار بھگاتا، ان کی عورتوں اور بچوں کو لونڈی غلام بنا لیتا۔ عرب اسی سرکشی اور لاقانونیت کی فضا میں رہتے تھے۔ وہ قافلے لوٹ لیتے تھے۔ کوئی غریب تاجر آ جاتا تو اس کا سامان اُڑن چھو کر دیتے تھے۔ تجارتی شاہراہوں پر قبضہ کر لیتے تھے۔ جھوٹی انا اور غرور سے سرشار رہتے تھے۔ لڑنا بھڑنا اور ظلم ڈھانا ہی ان کا مزاج بن گیا۔ ان کے ہاتھوں کسی بھلے مانس کی عزت محفوظ نہیں تھی۔ وہ معمولی معمولی باتوں پر تلواریں سونت لیتے تھے۔

اس معاشرے میں کچھ اچھے اور حساس لوگ بھی تھے۔ وہ اس ظلمت زار میں جگنوؤں کی طرح چمکتے تھے۔ یہ لوگ ظالمانہ لڑائیوں اور غریبوں اور بے گناہوں کی خونریزی پر کڑھتے رہتے تھے۔ یہ چاہتے تھے کہ ظلم اور فساد کا دروازہ بند ہو جائے اور کوئی ستم گر کسی شریف آدمی کو نہ ستائے۔ اس شریفانہ مقصد کے لیے یہ لوگ سر جوڑ کر بیٹھے۔ یہ باب ایسے ہی مہذب افراد کی ایمان افروز روداد ہے۔ یہ داستان سُننے سے پہلے یہ جان لیجیے کہ ''فجار'' کا مطلب کیا ہے۔

حرمت والے مہینے اور فجار

فجار کا مادہ (ف۔ج۔ر) فَجَرَ يَفْجُرُ ہے۔ اس سے مراد کسی شخص کا راہِ حق و صداقت سے ہٹ جانا ہے۔ ان

جنگوں کو فجار اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ حرمت والے مہینوں میں لڑی گئی تھیں۔ قریش نے خود ان جنگوں کا نام فجار رکھا۔[1] اس کی ایک توجیہ یہ ہے کہ دونوں پارٹیوں نے ایک دوسرے کے حرمت والے امور کو حلال سمجھ لیا تھا۔

حرمت والے مہینوں کا احترام شریعت ابراہیمی کا ایک حکم تھا۔ یہ حکم قرآن کریم میں ان الفاظِ مبارک میں دیا گیا ہے:

﴿ اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ یَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَاۤ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ ﴾

''بے شک مہینوں کی گنتی، اللہ کے نزدیک، اللہ کی کتاب میں بارہ ہے، جس دن سے اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، ان میں سے چار حرمت والے ہیں۔ یہی سیدھا دین ہے۔''[2]

حرمت والے تین مہینے ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم ایک دوسرے سے متصل ہیں اور چوتھا رجب ہے جو الگ ہے۔

سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبیِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ الزَّمَانَ قَدِ اسْتَدَارَ كَهَيْئَتِهِ يَوْمَ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ، اَلسَّنَةُ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا، مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ، ثَلَاثٌ مُتَوَالِيَاتٌ: ذُوالْقَعْدَةِ، وَ ذُوالْحِجَّةِ، وَالْمُحَرَّمُ، وَرَجَبُ مُضَرَ الَّذِي بَيْنَ جُمَادٰى وَ شَعْبَانَ»

''خبردار! زمانہ اپنی ہیئت پر آ گیا ہے جس پر وہ اس دن تھا جب اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا تھا۔ سال بارہ مہینے کا ہوتا ہے۔ ان میں سے چار حرمت والے مہینے ہیں، تین تو مسلسل ہیں: ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم اور چوتھا رجب مضر ہے جو جمادیٰ اور شعبان کے درمیان ہے۔''[3]

عرب کے لوگ ان مہینوں کا احترام کرتے تھے لیکن اپنی مطلب برآری کے لیے ان میں تبدیلیاں بھی کر دیتے تھے۔ مشہور تابعی مجاہد رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ہر سال موسم حج میں بنوکنانہ کا ایک شخص اپنے گدھے پر سوار ہو کر آتا تھا اور یہ اعلان کرتا تھا: ''لوگو! مجھ پر کوئی عیب لگایا جا سکتا ہے نہ مجھے مجرم قرار دیا جا سکتا ہے اور نہ میری بات ٹالی جا سکتی ہے۔ ہم نے محرم کو حرمت والا مہینہ قرار دے دیا ہے اور صفر کو مؤخر کر دیا ہے۔'' پھر اگلے سال بھی آ کر وہ یہی کلمات دہراتا اور کہتا کہ اس سال ہم نے صفر کو حرمت والا مہینہ قرار دے دیا ہے اور محرم کو مؤخر کر دیا ہے۔[4]

یہ لوگ مسلسل تین حرمت والے مہینوں میں سے تیسرے مہینے محرم کو کبھی حرمت والا مہینہ قرار دیتے تھے اور کبھی اس کے بجائے صفر کو حرمت والا مہینہ ٹھہراتے تھے۔

[1] لسان العرب، مادة: فجر. [2] التوبة 9:36. [3] صحيح البخاري: 4662. [4] تفسير ابن كثير، التوبة 9:37.

اللہ تعالیٰ نے اُن کے اس طرزِ عمل کو مسترد کر دیا اور فرمایا:

﴿ إِنَّمَا النَّسِيٓءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُحِلُّونَهُ عَامًا وَيُحَرِّمُونَهُ عَامًا لِيُوَاطِئُوا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ فَيُحِلُّوا مَا حَرَّمَ اللَّهُ ۚ زُيِّنَ لَهُمْ سُوٓءُ أَعْمَالِهِمْ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ۝ ﴾

''بلاشبہ (کسی مہینے کو) آگے پیچھے کر دینا کفر میں زیادتی ہے، اس کی وجہ سے کافر گمراہ کیے جاتے ہیں، وہ ایک سال اسے حلال کر لیتے ہیں اور دوسرے سال اسے حرام ٹھہراتے ہیں تاکہ ان (مہینوں) کی تعداد پوری کریں جو اللہ نے حرام ٹھہرائے ہیں، پھر وہ حلال ٹھہرالیں جسے اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے۔ ان کے برے اعمال ان کے لیے مزین کر دیے گئے۔ اور اللہ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔''[1]

نبیِ کریم ﷺ کی آخری جنگِ فجار میں شرکت

فجار نامی جنگیں قیس عیلان، قریش اور بنو کنانہ کے درمیان عسفان اور تنعیم کے درمیان مکہ کے شمال اور مشرق میں لڑی گئیں۔ مسعودی کہتے ہیں کہ فجار نامی لڑائیوں کی تعداد چار ہے: 1 فجار بدر بن معشر 2 فجار القرد (بندر کو مارنے کے سبب) 3 فجار المرأۃ (ایک عورت کو سر بازار رسوا کرنے کے سبب) 4 فجار البرّاض۔[2]

1 التوبة 37:9. 2 مروج الذهب:2/290 و 294.


عسفان کا علاقہ

جنگ فجار

جن قبائل کے مابین لڑی گئی:

1. کنانہ بمقابل ہوازن
2. قریش بمقابل کنانہ
3. کنانہ بمقابل بنونصر بن معاویہ (ہوازن)
4. قریش اور کنانہ بمقابل ہوازن (قیس عیلان)



ان میں سے آخری لڑائی فجار البرّاض زیادہ مشہور ہے جس میں نبی ﷺ بھی شریک ہوئے۔ ابن اثیر نے اسے دوسری حربِ فجار کہا ہے۔[1] رسول اللہ ﷺ نے اس حربِ فجار کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ میں اس جنگ میں اپنے چچاؤں کے ساتھ شریک تھا، میں اُنھیں تیر اُٹھا اُٹھا کر پکڑاتا تھا۔[2] ایک روایت میں آپ ﷺ کے تیر چلانے کا بھی ذکر ہے۔ حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو حربِ فجار کے موقع پر دیکھا تھا، آپ وہاں موجود تھے۔''[3]

امام سہیلی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اس لڑائی میں کوئی حصہ نہیں لیا بلکہ خود کو صرف تیر پکڑانے تک محدود رکھا کیونکہ اس میں حصہ لینے والے دونوں فریق کافر تھے اور اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو صرف اعلائے کلمۃ اللہ ہی کے لیے لڑنے کی اجازت دی ہے۔[4] امام سہیلی رحمہ اللہ کی یہ بات محلِ نظر ہے کیونکہ تیر پکڑانا بھی تو جنگ میں شرکت ہی ہے۔ عرب شاعروں کے اشعار میں حربِ فجار کا ذکر کثرت سے ملتا ہے۔

حربِ فجار کے وقت نبیِ کریم ﷺ کی عمر

ابن ہشام کہتے ہیں کہ حربِ فجار کے وقت نبیِ کریم ﷺ کی عمر چودہ یا پندرہ سال تھی۔[5] ابن اسحاق کے مطابق اُس وقت آپ کی عمر بیس برس تھی۔[6] ابن اثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حربِ فجار اصحابِ فیل کے واقعے کے بیس سال بعد اور عبدالمطلب کی وفات کے بارہ سال بعد لڑی گئی۔[7] ان کی بات سے بھی ابن اسحاق کی تائید ہوتی ہے۔

امام ابن اسحاق اور ابن ہشام رحمہما اللہ کی باتوں میں بظاہر فرق موجود ہے لیکن درحقیقت کوئی فرق نہیں۔ جب پہلی حربِ فجار ہوئی، اُس وقت نبیِ کریم ﷺ کی عمر چودہ یا پندرہ سال تھی۔ جب آخری حربِ فجار ہوئی جس میں آپ ﷺ نے شرکت فرمائی، اُس وقت آپ کی عمر بیس سال تھی۔[8]

اہلِ عرب عرصۂ دراز سے اس طرح کی بے مقصد لڑائیوں میں الجھے ہوئے تھے۔ معمولی معمولی باتوں پر لڑائی شروع ہوتی اور سالہا سال جاری رہتی۔ یوں وہ باہمی جدال و قتال کی آگ میں جلتے رہتے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن پر احسان فرمایا اور انھیں نبیِ کریم ﷺ کی ذاتِ بابرکات کے ذریعے سے پیکرِ اخوت و محبت بنا دیا:

﴿ وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ ۚ لَوْ أَنفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَّا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ

1 الروض الأنف:319/1، الكامل لابن الأثير:468/1. 2 السيرة لابن هشام:186/1. 3 الطبقات لابن سعد:128/1.
4 الروض الأنف:319/1. 5 السيرة لابن هشام:184/1. 6 السيرة لابن هشام:186/1. 7 الكامل لابن الأثير:468/1.
8 السيرة النبوية للمهدي، ص:129.

اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○﴾

''اوراس نے ان (مومنوں) کے دلوں میں الفت ڈال دی۔ اگر آپ دنیا بھر کے سب خزانے خرچ کر دیتے تب بھی ان کے دلوں میں الفت نہ ڈال سکتے تھے۔ لیکن اللہ نے ان کے دلوں میں الفت ڈال دی۔ بے شک وہ سب پر غالب (اور) کمال حکمت والا ہے۔''[1]

خاندانی دشمنیاں اور قبائلی عصبیتیں اہل عرب کے لیے ناسور بن چکی تھیں۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس آگ میں جلنے پر مجبور تھے۔ یہ لڑائیاں انھیں مکمل تباہی کی طرف لے جارہی تھیں جیسا کہ ذیل کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ○﴾

''اورتم اپنے آپ پر اللہ کی نعمت (احسان) کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، پھر اس نے تمھارے دلوں میں الفت ڈال دی اورتم اس کے احسان سے بھائی (بھائی) بن گئے۔ اورتم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے، پھر اس نے تمھیں اس میں گرنے سے بچالیا۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح تمھارے لیے اپنی آیتیں بیان کرتا ہے، شاید تم ہدایت پاؤ۔''[2]

آخری حربِ فجار کا پس منظر

حیرہ کے حکمران نعمان بن منذر کا ایک قافلہ ہر سال مُشک اور دیگر سامان لے کر عکاظ کے بازار میں آتا تھا اور ادھر سے چمڑا، رسے اور یمن کے بنے ہوئے زربفتی (ریشمی) کپڑوں کے تھان خرید کر حیرہ لے جاتا تھا۔[3]

حیرہ کا قافلہ عکاظ جاتے ہوئے بہت سے صحرانشین قبائل کی بستیوں سے گزرتا تھا۔ یہ لوگ قافلوں کو لوٹ لیا کرتے تھے، اس لیے نعمان بن منذر ہر سال اپنا تجارتی قافلہ عرب کے کسی نہ کسی رئیس کی پناہ میں بھیجتا تھا۔ ان رئیسوں اوران کے قبیلوں کی ہیبت کی وجہ سے ڈاکوؤں کو نعمان

سلطنت حیرہ کے محل کے آثار

1 الأنفال 63:8. 2 آل عمران 103:3. 3 حیات محمد ﷺ، ص:129.

کا قافلہ لوٹنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ عرصۂ دراز سے یہ سلسلہ یوں ہی چلا آرہا تھا۔ اسی مقصد کے لیے نعمان کو ایک بار پھر کسی ایسے فرد کی ضرورت درپیش تھی جو اُس کا قافلہ بحفاظت عکاظ لے جائے اور واپسی پر بھی حیرہ تک صحیح سلامت پہنچنے میں اُس کی مدد کرے۔

عروہ بن عتبہ کا قتل

ابن اثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اُنھی دنوں برّاض بن قیس بن رافع کنانی ضمری، نعمان بن منذر کے پاس پہنچا۔ یہ انتہائی شریر اور بدمعاش آدمی تھا۔ اس کے قبیلے والوں نے اس کی آئے دن کی شرارتوں سے تنگ آکر اس سے قطع تعلق کرلیا۔ اُس وقت نعمان بن منذر کے پاس عروہ بن عتبہ بن جعفر بن کلاب بھی بیٹھا ہوا تھا۔ یہ شخص رَحّال (بہت سفر کرنے والا) کے لقب سے مشہور تھا۔ اسے یہ لقب بادشاہوں کے پاس بکثرت آنے جانے کی وجہ سے ملا تھا۔ نعمان بن منذر نے پوچھا: ''اس دفعہ کون ہمارا قافلہ عکاظ لے کر جائے گا؟'' برّاض کہنے لگا: ''بنو کنانہ کی طرف سے تو میں اسے اپنی پناہ میں لیتا ہوں۔'' نعمان کہنے لگا: ''مجھے تو ایسے آدمی کی تلاش ہے جو کنانہ اور قیس دونوں کی طرف سے میرا قافلہ بحفاظت لے جائے۔'' اس موقع پر عروہ نے مداخلت کرتے ہوئے کہا: ''کیا ایک دھتکارا ہوا کتا تمھارا قافلہ لے جائے گا؟ میں تمھارے قافلے کو الشیح، القیصوم، تہامہ اور نجد والوں کے پاس سے بحفاظت لے جاؤں گا۔'' برّاض نے غضب ناک ہوکر پوچھا: ''عروہ! کیا تم قافلہ لے کر کنانہ کے علاقے سے بھی گزرو گے؟'' عروہ بولا: ''ہاں، میں اسے کنانہ ہی سے نہیں، تمام قبیلوں کے پاس سے صحیح سلامت لے جاؤں گا۔''


جبل تہامہ کا منظر

نعمان بن منذر نے اپنا قافلہ عروہ کی پناہ میں روانہ کردیا۔ اُدھر برّاض بھی اُس کے تعاقب میں نکل کھڑا ہوا۔ عروہ برّاض کی فطرت سے بخوبی واقف تھا مگر وہ بالکل بے خوف وخطر جارہا تھا۔ جب عروہ فدک کے پاس تیمن ذی ظلال پہنچا تو برّاض نے تعاقب کرتے ہوئے اُسے جالیا۔ پھر اُس نے قسمت آزمائی کے تیر نکالے اور یہ جائزہ لینے لگا کہ اُسے عروہ کو قتل کرنے کا اشارہ ملتا ہے یا نہیں۔ عروہ نے اُسے ایسا کرتے دیکھا تو پوچھا: ''یہ کیا کررہے ہو؟'' برّاض

بولا: ”میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ مجھے تمھارے قتل کی اجازت ملتی ہے یا نہیں۔“ عروہ نے کہا: ”یہ تمھارے بس کی بات نہیں۔“ یہ سن کر براض اچانک اُس پر ٹوٹ پڑا اور تلوار کے وار سے اُسے قتل کر دیا۔ اہل قافلہ نے یہ صورت حال دیکھی تو قافلہ چھوڑ کر فرار ہونے لگے۔ براض نے انھیں حفاظت کی یقین دہانی کرائی اور قافلے کو خیبر لے آیا۔

براض بن قیس کنانی کی چالبازی

مساور بن مالک غطفانی اور اسد بن جوین غنوی براض کی تلاش میں نکلے۔ وہ اس کا تعاقب کرتے ہوئے خیبر پہنچ گئے۔ یہاں سب سے پہلے جس شخص سے اُن کی ملاقات ہوئی، وہ خود براض تھا۔ اس نے پوچھا: ”تم کون ہو اور کس مقصد کے لیے آئے ہو؟“ انھوں نے بتایا: ”ہم قیس قبیلے سے ہیں اور براض کو قتل کرنے آئے ہیں۔“ براض کہنے لگا: ”بہت اچھا، اپنی سواریوں سے اُترو اور اُنھیں یہاں باندھ دو۔ میں تمھیں اُس کے پاس لے چلتا ہوں۔“ پھر اس نے پوچھا: ”تم میں سے زیادہ بہادر اور ماہر شمشیر زن کون ہے؟“ غطفانی کہنے لگا: ”میں ہوں۔“ براض نے کہا: ”اچھا میرے ساتھ آؤ۔“ وہ اسے خیبر کی آبادی سے باہر کھنڈر میں لے گیا، پھر غطفانی سے کہنے لگا کہ براض اسی کھنڈر میں چھپا ہوا ہے۔ تم یہیں ٹھہرو، میں اُسے دیکھ کر آتا ہوں۔ غطفانی وہیں ٹھہر گیا۔ براض اندر سے چکر لگا کر آیا اور اُسے بتایا: ”ہاں، وہ یہیں سو رہا ہے۔ ذرا اپنی تلوار تو دکھاؤ، تم اس سے براض کو قتل بھی کر سکو گے یا نہیں۔“ اُس نے تلوار دے دی۔ براض نے تلوار ہاتھ میں لیتے ہی فوراً غطفانی پر چلا دی اور وہیں اُس کا کام تمام کر دیا، پھر اس نے تلوار چھپا دی اور غنوی کے پاس پہنچ گیا۔

خیبر کے کھنڈر

براض نے غنوی سے کہا: ”تمھارا ساتھی تو بہت بزدل نکلا۔ براض ایک گھر میں اکیلا سو رہا تھا، وہ پھر بھی اُسے قتل نہیں کر سکا۔“ غنوی کہنے لگا: ”تم کوئی آدمی دیکھو جو میری سواریوں کا خیال رکھے، میں اُسے جا کر قتل کرتا ہوں۔“ براض کہنے لگا: ”تم ان کی فکر نہ کرو۔ میں ان کا خیال رکھوں گا۔ تم جاؤ اور اپنا کام کرو۔“ یوں براض نے اُسے بھی کھنڈر میں پہنچا دیا اور دھوکے سے قتل کر دیا۔

پھر وہ قافلے کو لے کر مکہ کی طرف چل دیا۔ راستے میں اُس کی ملاقات بنو اسد بن خزیمہ کے ایک آدمی سے ہوئی۔

براض نے اُس سے کہا: ''میرا ایک کام کردو۔ میں اس کے بدلے میں تمھیں دس اُونٹ دوں گا۔ تم حرب بن اُمیہ اور میری قوم کو، جو خود تمھاری قوم بھی ہے، عکاظ کے میلے میں جا کر بتاؤ کہ براض نے عروۃ الرَّحّال کو قتل کردیا ہے، لہٰذا آپ لوگ بنوقیس کے انتقام سے بچنے کا انتظام کرلیں۔'' اسدی نے عکاظ آ کر حرب بن اُمیہ کو اس واقعے کی خبر دی۔ حرب نے عبداللہ بن جُدعان تیمی، ہشام بن مغیرہ مخزومی (ابوجہل کے باپ) اور حُلَیس بن یزید حارثی کو پیغامات بھیج دیے۔ یہ معزز اور عمر رسیدہ افراد تھے۔ ان کے علاوہ قریش کے تمام قبیلوں کو بھی مطلع کردیا گیا۔ انھوں نے آپس میں مشورہ کیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ بنوقیس صرف ایک راندۂ درگاہ کنانی کو قتل کر کے مطمئن نہیں ہوں گے بلکہ وہ دوسروں سے بھی انتقام لینے کی کوشش کریں گے۔

وفدِ قریش اور ابو براء قیسی

پھر وہ اس رائے پر متفق ہوئے کہ ہمیں ابو براء عامر بن مالک قیسی سے ملنا چاہیے اور اُسے بتانا چاہیے کہ نجد اور تہامہ کے درمیان ایک واقعہ پیش آیا ہے۔ اُس کی تفصیل ہم تک نہیں پہنچی، لہٰذا آپ لوگوں میں اس کا اعلان کردیں، چنانچہ چند قریشیوں نے ابوبراء کے پاس جا کر یہی بات کہی جو اس نے لوگوں کے سامنے بیان کردی۔ اسی اثنا میں بعض قریشیوں نے خطرہ محسوس کیا تو قیسیوں سے کہا: ''اے اہل عکاظ! مکہ میں ہماری قوم کو ایک سانحہ پیش آ گیا ہے۔ اس کی خبر ہمیں ابھی ابھی ملی ہے۔ ہمیں ڈر ہے کہ اگر ہم اپنی قوم سے دُور رہے تو معاملہ بہت بگڑ جائے گا، اس لیے ہمارے واپس کوچ کرجانے سے تمھیں کسی غلط فہمی کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔'' پھر وہ بھاگم بھاگ مکہ پہنچے۔ جب دن کے آخری پہر عامر بن مالک کو قریش کی اس چالبازی کی خبر ملی تو وہ کہنے لگا: ''قریش نے غداری کی ہے۔ حرب بن اُمیہ نے مجھے دھوکا دیا ہے۔ واللہ! اب کنانہ کبھی عکاظ نہ آسکیں گے۔''


نخلہ کا علاقہ

آخری جنگِ فِجار کے واقعات

قیسی، قریش کے تعاقب میں نکلے اور نخلہ کے مقام پر اُنھیں جالیا۔ وہاں لڑائی چھڑ گئی۔ بنوقیس غالب آنے لگے، قریش کو شکست کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا، چنانچہ وہ حسبِ معمول راتوں رات اپنے تحفظ کے لیے حرم میں داخل ہوگئے۔ اس موقع پر محمد ﷺ بھی اُن کے ساتھ تھے۔

زہری کہتے ہیں: ''نبی ﷺ اُن کے ساتھ نہیں تھے۔ اگر آپ ساتھ ہوتے تو اُنھیں شکست کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔'' اس تاویل کی کوئی حقیقت نہیں کیونکہ وحی اور رسالت کے بعد بھی آپ ﷺ کے صحابہ کو شکست اور شہادت کا سامنا کرنا پڑا، اس لیے یہ بعید نہیں تھا کہ نبی ﷺ ایک جماعت کے ساتھ ہوں اور اسے شکست سے دوچار ہونا پڑے۔

جب قریش حرم میں داخل ہوگئے تو قیس کے لوگ ٹھہر گئے۔ انھوں نے اعلان کیا کہ ہم عروہ کا خون معاف نہیں کریں گے اور آیندہ سال عکاظ میں جنگ ہوگی، اس کے بعد وہ لوٹ گئے۔ اس دوران میں فریقین نے جنگ کی بھرپور تیاری شروع کردی۔ قریشی سردار عبداللہ بن جدعان نے سو آدمیوں کو مسلح کیا۔

اگلے سال عکاظ میں قیسی اور قریشی برسرِپیکار ہوئے۔ قیسیوں کے ساتھ بنوثقیف تھے جبکہ قریش کے ساتھ کنانہ، بنواسد بن خزیمہ اور احابیش تھے۔ احابیش تَحَبُّش سے بنا ہے جس کے معنی تَجَمُّع (جمع کرنے) کے ہیں۔ یہ



سُوقِ عکاظ کے کھنڈر

مختلف قبائل کے مجموعے کا نام تھا۔ ان میں بنوحارث بن عبدمناۃ بن کنانہ، عضل، قارّہ، دیش (ان کا تعلق بنوہون بن خزیمہ سے ہے) اور مُصطلق بن خزاعہ شامل تھے۔ قریش کے لشکر کا سالارِ اعلیٰ حرب بن اُمیہ تھا۔

حرب بن اُمیہ کے ساتھ اُس کے بھائی سفیان، ابوسفیان، عاص اور ابوالعاص بھی تھے۔ اُس دن حرب، سفیان اور ابوالعاص نے اپنے آپ کو ایک دوسرے سے باندھ رکھا تھا کہ فتح یا موت، ان دو باتوں کے سوا ہم کوئی اور صورت قبول نہیں کریں گے۔ پہلے پہل قیس کا پلڑا بھاری رہا لیکن قریش نے بھی جان کی بازی لگادی۔ وہ اتنی پامردی سے لڑے کہ حریف کے پاؤں اُکھڑ گئے۔[1]

[1] الکامل لابن الأثیر: 471-468/1.

حربِ فجار کا انجام

فریقین ہوازن (قیسی) اور کنانہ (قریشی) نے اگلے سال پھر عکاظ کے مقام پر جنگ جاری رکھنے کا اعلان کیا۔ سردارِ قریش حرب بن اُمیہ، عتبہ بن ربیعہ کا سرپرست تھا جو یتیم ہونے کی وجہ سے اس کے ہاں پرورش پا رہا تھا۔ یہ ابھی چھوٹا تھا، اس لیے حرب نے اسے جنگ میں شرکت سے منع کر دیا۔ عتبہ اُس کی اجازت کے بغیر ہی میدان جنگ میں جا پہنچا۔ وہ دونوں صفوں کے بیچ میں کھڑا ہو گیا اور بلند آہنگی سے بولا: ''اے آلِ مضر! تم آپس میں کیوں لڑتے ہو؟'' بنوہوازن نے پوچھا: ''تم کس چیز کی طرف بلاتے ہو؟'' عتبہ نے کہا: ''صلح کی طرف۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہم تمھارے مقتولوں کی دِیَت ادا کریں اور اپنے مقتولوں کا خون بہا معاف کر دیں۔''

بنوہوازن نے پوچھا: ''ہم تمھاری بات پر کیونکر یقین کریں؟'' عتبہ نے جواب دیا کہ ہم بطورِ ضمانت اپنے افراد تمھارے پاس رکھیں گے۔ اُنھوں نے پھر پوچھا کہ اس کی ذمہ داری کون اُٹھاتا ہے؟ عتبہ نے جواب دیا: ''میں یہ ذمہ داری قبول کرتا ہوں۔'' بنوہوازن نے دریافت کیا: ''تم کون ہو؟'' عتبہ نے جواب دیا: ''میں عتبہ بن ربیعہ بن عبدشمس ہوں۔'' بنو ہوازن نے مذکورہ شرائط قبول کر لیں تو بنوکنانہ نے بھی انھیں تسلیم کر لیا اور چالیس آدمی بطورِ یرغمال بھیج دیے۔ ان میں حکیم بن حزام بن خویلد (رضی اللہ عنہ) بھی تھے۔ بنوعامر بن صعصعہ (بنوہوازن) نے دیکھا کہ واقعی یرغمال اُن کے پاس پہنچ گئے ہیں تو اُنھوں نے بھی خون بہا معاف کر دیا۔ اس طرح یہ خون ریز جنگ اپنے انجام کو پہنچی۔ قریش میں صرف مالداروں ہی کو سردار بنایا جاتا تھا لیکن عتبہ اور ابوطالب مالدار نہ ہونے کے باوجود سردار مانے گئے۔ [1]

[1] الروض الأنف: 321/1.

حِلف الفضول

عرب کے دیگر علاقوں کی طرح مکہ میں بھی قبائلی نظام کارفرما تھا۔ قبائلی نظام میں عموماً ''جس کی لاٹھی اُس کی بھینس'' کا قانون چلتا تھا۔ عرب میں جس کی پشت پر مضبوط قبیلہ ہوتا، اُسے تو اپنا حق مل جاتا تھا، مگر جسے کسی قبیلے کی حمایت حاصل نہ ہوتی یا اُس کا قبیلہ کمزور ہوتا، وہ اپنا حق لینے کا تصور بھی نہیں کرسکتا تھا، خصوصاً پردیسیوں کا تو کوئی پُرسانِ حال ہی نہیں تھا۔ ایسے کمزور کسمپرس لوگوں پر صریحاً ظلم وستم کے پے در پے واقعات رونما ہوئے تو منصف مزاج اور سلیم الفطرت اشخاص اپنے ضمیر کی سرزنش گوارا نہ کرسکے۔ وہ مظلوموں کی حمایت میں اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اُن کی طرف سے دادرسی کی کوششیں ایک تحریک کی شکل اختیار کرگئیں جو بالآخر حلف الفضول پر منتج ہوئیں۔

حلف الفضول حرب فجار کے چار ماہ بعد طے پایا۔ حرب فجار شعبان میں ہوئی تھی جبکہ حلف الفضول ذی القعدہ میں ہوا۔ یہ بعثت سے بیس سال پہلے کا واقعہ ہے۔[1] اُس وقت رسول اللہ ﷺ کی عمر تقریباً بیس سال تھی۔[2]

معاہدے کی وجہ تسمیہ

امام ابن قتیبہ کہتے ہیں کہ قریش سے پہلے بنوجُرہم نے مظلوموں کی حمایت کے لیے ایک انجمن بنائی تھی۔ اس کام میں تین افراد پیش پیش تھے: فضل بن فضالہ، فضل بن وَدَاعہ اور فُضَیل بن حارث۔ بعض ان ناموں میں اختلاف کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''اُن کے نام فُضَیل بن شُرَاعہ، فضل بن وَدَاعہ اور فضل بن قُضَاعہ تھے۔ ان سب کے نام میں ''فضل'' کا مادہ مشترک تھا، اسی اشتراک کی وجہ سے اس واقعے کو حلف الفضول کا نام دیا گیا تھا۔ قریش نے جب اسی سے ملتا جلتا معاہدہ کیا تو اُس کا نام بھی حلف الفضول رکھ دیا۔''

اس کی یہ توجیہ بھی بیان کی گئی ہے کہ قریش نے اس معاہدے کا نام حلف الفضول اس لیے رکھا کہ وہ ایک فضیلت والے کام میں شامل ہوئے تھے۔[3] اِس معاہدے میں اللہ کے رسول ﷺ بھی شریک ہوئے تھے۔ ماضی

[1] الروض الأنف:242/1، [2] السیرۃ لابن ہشام:186/1، [3] البدایۃ والنہایۃ:271/2.

کی یاد سبھی کو عزیز ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ بھی اپنے عہد ماضی کے اس شریفانہ کارنامے کو بڑی مسرت سے یاد فرماتے تھے۔ ایک دن آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لَقَدْ شَهِدْتُ فِي دَارِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ جُدْعَانَ حِلْفًا لَوْ دُعِيتُ بِهِ فِي الْإِسْلَامِ لَأَجَبْتُ، تَحَالَفُوا أَنْ تُرَدَّ الْفُضُولُ عَلٰى أَهْلِهَا، وَأَلَّا يَعُزَّ ظَالِمٌ مَظْلُومًا»

''میں عبداللہ بن جُدعان کے گھر پر ایک معاہدے میں شریک ہوا۔ اگر اب دورِ اسلام میں بھی مجھے اس کی بنا پر پکارا جائے تو میں لبیک کہوں گا۔ اس معاہدے کے تحت سبھی نے یہ حلف اُٹھایا تھا کہ جس کا کوئی حق کسی کے پاس ہوگا، وہ حق دار کو لوٹا دیا جائے گا اور کوئی ظالم کسی مظلوم پر غالب نہیں آئے گا۔'' [1]

اس معاہدے کو حلف مطیبین بھی کہتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«شَهِدْتُ حِلْفَ الْمُطَيَّبِينَ مَعَ عُمُومَتِي، وَأَنَا غُلَامٌ، فَمَا أُحِبُّ أَنَّ لِي حُمْرَ النَّعَمِ وَأَنِّي أَنْكُثُهُ»

''میں اپنے چچاؤں کے ساتھ حلفِ مطیبین کی تقریب میں گیا تھا۔ یہ میرے لڑکپن کا زمانہ تھا۔ مجھے کوئی سرخ اونٹوں کا ریوڑ بھی دے تو میں وہ عہد توڑنا گوارا نہیں کروں گا۔'' [2]

بیہقی کی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«مَا شَهِدْتُ حِلْفًا لِقُرَيْشٍ إِلَّا حِلْفَ الْمُطَيَّبِينَ»

''میں حلفِ مطیبین کے سوا قریش کے کسی معاہدے میں شریک نہیں ہوا۔''

امام بیہقی نے اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ چند سیرت نگاروں نے کہا ہے: ''اس عہد سے مراد وہ معاہدہ ہے جو عموماً حلف الفضول کے نام سے معروف ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اصل حلفِ مطیبین کا دور نہیں پایا۔'' [3]

مطیبین اور احلاف کی وجہ تسمیہ

قصی کی وفات کے بعد قریشی قبائل کا آپس میں اختلاف ہوگیا۔ اس کے نتیجے میں قریش کے دو فریق ایک دوسرے کے مدمقابل آ گئے۔ پہلا فریق بنوعبد مناف اور ان کے حلیفوں اور دوسرا فریق بنوعبد الدار اور اُن کے حلیفوں پر مشتمل تھا۔ بنوعبد مناف خوشبو سے بھرا ہوا ایک بڑا پیالہ کعبہ میں لائے۔ انھوں نے اپنے ہاتھ خوشبو میں ڈال کر حلف

[1] الروض الأنف:242/1. [2] مسند أحمد:190/1. [3] السنن الكبرٰى للبيهقي:367/6، دلائل النبوة للبيهقي:38/2-41.

اٹھایا، پھر بطور تاکید اپنے معطر ہاتھ کعبہ سے مَس کیے۔ عربی زبان میں خوشبو کو طِیب کہتے ہیں، چنانچہ بنوعبد مناف، ہاشم، امیہ، زہرہ اور مخزوم اور ان کی اولاد مطیّبین کے لقب سے مشہور ہوئے۔ دوسری طرف بنوعبدالدار اور ان کے حلیف قبائل نے بھی کعبہ میں یہ حلف اُٹھایا کہ ہم ایک دوسرے کا ساتھ چھوڑیں گے نہ ہم میں سے کوئی اپنے کسی حلیف کو دشمن کے حوالے کرے گا۔ یہ لوگ احلاف کہلائے۔[1] رسول اللہ ﷺ نے جس معاہدے میں شرکت فرمائی، وہ مطیّبین ہی کے افراد کے درمیان تھا، اس لیے آپ نے بجا طور پر حلف مطیّبین کہا۔ اس معاہدے کو بنوجرہم کے دور کے حلف الفضول کے نام سے موسوم کرنے کے بجائے آپ نے اسے صحیح نام سے موسوم فرمایا۔ یہ مطیّبین ہی کا ایک نیا معاہدہ تھا۔

معاہدہ کس طرح ہوا؟

زبید قبیلے کا ایک آدمی اپنا تجارتی سامان لے کر مکہ مکرمہ آیا۔ عاص بن وائل سہمی نے اس سے وہ سامان خرید لیا۔ عاص بن وائل بہت بڑا سردار تھا۔ اپنی سرداری کے زعم میں اس نے اس غریب تاجر کی رقم دبا لی۔ وہ شخص اس صریح ظلم کی شکایت لے کر احلاف کے قبائل عبدالدار، مخزوم، جُمَح، سہم اور عدی بن کعب کے پاس گیا اور ان سے عاص بن وائل سہمی سے رقم دلوانے کے لیے مدد طلب کی۔ انھوں نے نہ صرف اس بے چارے کی کوئی مدد نہیں کی بلکہ اسے ڈانٹ ڈپٹ بھی کی۔ اس تکلیف دہ صورتحال سے یہ غریب تاجر بہت مایوس اور دُکھی ہوا۔ چار و ناچار وہ طلوع آفتاب کے وقت جبل ابوقبیس پر چڑھ گیا۔ اس وقت قریش کے لوگ کعبہ کے اردگرد اپنی مجلسوں میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس

[1] السيرة لابن هشام: 1/131، 132.


جبل ابی قبیس (مکہ)

شخص نے بڑی رِقت اور بلند آہنگی سے یہ اشعار پڑھے:

يَا آلَ فِهْرٍ لَمَظْلُومٍ بِضَاعَتُهُ بِبَطْنِ مَكَّةَ نَائِي الدَّارِ وَالنَّفَرِ

وَمُحْرِمٍ أَشْعَثٍ لَمْ يَقْضِ عُمْرَتَهُ يَا لَلرِّجَالِ وَبَيْنَ الْحِجْرِ وَالْحَجَرِ

إِنَّ الْحَرَامَ لِمَنْ تَمَّتْ كَرَامَتُهُ وَلَا حَرَامَ لِثَوْبِ الْفَاجِرِ الْغُدَرِ

''اے آلِ فہر (قریشیو!) اس مظلوم کی مدد کرو جس کا تجارتی مال وادیٔ مکہ میں چھین لیا گیا۔ وہ یہاں غریب الوطن ہے، اپنے عزیز واقارب سے دور ہے۔ اس نے احرام باندھ رکھا ہے۔ پراگندہ سر ہے۔ اس نے ابھی عمرہ بھی پورا نہیں کیا۔ اے حُجرِ اسود اور حِجْر (حطیم) کے مابین تشریف فرما لوگو! (میری مدد کرو۔) عزت وحرمت صرف اُسی شخص کی ہے جس کے کام اچھے ہیں۔ دھوکے باز اور بدکار (عاص بن وائل) کی چادر کی کوئی عزت نہیں۔''

یہ دردناک فریاد سن کر زبیر بن عبدالمطلب فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے: ''کیا اس مظلوم کو بے یار و مددگار چھوڑا جاسکتا ہے؟'' اس پر ہاشم، زہرہ اور تیم بن مرہ، عبداللہ بن جُدعان کے گھر اکٹھے ہوئے۔ انھوں نے آپس میں عہد کیا کہ ہم مظلوم کی مدد کے لیے متحد اور یک جان رہیں گے یہاں تک کہ ظالم مظلوم کا حق ادا کردے۔ ہم اس معاہدے پر اس وقت تک قائم رہیں گے جب تک سمندر میں پانی کی ایک بوند اور ثبیر وحراء کے پہاڑوں کا ثبات باقی ہے۔ مزید برآں ہم روزمرہ کے معاملات میں بھی ایک دوسرے کی ڈھارس بندھائیں گے۔[1]

حلف الفضول کا اجتماع کوئی معمولی واقعہ نہ تھا۔ اُس دورِ جاہلیت میں یہ تصور ہی بڑا عجیب تھا کہ ایک طاقتور ظالم سے کسی بے یارومددگار مظلوم کا نقصان پورا کرایا جائے یا اس کا حق دلایا جائے۔ اُس وقت حالت یہ تھی کہ اگر کوئی مظلوم کسی طاقتور قبیلے کا فرد ہوتا یا اُس کا قبیلہ انتقام لینے کے لیے سردھڑ کی بازی لگانے کو تیار ہو جاتا، تب وہ ظالم سے اپنا حق لے سکتا تھا ورنہ اُس کا حق تلف ہو جاتا تھا۔ اسی طرح اُس مقتول کا خون بھی رائیگاں چلا جاتا تھا جس کا قبیلہ طاقتور نہ ہوتا یا وہ سردھڑ کی بازی لگانے پر تُل نہ جاتا۔ کوئی کمزور حقدار حق تلفی کرنے والے ظالم سے اپنا حق لینے کا تصور ہی نہیں کرسکتا تھا۔ وہ لوگ اس ناانصافی کو ایک فطری بات سمجھتے تھے کہ طاقتور ظالم سے اپنا حق وصول نہیں کیا جاسکتا۔ اس فضا میں حلف الفضول ایسا مینارۂ نور بن گیا جس کی روشنی میں مظلوم کی دادرسی کے لیے اجتماعی قدم اُٹھانا شرف وسعادت سمجھا جانے لگا اور اس دور کے بہت سے مظلوم اِس معاہدے کے زیرِاثر اپنا حق پانے میں کامیاب ہوگئے۔

[1] الروض الأنف:243,242/1.

حلف الفضول کے مفید اثرات و نتائج

قاسم بن ثابت نے بیان کیا ہے کہ خثعم قبیلے کا ایک شخص حج یا عمرہ ادا کرنے آیا۔ اُس کے ساتھ اُس کی حسین و جمیل بیٹی بھی تھی۔ نُبَیہ بن حجاج سہمی نے اُسے اغوا کر کے غائب کردیا۔ خثعمی فریاد کرنے لگا کہ مجھے اس شخص کے ظلم سے کون



بچائے گا؟ کسی نے اُسے بتایا کہ حلف الفضول کا حوالہ دے کر مدد طلب کرو، تمھاری داد رسی ضرور ہوگی۔ اُس نے حلف الفضول کا حوالہ دے کر فریاد کی تو ہر طرف سے لوگ مسلح ہوکر اُس کی مدد کے لیے پہنچ گئے۔ انھوں نے پوچھا: ''بتاؤ کیا معاملہ ہے؟'' اُس نے بتایا کہ نُبَیہ بن حجاج نے میری بیٹی کو اغوا کر کے اپنے گھر میں بند کردیا ہے۔ میری بیٹی کو اُس کے چنگل سے چھڑایا جائے۔ وہ سب اُس کے ساتھ چل دیے۔ نُبَیہ کے دروازے پر دستک دی، وہ باہر نکلا تو ان لوگوں نے کہا: ''اس کی بیٹی فوراً اس کے حوالے کرو، تمھیں پتہ نہیں کہ ہم کون ہیں اور ہم نے کس بات پر معاہدہ کر رکھا ہے؟'' وہ کہنے لگا: ''میں اسے واپس کردوں گا، بس ایک رات اسے میرے پاس رہنے دو۔'' لوگوں نے کہا: ''واللہ! ہم تمھیں ایک لمحے کی بھی اجازت نہیں دیں گے۔'' مجبوراً نُبَیہ کو لوگوں کے اجتماعی مطالبے کے آگے سرِتسلیم خم کرنا پڑا اور اُس نے مغویہ کو رہا کردیا۔[1]

عبداللہ بن جُدعان ...... ایک مِلا جُلا کردار

حلف الفضول میں مرکزی کردار عبداللہ بن جُدعان کا تھا۔ اسی کے گھر میں یہ معاہدہ ہوا۔ عبداللہ بن جُدعان بن

[1] الروض الأنف: 243/1.

عمرو بن کعب بن سعد بن تیم رشتے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا چچا لگتا تھا۔ اس کا نسب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے عمرو بن کعب پر جا ملتا ہے۔ اس کا شمار زمانۂ جاہلیت کے اُن لوگوں میں ہوتا تھا جو لوگوں کو کھانا کھلانے اور امداد فراہم کرنے میں پیش پیش رہتے تھے۔ ابتدا میں عبداللہ بن جُدعان ایک کنگال اور بدچلن آدمی تھا اور گناہ کے کاموں میں اکثر ملوث رہنا اس کی فطرت تھی۔ اس کی اخلاقی پستی اور شرارتوں سے لوگ تنگ آ گئے تھے۔ اس کے خاندان اور قبیلے والے بھی اسے نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے حتی کہ اس کا باپ بھی اس سے نفرت کرتا تھا۔

گھر، خاندان اور قبیلے کی نفرت بھری نگاہوں کی تاب نہ لا کر ایک دن وہ مکہ کی گھاٹیوں کی طرف نکل گیا۔ اس کی نظر پہاڑ کی ایک کھوہ پر پڑی۔ اس نے سوچا ممکن ہے اس کے اندر کوئی موذی جانور ہو جو مجھے موت کے گھاٹ اتار دے، چنانچہ وہ جانے بوجھے کھوہ کی طرف چل دیا تاکہ اپنے آپ کو موت کے منہ میں دے دے اور خاندان اور قبیلے کی طرف سے جس نفرت کا اسے سامنا کرنا پڑ رہا ہے، اس سے ہمیشہ کے لیے نجات پا جائے۔

وہ غار کے قریب پہنچا تو اسے ایک اژدہا نظر آیا۔ لگتا تھا جیسے وہ اسی کی طرف لپکنے والا ہے۔ یہ دیکھ کر وہ کسی خطرے کی پروا کیے بغیر اژدہے کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ اژدہے کے قریب پہنچا تو اس نے دیکھا کہ وہ تو سونے کا بنا ہوا ہے اور اس کی آنکھوں میں یاقوت چمک رہے ہیں۔ وہ غار کے اندر داخل ہوا۔ غار میں قبیلہ جرہم کے بادشاہوں کی چند قبریں تھیں۔ ایک قبر حارث بن مضاض کی بھی تھی جو طویل مدت پہلے غائب ہو گیا تھا اور کسی کو معلوم نہیں تھا کہ وہ کہاں گیا، اسے آسمان نے اچک لیا یا زمین کھا گئی۔

عبداللہ بن جُدعان کو ان قبروں کے سرہانے سونے کی ایک تختی ملی۔ اس پر ان بادشاہوں کی تاریخ وفات اور ان کی مدت حکومت کی تفصیل درج تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کی قبروں کے پاس ہیرے جواہرات اور سونے چاندی کا ڈھیر بھی لگا ہوا تھا۔ عبداللہ بن جُدعان نے غار کے اندر جی بھر کے ہیرے جواہرات سمیٹے۔ پہچان کے لیے غار کے منہ پر نشان لگایا اور واپس چلا آیا۔

جب وہ لوٹ کر اپنی قوم کے پاس پہنچا تو سب کو دولت سے خوب نوازا۔ اس عمل کی وجہ سے سب لوگ اسے محبوب جاننے لگے اور اسے اپنا سردار تسلیم کر لیا۔ عبداللہ بن جُدعان لوگوں کو کھانا کھلاتا تھا اور جب اس کے پاس دولت ختم ہو جاتی تھی تو غار میں جا کر حسبِ خواہش ہیرے جواہرات اور سونا چاندی نکال لاتا تھا۔ وہ لوگوں کو کھجوریں اور ستو کھلاتا اور دودھ پلاتا تھا۔

عبداللہ بن جُدعان نے ملک شام کی طرف دو ہزار اونٹ بھیجے۔ ان پر گیہوں، شہد اور گھی لاد کر مکہ لایا گیا، پھر

اس نے ایک منادی مقرر کر دیا کہ وہ روزانہ رات کو خانہ کعبہ کی چھت پر چڑھ کر لوگوں کے لیے عام دعوت کا اعلان کرے، چنانچہ ہر رات منادی کرنے والا یہ اعلان کرتا: هَلُمُّوا إِلٰى جَفْنَةِ ابْنِ جُدْعَانَ ''لوگو! عبداللہ بن جدعان کی دیگ کی طرف آؤ۔''

ابن جدعان کی دعوت طعام والی دیگ اتنی اونچی اور اتنی بڑی تھی کہ اُونٹ سوار سواری پر بیٹھے بیٹھے ہی اس میں سے کھانا نکال کر کھا لیتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک حادثہ ہوا، ایک بچہ اس میں گر کر غرق ہو گیا۔ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَقَدْ كُنْتُ أَسْتَظِلُّ بِظِلِّ جَفْنَةِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ جُدْعَانَ صَكَّةَ عُمَيٍّ»

''میں آنکھیں چندھیانے والی شدید گرمی میں عبداللہ بن جُدعان کی دیگ کی چھاؤں تلے سایہ حاصل کرتا تھا۔''[1]

ایمان کے بغیر فیاضی بے کار ہے

عبداللہ بن جُدعان اس قدر فیاضی اور ہر خاص و عام کو کھانا کھلانے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے دربار میں سرخرو نہ ہو سکا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں سرخروئی کا جو فارمولا ہے، اسے اس نے فراموش کر دیا تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے دریافت کیا: ''اے اللہ کے رسول! ابن جُدعان زمانۂ جاہلیت میں صلہ رحمی کیا کرتا تھا اور مسکینوں کو کھانا کھلایا کرتا تھا، کیا یہ سب باتیں اس کے حق میں نفع بخش ثابت ہوں گی؟'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا يَنْفَعُهُ، إِنَّهُ لَمْ يَقُلْ يَوْمًا: رَبِّ! اغْفِرْلِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ»

''(نہیں!) یہ سب کچھ اس کے کسی کام نہ آئے گا کیونکہ اس نے کبھی یہ نہیں کہا کہ اے میرے پروردگار! قیامت کے دن میری خطاؤں کو معاف کر دینا۔''[2]

اس کی سخاوت کے پیچھے صرف یہ خواہش کارفرما تھی کہ لوگ اُسے اچھا آدمی کہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا طلبگار نہ تھا۔ وہ حالتِ کفر میں مرا۔ آخرت میں کفار کے اعمال پراگندہ گرد و غبار کی طرح ہوں گے جن کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَقَدِمْنَآ إِلٰى مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُورًا ۝ ﴾

[1] غريب الحديث لابن قتيبة:185/1، البداية والنهاية:202/2، الروض الأنف:244/1-246، النهاية لابن الأثير:43/3، جمهرة لابن الكلبي، ص:82. [2] صحيح مسلم:214.

''اور اُنھوں نے جو (بظاہر نیک) عمل کیے ہوں گے، ہم ان کی طرف متوجہ ہو کر انھیں اڑتا ہوا پراگندہ گرد و غبار بنا دیں گے۔''[1]

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ِۨاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ۭ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰي شَيْءٍ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴾

''جن لوگوں نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا، ان کے (نیک) اعمال کی مثال راکھ کی سی ہے جس پر آندھی کے دن زور کی ہوا چلی۔ جو کچھ انھوں نے کمایا، وہ اس پر ہرگز قدرت نہیں رکھیں گے۔ یہی پرلے درجے کی گمراہی ہے۔''[2]

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کے اعمال کی ایک مثال بیان فرمائی ہے جنھوں نے غیر اللہ کی عبادت کی، اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی تکذیب کی اور اعمال کو غلط بنیاد پر استوار کیا، جس کی وجہ سے ان کے اچھے اعمال اس دن رائیگاں ہو جائیں گے جب انھیں ان کی شدید ضرورت ہوگی جیسا کہ اس راکھ سے کچھ حاصل نہیں ہوتا جس پر آندھی کے دن زور کی ہوا چلے اور وہ اسے اڑا لے جائے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے کافروں کے اعمال برباد ہو جانے کی دو اور مثالیں بھی بیان فرمائی ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۢ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَاۗءً ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـــًٔا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰـىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ۭ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ۭ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ۭ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ﴾

''اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے اعمال چٹیل میدان میں سراب (چمکتی ریت) جیسے ہیں، پیاسا اس (ریت) کو پانی سمجھتا رہا حتی کہ جب وہ اس کے پاس پہنچا تو اس نے وہاں کچھ بھی نہ پایا اور اللہ کو اپنے پاس پایا، پھر اللہ نے اس کا پورا پورا حساب چکا دیا اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔ یا (کافروں کے اعمال) گہرے سمندر میں اندھیروں کی طرح ہیں، جسے ایک موج ڈھانپتی ہو، اس کے اوپر ایک اور موج ہو، اس کے اوپر بادل ہو، (غرض) اوپر تلے اندھیرے (ہی اندھیرے) ہوں، جب وہ اپنا ہاتھ نکالے تو لگتا نہیں

[1] الفرقان 23:25. [2] إبراهيم 18:14.

کہ اسے دیکھ سکے اور جس کے لیے اللہ نے نور نہیں بنایا تو اس کے لیے (کہیں بھی) کوئی نور نہیں۔'' [1]

ان میں سے پہلی مثال ان کفار کی ہے جو اپنے کفر کے داعی ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ ان کے کچھ اعمال و اعتقادات بھی ہیں، حالانکہ درحقیقت وہ کچھ بھی نہیں۔ ان کی مثال اس سراب کی سی ہے جو زمین کے میدانی علاقوں میں دور سے یوں نظر آتا ہے گویا پانی سے چھلکتا ہوا سمندر ہو، جب پیاسا سراب دیکھتا ہے تو سمجھتا ہے کہ یہ پانی ہے، پھر وہ اس کا قصد کرتا ہے تاکہ وہاں جا کر پانی پی لے مگر جب وہاں پہنچتا ہے تو اسے کچھ بھی ہاتھ نہیں آتا، اسی طرح کافر یہ سمجھتا ہے کہ اس نے اچھا کام کیا ہے اور کچھ حاصل کر لیا ہے مگر جب روز قیامت وہ اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچے گا اور اللہ تعالیٰ اس کا محاسبہ کرے گا اور اس کے اعمال کے بارے میں اس سے باز پرس فرمائے گا تو وہ دیکھے گا کہ اس کا کوئی عمل بھی قبول نہیں ہوا۔ یہ جہل مرکب (خلاف واقع کسی چیز کا پختہ اعتقاد رکھنا) والے کافروں کی مثال ہے۔

دوسری مثال جہل بسیط والوں کی ہے، یعنی ان لوگوں کی جو ایسی حقیقت سے ناواقف رہتے ہیں جس کا علم ہونا چاہیے۔ بالفاظِ دیگر یہ ائمۂ کفر کے مقلدوں، بہروں، گونگوں اور بے وقوف کافروں کی مثال ہے جو اپنے قائدین کا حال نہ جانتے ہوں اور یہ بھی نہ جانتے ہوں کہ وہ کہاں جا رہے ہیں۔ مثال کے طور پر جاہل سے پوچھا جاتا ہے کہ تو کہاں جا رہا ہے؟ تو وہ کہتا ہے کہ ان کے ساتھ اور جب اس سے یہ دریافت کیا جاتا ہے کہ وہ کہاں جا رہے ہیں؟ تو وہ جواب دیتا ہے کہ میں نہیں جانتا۔ [2]

کفار کے اچھے اعمال بھی آخرت میں نہ صرف رائیگاں ہوں گے بلکہ ان کے لیے کوئی وزن ہی قائم نہیں کیا جائے گا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿أُولَٰٓئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا ۝ ذَٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوا وَاتَّخَذُوٓا آيَاتِي وَرُسُلِي هُزُوًا ۝﴾

''یہی لوگ ہیں جنھوں نے اپنے رب کی آیات کا اور اس کی ملاقات کا انکار کیا، چنانچہ ان کے اعمال برباد ہو گئے، لہٰذا روز قیامت ہم ان کے لیے کوئی وزن قائم نہیں کریں گے۔ یہ ہے ان کی سزا جہنم، اس وجہ سے کہ انھوں نے کفر کیا اور میری آیات اور میرے رسولوں کو ٹھٹھا بنایا۔'' [3]

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[1] النور 40,39:24۔ [2] تفسیر ابن کثیر، النور 40,39:24۔ [3] الکھف 106,105:18۔

«إِنَّهُ لَيَأْتِي الرَّجُلُ الْعَظِيمُ السَّمِينُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، لَا يَزِنُ عِنْدَاللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوضَةٍ وَّ قَالَ: اِقْرَءُوا:
﴿فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا۝﴾»

''قیامت کے دن ایک بہت بڑا اور موٹا تازہ آدمی آئے گا مگر اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا وزن مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں ہوگا، (پھر) آپ نے فرمایا: یہ آیت کریمہ پڑھو: ''پس ہم قیامت کے دن ان کے لیے ترازو ہی قائم نہیں کریں گے۔'' [1]

[1] صحيح البخاري: 4729، صحيح مسلم: 2785.

باب 6

سیرت انسائیکلوپیڈیا

تجارت کا آغاز

رسول اللہ ﷺ کا شام کی طرف تجارتی سفر
اور اس کے مکمل احوال

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ

فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ

الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ

وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ

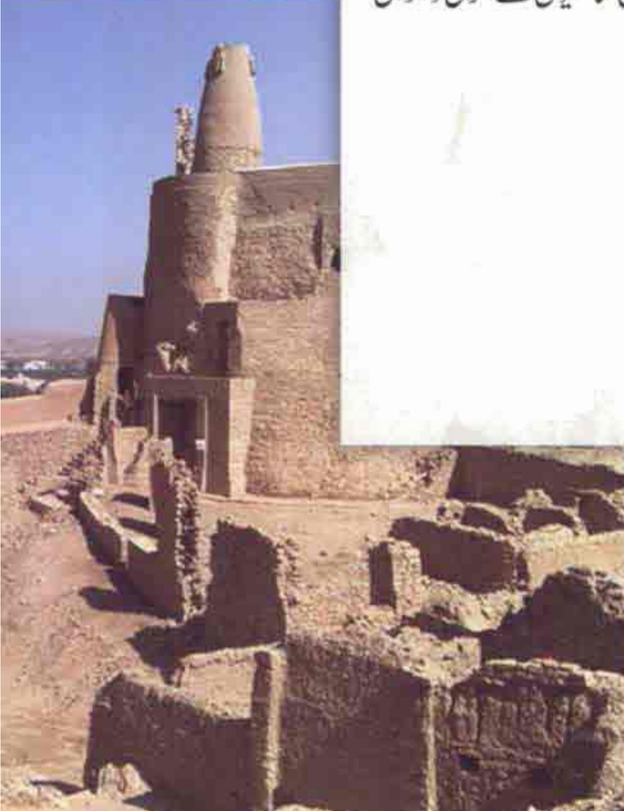
''اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔ قریش کے مانوس ہونے کی وجہ سے۔ (یعنی) ان کے سردی (میں یمن) اور گرمی (میں شام و فلسطین) کے (تجارتی) سفر سے مانوس ہونے کی وجہ سے۔ لہٰذا انھیں چاہیے کہ وہ اس گھر (کعبہ) کے رب کی عبادت کریں۔ جس نے انھیں بھوک میں کھانا کھلایا اور انھیں خوف سے امن دیا۔'' (قریش 106:1-4)

اس باب میں





گرمیوں اور سردیوں میں قریش مکہ کے تجارتی قافلوں کی آمد و رفت، وسیلہ معاش کے طور پر نبی اکرم ﷺ کی اپنے خاندانی پیشے تجارت سے وابستگی، مکہ کی باوقار مالدار خاتون سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا تجارتی کاروبار اور اس سلسلے میں حضرت محمد ﷺ کو اپنے غلام میسرہ کے ساتھ مالِ تجارت دے کر شام بھیجنا، اس سفرِ تجارت کی حیرت انگیز سرگزشت، راہب نسطورا کی پیش گوئی، بُصریٰ (شام) میں عجیب و غریب واقعات کا ظہور، اس تجارت کا زبردست نفع، ورقہ بن نوفل کی زبانی آپ ﷺ کے بارے میں بحیثیت آخری نبی ظہور کی پیش گوئی اور آپ ﷺ کے کاروباری ساتھیوں کے احوال و اقوال اس باب کی زینت ہیں۔





تجارتی سفر جو آپ ﷺ کی شادی کی نوید بن گیا

مکہ مکرمہ بے آب و گیاہ بستی تھی۔ قرآن کریم نے اسے وادی غیر ذی زرع کے نام سے موسوم کر کے اس قریۂ جلال کی پوری تصویر کھینچ دی ہے۔ وہاں کوئی زراعت تھی نہ صنعت، اس لیے وہاں کے اکثر باشندے تجارت ہی سے منسلک تھے۔ تجارت نبی اکرم ﷺ کا خاندانی پیشہ تھا۔ آپ ﷺ کے والد بھی تجارت کرتے تھے۔ ان کی وفات ملک شام کے تجارتی سفر سے واپسی کے دوران میں ہوئی تھی۔ قریش کی شام کی طرف تجارتی نقل و حرکت کی ازسرنو داغ بیل آپ ﷺ کے پردادا ہاشم بن عبد مناف ہی نے ڈالی تھی۔ ہاشم ہر سال بغرضِ تجارت شام اور فلسطین جایا کرتے تھے حتی کہ شام ہی کے سفر میں وہ غزہ (فلسطین) کے مقام پر انتقال کر گئے اور وہیں دفن ہوئے۔ قریش کے ہاں تجارت

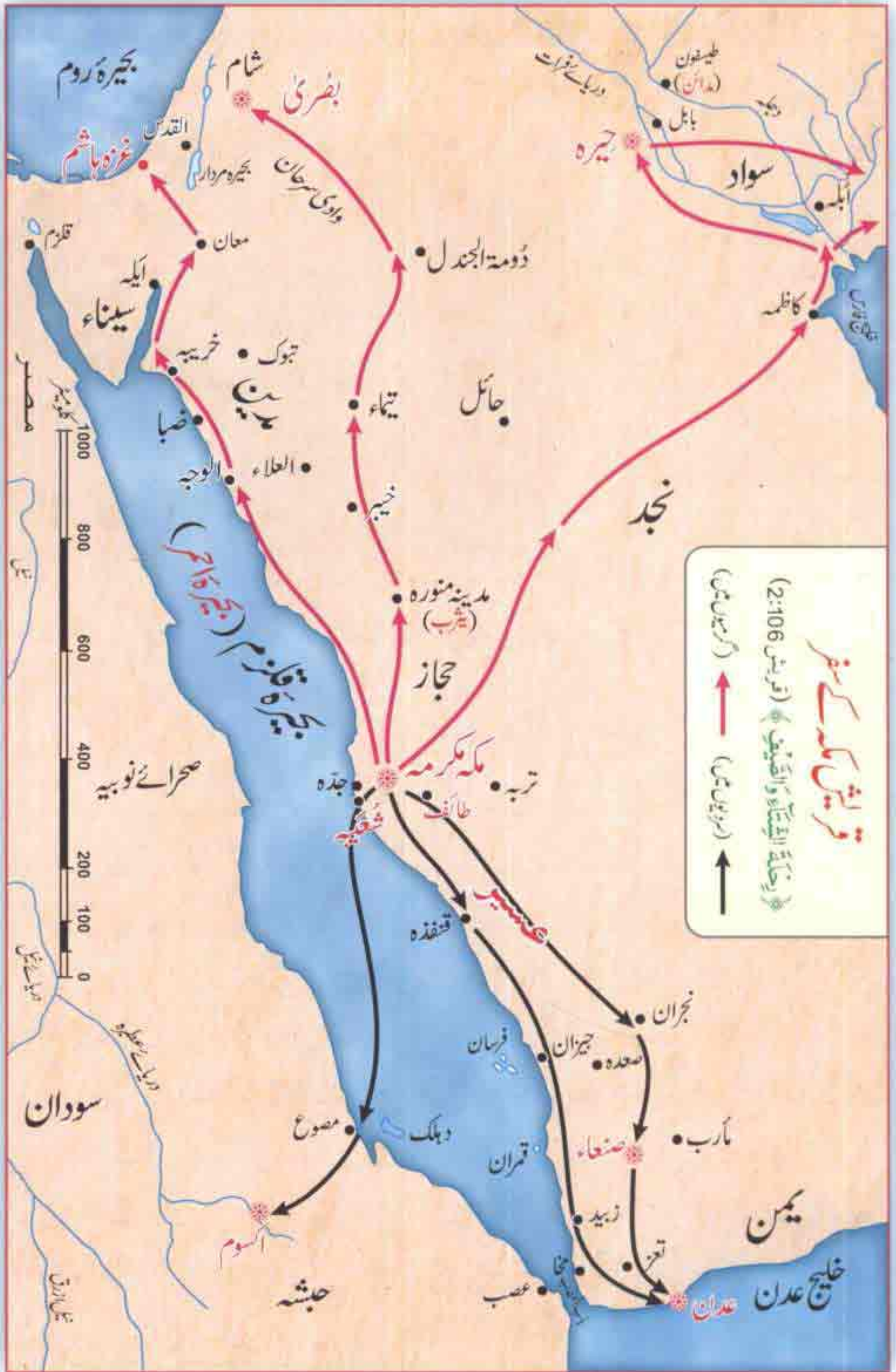


غزہ کے قدیم شہر کا منظر

کی بے حد اہمیت اور قدر و منزلت تھی۔ ان میں سے جو شخص تجارت پیشہ نہیں تھا، اس کی ان کے نزدیک کوئی خاص وقعت نہیں تھی۔ [1]

نبی کریم ﷺ نے معاش کی خاطر بالخصوص اپنے چچا جناب ابوطالب کی اقتصادی حالت کے پیشِ نظر انھیں سہارا

[1] دلائل النبوة لأبي نعيم: 173/1.



قریش کا سفر
رحلۃ الشتاء والصیف (قریش 2:106)
(گرمیوں میں)
(سردیوں میں)
بحیرۂ روم
شام
بصریٰ
القدس
غزہ ہاشم
بحیرہ مردار
بوادی سرحان
معان
قلزم
ایلہ
سیناء
دومۃ الجندل
طیسفون
(مدائن)
دریائے فرات
دجلہ
بابل
حیرہ
سواد
اُبلہ
کاظمہ
تبوک
خریبہ
مدین
تیماء
حائل
ضبا
العلاء
الوجہ
خیبر
نجد
مدینہ منورہ
(یثرب)
حجاز
بحیرۂ قلزم (بحیرۂ احمر)
مکہ مکرمہ
تربہ
جدہ
طائف
شعیبہ
صحرائے نوبیہ
عسیر
قنفذہ
نجران
جیزان
فرسان
صعدہ
سوڈان
مصوع
دہلک
مأرب
صنعاء
قمران
یمن
زبید
تعز
مخا
عصب
عدن
خلیج عدن
اکسوم
حبشہ
مصر
کلومیٹر
1000
800
600
400
200
100
0

دینے کے لیے ابتدا میں اہل مکہ کی بکریاں بھی چرائی تھیں لیکن اس مشغلے کو آپ ﷺ نے اپنا مستقل وسیلۂ معاش نہیں بنایا۔

بعدازاں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی مثالی انسانی صفات کی تکمیل تجارتی اسفار کے تجربات کے ذریعے کرائی۔ سفر ہمیشہ سے وسیلۂ ظفر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت یہ تھی کہ جس فردِ فرید کو قیامت تک دائمی نبوت سے سرفراز کرنا ہے اور جسے زمان و مکان کے ہر موڑ پر ہر شعبۂ زندگی میں تمام انسانوں کے لیے ہدایت کی روشنی فراہم کرنی ہے، وہ ہر لحاظ سے اجمل و اکمل، جامع الجہات، جامع الصفات اور جامع الحسنات شخصیت کا مالک ہوتا کہ ایک عام انسان سے لے کر بڑے سے بڑے صاحبِ منصب تک سبھی اُس کی بے داغ صداقت، بصیرت، لیاقت اور قیادت سے مستفید ہوں۔

نبی ﷺ کا شام کی طرف تجارتی سفر

یہ آپ کے اور ہمارے سامنے کی آنکھوں دیکھی بات ہے کہ عالمِ شباب میں نوجوانوں کے رویے اور رجحانات کیا ہوتے ہیں۔ انھیں کچھ نہیں سوجھتا۔ وہ اپنے وارداتِ شباب کا شکار ہوتے ہیں اور عشرتِ شباب کی سرگرمیوں میں مصروف رہتے ہیں مگر جب محمد ﷺ پر جوانی کی فصل بہار آئی تو ان کی بے داغ طہارت، متانت، بصیرت اور عظمتِ کردار دیکھ کر سب کی آنکھیں حیرت زدہ ہوگئیں۔ کوئی پکار اُٹھا کہ آپ ﷺ صادق ہیں۔ کسی نے کہا کہ آپ امین ہیں۔ کوئی بولا کہ آپ کریم ابنِ کریم ہیں۔ انھی بے مثل صفات و کمالات کے متاثرین میں مکہ کی انتہائی باوقار اور سرمایہ دار خاتون سیدہ خدیجہ بھی شامل تھیں۔ انھوں نے دیکھا کہ محمد (ﷺ) 25 برس کے ہیں۔ ان کے حُسن اور جوانی کا ماہتاب پورے جوبن کے ساتھ چمک رہا ہے۔ اُن کے درخشاں چہرے پر نہایت خوبصورت پرکشش آنکھیں ہیں مگر یہ بڑی بڑی آنکھیں بے حد شرمیلی ہیں۔ حیا کے بوجھ سے جھکی رہتی ہیں، اس کے ساتھ ساتھ آپ نہایت دیانت دار ہیں۔ آپ کے معاملات میں صفائی ہے، گفتگو میں دلربائی ہے، بصیرت میں گہرائی ہے اور کردار میں پارسائی ہے۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے کردار کی بلندی پر ریجھ گئیں، پھر انھوں نے آپ ﷺ کی خدمت میں شادی کی درخواست پیش کر دی۔ یہ معاملہ کس طرح شروع ہوا؟ آئیے یہ دلنشین سرگزشت سنیے۔

نبی اکرم ﷺ جب اپنی عمر مبارک کے پچیسویں سال میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ نے خدیجہ رضی اللہ عنہا کے غلام میسرہ کی معیت میں شام کا دوسرا تجارتی سفر کیا۔[1] اس سے پہلے آپ ﷺ نے بارہ سال کی عمر میں اپنے چچا

[1] الطبقات لابن سعد: 129/1، السیرۃ الحلبیۃ: 216/1.

ابوطالب کے ساتھ شام کا سفر کیا تھا لیکن بحیرا راہب کے اصرار پر چچا آپ کو شام لے کر نہیں گئے بلکہ انھوں نے راستے ہی سے آپ ﷺ کو واپس بھیج دیا تھا۔ [1]



مکہ میں وہ جگہ جہاں ابوطالب کا گھر تھا

سفر کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

شام کے تجارتی سفر کا سبب یہ تھا کہ نبی اکرم ﷺ کے چچا ابوطالب غریب آدمی تھے۔ معاشی طور پر چنداں مستحکم نہیں تھے۔ انھوں نے اپنے معاشی حالات کی تنگی اور غربت کے ہاتھوں مجبور ہو کر اپنے بھتیجے کو تجارت کی راہ دکھائی۔ انھوں نے کہا:

''پیارے بھتیجے! میں مالدار نہیں ہوں۔ ہمارے حالات دشوار سے دشوار تر ہو رہے ہیں۔ افلاس نے ڈیرے ڈال دیے ہیں۔ ہمارے پاس دولت ہے نہ کوئی تجارت۔ تمھاری قوم (قریش) کا قافلہ شام جانے کو تیار ہے۔ خدیجہ بنت خویلد بعض لوگوں کو قافلے کی صورت میں بھیجتی ہیں جو ان کے لیے انھی کے مال سے تجارت کرتے اور نفع کماتے ہیں۔ اگر تم ان کے پاس جاؤ اور اپنی خدمات پیش کرو تو وہ یقیناً تمھیں اس کام کے لیے منتخب کر لیں گی اور تمھیں سب پر ترجیح دیں گی کیونکہ وہ تمھاری پاکیزگی کے چرچے سے بے خبر نہیں ہیں۔ ہر چند میں تمھارا شام جانا مناسب نہیں سمجھتا۔ میں تمھارے بارے میں یہودیوں سے خائف بھی ہوں مگر اب اس (نقل و حرکت) کے سوا کوئی چارۂ کار بھی نہیں رہا۔''

رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا کی بات سن کر انتہائی حکیمانہ جواب دیا، فرمایا:

«فَلَعَلَّهَا أَنْ تُرْسِلَ إِلَيَّ فِي ذٰلِكَ»

''شاید خدیجہ خود ہی اس کے بارے میں میری طرف پیغام بھیج دیں۔''

ابوطالب کہنے لگے: مجھے خدشہ ہے کہ وہ تمھارے علاوہ کسی اور کو بھیج دیں اور تم پیچھے رہ جاؤ۔

[1] الطبقات لابن سعد: 121/1۔

رسول اللہ ﷺ اور خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مابین تجارتی معاہدہ

چچے اور بھتیجے کے مابین جو بات چیت ہوئی، اُس کی سُن گُن سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو بھی مل گئی۔ انھوں نے فوراً حضرت محمد ﷺ کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ میں آپ کی راست بازی، امانت داری اور اعلیٰ اخلاق کے پیش نظر آپ کو تجارتی سفر پر بھیجنا چاہتی ہوں اور حق خدمت کے طور پر آپ کی قوم کے دوسرے لوگوں کو جو کچھ دیتی ہوں، اس سے دُگنا معاوضہ آپ کی خدمت میں پیش کروں گی۔ آپ ﷺ نے یہ پیش کش منظور کر لی اور اپنے چچا کو اس معاملے سے آگاہ کر دیا۔ ابوطالب کہنے لگے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا رزق ہے جو اس نے آپ کے نصیب میں لکھ دیا ہے۔[1]

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بحیثیت سوداگر

خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا عالی نسب، نہایت شریف اور بہت مالدار خاتون تھیں۔ ان کے والد خویلد بن اسد تجارت پیشہ تھے۔ والد کی طرح سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بھی تجارت کی طرف خصوصی توجہ دی۔ وہ بے حد پُر وقار اور حیادار خاتون تھیں۔ اس اعتبار سے وہ خود تجارتی معاملات کے لیے کہیں آنا جانا پسند نہیں فرماتی تھیں۔ اس مقصد کے لیے وہ لوگوں کو اپنا تجارتی مال دے کر روانہ کرتیں اور انھیں منافع میں سے مناسب حصہ عطا فرماتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں خوب برکت سے نوازا۔ ان کی تجارت کا کاروبار اتنا وسیع تھا کہ صرف ان کا کاروانِ تجارت قریش کے عمومی قافلوں کے برابر ہوتا تھا۔[2]

خدیجہ رضی اللہ عنہا کی یہی دولت تھی جو حضرت محمد ﷺ کے منصبِ رسالت پر فائز ہونے کے بعد دین حنیف کی تبلیغ و ترویج کے کام آئی۔ یہ اللہ تعالیٰ ہی کا خاص کرم تھا کہ انھیں اپنے تجارتی کاروبار میں محمد بن عبداللہ (ﷺ) جیسے ''صادق و امین'' کا تعاون نصیب ہوا اور اپنی دولت کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے آپ ﷺ جیسا ''قاسم'' ملا۔

سامانِ تجارت کیا تھا؟

قریش کی سوداگری کیا تھی، وہ کیا بیچتے تھے، کیا خریدتے تھے اور کون کون سی چیزیں درآمد اور برآمد کرتے تھے؟ اس سوال کے جواب سے ہم یہ اندازہ کر سکیں گے کہ حضرت محمد ﷺ سیدہ خدیجہ کا جو سامانِ تجارت لے کر شام گئے، وہ کیا تھا؟

[1] الطبقات لابن سعد:130,129/1، دلائل النبوة لأبي نعيم:173,172/1، المنتظم: 313/2، 314. [2] الطبقات لابن سعد: 16/8، دلائل النبوة لأبي نعيم :173,172/1.

قریش کے تجارتی قافلے ہر طرف آتے جاتے رہتے تھے۔ اس نقل و حمل کے نتیجے میں وہ ہر علاقے کی مصنوعات لے آتے تھے اور اپنے ہاں کی اشیاء دوسرے علاقوں میں بیچ آتے تھے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَوَ لَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰۤى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَیْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾

''کیا ہم نے انھیں پر امن حرم میں جگہ نہیں دی جس کی طرف ہر قسم کے پھل ہماری طرف سے بطور رزق لائے جاتے ہیں؟ لیکن ان کے اکثر لوگ یہ بات نہیں جانتے۔''[1]

تجارت کا مال عموماً تین اقسام پر مشتمل ہوتا تھا:

1 مسالے، خوشبودار چیزیں، عطریات، ریشم، کتان (ایک نفیس باریک کپڑا)، زعفران، پکی کھجوریں اور منقّیٰ وغیرہ۔

2 سونا، چاندی، ہیرے، تانبے اور لوہے کے برتن۔

3 چمڑا، کھال، زین پوش، اون، ہاتھی دانت اور بھیڑ بکریاں وغیرہ۔

شام کی جانب سے زیادہ تر گندم، آٹا، زیتون کا تیل اور فنیقیہ (لبنان) کی مصنوعات بلادِ عرب میں درآمد کی جاتی تھیں۔ برآمدات میں بلادِ عرب کی پیداواری اشیاء، روغنیات، پکی کھجوریں، کیکر نما درخت قَرظ کے پتے جو چمڑا رنگنے کے کام آتے تھے، اونٹ اور دیگر جانوروں کے بال، چمڑا اور گھی وغیرہ شامل تھے۔ اس کے علاوہ طائف کا منقّیٰ بھی برآمد کیا جاتا تھا۔ مکہ کے تاجر عام طور پر یہ اشیاء سردیوں میں یمن اور گرمیوں میں شام لے جاتے تھے۔[2]

مذکورہ بالا تفصیل سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حضرت محمد ﷺ کے ذریعے سے یقیناً وہی اشیاء بیچنے کے لیے بھیجی ہوں گی جو جزیرہ نمائے عرب میں پیدا ہوتی تھیں اور جن کی شام میں مانگ تھی۔

روانگی کے لمحات

رسول اللہ ﷺ اور سیدہ خدیجہ کا تجارتی معاہدہ طے پا گیا اور وہ دن آگیا جس دن قافلے کو شام روانہ ہونا تھا۔ سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے اپنا غلام مَیسرہ آپ ﷺ کے ساتھ روانہ کیا اور اُسے تاکید فرمائی کہ ان کی حکم عدولی ہرگز نہ کرنا، نہ ان کی رائے کی مخالفت کرنا۔[3] سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے میسرہ کو آپ ﷺ کی خدمت پر اس لیے مامور کیا کہ وہ بڑا سمجھدار، تجربہ کار اور باادب کارکن تھا۔ وہ پہلے بھی شام کا سفر کر چکا تھا اور وہاں کے تجارتی مراکز سے اچھی

---

[1] القصص 28:57. [2] تاريخ المكة المكرمة: 437/1، مكة والمدينة في الجاهلية وعهد الرسول ﷺ، ص: 175 و179، تاريخ الطبري: 125/2. [3] شرف المصطفىٰ ﷺ: 408/1.

طرح آگاہ تھا۔ اس موقع پر نبی ﷺ کے چچاؤں نے قافلے والوں کو آپ ﷺ کا خاص طور پر دھیان رکھنے کی تلقین کی اور قافلہ روانہ ہو گیا۔ [1]

مکہ سے بُصریٰ تک

نبی اکرم ﷺ کے سفر کی ابتدا ذوالحجہ کے وسط میں ہوئی تھی۔ [2] یہ گرمی کا موسم تھا۔ قافلہ مدینہ کے قریب سے گزر کر خیبر، تیماء، دومۃ الجندل، وادی سرحان سے ہوتا ہوا شام کی طرف بڑھتا گیا، شام رومیوں کی وسیع سلطنت


خیبر


تیماء


دومۃ الجندل

کا حصہ تھا، رسول اللہ ﷺ میسرہ سمیت شام کے شہر ''بُصریٰ'' پہنچے۔ یہ شہر مکہ مکرمہ سے تقریباً سولہ سو کلومیٹر شمال میں ہے۔

بُصریٰ میں عجیب وغریب واقعات کا ظہور

حضرت محمد ﷺ بُصریٰ پہنچ کر ایک راہب کے گرجے کے پاس درخت کے سائے میں تشریف فرما ہوئے۔ اس راہب کا نام نسطورا یا بعض روایات کے مطابق نسطور تھا۔ نسطورا کی میسرہ سے پہلے ہی جان پہچان تھی۔ یہ راہب محمد ﷺ کو دیکھ کر چونک پڑا۔ اُس نے میسرہ سے پوچھا: ''میسرہ! اس درخت کے نیچے جو صاحب جلوہ افروز ہیں، وہ کون ہیں؟''

میسرہ نے جواب دیا: ''یہ صاحب قریش کے ایک فرد اور اہلِ حرم سے ہیں۔''

نسطورا کہنے لگا: ''اس درخت کے نیچے تو نبی کے سوا کبھی کوئی شخص اس طرح نہیں ٹھہرا۔'' پھر پوچھا: ''کیا ان کی

[1] الطبقات لابن سعد: 130/1، دلائل النبوة لأبي نعيم: 173/1، المنتظم: 314/2. [2] المواهب اللدنية: 190/1، سبل الهدیٰ والرشاد: 158/2.

آنکھوں میں سرخ ڈورے ہیں؟''

میسرہ بولا: ''جی ہاں! سرخ ڈورے تو ان کی آنکھوں میں ہر وقت جلوہ نمار ہتے ہیں۔''

نسطورا کہنے لگا: ''یہ وہی ہیں، یہ آخری نبی ہیں۔ کاش! میں انھیں اس وقت پا جاؤں جب یہ مبعوث ہوں گے۔''

میسرہ نسطورا کی باتیں غور سے سنتا رہا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ بُصریٰ کے بازار پہنچے۔ آپ اپنے سامان کا سودا کرنے لگے۔ اسی دوران ایک شخص کا سوداگری کے معاملے میں آپ ﷺ سے اختلاف ہوگیا۔ بحث وتکرار کرتے کرتے اس شخص نے اچانک آپ ﷺ سے کہا کہ آپ لات وعزیٰ (بتوں) کی قسم کھائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَا حَلَفْتُ بِهِمَا قَطُّ، وَإِنِّي لَأَمُرُّ بِهِمَا فَأُعْرِضُ عَنْهُمَا»

''میں نے کبھی ان کی قسم نہیں کھائی۔ کبھی ان کے پاس سے گزرنے کی نوبت آ بھی جاتی ہے تو میں ان کی طرف سے اپنا منہ پھیر لیتا ہوں۔''

آپ ﷺ کا یہ ارشاد سن کر اس شخص نے کہا:

''فی الواقع آپ کی بات فیصلہ کن ہے۔'' پھر وہ شخص میسرہ کو علیحدگی میں لے گیا اور راز داری سے کہنے لگا:

''واللہ! یہ نبی ہیں۔ ان کے اوصاف ہمارے اَحبار (علماء) اپنی کتابوں میں پاتے ہیں۔''

میسرہ نے اس سفر میں ایک عجیب اور غیر معمولی چیز یہ دیکھی کہ جب دوپہر ہوتی اور دھوپ کی تمازت میں شدت آجاتی تو دو فرشتے فوراً حضرت محمد ﷺ پر چھاؤں کر دیتے تھے۔ میسرہ نے یہ سارے مناظر حیرت سے دیکھے اور ذہن نشین کر لیے۔[1]

اس روایت کے مطابق انبیاء کا اس درخت کے نیچے ٹھہرنا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ جنوبی امریکہ میں ہوہوبا (JOJOBA) کا درخت نو صدیوں تک برگ و بار لاتا ہے۔ زیتون کا درخت ہزاروں سال کی عمر پاتا ہے۔ کھجور کے درخت کی عمر بھی صدیوں پر محیط ہوتی ہے۔ مزید برآں انبیائے کرام علیہم السلام سے معجزوں کا ظہور کسی بھی وقت اور کسی بھی پیرائے میں عین ممکن تھا۔ معجزے اپنے ظہور کے لیے مخصوص حالات یا لگے بندھے معمولات کے محتاج نہیں ہوتے۔ یہ قادر مطلق ہی کے منشا کے مطابق ظہور میں آتے ہیں۔[2]

[1] السيرة لابن إسحاق: 129,128/1، الطبقات لابن سعد: 130/1، دلائل النبوة لأبي نعيم: 173/1، واللفظ له. [2] دیکھیے: السيرة الحلبية: 218/1.

بھاری منافع

آپ کی تحویل میں جتنا سامان تھا، وہ سارا بُصریٰ کے بازار میں نہایت نفع بخش نرخوں پر فروخت ہوگیا۔ عام تاجر جتنا نفع کماتے تھے، آپ نے اس سے دگنا نفع کمایا۔[1] اس قدر نفع دیکھ کر میسرہ بے اختیار بول اٹھا: اے محمد! ہم تو مدت سے خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مال کی تجارت کر رہے ہیں مگر ہمیں کبھی اتنا نفع نہیں ہوا جو اس دفعہ آپ کی تشریف آوری کی وجہ سے ہوا ہے۔[2] نبیِ اکرم ﷺ کی یہ کامیابی یقیناً آپ کی برکت، کھرے معاملے، سچائی، دانائی، محنت اور معاملہ فہمی کا نتیجہ تھی۔

حضرت محمد ﷺ نے اس موقع پر ایک دانا اور دور اندیش تاجر ہونے کا ثبوت دیا۔ آپ ﷺ نے لگے ہاتھوں وہ ضروری سامان بھی خرید لیا جس کی مکہ مکرمہ میں مانگ تھی۔ بعد ازاں یہ سامان سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے مکہ میں فروخت کیا تو انھیں بھاری منافع ہوا۔[3]

شام سے واپسی

تجارتی قافلے نے بصریٰ سے واپسی کا رخت سفر باندھا۔ نبیِ اکرم ﷺ ایک کامیاب تاجر کی حیثیت سے خوش و خرم

[1] الطبقات لابن سعد: 130/1، دلائل النبوة لأبي نعيم: 173/1، 174، المنتظم: 314/2. [2] شرف المصطفىٰ ﷺ: 410/1، 411. [3] السيرة لابن إسحاق: 129/1، أسد الغابة: 261/5.



بصریٰ شام کا قدیم شہر


وادی مرالظہران

واپس تشریف لا رہے تھے۔ مکہ آتے ہوئے جب آپ ﷺ مرّالظہران پہنچے تو میسرہ تھوڑی دیر کے لیے رُکا۔ اُس نے آپ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ ہمارے قائد ہیں۔ آپ ہمارے آگے آگے چلیں۔ آپ ﷺ علیحدہ ایک سرخ اونٹ پر سوار ہو کر چل پڑے اور میسرہ سے پہلے مکہ پہنچے۔ دوپہر کا وقت تھا۔ کھلی فضا تھی۔ خاموش ہوا تھی۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اپنی سہیلیوں کے ساتھ اپنے بالاخانے پر بیٹھی تھیں۔ اچانک خدیجہ رضی اللہ عنہا کی نظر رسول اللہ ﷺ پر پڑی۔ انھوں نے دیکھا کہ حضرت محمد ﷺ عجیب شان سے مکہ میں داخل ہو رہے ہیں۔

آپ ﷺ کا اونٹ تیزی سے دوڑ رہا ہے اور دو فرشتے آپ ﷺ کے وجود اطہر پر سایہ کیے ہوئے ہیں۔ حضرت خدیجہ بہت خوش ہوئیں۔ انھوں نے یہ منظر وہاں موجود اپنی سہیلیوں کو بھی دکھایا تو وہ حیران رہ گئیں۔

سفر کی سرگزشت

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نبی ﷺ کی منتظر تھیں۔ وہ آپ سے تجارتی حساب کتاب معلوم کرنے کی خواہش مند تھیں۔ حضرت محمد ﷺ ان کے ہاں تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے شام کے تجارتی سفر میں جو کچھ کمایا تھا، وہ ان کے حوالے کر دیا۔ میسرہ ابھی تک نہیں پہنچے تھے۔ وہ آئے تو انھوں نے سفر میں جو کچھ دیکھا تھا، خدیجہ رضی اللہ عنہا سے من و عن بیان کر دیا۔ اس سرگزشت میں انھوں نے نسطورا راہب سے ملاقات اور اس کی بشارت اور جھگڑا کرنے والے شخص کی پیش گوئی کا واقعہ بھی سنا دیا۔ سیدہ خدیجہ نے میسرہ کی باتیں بڑے انہماک سے سُنیں۔ انھیں یہ دیکھ کر حیرت انگیز مسرت ہوئی کہ ان کے سابق تجارتی ایجنٹ جتنا منافع لا کر دیتے تھے، محمد رسول اللہ ﷺ نے ان کے برعکس دوگنا منافع پیش کیا ہے، چنانچہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ کو طے شدہ معاوضے سے بھی بڑھ کر معاوضہ پیش کر دیا۔ [1]

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ورقہ بن نوفل کی خدمت میں

سیدہ خدیجہ کو اپنے غلام میسرہ کی زبانی سفر کی سرگزشت سن کر رسول اللہ ﷺ کے عظیم کردار اور حسنِ معاملہ کے علاوہ آپ کے علوِ مرتبت کا علم ہوا تو وہ بے حد متاثر ہوئیں۔ وہ آپ ﷺ کے احوال و آثار سنانے کے لیے اپنے عہد

1 الطبقات لابن سعد: 131,130/1، المنتظم: 314/2، سبل الهدٰى والرشاد: 160,159/2۔

کے نامور مسیحی عالم ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں۔ ورقہ بن نوفل سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچازاد تھے۔ وہ آسمانی کتابوں کے عالم تھے۔ یہ کتابیں اگرچہ تحریف شدہ تھیں لیکن ان میں آخری پیغمبر کی بشارتیں اور نشانیاں واضح طور پر موجود تھیں۔

آخری نبی کے بارے میں ورقہ بن نوفل کا اعلان

جب فضا خاموش ہوتی ہے اور ٹھنڈی ہوا کے جھونکے دم بدم آنے لگتے ہیں تو کسان ان جھونکوں کو سونگھتے ہی بتادیتے ہیں کہ اب بادل آئیں گے، بارش ہوگی اور زمین جل تھل ہوجائے گی۔ جزیرۃ العرب کی بھی یہی حالت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے اپنے بندوں کو کفر وشرک، ظلم وغارت گری، خونریزی اور آخرت کے عذاب الیم سے بچانے کے لیے صراط مستقیم دکھانے کا اہتمام فرمایا اور آخری رسول حضرت محمد ﷺ کی نبوت کے اظہار واعلان سے پہلے ہی طرح طرح کی نشانیاں دکھانی شروع کردیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ورقہ بن نوفل کو شام میں حضرت محمد ﷺ پر بیتے ہوئے حیرت انگیز واقعات بتائے اور نسطورا راہب کے یہ الفاظ خاص طور پر سنائے کہ جس درخت کے نیچے محمد (ﷺ) تشریف فرما ہیں، وہاں تو بس نبی ہی ٹھہر سکتا ہے۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ دو فرشتے اُن پر سایہ کیا کرتے تھے۔ یہ باتیں سن کر ورقہ بن نوفل فوراً بول اُٹھے:

''خدیجہ! جو کچھ تم نے بیان کیا، اگر یہ سچ ہے تو یقیناً محمد (ﷺ) اس امت کے نبی ہیں۔ میں پہلے ہی جانتا تھا کہ اس امت میں ایک نبی آنے والا ہے جس کا انتظار ہورہا ہے، یہ اُسی (کی بعثت) کا زمانہ ہے۔'' [1]

رسول اللہ ﷺ کے دیگر تجارتی سفر

نبی اکرم ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا سامانِ تجارت بیچنے کے لیے سفرِ شام کے علاوہ اور بھی کئی سفر کیے۔

آپ ﷺ نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مال لے کر دو دفعہ ''جُرَش'' کا سفر کیا۔ [2] جُرَش یمن کا بہت پرانا شہر تھا۔ یہ پانچویں چھٹی صدی ہجری تک آباد تھا۔ آج کل اس کے کھنڈر سعودی عرب کے صوبہ عسیر میں کوہِ سراۃ کے مشرق میں واقع خمیس مشیط اور ابہاء کے مغرب میں پائے جاتے ہیں۔ ابتدائی عہد اسلام میں جرشِ یمن منجنیق اور دبّابے کی صنعت کے لیے مشہور تھا، چنانچہ



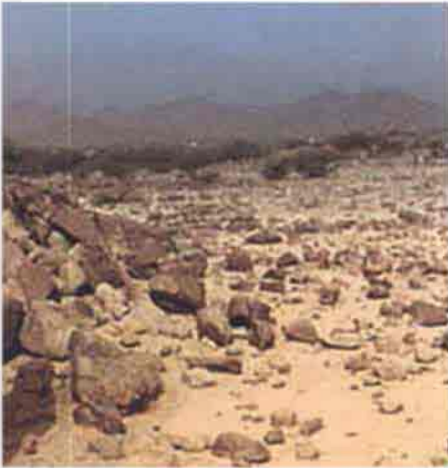
سعودی عرب میں قدیم شہر جرش کے کھنڈر

[1] السیرۃ لابن ہشام: 191/1. [2] المستدرک للحاکم: 182/3، السلسلۃ الضعیفۃ: 675,674/3، حدیث: 1483.

نبی ﷺ کے دیگر تجارتی سفر

جرش یمن ■ حباشہ (یمامہ) ■ بحرین ■

نبی ﷺ کے حکم پر حضرت خالد بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ جُرش سے ایک دبابہ لائے تھے جسے محاصرۂ طائف میں استعمال کیا گیا۔ نبی کریم ﷺ کے آخری ایام میں جُرش ایک صلح نامے کے ذریعے اسلامی مقبوضات میں شامل ہوا۔ یہ چمڑے (ادیم جُرشی) اور ناقہ جُرشیہ کے لیے مشہور تھا۔ نبی ﷺ نے ایک خط کے ذریعے اہل جرش کو منقّی اور کھجور کی آمیزش سے منع فرمایا۔ [1]



تہامہ میں حباشہ نامی بازار کے کھنڈر

رسول اللہ ﷺ کاروباری سلسلے میں نواحِ مکہ میں تہامہ کے ''حباشہ'' نامی بازار بھی گئے۔ [2]

حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو حباشہ کے بازار میں دیکھا تھا اور آپ سے میں نے تہامہ کا ایک کپڑا بھی خریدا تھا۔'' [3] اس موقع پر آپ ﷺ کے ساتھ قریش کا ایک اور آدمی بھی تھا۔ [4] حُبَاشہ کے لفظی معنی ''جمع ہونا'' ہیں۔ یہ عرب کا مشہور بازار تھا جو تہامہ میں بنو بارق کے علاقہ وادیِ قنونا میں منعقد ہوتا تھا۔ یہ مکہ سے یمن جانے والے راستے پر رجب کے ابتدائی آٹھ دنوں میں لگتا تھا۔ 197ھ/812ء تک یہ بازار لگتا رہا۔ [5]

عام الوفود (9ھ) میں بحرین سے آنے والے وفد عبدالقیس سے گفتگو فرماتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے اس علاقے کے مختلف مقامات کے نام لیے۔ اس وفد میں اشج عبدالقیس رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ وہ اپنی قوم کے سردار تھے۔ انھوں نے حیرت سے کہا: ''اے اللہ کے رسول! آپ پر میرے ماں باپ قربان! آپ تو ہمارے علاقوں کے نام ہم سے بھی زیادہ جانتے ہیں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: «إِنِّي قَدْ وَطِئْتُ بِلَادَكُمْ» ''تمھارا علاقہ میرا دیکھا بھالا ہے۔'' [6] اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے بحرین کا بھی سفر کیا تھا۔

یہاں ہم آپ کو یہ بتاتے چلیں کہ سعودی عرب کا مشرقی ساحلی علاقہ، جو ان دنوں الاحساء (الحساء) کہلاتا ہے، عہد نبوی میں اسے البحرین کہا جاتا تھا۔ یاقوت حموی کے بقول ''بحر ہند (خلیج فارس) کے ساحل پر بصرہ سے لے کر عُمان تک تمام علاقہ بحرین کہلاتا ہے۔'' صحیح بخاری (حدیث:892) میں ہے کہ مسجد نبوی کے بعد سب سے پہلا جمعہ بحرین

[1] مسند أحمد:1/224، اردو دائرۂ معارف اسلامیہ :7/168، معجم البلدان، مادة: جرش، وکی پیڈیا انسائیکلو پیڈیا [2] دلائل النبوة للبيهقي:2/68. یہ روایت ضعیف ہے۔ [3] معجم ما استعجم :2/418. [4] تاريخ الطبري :2/36,35. [5] معجم البلدان، مادة: حباشة، معجم ما استعجم:2/418. [6] مسند أحمد:3/432.

بحرین کی ایک بستی جواثی میں مسجد عبدالقیس

کی ایک بستی جواثی کی مسجد عبدالقیس میں ادا کیا گیا۔ بحرین کا حکمران منذر بن ساویٰ ایران وعراق کی ساسانی سلطنت کا باجگزار تھا۔ اس نے 6 یا 8 ھ میں سفیر نبوت علاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا تھا۔ 9 ھ میں نبیِ کریم ﷺ نے وفدِ عبدالقیس کے سربراہ منذر بن عائذ عرف اشج سے گفتگو کرتے ہوئے الصفا، المشقر، ہجر اور بحرین کی دیگر بستیوں کے نام لیے تھے۔ ایرانی عہدِ حکومت میں بحرین کا عرب امیر ایرانی گورنر (مرزبان) کے ماتحت ہوا کرتا تھا جو ہجر بلکہ اس کے متصل قلعہ مشقر میں رہتا تھا۔ عہد نبوی میں یہاں کا مرزبان سیبُخت تھا۔ اس نے امیر منذر کے ساتھ ہی اسلام قبول کر کے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت قبول کر لی تھی۔ نبی ﷺ کی وفات کے بعد حیرہ کے شاہی خاندان کے ایک فرد الغرور (منذر بن نعمان) نے ہجر میں علم بغاوت بلند کیا جسے حضرت علاء رضی اللہ عنہ نے زیر کر لیا۔


دارین کی بندرگاہ

913-14ء میں ابوسعید قرمطی نے ہجر فتح کر لیا۔ یاد رہے بعض اوقات اس پورے علاقے کو ہجر یا الھجر کہہ دیتے تھے۔ بقول یاقوت حموی بحرین کی بندرگاہ دارین میں ہندوستان سے کستوری پہنچتی تھی۔ دارین سعودی شہر القطیف کے مشرق میں جزیرہ نما تاروت پر واقع ہے۔

آج کی مملکت بحرین خلیج عربی (خلیج فارس) کے اندر سعودی عرب اور قطر کے مابین واقع جزائر کا مجموعہ ہے جن میں سب سے بڑا جزیرہ بحرین ہے جو ماضی میں اُوال اور ماضی قدیم میں دلمون کہلاتا تھا۔ مملکت بحرین کا رقبہ 598 مربع کلومیٹر ہے۔ اس کا دارالحکومت منامہ ہے۔ جزیرہ بحرین ایک طویل



بحرین کو سعودی عرب سے ملانے والا طویل پل

پل کے ذریعے سے سعودی عرب کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ کتاب سیف کے حوالے سے معجم البلدان میں ''دارین'' کے زیرِ عنوان لکھا ہے: ''مسلمانوں نے علاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ کے ساتھ دارین البحر (جزیرہ بحرین) پر یلغار کی۔ وہ اس خلیج (فارس) کو اللہ کے کرم سے پار کر گئے۔ وہ اور اُن کے اونٹ زیرِ آب نرم سمندری ریت پر بڑی آسانی اور روانی سے چل رہے تھے۔ ساحل اور دارین البحر کے درمیان بعض حالات میں ایک دن رات کا سفر ہے۔ لڑائی میں انھوں نے جو کفار قتل اور گرفتار کیے، ان میں سے سوار سات ہزار اور پیدل دو ہزار تھے۔''

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے یاقوت حموی کہتے ہیں کہ ''یہ ذکر (ساحلِ عرب پر واقع شہر دارین کا نہیں) اُوال کا ہے جو آج البحرین کا سب سے مشہور شہر ہے اور شاید اس وقت اس کا نام اُوال و دارین ہوگا۔ یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں 12 ھ میں فتح ہوا۔'' جہاں تک بحرین (الاحساء) کا تعلق ہے جب علاء بن عبداللہ بن عماد الحضرمی رضی اللہ عنہ کی دعوت پر منذر بن ساویٰ اور مرزبان سیبخت دونوں اسلام لے آئے تو ان کے ساتھ ہی تمام عربی اور بعض عجمی باشندوں نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ عربوں، مجوسیوں اور یہود و نصاریٰ سب نے صلح نامہ تسلیم کر لیا۔ علاء رضی اللہ عنہ نے بحرین سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو مال بھیجا، اس کی مالیت اسی ہزار (دینار) تھی۔ بعد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابان بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کو حاکم بحرین مقرر فرمایا۔ پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اہل بحرین کی درخواست پر علاء رضی اللہ عنہ کو دوبارہ بحرین کا حاکم بنا دیا۔ وہ 20 ھ میں اپنی وفات تک اس عہدے پر فائز رہے۔[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاروباری ساجھی

صنعت و تجارت کے مختلف شعبوں میں اکثر لوگ مشترکہ طور پر سرمایہ لگا کر ساجھے کاری (Partnership) کی بنیاد پر کاروبار کرتے ہیں۔ اکثر اوقات اس کے جو افسوسناک نتائج سامنے آتے ہیں، وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔

[1] مسند أحمد: 432/3، معجم البلدان، مادة: البحرين و مادة: دارين، موسوعة العالم الإسلامية، ص: 68، اردو دائرۂ معارف اسلامیہ: 86,85/4 و 114,113/2.

معلم انسانیت حضرت محمد ﷺ نے اس گوشے میں بھی اپنے عمل مبارک سے ہمارے لیے رہنمائی کی قندیل روشن کر دی ہے۔ دیکھیے شراکت کے کاروبار میں رسول اللہ ﷺ کے نقوش عمل کیسے تھے۔

بعثت سے پہلے رسول اللہ ﷺ کے کاروباری شریکوں کے متعلق مختلف روایات ہیں۔ سائب بن ابی سائب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: فتح مکہ کے دن مجھے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اور نبی اکرم ﷺ کی پھوپھی عاتکہ کے بیٹے، ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے بھائی زہیر بن ابی امیہ بن مغیرہ مخزومی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ اس موقع پر لوگ میری تعریف کرنے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا تُعَلِّمُونِي بِهِ قَدْ كَانَ صَاحِبِي فِي الْجَاهِلِيَّةِ»

”(میں ان سے خوب واقف ہوں) تم مجھے ان کے بارے میں (کچھ) نہ بتاؤ۔ یہ تو زمانۂ جاہلیت میں میرے (کاروباری) ساجھی تھے۔“

سائب بولے: جی ہاں، اللہ کے رسول! آپ نے بجا فرمایا، یقیناً ایسا ہی ہے۔ آپ کتنے اچھے ساتھی تھے! یہ جواب سن کر رسول اللہ ﷺ نے فوراً فرمایا:

«يَاسَائِبُ! أُنْظُرْ أَخْلَاقَكَ الَّتِي كُنْتَ تَصْنَعُهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ، فَاجْعَلْهَا فِي الْإِسْلَامِ، أَقْرِ الضَّيْفَ، وَأَكْرِمِ الْيَتِيمَ، وَأَحْسِنْ إِلَى جَارِكَ»

”اے سائب! اپنے دور جاہلیت کے حُسنِ اخلاق پر غور کرو اور اسے اسلام میں بھی جاری رکھو۔ مہمانوں کی مہمان نوازی کرو، یتیموں کی عزت کرو اور اپنے ہمسائے سے حسنِ سلوک کرو۔“ [1]

سنن ابو داود اور مسند احمد کی ایک اور روایت میں ہے کہ سائب بن ابی سائب رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کے بارے میں فرمایا کہ آپ میرے کاروباری ساتھی تھے اور کیا خوب ساتھی تھے۔ آپ میں مخالفت کرنے اور لڑنے جھگڑنے والی کوئی بات ہی نہیں تھی۔ [2]

ایک اور روایت میں ہے کہ سائب بن ابی سائب رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے اظہارِ مسرت کرتے ہوئے ان سے فرمایا:

[1] مسند أحمد:425/3. اس میں سائب بن عبداللہ درج ہے۔ جبکہ امام ابن کثیر نے انھیں سائب ابوعبداللہ قرار دیا ہے کیونکہ یہ عبداللہ بن سائب کے والد سائب بن ابی سائب رضی اللہ عنہ تھے۔ (جامع المسانید:27,26/5، مزید دیکھیے: الإصابة:19,18/3) [2] سنن أبي داود: 4836، مسند أحمد:425/3.

«مَرْحَبًا بِأَخِي وَشَرِيكِي، كَانَ لَا يُدَارِي وَلَا يُمَارِي»

''اپنے بھائی اور کاروباری ساتھی کو خوش آمدید! یہ کبھی مخالفت کرتا تھا نہ لڑائی جھگڑا۔''[1]

امام مجاہد بن جبر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ سائب مخزومی کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہما نے مجھے غلامی سے نجات دلائی تھی۔ انھوں نے بتایا کہ میں جاہلیت میں رسول اللہ ﷺ کا شریک کار تھا۔ جب میں مدینہ منورہ پہنچا اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: «تَعْرِفُنِي؟» ''کیا تم مجھے پہچانتے ہو؟'' میں نے عرض کی: ''جی ہاں! ہم اکٹھے کام کرتے رہے ہیں۔ آپ کتنے اچھے کاروباری ساتھی ثابت ہوئے۔ آپ نے کبھی کوئی لڑائی جھگڑا ہی نہیں کیا۔''[2]

ان روایات میں سائب بن ابی سائب اور ان کے بیٹے عبداللہ بن سائب رضی اللہ عنہما دونوں کے رسول اللہ ﷺ کے کاروباری ساتھی ہونے کا ذکر ہے۔ علامہ ضیاء مقدسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ممکن ہے کہ باپ بیٹے دونوں ہی نے اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ کاروباری شراکت کی ہو اور آپ نے الگ الگ موقع پر ان دونوں کی تعریف کی ہو یا انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں اچھے تاثرات بیان کیے ہوں، اس لیے کہ سائب بن ابی سائب رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ وہ فتح مکہ کے موقع پر آئے جبکہ عبداللہ بن سائب رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ وہ مدینہ منورہ گئے تو سائب رضی اللہ عنہ کا قصہ اپنے بیٹے کے قصے سے مختلف ہوا۔ جو شخص کسی کا کاروباری شریک ہو، اُس کے بیٹے کی بھی اپنے والد کے ساتھ کاروبار میں معاونت اور شراکت کوئی ناممکن بات نہیں۔ واللّٰہ أعلم.[3]

علاوہ ازیں بعض دیگر روایات میں ایک اور صحابی قیس بن سائب رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی ہے کہ وہ نبی ﷺ کے کاروباری شریک تھے۔[4] یہ سائب بن ابی سائب صیفی رضی اللہ عنہ کے بیٹے نہیں تھے بلکہ سائب بن عویمر کے بیٹے تھے۔[5] ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ کی کاروباری شراکت والی روایت میں بہت اضطراب ہے۔ اس سے کسی کی تخصیص نہیں ہوتی اور نہ کسی کے لیے کوئی حجت قائم ہوتی ہے۔[6]

[1] الأحاديث المختارة: 397/9. [2] الأحاديث المختارة: 397/9. [3] الأحاديث المختارة: 398/9. [4] المعجم الكبير للطبراني: 363/18، معجم الصحابة للبغوي: 9/5. [5] الجمهرة لابن حزم، ص: 141. [6] الاستيعاب لابن عبدالبر، ص: 299، مزید دیکھیے: علل الحديث لابن أبي حاتم: 127,126/1، أسد الغابة: 606/2، الإصابة: 359,358/5، نصب الراية للزيلعي: 722,721/3، السيرة الحلبية: 223,222/1، الروض الأنف: 172,171/3 و 182. مذکورہ بالا روایات میں اضطراب اس امر کے بارے میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے شریکِ تجارت کا نام سائب تھا یا عبداللہ بن سائب، یا قیس بن سائب بن عویمر؟ ایسا نہیں ہے کہ شراکت کا واقعہ ہی مضطرب ہے۔ ابن ابی خیثمہ نے قیس بن سائب رضی اللہ عنہ کی روایت کو ترجیح دی ہے جیسا کہ ان کے احوال میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے۔ دیکھیے: (الإصابة: 359,358/5)

رسول اللہ ﷺ کی پہلی شادی

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے محمد ﷺ کی خدمت میں پیغامِ نکاح، تقریبِ نکاح میں ابوطالب کا دلآویز خطبہ، حق مہر اور ام المومنین کی طرف سے نبی ﷺ کی خدمت میں شاندار تحائف کا مسرت بخش تذکرہ

النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ ۖ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ

”نبی (ﷺ) مومنوں پر ان کی (اپنی) جانوں سے زیادہ حق رکھتے ہیں اور نبی (ﷺ) کی بیویاں
ان کی مائیں ہیں۔“ (الأحزاب 6:33)

اس باب میں

سیدنا محمد رسول اللہ (ﷺ) کے عنفوان شباب کی پچیسویں بہار، قبائل کی آپ سے شرف قرابت کی تمنا، سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی پسندیدگی اور اپنی سہیلی نفیسہ کے ذریعے آپ کی خدمت میں پیغامِ نکاح، نبی کریم ﷺ کا اپنے چچاؤں سے مشورہ اور پیغام نکاح کی منظوری، سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا نسب، نکاح کے موقع پر زوجین کریمین کی عمر، تقریب نکاح، سرپرست نکاح، نکاح خواں اور حق مہر کی مقدار کے علاوہ زیر نظر باب میں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں تحفے پیش کرنے، علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی کفالت اور حلیمہ سعدیہ سے مثالی سلوک جیسے واقعات کا ذکرِ جمیل تفصیل سے موجود ہے۔

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح

انسان بالغ ہوجاتا ہے تو فطرت، سماج اور اعلیٰ اخلاقی اقدار کی رُو سے شادی ضروری ہو جاتی ہے۔ محسن انسانیت حضرت محمد ﷺ کی زندگی کا ایک نہایت حسین اور سبق آموز پہلو آپ کی ازدواجی زندگی ہے۔ آپ عمر مبارک کی 25 بہاریں دیکھ چکے تھے مگر ابھی تک شادی نہیں کی تھی۔ آپ ﷺ کی ذاتِ بابرکات سے رفاقت کا رشتہ جوڑنے کا اولین اعزاز جس خوش نصیب خاتون کے حصے میں آیا، وہ ام المؤمنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ یہ شادی کس طرح ہوئی؟ یہ بڑی دلچسپ سرگزشت ہے۔ آیئے، سنیے۔

اس شادی کا اہم واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سیدہ خدیجہ کی طرف سے سونپی گئی تجارتی ذمہ داریاں بڑے وقار اور خودداری سے ادا کر رہے تھے۔ اسی تجارتی دھندے میں آپ ﷺ کے اعلیٰ کردار کا آفتاب چمکا تو سیدہ خدیجہ کو آپ کے جمال وکمال کی آشنائی نصیب ہوئی۔ سیدہ آپ ﷺ کی عظمت و وجاہت کی معترف ہوگئیں، انھوں نے فوراً اپنی ایک سہیلی نفیسہ کو بلایا، آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا اور نکاح کی آرزو مندی کا پیغام دے دیا۔ گویا اس شادی میں آپ ﷺ طالب نہیں، مطلوب تھے۔ محبّ نہیں محبوب تھے۔ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا آیا ہے۔ چراغ کو جہاں بھی رکھ دیا جاتا ہے، وہ روشنی دیتا ہے اور اندھیروں کو نابود کر دیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ اپنے گھر میں تھے تو تنگ دست چچا کو سہارا دینے کے لیے بکریاں چراتے تھے اور چچا کے کام آتے تھے۔ چراگاہ جاتے تھے تو بکریاں چرانے والے دوسرے ساتھیوں کے آرام و راحت کا خیال رکھتے تھے۔ آپ سیدہ خدیجہ کے ایوان تجارت میں پہنچے تو انھیں اپنے پاکیزہ کردار، دیانت، محنت اور معاملہ فہمی سے مسخر کر لیا۔

قارئین کرام! آپ کو عظمت اور کامیابی کے راستے پر بڑھنے سے کس نے روکا ہے؟ آپ بھی رسول اللہ ﷺ کی اعلیٰ صفات اپنایئے اور ہر طرح کی کامیابیاں حاصل کر لیجیے۔

رسول اللہ ﷺ کے سفرِ شام میں آپ کی جو بے مثل خوبیاں آشکار ہوئیں، وہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی آپ ﷺ سے شادی ہوجانے کا وسیلہ بن گئیں۔ یہ شادی بہت کامیاب اور نہایت بابرکت ثابت ہوئی۔ ام المؤمنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے

قائد انسانیت نبی مکرم ﷺ سے رفاقت کا حق اتنے احسن طریقے سے ادا کیا کہ ان کی یاد رسالت مآب ﷺ کے حافظے میں آخر دم تک جگمگاتی رہی۔

اس پہلی شادی کے وقت آپ ﷺ نبوت کے وقیع منصب پر فائز نہ تھے، پھر بھی آپ کی تقریبِ نکاح لغو اور بے ہودہ رسم و رواج سے پاک تھی کیونکہ آپ کی ازدواجی زندگی قیامت تک بنی نوع انسان کے لیے ایک مثال بننے والی تھی۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے کسی قسم کے تکلفات کا بالکل کوئی اہتمام نہ کیا۔ نکاح پہلے تمام انبیاء علیہم السلام کی سنت رہا ہے، لہٰذا آپ بھی زندگی کے اس اہم فریضے سے عہدہ برآ ہوئے۔ یہ اس امر کا ثبوت ہے کہ آپ بہر حال ایک مثالی انسان تھے۔

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا نسب

محترم قارئین! آپ نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے شوہر گرامی قدر ﷺ کی عظمتوں اور رفعتوں کا حال پڑھا ہے اور آیندہ بھی پڑھیں گے۔ اب آگے چلتے چلتے تھوڑی دیر کے لیے یہاں رک جائیے اور سید الانبیاء محمد ﷺ کی پہلی دلہن سیدہ خدیجہ کے نامور بزرگوں کی فہرست پر بھی ایک نظر ڈال لیجیے۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا نسب نامہ یوں ہے:

خدیجة بنت خُوَیلد بن أسد بن عبدالعُزّٰی بن قُصَيّ بن كِلاب بن مُرَّة بن كَعْب بن لُؤَيّ بن غالب بن فِهْر الأسدية القرشية.

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی والدہ فاطمة بنت زائدة بن الأصمّ (جندب) بن هَرِم (هِدْم) بن رَوَاحة بن حَجَربن عبد بن مَعِيص بن عامر بن لؤيّ بن غالب بن فِهْر العامرية القرشية تھیں۔[1]

حضرت خدیجہ کا نسب چوتھی پشت (قصی) پر جا کر رسول اللہ ﷺ کے نسب سے مل جاتا ہے۔ یہ سلسلۂ نسب ایسا مایۂ ناز اور قابلِ رشک ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسی سے آخری نبی ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی اسی سلسلۂ نسب کی دختر بلند اختر تھیں جو بلاشبہ نہایت پاکیزہ، باعظمت اور باوقار تھا۔ قصی کی نسل سے آپ ﷺ کے عقد میں آنے کا شرف صرف ام المومنین سیدہ خدیجہ اور سیدہ ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا کے حصے میں آیا۔[2]

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے ان کے دوسرے خاوند ابوہالہ تمیمی کے بیٹے ہند کی وجہ سے ان کی کنیت اُمّ ہند تھی۔[3]

---

[1] أسد الغابة :260/5،السيرة لابن هشام :187/1، الطبقات لابن سعد : 14/8، الروض الأنف :327/1، الاستيعاب، ص:874. [2] فتح الباري:168/7. [3] الطبقات لابن سعد:19/8.

سیدہ خدیجہ ﷞ عفت وحمیت اور طہارت و نظافت کا پیکر تھیں۔ اُن کی پاکیزہ سیرت کی وجہ سے زمانۂ جاہلیت میں بھی اُنھیں ''طاہرہ'' کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔[1] انھیں سَيِّدَةُ نِسَاءِ قُرَيْشٍ ''سربراہِ خواتینِ قریش'' بھی کہا جاتا تھا۔[2]

خدیجہ ﷞ کی ولادت

سیدہ خدیجہ ﷞ کی ولادت مکہ مکرمہ کے بڑے بلند مرتبہ گھرانے میں ہوئی۔ ان کے بھتیجے حکیم بن حزام بن خویلد ﷜[3] فرماتے تھے: ''خدیجہ ﷞ مجھ سے دوسال بڑی تھیں۔ وہ واقعۂ اصحابِ فیل سے پندرہ برس پہلے (556ء میں) پیدا ہوئیں۔ میں اس واقعے سے تیرہ سال پہلے (558ء میں) پیدا ہوا۔''[4]

سیدہ خدیجہ ﷞ کے والد اپنی قوم میں اعلیٰ مرتبے کے انسان تھے۔ مکہ معظمہ ہی میں رہتے تھے۔ انھوں نے بنوعبدالدار بن قصی سے باہمی تعاون کا معاہدہ کر رکھا تھا۔[5]

سیدہ خدیجہ ﷞ کی سابق ازدواجی زندگی

رسول اللہ ﷺ سے شادی سے پہلے سیدہ خدیجہ ﷞ کی دو شادیاں ہوچکی تھیں۔ پہلے ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبدالعزیٰ سے ان کے رشتے کی بات چلی لیکن شادی نہ ہوسکی،[6] چنانچہ خدیجہ ﷞ کی پہلی شادی ورقہ بن نوفل کے بجائے عتیق بن عابد بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم سے ہوئی۔ بعض مؤرخین نے عابد اور بعض نے عائذ لکھا ہے۔ محقق شعیب الارناؤط لکھتے ہیں کہ یہ عابد ہی ہے جیسا کہ بہت سے محققین نے اسے ضبط کیا ہے۔ زبیر بن بکار نے کہا ہے کہ جو عمر بن مخزوم کی اولاد میں سے تھا، وہ عابد تھا اور جو اُن کے بھائی عمران بن مخزوم کی اولاد میں سے تھا، وہ عائذ تھا جیسا کہ الإکمال لابن ماکولا :1/6 اور تبصیر المنتبه لابن حجر :887/3 میں ہے۔ اسی عابد کو غلطی سے عائذ لکھ دیا گیا ہے۔[7]

عتیق بن عابد کی وفات کے بعد ابوہالہ بن زُرارہ بن نبّاش اُسَیدی (اَسدی) تمیمی سے سیدہ خدیجہ کی شادی ہوئی۔ وہ بھی فوت ہوگئے۔[8] پھر سیدہ خدیجہ ﷞ کی تیسری شادی نبی کریم ﷺ سے ہوئی۔

بعض اہلِ سیر نے، جن میں ابن عبدالبر ؒ بھی ہیں، ابوہالہ کو سیدہ خدیجہ ﷞ کا پہلا اور عتیق بن عابد کو دوسرا

[1] فتح الباري : 168/7، أسد الغابة : 260/5. [2] تاريخ دمشق الكبير : 14/66، الروض الأنف : 327/1. [3] الجمهرة لابن حزم، ص : 121,120. [4] الطبقات لابن سعد : 17/8. [5] الطبقات لابن سعد : 14/8. [6] الطبقات لابن سعد : 14/8. [7] سير أعلام النبلاء (حاشية) : 111/2. [8] أسد الغابة: 260/5، فتح الباري : 168/7.

شجرۂ طیبہ امام الانبیاء (صلی اللہ علیہ وسلم)
اور
ام المؤمنین سیدہ خدیجہ (رضی اللہ عنہا)

فہر (قریش)
غالب
لؤی
کعب
مرہ
کلاب
قصی
عبد مناف
ہاشم
عبدالمطلب
عبداللہ

عامر
معیص
عبد
حجر
رواحہ
ہرم (ہرم)
الاصم (جندب)
زائدہ
فاطمہ
(خدیجہ رضی اللہ عنہا کی والدہ)

عدی
نفیل
خطاب
عمر رضی اللہ عنہ
حفصہ رضی اللہ عنہا

زہرہ
عبد مناف
وہب
آمنہ
(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ)

تیم
ابوقحافہ رضی اللہ عنہ
ابوبکر رضی اللہ عنہ
عائشہ رضی اللہ عنہا

یقظہ
مخزوم
ابوامیہ
ام سلمہ رضی اللہ عنہا

عبدالعزیٰ
اسد
خویلد
نوفل
ورقہ
خدیجہ رضی اللہ عنہا

عبد شمس
امیہ
حرب
ابوسفیان رضی اللہ عنہ
ام حبیبہ رضی اللہ عنہا

ابوہالہ سے اولاد
ہند رضی اللہ عنہ
ہالہ رضی اللہ عنہ
حارث رضی اللہ عنہ
طاہر رضی اللہ عنہ

عتیق بن عائذ سے اولاد
ہند
محمد
(ابوالطاہر)

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خدیجہ رضی اللہ عنہا کی اولاد
قاسم رضی اللہ عنہ
عبداللہ رضی اللہ عنہ
زینب رضی اللہ عنہا
رقیہ رضی اللہ عنہا
ام کلثوم رضی اللہ عنہا
فاطمہ رضی اللہ عنہا

مآخذ: الأطلس التاريخي لسيرة الرسول * معجم قبائل العرب * أسد الغابة * معجم ما استعجم * كتاب الشجرة الزكية

خاوند بتایا ہے۔[1] لیکن بعض اربابِ تحقیق نے لکھا ہے کہ سیدہ خدیجہ کے پہلے شوہر عتیق بن عابد ہی تھے۔[2]

سیدہ خدیجہ ﷞ کی پہلے شوہروں سے اولاد

سیدہ خدیجہ ﷞ کے پہلے دونوں شوہروں سے بچوں کی کل تعداد پانچ ہے۔ اس کی تفصیل اس طرح ہے: عتیق بن عابد مخزومی سے سیدہ خدیجہ کی ایک بیٹی تھی۔ اُس کا نام ہند اور کنیت ام محمد تھی۔ اس کی شادی اپنے چچا زاد صیفی بن امیہ بن عابد سے ہوئی۔ وہ غزوۂ بدر میں کفر کی حالت میں مرگیا۔ ان کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا۔ اس کا نام انھوں نے محمد رکھا۔ اسی محمد کی اولاد کو حضرت خدیجہ کی طرف نسبت کی وجہ سے ''بنو الطاہرۃ'' کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔[3]

دوسرے خاوند ابوہالہ کے چار بیٹے تھے۔ ان کے نام بالترتیب ہند، ہالہ، حارث اور طاہر تھے۔ یہ سب نہایت سعادت مند تھے اور سب کے سب شرفِ صحابیت سے مشرف ہوئے۔

اب سیدہ خدیجہ ﷞ کے صاحبزادوں کا مختصر تعارف پڑھیے:

1 ہند بن ابی ہالہ ﷛: انھوں نے معرکۂ بدر میں شجاعت کے جوہر دکھائے۔ جنگِ احد میں بھی شریک ہوئے۔ 36ھ میں واقعۂ جمل میں سیدنا علی ﷛ کی طرف سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ وہ بڑے فصیح و بلیغ تھے۔ رسول اللہ ﷺ


میدان بدر


میدان احد


میدان جمل (بصرئی)

کے بڑے پرجوش مداح تھے۔ ان سے چند مرفوع احادیث بھی مروی ہیں۔[4]

2 ہالہ بن ابی ہالہ ﷛: رسول اللہ ﷺ ان سے بڑی محبت فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ نبیِ اکرم ﷺ سو رہے تھے۔ یہ

[1] الطبقات لابن سعد: 15,14/8، الاستیعاب، ص: 874، المواهب اللدنية: 191,190/1، المحبر، ص: 79,78. [2] السيرة لابن هشام: 294/4، الروض الأنف: 328/1، جوامع السيرة لابن حزم، ص: 32,31، عيون الأثر: 73/1، فتح الباري: 168/7، السيرة الحلبية: 229/1. [3] الطبقات لابن سعد: 15/8، الجمهرة لابن حزم، ص: 143,142. [4] جامع المسانيد والسنن لابن كثير: 303/12-309، أسد الغابة: 294/4، 295، الإصابة: 437,436/6، الاستيعاب، ص: 739,738.

آ گئے۔ آپ کی آنکھ کھلی تو فوراً انھیں اپنے سینۂ مبارک سے لگالیا اور بڑے لاڈ سے تواتر کے ساتھ فرمایا: ''ہالہ! ہالہ! ہالہ!'' [1]

یاد رہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بہن کا نام بھی ''ہالہ بنتِ خویلد رضی اللہ عنہا'' تھا۔ [2]

3 حارث بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ: وہ اپنے اسلام کا کھلم کھلا اظہار کرتے تھے۔ دعوتِ اسلام کے ابتدائی دنوں میں رکن یمانی کے قریب جوش وخروش سے اسلام کی دعوت دے رہے تھے کہ کفار ومشرکین نے حملہ کر کے انھیں شہید کر دیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ نبیِ اکرم ﷺ کا دفاع کرتے ہوئے شہید ہوئے۔ وہ اسلام کے لیے جان دینے والے اولین سپوت تھے۔ [3]

4 طاہر بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ: یہ بھی اسلام کے شیدائی تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں بعض دیگر ساتھیوں سمیت یمن کے کچھ حصے کی زکاۃ وغیرہ کی وصولی کے لیے عامل بنا کر روانہ فرمایا تھا۔ [4]

بڑے بڑے سرداروں کا پیغام نکاح مسترد

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے دوسرے خاوند ابو ہالہ کی وفات کے بعد بہت سے لوگوں نے انھیں نکاح کے پیغامات بھیجے۔ ان کے اپنے خاندان کے ممتاز افراد اور بعض بڑے بڑے سردار ان سے شادی کی درخواست کرتے رہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے مال ومنال بھی خرچ کیا لیکن خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان سب کو صاف جواب دے دیا اور کسی سے شادی نہیں کی۔ [5]

نبی ﷺ کی ذاتِ بابرکات کی طرف رجحان

حضرت محمد ﷺ شام کے تجارتی سفر سے واپس تشریف لائے۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا اپنے غلام میسرہ کی زبانی آپ ﷺ کی صفاتِ عالیہ کا چرچا سنتی رہیں۔ جب اُس نے بتایا کہ بادلوں کا سایہ کس طرح آپ کے ساتھ ساتھ چلتا تھا۔ نسطورا راہب آپ کی علاماتِ نبوت کیسے پہچان گیا اور لات وعزیٰ کی قسم نہ کھانے پر ایک شخص نے آپ کو آیندہ ملنے والی نبوت کی نوید کس طرح دی۔ یہ باتیں سن کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے دل میں آپ ﷺ کی عظمت جاگزیں ہوگئی۔ پھر جب ورقہ بن نوفل نے حضرت محمد ﷺ کے بارے میں بتایا کہ یہی وہ نبی ہیں جن کی آمد کی خبر آسمانی کتابوں میں

1 أسد الغابة: 268/4، الإصابة: 406/6، المستدرك للحاكم: 640/3. 2 صحيح البخاري: 3821، فتح الباري: 175/7. 3 الإصابة: 696/1، أنساب الأشراف: 66,65/13. 4 أسد الغابة: 482/2، الإصابة: 418/3. 5 الطبقات لابن سعد: 131/1.

دی گئی ہے تو حضرت خدیجہ ﷝ نے آپ کی رفیقۂ حیات بننے کا فیصلہ کرلیا۔ یہ بات شام کے سفر کے علاوہ درج ذیل واقعات سے بھی اُجاگر ہوتی ہے:

- حضرت جابر بن سمرہ ﷜ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ بکریاں چرایا کرتے تھے، بکریاں مہنگی ہوگئیں تو آپ نے یہ کام چھوڑ دیا۔ پھر آپ ایک ساتھی کے ساتھ مل کر اجرت پر اونٹ چرانے لگے، اسی دوران خدیجہ ﷝ کی بہن نے بھی اپنے اونٹ اُجرت پر چرانے کے لیے آپ ﷺ اور آپ کے ساتھی کو دے دیے۔ آپ ان کے اُونٹ چرا کر واپس لے آئے تو خدیجہ ﷝ کی بہن نے آپ کے ساتھی کو مزدوری ادا کی مگر اُجرت کا کچھ حصہ موصوفہ کے ذمے باقی رہ گیا۔

بعد کو آپ ﷺ کا ساتھی خدیجہ کی بہن کے پاس جاتا تھا اور واجب الادا بقایا اُجرت کا تقاضا کرتا تھا۔ وہ آپ ﷺ سے بھی اصرار کرتا تھا کہ آپ بھی چلیے اور اُجرت کا مطالبہ کیجیے مگر آپ اجرت لینے نہیں گئے۔ آپ ﷺ نے اپنے ساتھی سے فرمایا:

«اِذْهَبْ أَنْتَ فَإِنِّي أَسْتَحْيِي»

''تم ہی چلے جاؤ، مجھے تو حیا آتی ہے (کہ میں تقاضا کروں)۔''

ایک دن نبی کریم ﷺ کا یہ شریکِ کار سیدہ خدیجہ ﷝ کی بہن کے پاس پہنچا تو انھوں نے پوچھا: محمد (ﷺ) کہاں ہیں؟ وہ تمھارے ساتھ کیوں نہیں آتے؟ وہ کہنے لگا: میں تو ان سے بہت کہتا ہوں کہ آئیے میرے ساتھ چلیے مگر وہ نہایت خود دار ہیں۔ ان میں شرم و حیا بہت ہے۔ وہ کہنے لگی: ہاں! میں نے ان سے زیادہ شرم و حیا والا، پاک دامن اور ذمہ دار شخص کبھی نہیں دیکھا۔ یہی بات تھی جو خدیجہ ﷝ کے دل میں اُتر گئی۔ [1]

- ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ قریش کی عورتوں کی ایک عید ہوتی تھی جس میں وہ سب ایک عبادت خانے میں جمع ہوتی تھیں۔ ایک دن سب خواتین وہاں جمع تھیں۔ اچانک ایک یہودی آیا اور کہنے لگا: ''اے قریشی عورتوں! تم میں ایک نبی آنے والا ہے، لہٰذا تم میں سے جو کوئی اس سے نکاح کرنا چاہے، ضرور کرلے۔'' یہ سُن کر عورتوں نے اس پر کنکریاں برسانی شروع کر دیں، اسے بہت برا بھلا کہا۔ اس موقع پر سیدہ خدیجہ ﷝ بھی موجود تھیں، انھوں نے اس یہودی کی بات بڑی سنجیدگی سے سُنی اور پلّے باندھ لی۔

---

[1] المعجم الكبير للطبراني: 209/2، حديث: 1858، مسند البزار: 205,204/10، حديث: 4293، مجمع الزوائد: 261,260/9، حديث: 15266.

پھر جب وہ وقت آیا کہ میسرہ نے بھی نبی ﷺ کی غیر معمولی صفات کا ذکر کیا اور خدیجہ رضی اللہ عنہا نے خود بھی آپ ﷺ کی سیرت کا مشاہدہ کیا تو وہ بے اختیار بول اُٹھیں: ''اگر اُس یہودی کی بات سچ ہے تو پھر وہ رفیع الشان نبی یہی ہیں۔'' [1]

یہ واقعہ ابن سعد نے بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے۔ اس میں یہ صراحت ہے کہ دورِ جاہلیت میں ہر سال رجب کے مہینے میں خوشی کی ایک تقریب ہوتی تھی۔ دیرینہ روایت کے مطابق اس دن بھی خواتین اپنے بت کے پاس بیٹھی تھیں...... [2]

سیدہ نے پیغامِ نکاح بھیج دیا

- مذکورہ بالا واقعات کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ کی خدمت میں یہ پیغام بھیجا: ''میرے عم زاد! میں آپ سے شادی کی آرزو مند ہوں، آپ میرے قریبی عزیز ہیں، صاحبِ شرف و وقار ہیں۔ نسب میں بہت ممتاز ہیں۔ امانت، حسن خلق اور صدق و صفا آپ کا طرۂ امتیاز ہے۔'' [3]

پیغام کس طرح بھیجا؟

آیئے! اب یہ معلوم کرتے ہیں کہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں نکاح کا پیغام کس طرح بھیجا؟ اس سلسلے میں سیرت نگاروں نے کئی روایات بیان کی ہیں۔ ان کی تفصیل سُن لیجیے:

1 یعلیٰ بن اُمیہ رضی اللہ عنہ کی بہن نفیسہ بنت اُمیہ رضی اللہ عنہا سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلی تھیں، وہ کہتی ہیں کہ حضرت خدیجہ نے پیغام نکاح دینے کے لیے مجھے چپکے سے محمد (ﷺ) کی خدمت میں بھیجا۔ یہ آپ کے شام کے تجارتی سفر سے واپس آجانے کے بعد کی بات ہے۔ میں نے محمد ﷺ سے عرض کی: آپ کو نکاح کرنے میں کیا رُکاوٹ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے کہ میں نکاح کرلوں!'' میں نے عرض کی: اگر آپ کی یہ ضرورت پوری کردی جائے اور آپ کی خدمت میں مال و منال، جمال و کمال اور شرف و وقار کے ساتھ برابری کی بنیاد پر نکاح کی پیش کش کی جائے تو کیا آپ اسے قبول فرمالیں گے؟ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: ''وہ (خاتون) کون ہے؟'' میں نے کہا: ''خدیجہ!'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''بھلا میرے لیے یہ کیسے ممکن ہے؟'' میں نے عرض کی: آپ یہ معاملہ مجھ پر چھوڑ دیجیے۔ بس اب یہ میرا کام ہے۔ یہ سن کر نبی ﷺ نے رضامندی ظاہر فرمادی۔

[1] سبل الهدیٰ والرشاد: 164/2. [2] الطبقات لابن سعد: 15/8. [3] السيرة لابن إسحاق: 129/1.

نفیسہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں بھاگم بھاگ خدیجہ کے پاس پہنچی اور انھیں سب کچھ بتادیا۔ میری باتیں سُن کر انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ آپ فلاں فلاں وقت ہمارے ہاں تشریف لے آئیے۔ ساتھ ہی انھوں نے اپنے چچا عمرو بن اسد کو بھی بلا بھیجا۔ وہ آئے تو سیدہ نے ان سے گزارش کی کہ آپ میرا نکاح (محمد ﷺ سے) کردیں۔ ادھر محمد (ﷺ) بھی اپنے چچاؤں کے ساتھ تشریف لے آئے۔ یوں بخیر وخوبی نکاح ہوگیا۔ [1]

2 ایک روایت میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ جب سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے نکاح کی پیش کش کی تو آپ ﷺ نے اپنے چچاؤں سے مشورہ کیا۔ سیدنا حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بڑے مستعد نکلے، فوراً آپ ﷺ کے ساتھ چل پڑے، خدیجہ رضی اللہ عنہا کے والد خویلد بن اسد کے پاس پہنچے، ان سے سیدہ خدیجہ کے رشتے کے بارے میں بات چیت کی، بالآخر رسول اللہ ﷺ نے ان سے نکاح کرلیا۔ [2]

3 ابو مِجْلَز رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنی بہن سے کہا: محمد (ﷺ) کے پاس جاؤ اور میرے بارے میں بات کرو۔ وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور حضرت خدیجہ کی درخواست پیش کی۔ آپ ﷺ نے اس کی بات سُنی اور بڑے مہذب اسلوب میں اپنی رضامندی ظاہر فرما دی۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے گھر والے اس مبارک شادی پر بخوشی متفق ہوگئے۔ [3]

4 اب سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کی روایت سنیے، وہ فرماتے ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی کا واقعہ سب سے زیادہ جانتا ہوں۔ میں اور رسول اللہ ﷺ باہم دوست تھے۔ ہم دونوں صفا و مروہ کے بیچ سے گزر رہے تھے کہ اچانک ہمارے سامنے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اور ان کی بہن ہالہ رضی اللہ عنہا نمودار ہوئیں۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تو ہالہ بنت خویلد آگے آگئیں، انھوں نے مجھے بلایا تو میں اُن کی طرف چلا گیا جبکہ نبی ﷺ جس جگہ تھے، اسی جگہ رک گئے اور میرا انتظار فرمانے لگے۔ ہالہ رضی اللہ عنہا نے مجھ سے پوچھا: کیا آپ کے دوست خدیجہ سے شادی کی رغبت رکھتے ہیں؟ میں نے کہا: واللہ! مجھے تو اس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔ میں واپس آیا اور رسول اللہ ﷺ کو ہالہ کی بات بتائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”کیوں نہیں! تم جاؤ اور ان سے مشورہ کرکے کوئی دن طے کرلو تاکہ اُس دن ہم ان کے ہاں چلے جائیں۔“ میں نے یہ بات خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بہن

[1] الطبقات لابن سعد: 132,131/1، سبل الهدٰى والرشاد: 165,164/2. [2] السيرة لابن إسحاق: 130/1. اس میں خویلد بن اسد کے بجائے اسد بن اسد لکھا ہے جبکہ سیرت نگاروں نے ابن اسحاق سے خویلد بن اسد کا ذکر کیا ہے اور یہی صحیح ہے، دیکھیے: (السيرة لابن هشام: 190/1، السيرة لابن كثير، ص: 52,51، أسد الغابة: 261/5، تاريخ الطبري: 35,34/2) [3] الطبقات لابن سعد: 132/1.

سے کہی۔ وہ کہنے لگیں: آپ حضرات صبح ہمارے ہاں تشریف لے آئیں۔ ہم اگلی صبح ان کے پاس پہنچ گئے۔...... خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنے چچا عمرو بن اسد کو بھی بلا رکھا تھا۔ ہم پہنچے تو دیکھا کہ انھوں نے ایک گائے ذبح کر رکھی ہے اور خیر النساء سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا عروسی لباس پہن کر تشریف فرما ہیں۔ [1]

نکاح کی تاریخ

اس بات پر اتفاق ہے کہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نبی ﷺ کا نکاح سفر شام سے واپسی کے بعد ہی ہوا تھا۔ [2] بعض روایات میں اس شادی کی تاریخ کا تعین بھی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ جب نبیِ اکرم ﷺ شام کے سفر سے واپس تشریف لائے تو اس کے دو مہینے پچیس دن بعد ماہِ صفر کے آخر میں یہ مبارک نکاح ہوا۔ یہ 26 عام الفیل کی بات ہے۔ [3] امام ابن عبدالبر اور امام قسطلانی رحمہ اللہ نے بھی یہی بات لکھی ہے۔ [4]

نکاح کے وقت زوجین کی عمر

نکاح کے وقت حضرت محمد ﷺ کی عمر مبارک پچیس اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر چالیس برس تھی۔ اکثر مؤرخین اور سیرت نگاروں نے یہی عمریں لکھی ہیں۔ ان میں ابن ہشام، ابن سعد، طبری، ابن جوزی اور دیگر اہلِ علم شامل ہیں۔ [5] بعض مؤرخین نے زوجین کی عمروں کے بارے میں کچھ اور اقوال بھی لکھے ہیں مگر وہ چنداں قابلِ ذکر نہیں۔

تقریبِ نکاح

نکاح کی تقریب سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے دولت کدے پر منعقد ہوئی تھی۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

جب طے شدہ دن چڑھا تو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنے چچا عمرو بن اسد کو بُلا بھیجا۔ ادھر رسول اللہ ﷺ بھی اپنے چچا صاحبان کے ساتھ تشریف لائے۔ ان میں جناب ابوطالب سب سے آگے تھے۔ [6]

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما ہی کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جب ہم پہنچے تو انھوں نے ایک گائے ذبح کی ہوئی تھی اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے عمدہ پوشاک زیب تن فرما رکھی تھی۔ [7]

---

[1] دیکھیے: تاریخ الیعقوبي: 14/2، سبل الهدٰی والرشاد: 164/2. [2] الطبقات لابن سعد: 16/8، السيرة لابن هشام: 188/1-190، تاریخ الطبري: 35/2. [3] سبل الهدٰی والرشاد: 165/2. [4] الاستيعاب، ص: 55، المواهب اللدنية: 190/1. [5] السيرة لابن هشام: 187/1، الطبقات لابن سعد: 17/8، تاریخ الطبري: 34/2، المنتظم: 315/2. [6] تاریخ الیعقوبي: 14/2. [7] سبل الهدٰی والرشاد: 164/2.

شرکائے تقریب نکاح

نبی کریم ﷺ کے ساتھ تقریبِ نکاح میں قریش کے سرداروں کے تقریباً دس افراد شریک تھے۔ [1] ان میں سرِفہرست آپ کے چچا جناب ابوطالب اور حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ تھے۔ [2]

بعض روایات کی روشنی میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے اس تقریب میں ان کے چچا عمرو بن اسد کے علاوہ ورقہ بن نوفل بھی شریک تھے۔ اس تقریب میں عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی شرکت کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔ [3]

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے سرپرست

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے سرپرست کے حوالے سے روایات مختلف ہیں۔ کسی مؤرخ نے ان کے چچا عمرو بن اسد کو سرپرستِ نکاح بتایا ہے تو کسی نے ان کے والد خویلد بن اسد کو۔

امام زہری، محمد بن اسحاق، ابن ہشام، قسطلانی اور ذہبی نے خویلد بن اسد کو تقریب نکاح کا سرپرست بتایا ہے۔ [4] اس کے برعکس مؤملی نے کہا ہے کہ یہ بات متفقہ طور پر مسلّمہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ان کے چچا عمرو بن اسد ہی نے کرایا تھا۔ [5] یہی بات امام ابن عبدالبر، ابن سیدالناس، بلاذری، محمد بن حبیب ہاشمی، حلبی، حافظ ابن حجر، ابن جوزی اور امام ابو سعد نیشاپوری رحمہ اللہ نے بھی اختیار کی ہے۔ [6] یہاں تک کہ ابن سعد نے بھی اپنے استاد واقدی کا اِسی بات پر اصرار نقل کیا ہے۔ [7]

اس بات کو مزید تقویت اور تائید امام صالحی کے تحقیقی نتائج سے بھی ملتی ہے۔ انھوں نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچا عمرو بن اسد ہی کو نکاح کا سرپرست ٹھہرایا ہے اور فرمایا ہے کہ اکثر سیرت نگاروں نے یہی بات بیان کی ہے۔ [8] امام سہیلی کہتے ہیں کہ یہی بات صحیح ہے اور امام طبری نے جبیر بن مطعم، ابن عباس اور ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو روایات نقل کی ہیں، ان میں ان سب نے یہی کہا ہے کہ عمرو بن اسد ہی نے سیدہ خدیجہ کا نکاح حضرت محمد ﷺ سے کیا۔ جبکہ خویلد بن اسد تو جنگ فجار سے پہلے ہی فوت ہوگئے تھے۔ [9] عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اور نفیسہ رضی اللہ عنہا نے بھی

[1] شرف المصطفیٰ ﷺ: 413/1، المواهب اللدنية: 192/1. [2] تاريخ الطبري: 35/2، السيرة الحلبية: 227/1. [3] السيرة الحلبية: 227/1، سبل الهدىٰ والرشاد: 165,164/2. [4] دلائل النبوة للبيهقي: 69/2، السيرة لابن هشام: 190/1، المواهب اللدنية: 192,191/1، تاريخ الإسلام للذهبي (السيرة)، ص: 65. [5] البداية و النهاية: 274/2. [6] الاستيعاب، ص: 874، عيون الأثر: 72/1، أنساب الأشراف: 107,106/1، المحبر، ص: 78، الإصابة: 101/8، السيرة الحلبية: 225/1، صفة الصفوة: 74/1، شرف المصطفیٰ: 413,412/1. [7] الطبقات لابن سعد: 133/1. [8] سبل الهدىٰ والرشاد: 166,165/2. [9] الروض الأنف: 325/1، تاريخ الطبري: 36/2، شرف المصطفیٰ (حاشية): 412/1-414.

عمرو بن اسد ہی کو نکاح کا سرپرست قرار دیا ہے۔[1] واللّٰہ أعلم.

خطبۂ نکاح اور نکاح خواں

نکاح کا خطبہ رسول اکرم ﷺ کے چچا ابوطالب نے پڑھا۔ اِس خطبے کے جو الفاظ متعدد روایات سے ماخوذ ہیں، وہ یہ ہیں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي جَعَلَنَا مِنْ زَرْعِ إِبْرَاهِيمَ، وَذُرِّيَّةِ إِسْمَاعِيلَ، (وَضِئْضِئِي مَعَدٍّ وَّعُنْصُرِ مُضَرَ وَجَعَلَنَا حَضَنَةَ بَيْتِهِ، وَسُوَّاسَ حَرَمِهِ) وَجَعَلَ لَنَا بَيْتًا مَّحْجُوجًا وَّحَرَمًا آمِنًا، وَجَعَلَنَا الْحُكَّامَ عَلَى النَّاسِ، وَبَارَكَ لَنَا فِي بَلَدِنَا الَّذِي نَحْنُ بِهِ.

ثُمَّ إِنَّ ابْنَ أَخِي مُحَمَّدَبْنَ عَبْدِاللّٰهِ لَا يُوزَنُ بِرَجُلٍ مِّنْ قُرَيْشٍ [شَرَفًا وَّنُبْلًا وَّفَضْلًا وَّعَقْلًا] إِلَّا رَجَحَ، وَلَا يُقَاسُ بِأَحَدٍ إِلَّا عَظُمَ عَنْهُ، وَإِنْ كَانَ فِي الْمَالِ قُلٌّ فَإِنَّ الْمَالَ رِزْقٌ حَائِلٌ وَّظِلٌّ زَائِلٌ [وَعَارِيَةٌ مُّسْتَرْجَعَةٌ] (وَمُحَمَّدٌ مَّنْ قَدْ عَرَفْتُمْ قَرَابَتَهُ)، وَلَهُ فِي خَدِيجَةَ رَغْبَةٌ وَّلَهَا فِيهِ رَغْبَةٌ. وَصَدَاقُ مَاسَأَلْتُمُوهُ عَاجِلُهُ مِنْ مَّالِي، وَلَهُ وَاللّٰهِ! خَطْبٌ عَظِيمٌ، وَنَبَأٌ شَائِعٌ.

"سب تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جس نے ہمیں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی کھیتی سے، اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے، معدّ کی اصل سے اور مُضَر کے نسب سے پیدا فرمایا۔ ہمیں بیت اللہ کا پاسبان، حرم شریف کا رکھوالا اور منتظم بنایا۔ ہمارے لیے ایسا گھر بنایا جس کا حج کیا جاتا ہے۔ ہمیں ایسے حرم سے نوازا جو امن کا گہوارہ ہے۔ ہمیں لوگوں کا حکمران بنایا اور جس شہر میں ہم رہتے ہیں، اسے برکات سے نوازا۔

امر واقعہ یہ ہے کہ میرے بھتیجے محمد بن عبداللہ (ﷺ) کے شرف ووقار، اعلیٰ ظرفی اور فضیلت و دانائی کا قریش کے کسی بھی آدمی سے موازنہ کیا جائے تو محمد (ﷺ) ہی کا پلڑا بھاری نکلے گا۔ جس سے بھی مقابلہ کیا جائے، یہ اُس سے بڑھ کر عظمت والے ثابت ہوں گے۔ اگر ان کے پاس مال کم ہے تو مال تو آنی جانی چیز ہے، ڈھلتی پھرتی چھاؤں ہے، عارضی متاع واپسی ہے۔ محمد (ﷺ) وہی ہیں جن کی قرابت داری سے تم سب بخوبی آگاہ ہو۔ وہ خدیجہ (رضی اللہ عنہا) سے شادی کے خواہشمند ہیں اور خدیجہ بھی ان کی طرف رغبت رکھتی ہیں۔ جو حق مہر تم لوگوں نے طلب کیا ہے، وہ میرے مال سے فی الفور ادا کیا جائے گا۔ اللہ کی قسم! وہ (محمد ﷺ) بہت بلند شان

[1] تاريخ اليعقوبي: 14/2، الطبقات لابن سعد: 132،131/1.

کے حامل ہوں گے اور ان کی خبر ہر سو پھیل جائے گی۔"[1]

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا حق مہر

مختلف روایات میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ مذکورہ خطبۂ نکاح میں ابوطالب نے یہ اعلان کیا کہ محمد (ﷺ) نے ساڑھے بارہ اوقیہ چاندی (مالیتی پانچ سو درہم بہ وزن 1487.5 گرام[2]) مہر مقرر کیا ہے اور یہ خدیجہ کی طلب پر موقوف ہے، فوری طور پر بھی ادا کیا جا سکتا ہے اور تاخیر سے بھی۔

سیرت نگار علامہ صالحی رحمہ اللہ نے علامہ بلاذری اور دمیاطی رحمہما اللہ کے حوالے سے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا حق مہر ساڑھے بارہ اوقیہ چاندی ہی لکھا ہے۔[3] محب طبری اور دولابی نے چاندی کے بجائے ساڑھے بارہ اوقیہ "سونا" لکھا ہے۔[4] معروف سیرت نگار ابن ہشام نے بتایا ہے کہ سیدہ خدیجہ کا حق مہر بیس اونٹنیاں تھیں۔ ان کا یہ قول دیگر مؤرخین نے بھی اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔[5]

حق مہر کی مقدار میں اختلاف کوئی عجیب یا پیچیدہ بات نہیں۔ ممکن ہے اُس دور میں بیس اونٹنیاں ساڑھے بارہ اوقیہ سونے یا چاندی، یا پانچ سو درہم مالیت ہی کی ہوتی ہوں گی۔ کسی نے اس کا حساب لگا کر مہر کی مالیت درہموں کی صورت میں لکھ دی اور کئی سیرت نگاروں نے "بیس اونٹنیاں" ہی جوں کی توں رہنے دیں۔

ورقہ بن نوفل کا جوابی خطبہ

تقریب نکاح بدستور جاری تھی۔ ابوطالب کا خطبہ نکاح ختم ہوا، پھر ورقہ بن نوفل نے جوابی خطبہ دیا۔ انھوں نے کہا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي جَعَلَنَا كَمَا ذَكَرْتَ، وَفَضَّلَنَا عَلٰى مَا عَدَدْتَ، فَنَحْنُ سَادَةُ الْعَرَبِ وَقَادَتُهَا، وَأَنْتُمْ أَهْلُ ذٰلِكَ كُلِّهِ، لَايُنْكِرُ الْعَرَبُ فَضْلَكُمْ، وَلَا يَرُدُّ أَحَدٌ مِّنَ النَّاسِ فَخْرَكُمْ وَشَرَفَكُمْ وَرَغِبْنَا فِي الْاِتِّصَالِ بِحَبْلِكُمْ وَشَرَفِكُمْ، فَاشْهَدُوا عَلَيَّ مَعَاشِرَ قُرَيْشٍ! أَنِّي قَدْ زَوَّجْتُ خَدِيجَةَ بِنْتَ خُوَيْلِدٍ مِّنْ مُّحَمَّدِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ.

---

[1] تاریخ الیعقوبي: 14/2، البتہ قوسین والے الفاظ المنتظم: 315/2 اور بریکٹ والے الفاظ سبل الھدٰی والرشاد: 165/2 سے ماخوذ ہیں۔ [2] فقہ الزکاۃ للقرضاوي: 259/1. [3] سبل الھدٰی والرشاد: 165/2، أنساب الأشراف: 107/1. [4] سبل الھدٰی والرشاد: 165/1، السمط الثمین، ص: 53، المواھب اللدنیۃ: 193/1. [5] السیرۃ لابن ھشام: 191/1، تاریخ الإسلام للذھبي (السیرۃ)، ص: 65، البدایۃ والنھایۃ: 273/2، سبل الھدٰی والرشاد: 165/2.

”سب تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جس نے ہمیں ویسا ہی بنایا جیسا کہ آپ نے بیان کیا۔ ہمیں ان چیزوں کے ذریعے سے فضیلت بخشی جنھیں آپ نے شمار کیا ہے۔ پس ہم عرب کے سردار اور قائد ہیں اور تم اس سب کچھ کے اہل اور لائق ہو۔ عرب تمھاری فضیلت کا انکار نہیں کرتے۔ تمھارے خاندانی شرف و وقار کو کوئی نظر انداز نہیں کرسکتا۔ تم سے یہ رشتہ استوار کرنے اور تمھارے شرف میں شامل ہونے کے لیے ہماری آرزومندی کا بھی کوئی انکار نہیں کرسکتا، لہٰذا قریش کی جماعتو! گواہ رہو، میں نے خدیجہ بنت خویلد کا نکاح محمد بن عبداللہ (ﷺ) سے کیا ہے۔“

پھر ورقہ بن نوفل نے حق مہر کا بھی ذکر کیا۔ ان کا یہ خطبہ سن کر ابوطالب کہنے لگے: ”میری خواہش ہے کہ اس مبارک کام کے موقع پر خدیجہ کے چچا عمرو بن اسد بھی آپ کے ساتھ شریک ہوں۔“ عمرو بن اسد فوراً بولے:

إِشْهَدُوا عَلَيَّ مَعَاشِرَ قُرَيْشٍ! أَنِّي قَدْ أَنْكَحْتُ مُحَمَّدَ بْنَ عَبْدِ اللهِ خَدِيجَةَ بِنْتَ خُوَيْلِدٍ.

”اے قریش کی جماعتو! گواہ رہو، میں نے محمد بن عبداللہ (ﷺ) کا نکاح خدیجہ بنت خویلد سے کردیا ہے۔“

بعض روایات میں اس موقع پر عمرو بن اسد کے یہ الفاظ بھی منقول ہیں:

هُوَ الْفَحْلُ لَا يُقْدَعُ أَنْفُهُ.

”یہ تو ایسی محترم شخصیت ہیں جنھیں کسی صورت نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔“ [1]

نکاح کے بعد سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کی خدمت میں چاندی یا سونے کے دو اوقیے بھیجے اور کہا کہ اس کی عمدہ پوشاک خرید کر مجھے ہدیہ کیجیے، چند مینڈھے اور متفرق اشیائے ضرورت بھی خرید لیجیے، چنانچہ نبیِ اکرم ﷺ نے ایسا ہی کیا۔ [2]

نبی ﷺ کا پہلا ولیمہ

رسول اللہ ﷺ نے ولیمہ کیا۔ اس موقع پر ایک یا دو اونٹ نحر کیے گئے اور لوگوں کی ضیافت کی گئی۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے دف کا انتظام بھی کیا گیا جسے چھوٹی بچیاں بجا رہی تھیں۔ [3]

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ شریعت نے شادی اور عید کے موقع پر دف بجانے کی اجازت دی ہے لیکن اس کے لیے حسب ذیل شرطیں ضروری ہیں: 1 اس مقصد کے لیے دف ہی استعمال ہو۔ اسے بعض لوگ ”طار“ کے نام سے

[1] السيرة الحلبية: 227/1، سبل الهدٰى والرشاد: 165/2. [2] المعجم الكبير للطبراني: 210,209/2، كشف الأستار: 238,237/3، حديث: 2657. [3] السيرة الحلبية: 227/1.

بھی موسوم کرتے ہیں۔ یہ ایک طرف سے بند ہوتا ہے۔ اگر یہ دونوں طرف سے بند ہو تو پھر اس کا نام ڈھول ہوگا جو آلاتِ موسیقی میں سے ہے اور تمام آلاتِ موسیقی حرام ہیں۔ 2 دف کے ساتھ کوئی حرام چیز شامل نہ ہو، مثلاً: ایسے گانے نہ ہوں جو فحش اور جنسی جذبات بھڑکانے والے ہوں۔ 3 اس سے کوئی فتنہ رونما نہ ہو، یعنی خوبصورت آوازیں سن کر مردوں کے فتنے میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔ 4 اس سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔ 5 دف بجانے کی اجازت مردوں کے لیے نہیں ہے، صرف نابالغ بچیوں کے لیے ہے۔ [1]

علامہ محبّ طبری ﷫ نے لکھا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے جب حضرت خدیجہ ﷞ سے شادی کر لی اور آپ ﷺ واپس جانے کے لیے روانہ ہوئے تو سیدہ خدیجہ ﷞ نے عرض کی: ''اے محمد! کہاں کا ارادہ ہے؟ آپ جائیں ایک یا دو اونٹ نحر کریں اور لوگوں کو کھلائیں۔'' چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا ہی کیا۔ یہ رسول اللہ ﷺ کا پہلا ولیمہ تھا۔ [2]

اس موقع پر ابوطالب بہت خوش ہوئے اور انھوں نے اظہارِ تشکر کے لیے کہا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنَّاالْكَرْبَ وَدَفَعَ عَنَّا الْغُمُومَ

''تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے ہماری پریشانیاں اور تفکرات دُور فرما دیے۔'' [3]

اس دور میں ولیمے کا کوئی خاص وقت مقرر نہیں ہوتا تھا۔ ولیمہ کئی کئی دن جاری رہتا تھا۔ یہ بھی ضروری نہ تھا کہ دولہا والے اپنے گھر یا علاقے ہی میں ولیمہ کرنے کے پابند ہوں۔ رسول اللہ ﷺ کے پردادا ہاشم بن عبد مناف نے شام جاتے ہوئے عبدالمطلب کی والدہ سلمیٰ بنت عمرو نجاریہ سے مدینہ منورہ میں شادی کی۔ وہیں ولیمے کا اہتمام کیا اور قافلے کے شرکاء کو ضیافت دی۔ یہ کم وبیش چالیس افراد تھے۔ اُن کے علاوہ خزرج کے کچھ لوگوں کو بھی مدعو کیا، پھر اپنے رفقاء سمیت چند روز وہاں مقیم رہے۔ [4]

خدیجہ ﷞ عظمت کی معراج پر

سیدہ خدیجہ ﷞ بڑی عظیم اور عقل مند خاتون تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے زندگی کی رفاقت کا رشتہ قائم کر کے ان کے شرف ومجد کو چار چاند لگا دیے۔

سیدہ خدیجہ ﷞ کا سب سے بڑا شرف یہ ہے کہ دعوتِ اسلام کے ابتدائی دور میں انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے بھرپور تعاون کیا اور دعوت وتبلیغ کے سلسلے میں اپنا مال بے دریغ صرف فرمایا۔ اُن کی احسن خدمات پر اللہ تعالیٰ نے

1 فتاوی إسلامية: 186/3، تحريم آلات الطرب للألباني، مسنون نکاح از: حافظ صلاح الدین یوسف. 2 السمط الثمين، ص: 54. 3 السيرة الحلبية: 227/1. 4 الطبقات لابن سعد: 79/1.

جبریل علیہ السلام کے ذریعے سے انھیں سلام بھیجا اور انھیں جنت میں یاقوت جڑے موتیوں سے بنے ہوئے ایک بے مثل محل کی بشارت دی۔ خود جبریل علیہ السلام نے اپنی طرف سے بھی ان کو سلام پیش کیا۔ [1] یہ سلام رسول اللہ ﷺ نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو پہنچایا۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اس سلام کا انتہائی حکیمانہ جواب دیا، آپ نے فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّلَامُ وَعَلٰى جِبْرِيلَ السَّلَامُ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ

''یقیناً اللہ تعالیٰ خود ہی السلام (سلامتی دینے والا) ہے اور جبریل پر سلامتی ہو اور (اے اللہ کے رسول!) آپ پر سلامتی، اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکات ہوں۔'' [2]

علمائے کرام نے کہا ہے کہ اس جواب سے ام المؤمنین خدیجہ رضی اللہ عنہا کی غیر معمولی بصیرت، فقاہت اور دانائی کا اندازہ ہوتا ہے کیونکہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے سلام کے جواب میں وَعَلَيْهِ السَّلَامُ نہیں کہا جیسے ابتدا میں بعض صحابہ تشہد میں اَلسَّلَامُ عَلَى اللّٰهِ کہتے تھے جس پر نبی اکرم ﷺ نے انھیں منع کیا اور فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّلَامُ، وَلٰكِنْ قُولُوا: اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ......»

''بے شک اللہ تعالیٰ خود ہی السلام (سلامتی والا) ہے، تم یہ کہا کرو: تمام تعظیم اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے......''

ام المؤمنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اپنی بصیرت اور دور اندیشی کی وجہ سے خوب جانتی تھیں کہ اللہ تعالیٰ کو سلام کا جواب اس طرح نہیں دیا جاتا جس طرح مخلوق کو دیا جاتا ہے، اس لیے کہ السلام اللہ تعالیٰ کے نہایت مقدس ناموں میں سے ایک نام ہے اور اس میں سلامتی کے معنی بھی موجود ہیں۔ [3]

خدیجہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف آوری

عربوں کے ہاں رواج تھا کہ دولھا تین دن تک دلھن کے گھر قیام کرتا تھا۔ نبی کریم ﷺ کے والد جناب عبداللہ بن عبدالمطلب بھی اپنی شادی کے موقع پر آپ ﷺ کی والدہ آمنہ کے ہاں تین دن تک ٹھہرے تھے۔ [4]

بعض تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے بعد مستقل طور پر انھی کے گھر میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ مؤرخ ابو ولید ازرقی رحمہ اللہ نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے گھر کا تعارف کراتے ہوئے لکھا ہے:

''نبی کریم ﷺ کی اہلیہ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا کا گھر وہی تھا جس میں رسول اللہ ﷺ اور سیدہ خدیجہ رہتے تھے۔ اس

[1] صحيح البخاري: 3820، صحيح مسلم: 2432، فتح الباري: 173/7. [2] السنن الكبرٰى للنسائي: 94/5، حديث: 8359 و 101/6، حديث: 10206. [3] صحيح البخاري: 7381، صحيح مسلم: 402، فتح الباري: 174/7، الروض الأنف: 419/1. [4] الطبقات لابن سعد: 95/1.

گھر میں آپ ﷺ نے ان سے شادی کی، وہیں ان کی تمام اولاد پیدا ہوئی، پھر اسی میں خدیجہ ﷞ نے وفات پائی۔ رسول اللہ ﷺ ہجرتِ مدینہ تک یہیں قیام فرما رہے۔ امام ازرقی نے لکھا ہے کہ جس گھر میں آپ سیدہ خدیجہ سے نکاح کے بعد مقیم رہے، وہ گھر آپ کے مدینہ ہجرت فرما جانے کے بعد معتب بن ابی لہب ﷜ کے قبضے میں آ گیا۔ یہ رسالت مآب ﷺ کے ہمسائے تھے۔''[1]

کیا نکاح کا سبب حُبِّ مال تھا؟

مستشرقین اپنی مذموم روش کے مطابق نبی ﷺ کی حضرت خدیجہ ﷞ سے شادی کے بارے میں لغو اور بے بنیاد باتیں بناتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے حضرت خدیجہ ﷞ سے نکاح مال و دولت سے محبت کی وجہ سے کیا، حالانکہ یہ بات قطعی غلط ہے۔ مشہور مستشرق ولیم میور آپ ﷺ کے بارے میں حضرت خدیجہ ﷞ کی رغبت کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

"But there was a charm in the dark and pensive eye, in the noble features and in the graceful form of her assiduous agent, as he stood before her, which pleased her even more than her good fortune."

''سفرِ تجارت سے واپسی پر جب آپ (ﷺ) خدیجہ ﷞ کے سامنے کھڑے تھے تو انھوں نے اپنے محنتی تجارتی نمائندے کی گہری تفکر آمیز سیاہ آنکھوں، شریفانہ خدوخال اور پُر وقار شخصیت میں بڑی کشش پائی جو ان کے لیے مالی منافع سے بھی زیادہ خوشی، فرحت اور رغبت کا باعث بن گئی۔''[2]

پچھلے صفحات میں یہ گزر چکا ہے کہ اس نکاح کی بنیاد خود حضرت خدیجہ ﷞ کی ذاتی رغبت تھی۔ وہ آپ ﷺ کے حُسنِ سیرت، اخلاق اور اعلیٰ اوصاف سے متاثر ہوئیں اور نکاح کی جستجو کرنے لگیں۔ سیدہ خدیجہ ہی نے بہ نفسِ نفیس مختلف ذرائع سے نامہ و پیام کا سلسلہ شروع کیا۔

خدیجہ ﷞ ہی نے پہلے نفیسہ ﷞ کے ذریعے سے محمد ﷺ کا دلی رجحان معلوم کرایا اور بعد میں نبی کریم ﷺ کے چچا ابوطالب کے ہاں اس معاملے کی اطلاع بھیجی۔ جتنی بھی معتبر روایات کتبِ تاریخ میں نکاح کے حوالے سے آئی ہیں، ان میں کہیں بھی ایسی کوئی بات نہیں ملتی کہ اس نکاح کے سلسلے میں آپ ﷺ نے از خود کوئی ابتدا کی تھی بلکہ اللہ کے رسول ﷺ نے تو کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا کہ آپ خدیجہ ﷞ سے شادی کریں گے۔ جب آپ نے خدیجہ ﷞ کی

[1] أخبار مكة للأزرقي: 199/2.

[2] The Life of Mohamet: 2/40.

طرف سے شادی کا پیغام سُنا تو آپ ﷺ نے تعجب کا اظہار فرمایا تھا۔ مال کی ہوس اور نفس پرستی تو دنیا داروں کا شیوہ ہے، آپ ﷺ نے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی کے بعد سارا مال غریب لوگوں کی ضروریات پر خرچ کیا۔

نبوت سے سرفراز ہونے کے بعد جب آپ ﷺ نے دعوتِ اسلام کا آغاز کیا تو قریشِ مکہ نے آپ کو مختلف ترغیبات اور لالچ دیے۔ مکہ کا سردار عتبہ بن ربیعہ آپ ﷺ کے پاس آیا۔ اس نے آپ کو جو پیش کشیں کیں، ان میں یہ بات بھی شامل تھی: ''اگر آپ مال چاہتے ہیں تو ہم آپ کے لیے اتنا مال جمع کر دیں گے کہ آپ ہم میں سب سے زیادہ مالدار ہو جائیں گے۔'' نبی ﷺ نے اس کی پیش کش کو ہیچ اور ناقابلِ توجہ سمجھا اور جواب میں یہ آیات تلاوت فرمائیں:

﴿ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ حٰمٓ ○ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ○ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ○ وَ قَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَ فِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَ بَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ○ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ؕ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ○ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ○ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ○ قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ؕ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ○ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَ بٰرَكَ فِيْهَا وَ قَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ ○ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَ لِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ○ فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَ اَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ؕ وَ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَحِفْظًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ○ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ ○﴾ (حٰمٓ السجدۃ 41:1-13)

''شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔ حٰمٓ۔ (یہ قرآن) رحمٰن اور رحیم کی طرف سے نازل کیا ہوا ہے۔ (یہ) ایسی کتاب ہے جس کی آیات کھول کھول کر بیان کی گئی ہیں درآں حالیکہ (یہ) قرآن عربی ہے، ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں۔ جو بشارت دینے والا اور ڈرانے والا ہے، پھر ان میں سے اکثر نے (اس سے) منہ موڑ لیا، وہ سنتے ہی نہیں۔ اور انھوں نے کہا: جس کی طرف تو ہمیں بلاتا ہے، اس سے ہمارے دل پردوں میں ہیں اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ لگی ہوئی ہے اور ہمارے اور تیرے درمیان ایک پردہ ہے، لہٰذا تو (اپنا) کام کر، بلاشبہ ہم (اپنا) کام کرنے والے ہیں۔ کہہ دیجیے: بس میں تو

تمھارے جیسا ہی ایک بشر ہوں، میری طرف وحی کی جاتی ہے، یہ کہ تمھارا معبود صرف ایک ہی معبود ہے، لہٰذا اسی کی طرف یکسوئی سے متوجہ رہو اور اسی سے بخشش مانگو اور مشرکین کے لیے ہلاکت ہے۔ جو زکاۃ نہیں دیتے اور وہ آخرت کے بھی منکر ہیں۔ بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، ان کے لیے نہ ختم ہونے والا اجر ہے۔ آپ کہہ دیجیے: کیا تم واقعی اس ذات کا انکار کرتے ہو جس نے زمین کو دو دنوں میں پیدا کر دیا اور تم اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو؟ وہ تو جہانوں کا رب ہے۔ اور اس نے اس (زمین) میں اس کے اوپر مضبوط پہاڑ بنائے اور اس میں برکتیں رکھیں اور اس میں غذاؤں کا (ٹھیک ٹھیک) اندازہ رکھا، (یہ کام) چار دنوں میں (ہوا) پوچھنے والوں کے لیے ٹھیک (جواب) ہوگیا۔ پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا جبکہ وہ دھواں تھا، اللہ نے اس سے اور زمین سے کہا: تم دونوں خوشی سے یا ناخوشی سے آؤ تو ان دونوں نے کہا: ہم دونوں بخوشی حاضر ہیں۔ پھر (اللہ نے) انھیں دو روز میں سات آسمان بنا دیا اور ہر آسمان میں اس کا کام الہام کر دیا اور ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں (ستاروں) سے زینت دی اور (اس کی خوب) حفاظت کی، یہ نہایت غالب، خوب جاننے والے کی تدبیر ہے۔ پھر اگر وہ منہ موڑیں تو کہہ دیجیے: میں نے تمھیں ایسی کڑک (آسمانی عذاب) سے ڈرا دیا ہے جو عاد اور ثمود کی کڑک کے مانند ہوگی۔''[1]

مستشرق ولیم میور نے اپنی کتاب ''The Life of Mohamet'' میں نبیِ اکرم ﷺ کے بارے میں اس حوالے سے لکھا ہے:

"Mohamet was never covetous of wealth, or at any period of his career energetic in the pursuit of riches for their own sake"

''محمد (ﷺ) کو دولت کی کبھی کوئی طلب نہیں رہی، وہ زندگی کے کسی بھی موڑ پر مال و دولت کے پیچھے نہیں بھاگے۔''[2]

سیدنا علی ﷜ محمد ﷺ اور خدیجہ ﷞ کے سایۂ عاطفت میں

یہاں سیدہ خدیجہ ﷞ کے ذکر جمیل میں سیدنا علی ﷜ کی کفالت اور تعلیم و تربیت کا تذکرہ بھی بے محل نہ ہوگا۔ سیدنا علی ﷜ تاریخ اسلام کی جلیل القدر شخصیت اور امتِ مسلمہ کے چوتھے خلیفہ راشد تھے۔ ایک طرف ان کی علمی وسعتیں بے پایاں تھیں، دوسری طرف وہ للّٰہیت، صداقت، شجاعت، جرأت و بسالت اور تقویٰ و پرہیز گاری کے

[1] دلائل النبوة للبیهقي:2/202-204.

[2] The Life of Mohamet:2/38.

اوصافِ جمیلہ سے مالا مال تھے۔ انھی اوصاف کی بدولت انھوں نے تاریخ اسلام میں اپنے لیے بہت اونچی جگہ بنالی۔ انھیں یہ عظمت وفضیلت کس طرح ملی؟ آپ اس سوال کا جواب ڈھونڈنے نکلیں گے تو آپ کو ان کی کفالت اور تعلیم و تربیت میں رسول اللہ ﷺ کے عظیم معلمانہ کردار کے ساتھ ساتھ ام المومنین سیدہ خدیجہ کی شفقت و مرحمت کی جھلکیاں بھی صاف نظر آئیں گی۔ آیئے ذرا مختصر طور پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی پرورش اور تعلیم و تربیت کا پس منظر دیکھیں۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی ولادت رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے دس سال پہلے اور خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آپ کے نکاح کے پانچ سال بعد ہوئی۔[1] اس وقت آپ ﷺ معاشی پریشانیوں سے محفوظ تھے۔ سیرت ابن ہشام میں مذکور ہے کہ آپ ﷺ کے چچا ابوطالب کا خاندان خاصا بڑا تھا۔ مکہ میں قریش قحط کا شکار ہوگئے۔ اس صورتحال میں آپ ﷺ اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے۔ ان دنوں بنو ہاشم میں ان کی اقتصادی حالت سب سے اچھی تھی۔ آپ ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''چچا جان! آپ کے بھائی ابوطالب کا کنبہ بڑا ہے، قحط سالی کا دور دورہ ہے، ہمیں ان کے پاس جانا چاہیے اور ان کے خاندان کا بوجھ ہلکا کرنا چاہیے۔ میں ان کے ایک صاحبزادے کو اپنے پاس رکھ لیتا ہوں، آپ بھی ان کی اولاد میں سے ایک بچہ رکھ لیں، یوں ہم ان کی کفالت کریں۔''

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے اتفاق کیا۔ وہ آپ ﷺ کے ساتھ ابوطالب کے پاس پہنچے اور کہا: ہم چاہتے ہیں کہ آپ کے خاندان کا بوجھ ہلکا کریں یہاں تک کہ موجودہ حالات ٹھیک ہوجائیں۔ ابوطالب نے جواب دیا کہ اگر تم میرے پاس عقیل کو، ایک دوسری روایت کے مطابق طالب کو بھی، رہنے دو تو باقی بچوں کے بارے میں اجازت ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی کفالت میں لے لیا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی کفالت شروع کردی۔ حضرت علی آپ ﷺ کی کفالت میں رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت سے سرفراز فرما دیا اور پھر سیدنا علی اور سیدنا جعفر رضی اللہ عنہما دونوں اولین مسلمانوں میں شامل ہوگئے۔[2]

حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا سے خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مثالی سلوک

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کے عزیزوں اور قرابت داروں سے بڑے حسن سلوک سے پیش آتی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ساتھ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بھی جناب علی رضی اللہ عنہ کی کفالت و سرپرستی میں بھرپور حصہ لیا اور کوئی کسر باقی نہیں رکھی۔ بعثت سے پہلے آپ ﷺ کی رضاعی والدہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا ملنے آئیں۔ انھوں نے اپنی

[1] الإصابة: 464/4. [2] السيرة لابن هشام: 246/1.

تنگدستی کا ذکر کیا تو حضرت خدیجہ ؓ نے ان کی دل کھول کر مدد کی۔ انھیں چالیس بکریاں اور ایک اونٹ مرحمت فرمایا اور نہایت احترام سے رخصت کیا۔[1] امام سہیلی ؒ نے ایک اونٹ کے بجائے کئی اونٹوں کے عطیے کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ سیدہ خدیجہ ؓ نے محترمہ حلیمہ سعدیہ ؓ کو بیس بکریاں اور متعدد اونٹ مرحمت فرمائے تھے۔[2]

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں منفرد تحفہ

سیدہ خدیجہ ؓ نے شادی کے بعد رسول اللہ ﷺ کو ایک غلام بطورِ ہدیہ پیش کیا۔ اس غلام کو تاریخ اسلام زید بن حارثہ ؓ کے نام سے جانتی ہے۔ امام حاکم ؒ اور ابن عساکر ؒ نے لکھا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے سیدہ خدیجہ ؓ سے نکاح کیا تو انھوں نے آپ ﷺ کی خدمت میں زید بن حارثہ ؓ کو بطور تحفہ پیش کیا۔[3]

سیدنا زید بن حارثہ ؓ نہایت سمجھدار، وفا شعار، مخلص اور مؤدب خدمت گزار تھے۔ وہ نبیِ اکرم ﷺ کی خدمت میں آئے تو آپ ﷺ ہی کے ہو کر رہ گئے۔ انھیں آپ ﷺ سے اتنی محبت تھی کہ وہ آپ کے سایۂ عاطفت کے مقابلے میں اپنے عزیز ترین خونی رشتوں کو بھی ناقابلِ ترجیح سمجھتے تھے۔

زید بن حارثہ ؓ کی والدہ سُعدیٰ، قحطانی قبیلے بنو طے کے ایک ذیلی قبیلے بنومعن سے تھیں۔ وہ اپنے بیٹے زید کے ساتھ اپنے قبیلے کے لوگوں سے ملنے گئیں۔ اس وقت بنوقَین بن جسر کے گھڑ سوار کسی علاقے پر حملہ کرنے جا رہے تھے۔ وہ بنومعن کی بستی سے گزرے۔ یہاں انھوں نے زید کو اغوا کر لیا۔ زید ان دنوں عنفوان شباب میں تھے اور کام کاج کرنے کی عمر کو پہنچ گئے تھے۔ زید کو اغوا کرنے کے بعد وہ انھیں فروخت کرنے کے لیے عکاظ کے مشہور بازار لے گئے۔ وہاں انھیں سیدہ خدیجہ کے بھتیجے حکیم بن حزام بن خویلد ؓ نے چار سو درہم میں خرید لیا اور انھیں اپنی پھوپھی سیدہ خدیجہ ؓ کی خدمت میں پیش کر دیا۔

جب رسول اللہ ﷺ نے سیدہ خدیجہ ؓ سے شادی کی تو انھوں نے سیدنا زید ؓ کو آپ ﷺ کی خدمت کے لیے ہبہ کر دیا، نبی ﷺ نے انھیں قبول فرما لیا۔

زید ؓ کے والد اور چچا نبی ﷺ کی خدمت میں

اِدھر زید ؓ کے والد حارثہ بن شراحیل ؓ نے زید کو غائب پایا تو غم کے مارے ان کی دنیا اندھیر ہو گئی۔ کلب قبیلے کے کچھ لوگ حج کرنے آئے تو انھوں نے زید ؓ کو دیکھ لیا۔ سیدنا زید ؓ نے اُنھیں اور انھوں نے زید کو

---

[1] الطبقات لابن سعد : 114,113/1، سبل الهدٰی والرشاد :383/1. [2] الروض الأنف:294/1. [3] المستدرك للحاكم : 213/3، تاريخ دمشق الكبير :243/21.

پہچان لیا۔ زید رضی اللہ عنہ نے ان کے ہاتھ اپنی قوم کو اپنی خیریت کا پیغام بھجوا دیا۔

کلب قبیلے کے لوگ واپس گئے تو انھوں نے زید رضی اللہ عنہ کے والد گرامی حارثہ بن شراحیل رضی اللہ عنہ کو زید کے بارے میں سب کچھ بتا دیا کہ آپ کا بیٹا کہاں ہے اور کس حال میں ہے۔ حارثہ کہنے لگے: ''ربّ کعبہ کی قسم! میرا بیٹا اور مجھ سے اس قدر دور!'' چنانچہ شراحیل کے دونوں بیٹے حارثہ اور کعب، یعنی زید رضی اللہ عنہ کے والد اور چچا زید رضی اللہ عنہ کا فدیہ ادا کرنے اور انھیں غلامی سے نجات دلانے کے لیے مکہ پہنچے۔ وہاں پہنچتے ہی انھوں نے مقامی باشندوں سے پوچھا کہ نبی کریم ﷺ کہاں تشریف فرما ہیں؟ انھیں بتایا گیا کہ آپ ﷺ مسجد الحرام میں جلوہ افروز ہیں۔ وہ دونوں حرم پاک میں گئے، آپ ﷺ سے ملے اور عرض کرنے لگے: ''اے عبدالمطلب کے چشم و چراغ! ہاشم کے فرزند اور اپنی قوم (قریش) کے سردار کے لخت جگر! آپ اللہ کے حرم کے رکھوالے ہیں۔ حرم کی ہمسائیگی کا اعزاز رکھتے ہیں اور بیت اللہ کے جوار میں رہتے ہیں۔ آپ گردنیں آزاد کرنے والے ہیں۔ آپ قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ ہم آپ کی خدمت میں اس لیے حاضر ہوئے ہیں کہ آپ سے آپ کا غلام خرید لیں۔ وہ ہمارا بیٹا ہے۔ آپ ہمارے ساتھ حسن سلوک کریں۔ ہم پر احسان فرمائیں، اس کا فدیہ وصول کر لیں، ہم آپ کی خدمت میں اس کا زرِفدیہ بڑھ چڑھ کر پیش کریں گے۔''

رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا: «مَا هُوَ؟» ''آپ کی مراد کون ہے؟'' وہ بولے: ''زید بن حارثہ۔'' اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: «فَهَلَّا غَيْرَ ذٰلِكَ؟» ''اس کے لیے ایک مختلف طریقہ کیوں نہ اختیار کر لیا جائے؟'' انھوں نے پوچھا: ''وہ کیا؟'' رحمت عالم ﷺ نے فرمایا:

«دَعُوهُ فَخَيِّرُوهُ فَإِنِ اخْتَارَكُمْ فَهُوَ لَكُمَا بِغَيْرِ فِدَاءٍ، وَ إِنِ اخْتَارَنِي فَوَاللّٰهِ! مَا أَنَا بِالَّذِي أَخْتَارُ عَلٰى مَنِ اخْتَارَنِي أَحَدًا»

''اسے اپنا فیصلہ خود کرنے کا اختیار دے دو۔ اگر وہ تمھیں اختیار کر لے تو وہ بلا عوض ہی تمھارا ہوا اور اگر وہ میرے پاس ہی رہنا پسند کرے تو اللہ کی قسم! میں ایسا شخص نہیں کہ جو شخص میرے پاس رہنا چاہتا ہوں، اس پر کسی اور کو اختیار کر لوں۔''

زید رضی اللہ عنہ کا حُسنِ انتخاب

نبی ﷺ کا صاف اور صریح ارشاد سن کر حارثہ اور کعب کہنے لگے: ''آپ (ﷺ) نے تو انصاف کے تقاضوں سے بھی کہیں بڑھ کر تعاون کا اظہار فرمایا ہے اور ہمیں اپنا احسان مند بنا لیا ہے۔'' رسول اللہ ﷺ نے زید رضی اللہ عنہ کو بلایا، وہ آ گئے تو دریافت فرمایا: «هَلْ تَعْرِفُ هٰؤُلَاءِ؟» ''کیا تم انھیں پہچانتے ہو؟'' زید نے جواب دیا: ''جی ہاں!''

آپ ﷺ نے پوچھا: «مَنْ هُمَا؟» ''یہ دونوں کون ہیں؟'' زید نے عرض کی: ''یہ میرے والد صاحب ہیں اور یہ میرے چچا ہیں۔'' نبیِ رحمت ﷺ نے فرمایا: «فَأَنَا مَنْ قَدْ عَلِمْتَ وَرَأَيْتَ صُحْبَتِي لَكَ فَاخْتَرْنِي أَوِ اخْتَرْهُمَا» ''تم مجھے بھی خوب جانتے ہو اور اپنے ساتھ میرے برتاؤ اور رہن سہن کا بھی مشاہدہ کر چکے ہو۔ اب چاہو تو میرے ساتھ رہو اور چاہو تو ان دونوں صاحبان کے ساتھ چلے جاؤ (تمھیں پورا اختیار ہے۔)''

یہ سن کر زید ﷜ نے فوراً جواب دیا: میں تو آپ کے مقابلے میں کسی کو ترجیح نہیں دوں گا۔ آپ ہی میرے والد اور چچا کے مقام پر ہیں۔ یہ سن کر وہ دونوں بول پڑے: زید! تم پر افسوس ہے۔ تم آزادی کے مقابلے میں غلامی کو ترجیح دے رہے ہو؟ اپنے والد، چچا اور دیگر گھر والوں پر انھیں فوقیت دے رہے ہو؟ زید بولے: ''جی ہاں! میں ان کی ذاتِ گرامی میں اتنی عظیم خوبیاں دیکھ چکا ہوں کہ اب ان کے مقابلے میں میرے لیے کوئی قابل ترجیح نہیں۔''

رسول اکرم ﷺ نے جب زید کا یہ جذبۂ فدویت و محبت دیکھا تو انھیں ساتھ لے کر حطیم تشریف لے گئے اور انھیں اپنا مُتَبَنّٰی (منہ بولا بیٹا) بنانے کا اعلان فرمایا۔

یہ ایسا زبردست ایمان فروز اور رُوح پرور منظر تھا کہ زید کے والد حارثہ ﷜ اور چچا کعب بھی یہ نظارۂ وفا دیکھ کر جھوم اُٹھے اور ہنسی خوشی واپس چلے گئے۔ ادھر سارے مکے میں زید بن حارثہ ﷜ کی دھوم مچ گئی اور لوگ انھیں زید بن محمد کہہ کر پکارنے لگے حتی کہ وہ وقت آ گیا کہ دعوتِ اسلام کا ظہور ہو گیا۔[1]

مستدرک حاکم کا بیان

امام حاکم نے بعثت سے پہلے کے اس واقعے کو ایک دوسرے انداز سے بیان کیا ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے زید ﷜ کو عکاظ کے بازار میں دیکھا تو سیدہ خدیجہ ﷞ سے فرمایا: ''میں نے بازار میں ایک لڑکا دیکھا ہے۔ اس میں بہت سی خوبیاں ہیں۔'' پھر آپ ﷺ نے اس کی سوجھ بوجھ، ادب آداب، رکھ رکھاؤ اور حسن و جمال کی خصوصیات بیان فرمائیں، پھر فرمایا: ''میرے پاس رقم ہوتی تو میں اسے خرید لیتا۔''

شوہر گرامی ﷺ کی یہ خواہش سیدہ خدیجہ ﷞ نے فوراً ورقہ بن نوفل تک پہنچا دی اور زید ﷜ کو خریدنے کی تمنا سے مطلع کر دیا۔ وہ سیدہ خدیجہ ﷞ کی رقم سے اسے خرید لائے۔ زید کو دیکھ کر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: «يَا خَدِيجَةُ! هَبِي لِي هٰذَا الْغُلَامَ بِطِيبٍ مِّنْ نَّفْسِكِ» ''اے خدیجہ! تم اپنا یہ غلام بخوشی مجھے ہدیہ کر دو۔''

خدیجہ ﷞ نے عرض کی: ''یہ لڑکا بہت خوبصورت ہے۔ مجھے ڈر ہے مبادا آپ اسے فروخت کر دیں یا کسی کو بطور ہدیہ

[1] تاریخ دمشق الکبیر: 244,243/21، الطبقات لابن سعد: 3/40-42.

دے دیں؟'' یہ سن کر نبی ﷺ نے فرمایا: «يَامُوَفَّقَةُ! مَا أَرَدْتُ إِلَّا لِأَتَبَنَّاهُ» ''اے مُوَفَّقَہ! یعنی توفیق ربانی سے نوازی گئی خدیجہ! میں تو اسے اپنا منہ بولا بیٹا بنانا چاہتا ہوں۔''

خدیجہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: ''اے محمد! آپ نے بجا ارشاد فرمایا۔'' پھر رسول اللہ ﷺ نے ان کی پرورش کی اور انھیں اپنا بیٹا بنا لیا، یوں انھیں زید بن محمد کہا جانے لگا۔ [1] ......اس دوسرے واقعے کی بجائے اکثر مؤرخین نے پہلے واقعے ہی کا تذکرہ کیا ہے۔ [2]

رسول اللہ ﷺ پر کسی کو ترجیح نہیں دی جا سکتی

جب رسالت مآب ﷺ نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کو اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیا تو زید رضی اللہ عنہ کی خوش نصیبی اپنی معراج پر پہنچ گئی۔ بعدازاں زید رضی اللہ عنہ کی یہی خوش بختی اللہ کی طرف سے ایک نہایت اہم حکم کے نزول کا سبب بن گئی۔ جس کے تحت لے پالک بیٹوں کو اُن کے سگے باپ کی نسبت سے پکارنے کا حکم دے دیا گیا، ہوا یوں کہ جب زید رضی اللہ عنہ اپنے والد اور چچا کے ساتھ نہیں گئے تو ان کے بھائی جَبَلَہ بن حارثہ رضی اللہ عنہما انھیں لینے کے لیے چلے آئے۔ جَبَلَہ رضی اللہ عنہ خود بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ سے درخواست کی: ''اللہ کے رسول! میرے بھائی زید کو میرے ساتھ بھیج دیجیے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: «هُوَذَا، فَإِنِ انْطَلَقَ مَعَكَ لَمْ أَمْنَعْهُ» ''وہ ٹھہرا زید۔ اگر وہ تمھارے ساتھ جانے پر راضی ہو تو میں اسے نہیں روکوں گا۔'' یہ سن کر زید رضی اللہ عنہ کہنے لگے:

يَا رَسُولَ اللّٰهِ! وَاللّٰهِ! لَا أَخْتَارُ عَلَيْكَ أَحَدًا

''اللہ کے رسول! ربِّ ذوالجلال کی قسم! آپ کی ذاتِ گرامی کے مقابلے میں میرے لیے کوئی قابلِ ترجیح نہیں۔''

جَبَلَہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''میں نے اپنے بھائی کی رائے کو اپنی رائے سے افضل جانا۔'' [3]

جہاں تک رسول اللہ ﷺ کی طرف سے زید رضی اللہ عنہ کو متبنّٰی بنانے کی بات ہے تو یہ رسم بعدازاں منسوخ کردی گئی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ﴾

''تم ان (لے پالکوں) کو ان کے باپوں کی طرف (نسبت دے کر) پکارو، یہ اللہ کے نزدیک زیادہ انصاف

[1] المستدرك للحاكم: 213/3. [2] السيرة لابن هشام: 248,247/1، سيرة خير العباد لابن القيم، ص: 31,30، الاستيعاب، ص: 287,286، أسد الغابة: 239,238/2، الإصابة: 496,495/2، مختصر سيرة الرسول ﷺ لمحمد بن عبدالوهاب، ص: 76. [3] جامع الترمذي: 3815.

والی بات ہے۔"[1]

رسول اللہ ﷺ کی خدیجہ رضی اللہ عنہا سے اولاد

نبی اکرم ﷺ کی اولاد کے بارے میں مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ بعثت سے پہلے آپ ﷺ کا ایک بیٹا قاسم پیدا ہوا تھا۔ اُسی کے نام پر آپ کی کنیت ابوالقاسم تھی۔ اُس کے علاوہ آپ ﷺ کی چار بیٹیاں زینب، رقیہ، ام کلثوم اور فاطمہ رضی اللہ عنہن تھیں۔[2] بیٹا قاسم اوائلِ عمر ہی میں وفات پا گیا لیکن چاروں بیٹیوں نے اسلامی دور پایا اور ہجرت بھی کی۔[3]

ابن اسحاق نے رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے آپ کے بیٹے قاسم کے علاوہ دو اور بیٹوں کا ذکر بھی کیا ہے جن کے نام طیب اور طاہر تھے جو بعثت سے پہلے ہی وفات پا گئے۔[4] لیکن حافظ ابن حجر، علامہ ابن قیم، امام ابن جوزی، امام سہیلی، علامہ قسطلانی رحمہم اللہ اور مشہور سیرت نگار ڈاکٹر صلابی وغیرہ نے ابن اسحاق کے اس قول کی تردید کی ہے اور بتایا ہے کہ طیب و طاہر یہ دونوں آپ ﷺ کے بیٹے عبداللہ کے القاب تھے۔[5] یہ بیٹا راجح قول کے مطابق بعثت کے بعد پیدا ہوا اور ابتدائی عمر ہی میں وفات پا گیا۔[6]

اکثر مؤرخین کی یہ بات کہ طیب اور طاہر، عبداللہ کے القاب ہیں، زیادہ معتبر معلوم ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

[1] الأحزاب 5:33. [2] فتح الباري : 172/7. [3] تلقيح فهوم أهل الأثر، ص : 30-33، دلائل النبوة للبيهقي : 69/2. [4] السيرة لابن إسحاق :130/1. [5] فتح الباري:172/7، سيرة خير العباد لابن القيم، ص:631، تلقيح فهوم أهل الأثر، ص: 30، الروض الأنف:326/1 ، المواهب اللدنية:59,58/2و 68، السيرة النبوية للصلابي:70/1. [6] الطبقات لابن سعد: 133/1.

باب

سیرت انسائیکلوپیڈیا

8

تعمیرِ کعبہ

مختلف ادوار میں تعمیرات کعبہ، حجرِ اسود کی فضیلت، نبی ﷺ
کی عظیم حکمت عملی، اس موقع پر نبی ﷺ کی
عمرِ مبارک اور کعبے کی پیمائشوں
کی تفصیلات

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ

”بے شک (اللہ کا) پہلا گھر جو لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا، وہی ہے جو بکہ (مکہ) میں ہے۔ وہ تمام دنیا کے لیے بڑی برکت اور ہدایت والا ہے۔“ (آل عمرٰن 3:96)

اس باب میں

مختلف ادوار میں کعبہ مشرفہ کی تعمیرات کے تذکرے کے ساتھ ساتھ قریش مکہ کے ہاتھوں کعبے کی تعمیرِ نو کا حال قلم بند کیا گیا ہے، بالخصوص حجرِ اسود کی عظمت، اہمیت اور فضیلت کے پیشِ نظر اسے نصب کرتے ہوئے قریش میں جو زبردست اختلاف رُونما ہوا، اُس نازک موقع پر نبی ﷺ کی حکمت و تدبر سے یہ معاملہ کس طرح حل ہوا؟ اس کا مفصل تذکرہ کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ آپ ﷺ کے حکیمانہ طرزِ عمل سے کتنی بڑی خونریزی کا خطرہ ٹل گیا اور قریش کی چمکتی ہوئی تلواریں نیاموں میں واپس چلی گئیں۔

اس موقع پر نبی کریم ﷺ کی عمر مبارک، آپ ﷺ کے بیت اللہ کا معمار ہونے، کعبے کی تعمیرِ نو کے اسباب، تعمیرِ نو کے مختلف مراحل اور غلافِ کعبہ کے اہتمام کے علاوہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اور حجاج بن یوسف کی تعمیرات، بنوعباس کے دور میں کعبے کی صورتِ حال، عثمانی عہد میں کعبہ کی تعمیر اور کعبے کی پیمائش جیسے مضامین بھی اسی باب کا حصہ ہیں۔

کعبہ کی تعمیرِ نو میں محمد رسول اللہ ﷺ کا کردار

کائنات میں سب سے زیادہ عظیم الشان، اہم ترین اور بابرکت گھر ”بیت اللہ“ ہے۔ اللہ عزوجل نے اسے ایسی عظمتِ دوام عطا فرمائی ہے کہ ہزاروں برس کے حالات و حوادث کا الٹ پھیر بھی اس کی شانِ جلالت پر اثر انداز نہیں ہوسکا۔ یہ گھر تمام مسلمانوں کا قبلہ ہے اور اہل قبلہ کو اس بات پر بجا طور پر ناز ہے کہ روئے زمین پر اس سے زیادہ قدیم اور عظیم عمارت اور کوئی نہیں۔ اس کی بنیاد برگزیدہ نبیوں اور ملائکہ نے رکھی۔ یہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے بنایا جانے والا سب سے پہلا گھر ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ﴾

”بے شک پہلا گھر جو لوگوں کے لیے بنایا گیا، وہی ہے جو (بکہ) مکہ میں ہے۔ وہ عالم والوں کے لیے برکت اور ہدایت کا مرکز ہے۔“ [1]

بیت اللہ کتنی دفعہ بنا؟

قریش مکہ سے پہلے بھی مختلف افراد نے مختلف ادوار میں بیت اللہ کی عمارت کی مرمت اور تعمیرِ نو میں حصہ لیا۔

- سب سے پہلے بیت اللہ کی تعمیر کی فضیلت فرشتوں کو حاصل ہوئی تھی۔ [2] سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرشتے آدم علیہ السلام سے پہلے بیت اللہ کا حج کرتے تھے، پھر سیدنا آدم علیہ السلام نے حج کیا۔ سیدنا آدم علیہ السلام کی فرشتوں سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے آپ سے پوچھا: ”اے آدم! آپ کہاں سے آرہے ہیں؟“ فرمایا: ”بیت اللہ کا حج کرکے۔“ فرشتے کہنے لگے کہ آپ سے پہلے فرشتوں نے اس مقدس گھر کا حج کیا ہے۔ [3]
- فرشتوں کی تعمیر کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے تعمیر کا حکم دیا تو انھوں نے بیت اللہ تعمیر کیا۔ [4]
- پھر حضرت شیث بن آدم علیہما السلام نے بیت اللہ کی تعمیر کی۔ [5]
- چوتھی مرتبہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے بیت اللہ کی عمارت بنائی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

[1] آل عمرٰن 3:96. [2] أخبار مكة للأزرقي: 6/1. [3] السنن الكبرٰى للبيهقي: 176/5 و 177. [4] دلائل النبوة للبيهقي: 45/2، أخبار مكة للأزرقي: 6/1. [5] أخبار مكة للأزرقي: 6/1.

﴿وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرٰهِـمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمٰعِيلُ﴾

''اور جب ابراہیم اور اسماعیل (علیہما السلام) بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے......'' [1]



بنیادِ ابراہیمی پر قائم کعبے کا خاکہ

- پانچویں اور چھٹی مرتبہ عمالقہ اور جرہم نے بیت اللہ کی تعمیر کی۔
- ساتویں مرتبہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے جدّ امجد قصی بن کلاب نے اپنے دور میں از سرِ نو بیت اللہ کی عمارت بنائی۔ [2]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ بیت اللہ کی پہلی تعمیر کے حوالے سے ایک اور موقف بیان کرتے ہیں۔ وہ اس بات کو ترجیح دیتے ہیں کہ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے اللہ کا گھر بنایا۔ وہ لکھتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ سے کوئی ایسی صحیح روایت منقول نہیں جس سے یہ بات ثابت ہو کہ کبھی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے بھی بیت اللہ کا وجود تھا، البتہ یہ جگہ اللہ جل شانہ کے علم میں تھی، چنانچہ اس جگہ کا ہمیشہ سے ہر دور میں ہر طرح سے احترام کیا گیا۔ واللہ أعلم۔ [3]

خانہ کعبہ کی تعمیر میں نبی ﷺ کی شرکت

جب حیاتِ نبوی میں، بعثت سے پہلے، اللہ تعالیٰ کے اِس مبارک گھر کی تعمیرِ نو کا مرحلہ پیش آیا تو اس وقت قریش شرک کی نجاست میں مبتلا تھے، تاہم یہ لوگ اپنی ذہنی پستی کے باوجود خوب سمجھتے تھے کہ پورے کرۂ ارض پر بیت اللہ سے زیادہ اہم اور بابرکت جگہ اور کوئی نہیں۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ ان کی تجارت و معیشت، عرب کی سرزمین

[1] البقرة 2:127. [2] أخبار مكة للأزرقي:1/6، سبل الهدى والرشاد:1/163,164. [3] البداية والنهاية:1/277.

بے آئین میں ان کا تحفظ اور پورے عرب میں ان کا اعلیٰ ترین مرتبہ، صرف اسی بات پر منحصر تھا کہ وہ بیت اللہ کے خدام اور متولی ہیں۔

یہ واقعہ نبی اکرم ﷺ کی جوانی کے دور میں، آپ کی بعثت سے پانچ سال پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے بعد پیش آیا۔ قریش بیت اللہ کی تعمیر نو کے لیے جمع ہوئے۔ اس تعمیر میں محمد رسول اللہ ﷺ کا کردار بہت ممتاز اور نمایاں تھا۔[1]

بیت اللہ کی تعمیر نو کے اسباب

بیت اللہ کی عمارت بہت بوسیدہ ہوگئی تھی۔ اس کی چنائی گارے کے بغیر ہوئی تھی۔ دروازہ زمین سے متصل تھا۔ اس وقت بیت اللہ کی چھت بھی موجود نہیں تھی۔[2] قریش مکہ کو ہر آن بیت اللہ کی عمارت منہدم ہونے کا دھڑکا لگا رہتا تھا، اس لیے اس کی از سرِ نو تعمیر کے بارے میں سوچ بچار کرتے رہتے تھے۔

جلد ہی ایسے اسباب پیدا ہوئے جو فوری تعمیر نو کے متقاضی تھے۔ ایک سبب یہ تھا کہ بیت اللہ شہر کے نشیبی علاقے میں واقع تھا۔ سیلاب سے بچاؤ کے لیے مکہ کی بالائی جانب پہاڑوں میں ایک بند باندھا گیا تھا مگر بارش کا پانی سیلاب کی صورت میں اتنے تیز بہاؤ سے آتا تھا کہ بند کو پھلانگ کر نیچے آجاتا تھا اور بیت اللہ کی عمارت سے ٹکراتا تھا۔ قریش کو خدشہ ہوتا کہ مبادا پانی کعبہ میں داخل ہوجائے۔ اس بار جو سیلاب آیا تو پانی کعبہ میں داخل ہوگیا۔ اس سے بیت اللہ کی عمارت کو شدید نقصان پہنچا اور اس کی پرانی دیواروں میں دراڑیں پڑ گئیں۔ کعبہ کی دیواریں عام آدمی کے قد سے کچھ زیادہ اونچی تھیں اور اردگرد کوئی حفاظتی دیوار نہیں تھی۔[3]

ایک اور سبب امام زہری نے یہ بیان کیا ہے کہ ایک عورت بیت اللہ کو بخور (خوشبو) کی دھونی دے رہی تھی کہ اچانک ایک شرارہ اڑ کر غلافِ کعبہ پر جاپڑا، اس سے آگ بھڑک اٹھی اور بیت اللہ کی عمارت کو آگ سے شدید نقصان پہنچا۔[4]

تیسرا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ بیت اللہ کے اندر ایک کنویں میں بیت اللہ کا پرانا خزانہ پڑا ہوا تھا۔ یہ ان اموال پر مشتمل تھا جو لوگ کعبہ کی نذر کرتے رہتے تھے۔[5] وہ خزانہ چوری ہوگیا۔ اس خزانے میں سونے کے دو ہرن

[1] أخبار مكة للأزرقي:1/164، الطبقات لابن سعد:1/146. [2] أخبار مكة للأزرقي:1/159. [3] أخبار مكة للأزرقي: 1/160، الطبقات لابن سعد:1/145، دلائل النبوة للبيهقي:2/58، فتح الباري:7/189. [4] أخبار مكة للأزرقي:1/158، فتح الباري:7/184، المصنف لعبدالرزاق:5/99. [5] أخبار مكة للأزرقي:1/158.

بھی تھے۔[1] مسروقہ مال بنی ملیح بن عمرو خزاعی کے غلام دُوَیک سے برآمد ہو گیا اور چوری کے جرم میں اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔[2] اس سلسلے میں جو افراد مشکوک گردانے گئے، ان میں بدر کے دن جہنم رسید ہونے والا حارث بن عامر بن نوفل، حارث کا اَخیافی، یعنی مادری بھائی ابواہاب بن عزیز اور ابولہب بن عبدالمطلب شامل تھے۔[3] بعدازاں تحقیق سے یہ بات ثابت ہوئی کہ اصل چور حارث تھا جس نے خزانہ چُرا کر دُوَیک کے پاس رکھ چھوڑا تھا، چنانچہ حارث کو مجرم قرار دے کر دس برس کے لیے مکہ بدر کر دیا گیا۔[4]

قریش نے ان اسباب کی بنا پر باہمی مشاورت سے کعبہ کی فوری تعمیر نو کا فیصلہ کیا۔ طے پایا کہ بیت اللہ کی دیواریں مضبوط اور بلند کر دی جائیں۔ اوپر چھت ڈال دی جائے۔ دروازے کو بلند کرنے کے ساتھ ساتھ مُقفّل بھی کیا جائے تاکہ اہل حل و عقد جسے چاہیں بیت اللہ میں داخل ہونے کی اجازت دیں اور جس کے بارے میں غیر مطمئن ہوں، اسے باہر ہی روک دیں تاکہ کسی قسم کا کوئی ناگوار واقعہ رونما نہ ہو اور ان کا شرف و فضل بھی قائم رہے۔ بصورت دیگر اس بات کا ہر وقت خطرہ رہتا تھا کہ کوئی شخص سازش کر کے اس بوسیدہ عمارت کو گرائے یا اس کی بے حرمتی کرے۔[5]

قریش کو ابووہب اور ولید بن مغیرہ کا مشورہ

ابن اسحاق رحمہ اللہ نے لکھا ہے: جب قریشِ مکہ نے بیت اللہ کی تعمیرِ نو پر اتفاق کر لیا تو رسول اللہ ﷺ کے والد جناب عبداللہ کے ماموں ابووہب بن عمرو بن عائذ مخزومی[6] نے بیت اللہ کا ایک پتھر اُکھاڑا مگر وہ ان کے ہاتھ سے اچھل کر واپس اپنی جگہ پہنچ گیا، تب ابووہب نے کہا: ''اے قبیلۂ قریش! بیت اللہ کی مقدس تعمیر میں ہر شخص صرف اپنی حلال اور طیب کمائی ہی کا مال خرچ کرے۔ اس تعمیر میں بدکاری، سودی بیوپار اور ظلم و ستم سے حاصل کردہ مال ہرگز استعمال نہ کیا جائے۔''[7]

علامہ ازرقی اور دیگر مؤرخین نے لکھا ہے کہ جب قریش نے تعمیرِ کعبہ کے لیے سامان، پتھر اور لکڑیاں جمع کر لیں تو پھر وہ کعبۃ اللہ کی دیوار گرانے لگے۔ اس دوران کعبہ کے اندر سے ایک بہت بڑا سانپ نکل آیا۔ وہ بیت اللہ کی حفاظت کر رہا تھا۔ قریش جونہی آگے بڑھتے، وہ انھیں بیت اللہ کی طرف آنے سے روکتا تھا۔ جب قریش نے یہ منظر دیکھا تو وہ مقام ابراہیم کے پاس اکٹھے ہو گئے۔ ولید بن مغیرہ نے ان سے کہا: اے میری قوم قریش! کیا تم لوگ اسے

[1] الكامل لابن الأثير: 571/1. [2] السيرة لابن إسحاق: 150/1. [3] الكامل لابن الأثير: 572/1. [4] السيرة لابن إسحاق: 150/1، تاريخ الطبري: 39/2. [5] السيرة الحلبية: 230/1. [6] الجمهرة لابن حزم، ص: 141، البداية والنهاية: 280/2. [7] السيرة لابن إسحاق: 151/1.

بھلائی کی نیت سے مسمار کرنا چاہتے ہو؟ لوگوں نے کہا: بالکل ہم بھلائی چاہتے ہیں۔ ولید نے کہا: پھر کوئی کھٹکا نہیں۔ اللہ تعالیٰ مصلحین کو ہلاک نہیں کرے گا لیکن تم اپنے رب کے گھر کی تعمیر میں اپنے پاکیزہ اموال لگانا۔ اس میں سود کا پیسہ یا جوئے اور زنا کی کمائی نہ لگانا اور ہر قسم کے گندے اور حرام مال سے پرہیز کرنا کیونکہ اللہ تعالیٰ طیب مال ہی قبول کرتا ہے۔ چنانچہ تمام لوگوں نے اتفاق کیا کہ کعبہ کی تعمیر میں صرف حلال اور پاکیزہ مال ہی خرچ کیا جائے گا۔[1]

بیت اللہ کی نئی تعمیر کے مراحل

بیت اللہ کی تعمیرِنو کے سلسلے میں قریش میں مشاورت جاری تھی کہ تعمیر کس طرح کی جائے، تعمیری کام کے لیے کون کون سے ذرائع اختیار کیے جائیں اور اس کام میں کن کن چیزوں کی ضرورت پیش آئے گی۔ اتفاق سے انھی دنوں رومیوں کا ایک مال بردار بحری جہاز (جدہ کے جنوب میں) شُعَیبہ کے ساحل سے ٹکرا کر پاش پاش ہوگیا۔ یہ مال بردار جہاز مختلف قسم کے سازوسامان سے لدا ہوا تھا۔ اس میں حبشہ کے گرجے کی تعمیر کے لیے لدی ہوئی بیش قیمت لکڑی بھی تھی۔[2] قریش کو جب اس حادثے اور جہاز میں موجود قیمتی لکڑی کے بارے میں علم ہوا تو انھوں نے اسے



جدہ کے جنوب میں شعیبہ کا ساحل

خریدنے کے لیے ولید بن مغیرہ کی قیادت میں ایک وفد روانہ کردیا۔[3] وفد نے جب جہاز کے رومی تاجروں سے لکڑی خریدنے کی بات کی تو انھوں نے یہ شرط رکھی کہ قریش اپنے تجارتی قافلے کے ساتھ ان کا تجارتی سازوسامان بھی بری راستے سے شام لے جائیں گے۔[4]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ قریش نے ان رومیوں کو بغیر کسی ٹیکس کے مکہ میں اپنا سامان بیچنے کی پیشکش کی

[1] أخبار مكة للأزرقي: 162،161/1، الطبقات لابن سعد: 146،145/1، المصنف لعبدالرزاق: 102/5. [2] السيرة لابن كثير، ص: 55، المصنف لعبدالرزاق: 102/5، حديث: 9106، السيرة الحلبية: 233/1، سبل الهدٰى والرشاد: 169/2. [3] الطبقات لابن سعد: 145/1. [4] المصنف لعبدالرزاق: 98/5، حديث: 9103، فتح الباري: 558/3.

تاکہ وہ لکڑی بیچنے کے لیے راضی ہو جائیں۔ تجارتی ٹیکس کا طریقۂ کار یہ تھا کہ جو رومی تاجر مکہ آتا، قریش اس سے دسواں حصہ بطور ٹیکس وصول کرتے تھے۔ اسی طرح کوئی قریشی تاجر روم جاتا تو رومی بھی اس سے دسواں حصہ بطور ٹیکس وصول کرتے تھے۔[1] بہر حال قریش نے لکڑی کے مالکوں سے اپنے حلال مال کے بدلے یہ لکڑی خرید لی اور اسے بیت اللہ کی تعمیر میں استعمال کیا۔

تعمیر کعبہ کے وقت نبی اکرم ﷺ کی عمر مبارک

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ بیت اللہ کی تعمیر کے وقت نبی اکرم ﷺ کی عمر پینتیس سال تھی۔[2] امام بیہقی اور ابن کثیر رحمہ اللہ نے موسیٰ بن عقبہ رحمہ اللہ کی روایت بیان کی ہے کہ تعمیر کعبہ بعثت سے پندرہ برس پہلے ہوئی۔ یہی قول عروہ بن زبیر، محمد بن جُبیر بن مطعم، مجاہد رحمہ اللہ اور دیگر اہل علم سے منقول ہے۔[3] امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے موسیٰ بن عقبہ رحمہ اللہ کا ایک اور قول نقل کیا ہے کہ جنگِ فجار اور تعمیرِ کعبہ کے درمیان پندرہ برس کا زمانی فاصلہ ہے۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی رائے دیتے ہوئے فرماتے ہیں: جنگِ فجار اور حلف الفضول دونوں واقعے ایک ہی سال پیش آئے۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ کی عمر بیس سال تھی۔ موسیٰ بن عقبہ کے اس دوسرے قول سے ابن اسحاق کے قول کی تائید ہوتی ہے کہ تعمیرِ کعبہ کے وقت نبیِ اکرم ﷺ کی عمر مبارک پینتیس برس تھی۔[4] امام طبری، ابن اثیر، بیہقی، ذہبی، سہیلی، ابن حجر، حلبی اور حضرمی رحمہ اللہ نے اسی بیان کو راجح قرار دیا ہے۔[5]

نبیِ اکرم ﷺ نے پتھر ڈھوئے

قریش تعمیرِ کعبہ کے لیے استعمال ہونے والا پتھر مکہ کے نشیب میں واقع گھاٹی اجیاد سے لا رہے تھے۔[6] اجیاد کوہِ صفا سے متصل بیت اللہ کا سب سے قریبی محلّہ ہے۔ اس کام میں رسول اللہ ﷺ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی روایت ہے:



شارع اجیاد

[1] أخبار مكة للأزرقي:160/1. [2] السيرة لابن إسحاق: 151/1 و156,155. [3] المصنف لعبد الرزاق: 98/5، حديث: 9103، دلائل النبوة للبيهقي: 62/2. [4] السيرة لابن كثير، ص: 55، دلائل النبوة للبيهقي: 58/2. [5] تاريخ الطبري: 37,36/2 و41,40، دلائل النبوة للبيهقي: 62/2، الكامل لابن الأثير: 571/1، تاريخ الإسلام للذهبي (السيرة)، ص: 66، الروض الأنف: 336/1، السيرة الحلبية: 229/1، فتح الباري: 557/3، 558، حدائق الأنوار، ص: 119. [6] أخبار مكة للفاكهي: 227/5.

لَمَّا بُنِيَتِ الْكَعْبَةُ ذَهَبَ النَّبِيُّ ﷺ وَعَبَّاسٌ يَنْقُلَانِ الْحِجَارَةَ، فَقَالَ الْعَبَّاسُ لِلنَّبِيِّ ﷺ: اجْعَلْ إِزَارَكَ عَلٰى رَقَبَتِكَ، فَخَرَّ إِلَى الْأَرْضِ، وَطَمَحَتْ عَيْنَاهُ إِلَى السَّمَاءِ، فَقَالَ: أَرِنِي إِزَارِي، فَشَدَّهُ عَلَيْهِ.

''جب کعبہ کی تعمیر ہو رہی تھی تو نبی اکرم ﷺ اور عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ پتھر اٹھا اٹھا کر لا رہے تھے۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ اپنا ازار اپنے کندھے پر رکھ لیجیے (تا کہ پتھروں کا بوجھ اٹھانا آسان ہو جائے۔) آپ ﷺ نے ازار اتار کر کندھوں پر رکھا تو بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑے اور آپ کی آنکھیں آسمان پر گڑ گئیں۔ آپ جب سنبھلے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے میرا ازار دے دیجیے۔'' پھر آپ نے اسے اچھی طرح کس کر باندھ لیا۔''[1]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت میں ہے کہ نبی ﷺ اور عباس رضی اللہ عنہ تعمیر کعبہ کے لیے نہایت مستعدی سے سرگرم عمل تھے۔ وہ پتھر ڈھو ڈھو کر لا رہے تھے۔ اسی دوران عباس رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ سے کہا:

اجْعَلْ إِزَارَكَ عَلٰى رَقَبَتِكَ يَقِكَ مِنَ الْحِجَارَةِ

''اپنا تہبند کندھے پر رکھ لیجیے، وہ آپ کو پتھروں (کی چبھن) سے محفوظ رکھے گا۔''

آپ نے ایسا کیا تو اسی وقت بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑے اور آپ کی آنکھیں آسمان کی طرف اٹھ گئیں، جب افاقہ ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: «إِزَارِي إِزَارِي» ''میرا تہبند! میرا تہبند!'' آپ ﷺ نے اپنا تہبند لے کر اچھی طرح کس کر باندھ لیا۔ یہ لحاظ بے پردگی آپ کی زندگی کا پہلا اور آخری موقع تھا۔[2]

بیت اللہ کا معمار

بیت اللہ تعمیر کرنے والا کاریگر کون تھا؟ ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ مکہ میں ایک قبطی معمار تھا، اس نے تعمیر کا کام کیا تھا۔[3] ابن ہشام، ابن کثیر اور طبری رحمہم اللہ وغیرہ نے بھی اس بات کی موافقت کرتے ہوئے قبطی معمار کا ذکر کیا ہے۔[4] ازرقی، فاکہی اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے باقوم رومی کو معمار قرار دیا ہے۔[5]

[1] صحيح البخاري:1582، صحيح مسلم:340. [2] صحيح البخاري :364 و3829، صحيح مسلم :340. [3] السيرة لابن إسحاق :150/1. [4] السيرة لابن هشام :193/1، السيرة لابن كثير، ص :56، تاريخ الطبري :39/2. [5] أخبار مكة للأزرقي :157/1، أخبار مكة للفاكهي: 227/5، فتح الباري :557/3.

باقوم رومی ایک غلام تھا جو اس بحری جہاز پر سوار تھا جو مکہ کے ساحلی مقام شُعَیبہ کے پاس سمندر میں غرق ہوگیا تھا۔ وہ بڑھئی اور ماہرِ تعمیر تھا۔ کہا جاتا ہے کہ باقوم نے اسلام قبول کر لیا تھا اور بنو امیہ کا غلام رہا۔ باقوم ہی نے مدینہ میں نبی ﷺ کا تین سیڑھیوں والا منبر بنایا تھا۔[1] علامہ زرقانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ ایک کی نہیں، متعدد افراد کی بات ہے۔ ہوسکتا ہے یہ دو افراد ہوں اور دونوں نے تعمیر میں حصہ لیا ہو۔ ایک نے دیواریں اٹھائی ہوں اور دوسرے نے چھت ڈالی ہو۔[2]

رومی بحری جہاز جب شُعَیبہ کے ساحل سے ٹکرا کر تباہ ہوا تو قریش نے اس کے سامان سے بیت اللہ کی تعمیر کے لیے لکڑی خریدی۔ یہ جہاز باقوم رومی قیصر کے حکم سے حبشہ میں گرجا بنانے کے لیے لے جا رہا تھا۔ اسی دوران باقوم رومی کو آمادہ کیا گیا کہ وہ بیت اللہ کے تعمیراتی کام کی رہنمائی کرے۔[3]

باقوم رومی اپنے فن میں طاق تھا۔ وہ مکہ آیا۔ اس نے قریش کی مدد سے بیت اللہ کی تعمیر کا کام کیا۔ کام کرتے کرتے اس نے قریش سے پوچھا کہ بیت اللہ کی چھت کس طرح کی بناؤں؟ انھوں نے جواب دیا کہ چھت ہموار بناؤ، چنانچہ اس نے بیت اللہ کی چھت ہموار بنائی۔[4]

اس تفصیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ مؤرخین معمار کے بارے میں دو مختلف آراء رکھتے ہیں۔ اس تعارض کو حل کرنے کے لیے امام حلبی رحمہ اللہ نے تفصیلی بحث کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مکہ میں سعید بن عاص کے ایک قبطی غلام اور باقوم رومی دونوں ہی نے تعمیر کا کام کیا۔ بعد ازاں باقوم رومی نبیِ اکرم ﷺ کی بعثت کے بعد اسلام لایا اور مکہ ہی میں بغیر وارث کے فوت ہوگیا۔ اس وقت یہ باقوم رومی اور سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کا قبطی غلام دونوں اپنے فن کے مانے ہوئے کاریگر تھے۔[5] والله أعلم بالصواب.

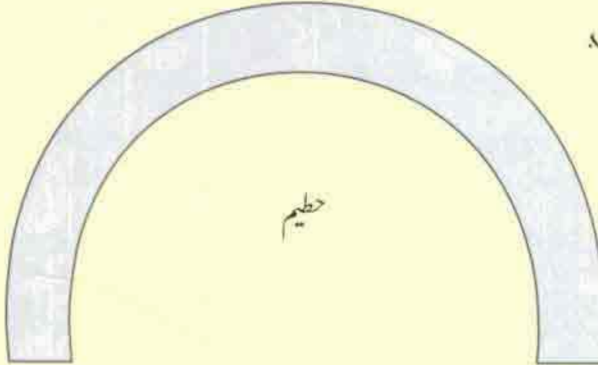
تعمیرِ کعبہ کے کام کی تقسیم

قریش نے کعبہ کی تعمیر کا کام آپس میں قرعہ اندازی کے ذریعے سے بانٹ لیا۔ یہ قرعہ اندازی کعبہ کے اندر ہبل بت کے پاس ہوئی۔ دروازے والی مشرقی جانب کا کام بنوعبدمناف اور بنوزہرہ کے حصے میں آیا۔ حجر اسود اور رکن یمانی کا درمیانی حصہ بنومخزوم، بنوتیم اور ان کے ساتھ شامل ہونے والے کچھ دوسرے قریشی قبائل کے ذمے لگا۔ پشت والی مغربی جانب کی تعمیر بنوجُمح اور بنوسہم کے حصے میں آئی۔ یہ دونوں عمرو بن ہُصَیص بن کعب بن لؤی کی اولاد میں سے

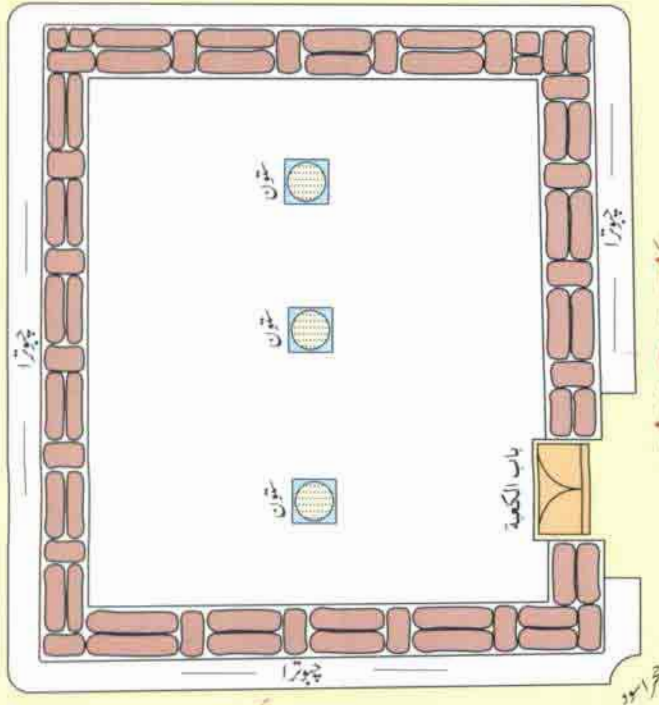
---

[1] أخبار مكة للأزرقي: 243/1، أسد الغابة: 190/1. [2] الإصابة: 400,399/1، شرح الزرقاني على المواهب: 380/1.
[3] المصنف لعبدالرزاق: 98/5، حديث: 9103 و 9106، مجمع الزوائد: 289/3، حديث: 5729. [4] أخبار مكة للأزرقي: 164/1. [5] السيرة الحلبية: 234/1، 235.





بنو عبد الدار، بنو اسد اور بنو عدی



بنو جمح اور بنو سہم

بنو عبد مناف اور بنو زہرہ

بنو مخزوم اور بنو تیم

تعمیرِ کعبہ کے کام کی تقسیم (تعمیرِ قریش کے وقت)

تھے۔شام یا شمال کی طرف، یعنی حطیم والی جانب کا کام بنوعبدالدار، بنواسد اور بنوعدی کو سونپا گیا۔[1]

انہدامِ کعبہ کا نازک مرحلہ

اب سب سے پہلا مرحلہ کعبہ کی پرانی عمارت کو ڈھانے کا تھا تاکہ اس کی جگہ نئی عمارت تعمیر کی جاسکے۔ پرانی عمارت کو ڈھانا آسان نہ تھا۔قریش کو خوف تھا کہ مبادا اسے ڈھانے والا عذابِ الٰہی کا شکار ہو جائے۔ اس سے پہلے وہ ابرہہ اور اس کے لشکر کا انجام دیکھ چکے تھے جو کعبہ کو مسمار کرنے آیا تھا۔

علاوہ ازیں کعبہ کے اندر ایک کنواں تھا، اُس میں روزانہ کعبہ کی نذر کیے گئے تحفے ڈالے جاتے تھے۔ اس کنویں میں ایک اژدہا رہتا تھا۔ وہ روزانہ دھوپ تاپنے کے لیے کعبہ کی دیوار پر آجاتا تھا۔ جو بھی کعبہ کے اس حصے کے قریب جاتا تھا، وہ اپنا سر اٹھا کر پھنکارتا اور اسے ہڑپ کرنے کے لیے اپنا جبڑا کھول دیتا تھا۔قریش اس اژدہے سے بھی بہت خوفزدہ تھے۔ اس بلا سے نجات حاصل کرنے کے لیے انھوں نے مقامِ ابراہیم کے پاس کھڑے ہوکر بارگاہِ الٰہی میں دعا کی: اَللّٰهُمَّ! إِنْ كَانَ لَكَ فِي هَدْمِهَا رِضًا فَأَتِمَّهُ وَاشْغَلْ عَنَّا هٰذَا الثُّعْبَانَ. ”اے اللہ! (یہ تیرا گھر ہے۔) اس وقت اِسے گرانے میں اگر تو راضی ہے تو اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچا اور اس سانپ کو ہم سے دور بھگا دے۔“

ایک دن عجیب معاملہ پیش آیا۔ اژدہا حسبِ معمول دھوپ تاپنے کے لیے کعبہ کی دیوار پر آیا تو اللہ تعالیٰ نے ایک بہت بڑا پرندہ بھیج دیا۔ وہ اسے اچک کر لے گیا۔ یہ دیکھ کر قریش کے حوصلے بلند ہوئے۔ وہ کہنے لگے: ہمیں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کام سے، جس کا ہم نے ارادہ کیا ہے، راضی ہے۔ہمیں اس کے لیے مہربان کاریگر کی خدمات اور بہترین لکڑی میسر آگئی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں اژدہے سے بھی نجات دے دی ہے۔[2]

ولید بن مغیرہ کا اقدام

اس کے باوجود وہ خوف کی وجہ سے کعبہ کو گرانے پر پوری طرح آمادہ نہ ہوئے۔ یہ صورت حال دیکھ کر ولید بن مغیرہ کہنے لگا کہ میں اسے ڈھانے کی ابتدا کرتا ہوں۔ اس نے کدال پکڑی، کعبہ کی دیوار پر چڑھ گیا اور کہنے لگا:

اَللّٰهُمَّ! لَمْ تُرَعْ، اَللّٰهُمَّ! إِنَّا لَا نُرِيدُ إِلَّا الْخَيْرَ.

[1] الطبقات لابن سعد: 146/1، السيرة لابن إسحاق: 152/1، السيرة لابن هشام: 195/1، أخبار مكة للأزرقي: 161/1.
[2] أخبار مكة للأزرقي: 162/1، السيرة لابن إسحاق: 151,150/1، السيرة لابن هشام: 193/1، تاريخ الطبري: 40,39/2.

''اے اللہ! کعبے کی مسماری سے لوگوں میں دہشت پھیلانا ہمارا مقصود نہیں بلکہ اے اللہ! ہم اسے نئے سرے سے بنا کر بھلائی کا ارادہ رکھتے ہیں۔''

ایک روایت میں لَمْ تُرَعْ کے بجائے لَمْ نَزِغْ کے الفاظ ہیں جن کے معنی یہ ہیں کہ ''ہم اپنے دین سے (جس میں بیت اللہ کا احترام شرطِ لازم کی حیثیت رکھتا ہے) دست بردار نہیں ہوئے۔''

پھر اس نے حجر اسود اور رکنِ یمانی کی طرف سے کعبہ کی دیوار ڈھانی شروع کی۔ لوگوں نے جب یہ منظر دیکھا تو کہنے لگے کہ آج رات ہم انتظار کریں گے۔ اگر ولید بن مغیرہ کو کچھ ہو گیا تو ہم کعبہ کو بالکل نہیں گرائیں گے۔ جس طرح یہ ولید کے ڈھانے سے پہلے تھا، اسے ویسا ہی بنا دیں گے۔ اگر اسے کچھ نہ ہوا تو ہم سمجھیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اس کام سے راضی ہے، پھر ہم کعبہ کی پرانی عمارت گرا دیں گے۔ رات خیر و عافیت سے گزر گئی اور اُسے کچھ نہ ہوا۔ ولید نے صبح ہوتے ہی دوبارہ کعبہ کی خستہ عمارت گرانی شروع کر دی۔ یہ دیکھ کر دوسرے لوگ بھی اس کے ساتھ شامل ہو گئے۔ دیوار ڈھاتے ڈھاتے وہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی رکھی ہوئی بنیاد کے سبز پتھروں تک پہنچ گئے۔ وہ پتھر ایک دوسرے سے پیوست تھے۔ ایک قریشی نے ان میں سے دو پتھروں کے درمیان کدال ڈال کر انھیں اکھاڑنا چاہا تو سارا مکہ لرز اُٹھا۔ یہ منظر دیکھ کر وہ لوگ خوفزدہ ہو گئے۔ انھوں نے فوراً کھدائی روک دی اور بنیاد کے پتھروں کو چھیڑنے کے بجائے اس کے اوپر نئی تعمیر کا فیصلہ کیا۔[1]

حجرِ اسود نصب کرنے پر زبردست اختلاف

قریش نے بڑے جوش و خروش سے اصل بنیادوں پر کعبہ کی ازسرِنو تعمیر کا آغاز کیا تھا۔ ہر قبیلہ اپنے حصے کی تعمیر میں مگن ہو گیا۔ تعمیر کرتے کرتے جب وہ اتنی بلندی پر پہنچ گئے جہاں حجر اسود نصب کرنا تھا تو ان میں اس بات پر شدید اختلاف پیدا ہو گیا کہ حجر اسود کو اس کے مقام پر کون نصب کرے گا۔ ہر قبیلہ چاہتا تھا کہ حجر اسود کو اس کی جگہ پر نصب کرنے کا اعزاز صرف اُسی کو حاصل ہو۔ بنو عبد مناف اور بنو زہرہ جن کے حصے میں کعبہ کے دروازے والی سمت آئی تھی، انھوں نے کہا کہ حجر اسود ہماری طرف کے حصے میں آتا ہے۔ بنو تیم اور بنو مخزوم، جو حجر اسود اور رکن یمانی کا درمیانی حصہ تعمیر کر رہے تھے، بولے: حجر اسود ہمارے رُخ پر ہے، اس لیے یہ عظیم کام ہم ہی انجام دیں گے۔ یہ سُن کر باقی قبیلوں کے لوگ کہنے لگے: تعمیرِ کعبہ کا جو کام ہمارے حصے میں آیا، اس میں

[1] السيرة لابن إسحاق:1/152، السيرة لابن هشام:1/195،196، تاريخ الطبري:2/40،41.

حجر اسود تھا ہی نہیں۔[1]

بات بہت بڑھ گئی۔ تعمیری کام رک گیا حتیٰ کہ وہ ایک دوسرے کے خلاف جنگ کے لیے تیار ہو گئے۔ ہر قبیلے نے باہم لڑنے مرنے کی قسم کھائی۔ بنوعبدالدار خون سے لبریز پیالہ لے آئے۔ انھوں نے بنو عدی بن کعب کے ساتھ مل کر اس خون میں اپنے ہاتھ ڈبوئے اور کٹ مرنے کا عہد کیا۔ اسی بنا پر ان کا لقب لَعَقَةُ الدَّمِ ''خون چاٹنے والے'' پڑ گیا۔[2]

حجر اسود کی اہمیت و فضیلت

قریش کے مذکورہ جھگڑے کی بنیادی وجہ حجر اسود کی بے انتہا اہمیت اور فضیلت تھی جس سے وہ بخوبی آگاہ تھے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بیٹے اسماعیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے کعبہ کی تعمیر کرتے کرتے حجر اسود کی جگہ تک پہنچ گئے تو ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے کہا کہ ایک موزوں پتھر ڈھونڈ کر لاؤ۔ وہ پتھر ڈھونڈنے چلے گئے۔ واپس آئے تو دیکھا کہ حجر اسود کو اس کی جگہ پر نصب کیا جا چکا ہے۔ انھوں نے اپنے والد محترم سے پوچھا: ''ابا جان! یہ پتھر آپ کو کس نے لا کر دیا ہے؟'' ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ''اسے وہ لائے ہیں جو تمھاری تعمیر کے محتاج نہیں۔ اسے جبریل علیہ السلام آسمان سے لائے ہیں۔''[3]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«نَزَلَ الْحَجَرُ الْأَسْوَدُ مِنَ الْجَنَّةِ وَهُوَ أَشَدُّ بَيَاضًا مِّنَ اللَّبَنِ، فَسَوَّدَتْهُ خَطَايَا بَنِي آدَمَ»

''حجر اسود جنت سے اترا تھا اور دودھ سے زیادہ سفید تھا، بنی آدم کی خطاؤں نے اسے سیاہ کر دیا۔''[4]

شیخ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث میں «أَشَدُّ بَيَاضًا مِّنَ اللَّبَنِ» ''وہ دودھ سے زیادہ سفید تھا۔'' کے الفاظ شاذ ہیں۔ «أَشَدُّ بَيَاضًا مِّنَ الثَّلْجِ» ''وہ برف سے زیادہ سفید تھا'' کے الفاظ محفوظ اور زیادہ صحیح ہیں۔[5]

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے تین بار اللہ تعالیٰ کی قسم کھائی اور اپنی انگلیوں سے دونوں کانوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

«إِنَّ الرُّكْنَ وَالْمَقَامَ يَاقُوتَتَانِ مِنْ يَاقُوتِ الْجَنَّةِ، طَمَسَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ نُورَهُمَا، وَلَوْلَا أَنَّ اللّٰهَ طَمَسَ نُورَهُمَا لَأَضَاءَتَا مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ»

[1] أخبار مكة للأزرقي: 163/1. [2] السيرة لابن هشام: 197,196/1. [3] تاريخ الطبري: 176/1، شعب الإيمان للبيهقي: 437,436/3، رقم: 3991. [4] جامع الترمذي: 877. [5] السلسلة الصحيحة: 230/6، حديث: 2618.

”بے شک حجرِ اسود اور مقامِ ابراہیم جنت کے یاقوتوں میں سے دو یاقوت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا نور ختم کر دیا۔ اگر اللہ تعالیٰ ان کا نور ختم نہ کرتا تو یہ مشرق و مغرب کے مابین ہر چیز کو روشن کر دیتے۔“ [1]



حجرِ اسود اور مقامِ ابراہیم

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَوْلَا مَامَسَّهُ مِنْ أَنْجَاسِ الْجَاهِلِيَّةِ مَا مَسَّهُ ذُو عَاهَةٍ إِلَّا شُفِيَ، وَمَا عَلَى الْأَرْضِ شَيْءٌ مِنَ الْجَنَّةِ غَيْرُهُ»

”اگر حجرِ اسود کو عہدِ جاہلیت کی نجاستیں نہ چھوتیں تو جو بھی بیمار اسے چھوتا، وہ شفایاب ہو جاتا۔ زمین پر (اس جیسی) اس کے سوا جنت کی کوئی چیز نہیں۔“ [2]

قریش کے لوگ زمانۂ قدیم سے حجرِ اسود کی بے پناہ تعظیم کرتے تھے۔ وہ طواف کرتے ہوئے حجرِ اسود کا استلام بھی کیا کرتے تھے۔ [3] اسلام نے بھی یہ عمل احسن انداز میں جاری رکھا، چنانچہ طواف کا آغاز حجرِ اسود کے استلام سے ہوتا ہے اور ہر چکر میں اس کا استلام کیا جاتا ہے، نیز طواف کا اختتام بھی حجرِ اسود پر ہوتا ہے۔ استلام کی اہمیت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس روایت سے واضح ہوتی ہے۔ نبیِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ مَسْحَ الرُّكْنِ الْيَمَانِيِّ وَالرُّكْنِ الْأَسْوَدِ يَحُطُّ الْخَطَايَا حَطًّا»

[1] جامع الترمذي: 878، مسند أحمد: 214,213/2، المستدرك للحاكم: 456/1، صحيح ابن خزيمة: 219/4، حديث: 2731. [2] السنن الكبرى للبيهقي: 75/5. [3] أخبار مكة للأزرقي: 178/1.


رکن یمانی


حجر اسود

"بلا شبہ رکن یمانی اور حجر اسود کو چھونے سے گناہ خوب جھڑتے ہیں۔"[1]

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجرِ اسود کے بارے میں فرمایا:

«وَاللّٰهِ! لَيَبْعَثَنَّهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَهُ عَيْنَانِ يُبْصِرُ بِهِمَا، وَلِسَانٌ يَنْطِقُ بِهِ، يَشْهَدُ عَلٰى مَنِ اسْتَلَمَهُ بِحَقٍّ»

"اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ قیامت کے دن حجرِ اسود کو یقیناً اس حال میں ظاہر فرمائے گا کہ اس کی دو آنکھیں ہوں گی جن سے وہ دیکھے گا اور ایک زبان ہوگی جس سے وہ بولے گا۔ وہ ہر اس شخص کے لیے گواہی دے گا جس نے اللہ کی رضا کے لیے ایمان کے ساتھ اس کا استلام کیا ہوگا۔"[2]

حجرِ اسود کے استلام سے مراد یہ ہے کہ اسے چھوا جائے اور بوسہ دیا جائے۔ اگر بھیڑ ہو اور یہ ممکن نہ ہو تو اسے ہاتھ سے چھوکر ہاتھ کو بوسہ دیا جائے۔ اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو کسی لاٹھی وغیرہ سے چھوکر اسے بوسہ دے دیا جائے۔ اگر ایسا کرنا بھی ممکن نہ ہو تو محض اس کی طرف اشارہ کر دینے ہی سے استلام ہو جائے گا۔

حجر اسود کی اہمیت و فضیلت میں اس وجہ سے بھی مزید اضافہ ہوگیا کہ خود نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک اس پر لگے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بوسہ دیا۔ امیر المؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے حجر اسود کو بوسہ دیا اور کہا:

إِنِّي أَعْلَمُ أَنَّكَ حَجَرٌ لَّا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ، وَلَوْلَا أَنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يُقَبِّلُكَ مَا قَبَّلْتُكَ.

[1] مسند أحمد: 89/2. [2] جامع الترمذي: 961، صحيح ابن خزيمة: 220/4، حديث: 2735، صحيح ابن حبان (الإحسان): 10/6، حديث: 3703، 3704.

"بلاشبہ میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے۔ تو نقصان پہنچا سکتا ہے نہ نفع دے سکتا ہے۔ اگر میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے بوسہ نہ دیتا۔"[1]

قریش حجر اسود کے فضائل اتنی تفصیل اور جُزرسی کے ساتھ تو نہیں جانتے تھے لیکن انھیں اس کی زبردست فضیلت کا احساس بڑی شدت سے تھا، اس لیے ان کا کوئی قبیلہ حجر اسود کو اس کی جگہ پر نصب کرنے کے غیر معمولی اعزاز و افتخار سے دستبردار ہونے کو تیار نہ تھا۔ وہ حجر اسود نصب کرنے کے اعزاز کی خاطر ایک دوسرے کو مرنے مارنے پر تُل گئے تھے، اس لیے کہ وہ سمجھتے تھے جو بھی یہ اعزاز حاصل کرے گا، وہ رہتی دنیا تک کے لیے شرف و مجد کا تاج پہن لے گا۔

ابوامیہ بن مغیرہ کی رائے پر اتفاق

قریش کی باہمی جنگ کا خطرہ بڑھتا جا رہا تھا۔ چار پانچ دن تک صورتِ حال بہت کشیدہ رہی۔ بالآخر انھوں نے یہ مسئلہ باہمی مشاورت سے حل کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس مقصد کے لیے وہ مسجد الحرام میں جمع ہوگئے۔ ابوامیہ بن مغیرہ قریش میں سب سے عمر رسیدہ اور دانا سردار تھا۔ یہ ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا والد تھا۔[2] اس نے سب کو مخاطب کر کے کہا: "اے قریش کی جماعت! تم لوگوں میں جس معاملے میں اختلاف ہوگیا ہے، اس کا فیصلہ کرنے کے لیے اس شخص کو اپنا حَکَم بنا لو جو سب سے پہلے مسجد کے باب بنوشیبہ سے داخل ہو۔" ابوامیہ کی یہ رائے سب کو پسند آئی اور اس پر اتفاق ہوگیا۔[3]

اللہ تعالیٰ کی مشیت و حکمت تھی کہ باب بنوشیبہ سے سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ تشریف لائیں۔ نبی اکرم ﷺ کی شخصیت قریش کے ہاں مسلّمہ طور پر انتہائی مکرم تھی۔ وہ آپ کی بے داغ صداقت شعاری اور امانت داری کی وجہ سے آپ کو "صادق و امین" کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ سب کو آپ پر مکمل اعتماد تھا۔ جب انھوں نے آپ کو دروازے سے آتے دیکھا تو نہایت خوش ہوئے اور بے ساختہ پکار اٹھے: هٰذَا الْأَمِينُ قَدْ رَضِينَا بِمَا قَضٰى بَيْنَنَا "یہ امین ہمارے مابین جو فیصلہ فرمائیں گے، ہم اس پر راضی ہیں۔"

نبی ﷺ کے ناخنِ تدبیر سے فتنے کا خاتمہ

نبی ﷺ ان کے قریب پہنچے تو انھوں نے آپ کی خدمت میں سارا ماجرا کہہ سنایا۔ آپ ﷺ نے سکون سے ان

[1] صحيح البخاري: 1597، صحيح مسلم: 1270. [2] أسد الغابة: 453/5، الإصابة: 404/8. [3] السيرة لابن إسحاق: 155,154/1، السيرة لابن هشام: 197/1، الطبقات لابن سعد: 146/1.

کی بات سنی۔ بعد ازاں فرمایا: «هَلُمَّ إِلَيَّ ثَوْبًا» ''میرے پاس ایک کپڑا لے آؤ۔''

کپڑا لایا گیا تو آپ ﷺ نے اسے بچھایا اور اپنے دست مبارک سے حجر اسود اُٹھا کر اس کپڑے پر رکھ دیا، پھر فرمایا:

«لِتَأْخُذْ كُلُّ قَبِيلَةٍ بِنَاحِيَةٍ مِنَ الثَّوْبِ، ثُمَّ ارْفَعُوهُ جَمِيعًا»

''ہر قبیلہ (کا نمائندہ) کپڑے کا ایک ایک کنارہ تھام لے، پھر سب مل کر اسے اٹھاؤ۔''

بنوعبد مناف سے عتبہ بن ربیعہ نے، بنواسد سے زمعہ بن اسود بن مطلب نے، بنومخزوم سے ابوحذیفہ بن مغیرہ نے اور بنوسہم سے قیس بن عدی نے ایک ایک کنارہ پکڑ لیا، پھر وہ اسے اٹھا کر اس کی جگہ تک لے آئے۔ اب نبی اکرم ﷺ نے حجر اسود کو اپنے دست مبارک سے اٹھایا اور اس کی جگہ نصب کر دیا، پھر اس سے آگے کی تعمیر کا کام جاری ہوا۔[1]

یہ واقعہ نبی اکرم ﷺ کی فراست اور عظمت و رفعت کی روشن دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حجر اسود کو اس کی جگہ نصب کرنے کے لیے آپ ﷺ کی ذاتِ بابرکات کا انتخاب فرمایا کیونکہ اس عظیم کام کے سب سے زیادہ اہل آپ ہی تھے۔ یوں حجر اسود ایسے مقدس اور مبارک ہاتھوں سے اپنے ٹھکانے پر رکھا گیا جنھوں نے کبھی کسی کو ذرہ بھر تکلیف نہیں پہنچائی تھی۔ نبی اکرم ﷺ نے اس اعزاز میں باقی سب قبائل کو بھی شریک فرمایا۔ آپ کے اس دانش مندانہ فیصلے سے نہ صرف فتنہ وفساد کی آگ بجھی اور جنگ کا خطرہ ٹلا بلکہ سب نے اس خوبصورت مدبرانہ فیصلے کو سراہا۔

ابلیس کی شرانگیزی ناکام ہوگئی

حجر اسود کی تنصیب کے موقع پر ایک اجنبی شخص سامنے آیا۔ اُس نے ایک بزرگ کا روپ دھار رکھا تھا۔ وہ ایک پتھر اٹھا کر نبی اکرم ﷺ کو دینے لگا تاکہ آپ اس کے ساتھ حجر اسود کو مضبوطی سے اس کی جگہ پر جما دیں۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے اسے روک دیا اور اس ضرورت کے لیے خود ایک پتھر لے کر نبی اکرم ﷺ کے حوالے کیا۔ اس پیرِ فرتوت کو بہت غصہ آیا۔ اس وقت نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّهُ لَيْسَ يَبْنِي مَعَنَا فِي الْبَيْتِ إِلَّا مِنَّا»

''ہمارے ساتھ بیت اللہ کی تعمیر میں صرف وہی شخص شریک ہوگا جو ہم (قریش) میں سے ہو۔''

یہ سن کر وہ بوڑھا طیش میں آ گیا۔ اُس نے قریش کو آپ کے خلاف بھڑکانے کی غرض سے کہا: اصحابِ شرف، عقل مند، عمر رسیدہ اور مالدار لوگوں پر تعجب ہے! انھوں نے ایسے شخص پر اعتماد کیا ہے جو ان سے عمر میں بہت چھوٹا ہے

[1] الطبقات لابن سعد: 146/1، السيرة لابن هشام: 197/1، تاريخ الطبري: 41/2، الجمهرة لابن حزم، ص: 165.

اور مال و دولت کے لحاظ سے بھی کم تر ہے۔ انھوں نے اپنے اہم ترین کام اور پناہ گاہ (کی تعمیر) کے معاملے میں اسے اس طرح اپنا سردار مان لیا ہے گویا یہ سب اس کے نوکر ہیں۔ اللہ کی قسم! یہ انھیں مختلف ٹکڑوں میں تقسیم کر ڈالے گا۔

اس ''بزرگ'' شخص کی اس بات پر کسی نے کان نہ دھرا۔ یہ ساری شر انگیزی ابلیس کی تھی جو ناکام ہوگئی اور اُسے شدید مایوسی اور نامُرادی کا سامنا کرنا پڑا۔[1]

نئی تعمیر کے نمایاں پہلو

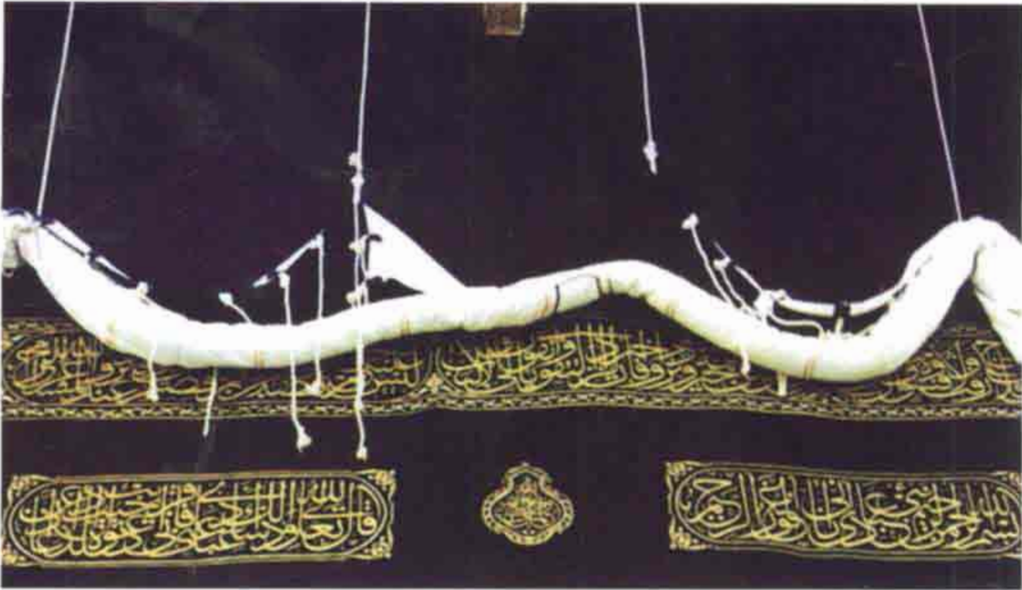
قریش مکہ نے بیت اللہ کی از سرِ نو تعمیر کے لیے جو حلال مال جمع کیا تھا، وہ کم پڑ گیا۔ انھوں نے فیصلہ کیا کہ کعبہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی رکھی ہوئی بنیادوں پر اُسی حد تک تعمیر کیا جائے جتنا سامان ان کے پاس موجود ہے، چنانچہ انھوں نے کعبۂ مشرفہ کے شمالی رُخ سے تقریباً چھ ہاتھ اور ایک بالشت جگہ نئی تعمیر کی حدود سے باہر رہنے دی۔ اس حصے پر ایک چھوٹی سی گول دیوار بنا دی گئی تا کہ لوگ اس کے پیچھے سے طواف کریں۔ یہ ٹکڑا حِجْر اور حَطِیم کہلاتا ہے۔ انھوں نے کعبہ کی بلندی اٹھارہ ہاتھ رکھی جبکہ اس سے پہلے یہ بلندی نو ہاتھ تھی۔ اندر چھت کے لیے دو صفوں میں چھ ستون کھڑے کیے۔ حطیم سے لے کر حجر اسود اور رکن یمانی والی جانب تک ہر صف میں تین ستون تھے۔ لکڑی کی ہموار چھت ڈالی گئی جبکہ پہلے چھت نہیں تھی۔ چھت پر چڑھنے کے لیے رکن شامی کی اندرونی جانب لکڑی کی سیڑھی بنائی گئی۔ چھت، دیواروں اور ستونوں کو خوب آراستہ کیا گیا۔ نصاریٰ کے دستور کے مطابق ستونوں پر نبیوں، فرشتوں اور درختوں کی تصویریں بھی بنائی گئیں۔ بیت اللہ کا ایک دروازہ بنایا گیا۔ اسے زمین سے بلند رکھا گیا تا کہ سیلاب کا پانی اندر نہ جانے پائے، کعبہ میں داخلہ سیڑھی کے ذریعے سے ہو اور صرف وہی شخص داخل ہو جسے وہ اجازت دیں جبکہ اس سے پہلے زمین کے برابر دو دروازوں کی جگہ چھوڑی گئی تھی۔ ایک پرنالا بھی بنایا گیا جس کا رخ حطیم کی جانب رکھا۔[2]

غلافِ کعبہ کا اہتمام

قریش نے کعبہ کی تعمیر مکمل کرنے کے بعد اس پر دھاری دار یمنی چادروں کا غلاف چڑھایا۔[3] اس سے پہلے

[1] الطبقات لابن سعد: 147،146/1، أخبار مكة للأزرقي: 164/1، الروض الأنف: 346/1. [2] المنتظم: 327/2، أخبار مكة للأزرقي: 66/1 و 163-165، الطبقات لابن سعد: 147/1، سبل الهدٰى والرشاد: 172/2 و 155/1-157. [3] أخبار مكة للأزرقي: 167/1.

کعبہ پر قبطی کپڑے کا غلاف چڑھایا جاتا تھا۔ یہ ایک سفید کپڑا تھا جو مصر میں تیار ہوتا تھا۔ تعمیرِ نو کے بعد کعبہ پر دھاری دار یمنی چادروں ہی کا غلاف چڑھایا جاتا رہا۔ بعد ازاں ریشمی غلاف چڑھایا جانے لگا۔ [1]



غلافِ کعبہ

تعمیرِ کعبہ کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کی آرزو

نبی اکرم ﷺ قریش کی تعمیرِ کعبہ سے مکمل طور پر مطمئن نہیں تھے۔ اس کی چند وجوہ تھیں:

1. قریش نے حلال مال کم پڑ جانے کی وجہ سے کعبہ کی اصل بنیادوں میں سے خاصا بڑا حصہ ویسے ہی چھوڑ دیا اور کعبے کا رقبہ کم کر دیا۔
2. قریش نے کعبہ کا ایک ہی دروازہ رکھا۔
3. کعبہ کا دروازہ اونچا کر دیا تاکہ صرف وہی شخص داخل ہو سکے جسے وہ اجازت دیں۔

یوں قریش نے کعبہ کو ابراہیم علیہ السلام کی پوری بنیادوں پر تعمیر نہیں کیا تھا۔ نبی اکرم ﷺ کی دلی خواہش تھی کہ کعبہ کو ابراہیم علیہ السلام ہی کی ڈالی گئی پوری بنیادوں پر تعمیر کیا جائے۔ آپ ﷺ نے بعثت کے بعد اس دلی خواہش کا اظہار بھی فرمایا لیکن حکمت و مصلحت کے تحت اسے عملی جامہ نہ پہنایا۔ اس کی ایک بنیادی وجہ یہ تھی کہ لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے۔ ان کے ترکِ کفر و شرک پر ابھی زیادہ مدت نہیں گزری تھی۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنی بے خطا فراست

[1] السيرة لابن هشام: 199/1.

سے بھانپ لیا تھا کہ اگر کعبہ کو گرا کر دوبارہ تعمیر کیا گیا تو ہوسکتا ہے بعض لوگ اسے دل سے قبول نہ کریں۔ اس طرح ایک بہت بڑا فتنہ برپا ہونے کا اندیشہ تھا۔ اس خدشے کے پیش نظر آپ ﷺ نے کعبہ کو قریش کی بنائی ہوئی عمارت ہی پر برقرار رکھا اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے نبی ﷺ سے حطیم کے متعلق پوچھا: ''کیا یہ بیت اللہ کا حصہ ہے؟'' آپ نے فرمایا: ''ہاں!'' میں نے پوچھا: ''پھر قریش نے اسے بیت اللہ میں شامل کیوں نہیں کیا؟'' آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ قَوْمَكِ قَصَّرَتْ بِهِمُ النَّفَقَةُ»

''بلاشبہ تمھاری قوم کے پاس (تعمیر کے وقت حلال) خرچ کم پڑ گیا تھا۔''

میں نے پوچھا: ''اس کا دروازہ اونچا کیوں ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا:

«فَعَلَ ذٰلِكِ قَوْمُكِ، لِيُدْخِلُوا مَنْ شَاءُوا وَيَمْنَعُوا مَنْ شَاءُوا، وَلَوْلَا أَنَّ قَوْمَكِ حَدِيثٌ عَهْدُهُمْ بِجَاهِلِيَّةٍ، فَأَخَافُ أَنْ تُنْكِرَ قُلُوبُهُمْ أَنْ أُدْخِلَ الْجَدْرَ فِي الْبَيْتِ، وَ أَنْ أُلْصِقَ بَابَهُ بِالْأَرْضِ»

''تمھاری قوم نے یہ کام اس لیے کیا کہ وہ جسے چاہیں (بیت اللہ میں) داخل ہونے دیں اور جسے چاہیں روک دیں۔ اگر تمھاری قوم کا عہد زمانۂ جاہلیت کے قریب نہ ہوتا اور مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ میری طرف سے حطیم کو بیت اللہ میں شامل کرنا اور اس کے دروازے کو زمین سے ملا دینا ان پر شاق گزرے گا (تو میں ایسا ضرور کرتا۔)'' [1]

ایک اور حدیث میں نبی اکرم ﷺ سے یہ الفاظ منقول ہیں:

«يَا عَائِشَةُ! لَوْلَا أَنَّ قَوْمَكِ حَدِيثُ عَهْدٍ بِجَاهِلِيَّةٍ لَأَمَرْتُ بِالْبَيْتِ فَهُدِمَ، فَأَدْخَلْتُ فِيهِ مَا أُخْرِجَ مِنْهُ، وَأَلْزَقْتُهُ بِالْأَرْضِ، وَجَعَلْتُ لَهُ بَابَيْنِ، بَابًا شَرْقِيًّا وَ بَابًا غَرْبِيًّا، فَبَلَغْتُ بِهِ أَسَاسَ إِبْرَاهِيمَ»

''عائشہ! اگر تمھاری قوم زمانۂ جاہلیت کے قریب نہ ہوتی تو میں بیت اللہ کو گرانے کا حکم دیتا، پھر میں اس

[1] صحيح البخاري: 1584، صحيح مسلم: 1333.

میں وہ حصہ شامل کر دیتا جو اس سے نکال دیا گیا تھا۔ میں اس کے دروازے کو بھی زمین سے ملا دیتا اور اس کے دو دروازے بناتا، ایک دروازہ مشرق میں اور دوسرا مغرب میں۔ یوں میں اسے ابراہیم علیہ السلام کی بنیاد کے مطابق بنا دیتا۔''[1]

ایک اور حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں:

«..... لَأَنْفَقْتُ كَنْزَ الْكَعْبَةِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ»

''..... میں کعبے کا (نذرانوں پر مبنی) خزانہ اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتا۔''[2]

نبی اکرم ﷺ نے کعبہ کو دوبارہ تعمیر نہ کرنے کی ایک اور وجہ یہ بیان فرمائی کہ میرے پاس تعمیراتی مصارف کے لیے مطلوبہ سرمایہ نہیں۔ آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

« ..... وَلَيْسَ عِنْدِي مِنَ النَّفَقَةِ مَا يُقَوِّينِي عَلٰى بِنَائِهِ»

''..... اور میرے پاس اتنا خرچ بھی نہیں جس سے میں کعبہ کی تعمیر کر سکوں۔''[3]

اصل چیز رفعِ فساد ہے

کعبہ کی عمارت دوبارہ تعمیر نہ کرنے کی سب سے اہم وجہ، جسے رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے بیان فرمایا، یہی تھی کہ آپ ﷺ کو نو مسلموں کے بدک جانے کا خدشہ تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر دین کے کسی مبنی بر مصلحت کام میں لوگوں کی طرف سے کسی فتنے یا فساد کا اندیشہ ہو تو اسے چھوڑ دینا ہی مناسب ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں کتاب العلم میں اس حدیث پر یہ باب قائم کیا ہے: بَابُ مَنْ تَرَكَ بَعْضَ الْاِخْتِيَارِ مَخَافَةَ أَنْ يَقْصُرَ فَهْمُ بَعْضِ النَّاسِ عَنْهُ فَيَقَعُوا فِي أَشَدَّ مِنْهُ ''کسی بہتر عمل کو اس خوف کے پیشِ نظر چھوڑ دو مبادا کچھ لوگوں کی کم عقلی اسے سمجھنے سے قاصر رہے اور وہ اس سے زیادہ سخت امر (فتنے) میں مبتلا ہو جائیں۔''

فقہائے کرام نے اسی سے یہ قاعدہ اخذ کیا ہے:

دَرْءُ الْمَفَاسِدِ أَوْلٰى مِنْ جَلْبِ الْمَصَالِحِ.

''حصولِ مصالح کی نسبت دفعِ مفاسد قابلِ ترجیح ہے۔''[4]

---

[1] صحيح البخاري: 1586. [2] صحيح مسلم: (400)-1333. [3] صحيح مسلم: (402)-1333. [4] القواعد الفقهية لابن تيمية، ص: 384-390.

تاہم جب لوگوں کی طرف سے فتنہ وفساد کا خوف باقی نہ رہے تو مصلحتاً چھوڑا ہوا عمل کر لینا مستحب ہے۔ [1]

ابراہیمی بنیاد پر کعبہ کی تعمیرِ نو کا اشارہ

ہر چند نبیِ اکرم ﷺ نے مذکورہ وجوہ کی بنا پر کعبہ کو ابراہیم علیہ السلام کی بنیاد پر تعمیر کرنے کا فیصلہ تو نہ فرمایا لیکن آپ کے الفاظِ مبارکہ میں یہ اشارہ موجود تھا کہ جب لوگوں کی طرف سے فتنے کا کوئی اندیشہ باقی نہ رہے اور وسائل بھی میسر ہوں تو اسے از سرِ نو ابراہیم علیہ السلام کی بنیاد پر تعمیر کر لینا بہتر ہوگا۔ آپ ﷺ نے ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہاں تک فرما دیا:

«فَإِنْ بَدَا لِقَوْمِكِ مِنْ بَعْدِي أَنْ يَبْنُوهُ فَهَلُمِّي لِأُرِيَكِ مَا تَرَكُوا مِنْهُ»

''اگر میرے بعد تمھاری قوم بیت اللہ کو تعمیر کرنا چاہے تو آؤ، میں تمھیں وہ جگہ دکھا دوں جو قریش نے اس میں سے چھوڑ دی ہے۔''

پھر آپ ﷺ نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو حطیم کی سات ہاتھ کے قریب جگہ دکھائی۔ [2]

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی زیرِ نگرانی تعمیرِ کعبہ

جب حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے یزید بن معاویہ کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا اور مکہ مکرمہ آ کر ان کی مخالفت شروع کر دی تو یزید نے اُنھیں مطیع کرنے کے لیے ایک لشکر روانہ کیا۔ اس لشکر کی قیادت حُصین بن نمیر کر رہا تھا۔ حصین بن نمیر نے مکہ مکرمہ پہنچ کر لڑائی چھیڑ دی۔ سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اپنے ساتھیوں سمیت مسجد الحرام کے اندر خیموں میں پناہ گزیں ہو گئے۔ حصین نے ان کا محاصرہ کر لیا اور منجنیقوں کے ذریعے سے ان پر پتھراؤ کیا۔ کچھ پتھر کعبہ کو بھی لگے جس سے اس کا غلاف پھٹ گیا اور کعبہ کی عمارت کمزور ہو گئی۔

اس دوران ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے ایک ساتھی نے خیمے میں آگ جلائی تو اچانک ایک شرارہ اڑ کر خیمے پر جا پڑا۔ اس کی وجہ سے پورا خیمہ آگ کی لپیٹ میں آ گیا۔ اس دن ہوا بہت تیز چل رہی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آگ بھڑک کر دور تک پھیل گئی حتی کہ کعبہ تک پہنچ گئی۔ قریش نے کعبہ کی تعمیر میں ایک ردّا پتھروں کا اور ایک ردّا ساگوان کی بہت قیمتی لکڑی کا لگا رکھا تھا۔ اس کے اوپر غلاف تھا۔ غلاف آگ کی لپیٹ میں آیا تو کعبہ کی دیواروں میں لگی ہوئی قیمتی لکڑی بھی جل گئی۔ آگ سے حجرِ اسود جھلس گیا۔ اس میں تین دراڑیں پڑ گئی تھیں۔ بیت اللہ کی عمارت بہت بوسیدہ

[1] فتح الباري: 566/3. [2] صحیح مسلم: (403)-1333.

ہوگئی۔ حالت یہ تھی کہ کوئی کبوتر بھی اس پر آبیٹھتا تو دیوار سے پتھر گرنے لگتے تھے۔ کعبہ کے جلنے کا یہ الم انگیز واقعہ 3 ربیع الاول 64ھ کو بروز ہفتہ پیش آیا۔

یہ صورتِ حال دیکھ کر اہل مکہ وشام بہت خوفزدہ ہوگئے۔ کچھ ہی دنوں بعد 14 ربیع الاول کو یزید فوت ہوگیا۔ اس کی وفات کی خبر کعبہ کی آتشزدگی کے ستائیس دن بعد ربیع الآخر کے شروع میں پیر کی رات مکہ پہنچی۔ یزید کے فوت ہونے کی وجہ سے حصین بن نمیر کو اپنا لشکر لے کر واپس شام جانا پڑا۔[1]

ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے کعبہ کی عمارت کو آتش زدہ حالت میں رہنے دیا یہاں تک کہ حج کا موسم آگیا اور لوگ جمع ہوگئے۔ وہ لوگوں کو اہل شام کے خلاف غیظ وغضب دلانا چاہتے تھے۔ جب لوگ حج سے فارغ ہوکر واپس جانے لگے تو ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے ان سے کہا: لوگو! مجھے کعبہ کے بارے میں مشورہ دو۔ کیا میں اسے گرا کر ازسرِ نو تعمیر کروں یا صرف متاثرہ حصوں ہی کی مرمت کروں؟

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بولے: میری تو یہی رائے ہے کہ آپ صرف کعبہ کے کمزور حصوں کی مرمت کرا دیں۔ بیت اللہ اور اس کے پتھروں کو ٹھیک اسی حالت میں رہنے دیں جس پر لوگوں نے اسلام قبول کیا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تھی۔

ایک اور روایت میں ہے کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اسے اسی حالت پر رہنے دیجیے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے برقرار رکھا تھا۔ بلاشبہ مجھے ڈر ہے کہ آپ کے بعد کوئی ایسا شخص آجائے جو اسے گرا دے گا، پھر ہمیشہ کے لیے ایک چکر چل پڑے گا۔ اسے گرا گرا کر بنایا جائے گا اور بنا بنا کر گرایا جائے گا۔ اس طرح لوگوں کے دل میں اس کی عزت وحرمت باقی نہیں رہے گی، لہٰذا میں اس کی نئے سرے سے تعمیر پسند نہیں کرتا۔[2]

ابن زبیر رضی اللہ عنہما کا استخارہ

یہ بات سن کر ابن زبیر رضی اللہ عنہما کہنے لگے: ''اگر تم میں سے کسی کا گھر جل جائے تو وہ اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھتا جب تک اسے نیا نہ بنالے، پھر تمھارے پروردگار کے گھر کو جدید کیوں نہ بنایا جائے؟ میں اپنے رب سے تین دن تک استخارہ کروں گا، پھر اپنے کام کا پکا ارادہ کرلوں گا۔''

تین دن گزر گئے تو ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے یہی فیصلہ کیا کہ وہ کعبہ کو گرا کر دوبارہ تعمیر کریں گے۔[3] انھیں جابر بن

[1] ملخص از أخبار مكة للأزرقي:1/201-208. [2] أخبار مكة للأزرقي:1/204 و 217. [3] صحيح مسلم:(402)-1333.

عبداللہ، عبید بن عمیر اور عبداللہ بن صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہم نے بھی گرانے کا مشورہ دیا تھا۔ [1] ان سے پہلے مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہما کی بھی یہی رائے تھی۔ [2] یہ حصین بن نمیر کے محاصرے کے دوران میں اُسی دن شہید ہوئے جب یزید کی وفات کی خبر آئی۔ [3]

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مذکورہ خدشے کے پیشِ نظر کعبہ کی محض مرمت کرانے کا مشورہ دیا تھا، گرانے کو پسند نہیں کیا تھا لیکن بعد میں وہ بھی شرح صدر کے ساتھ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے متفق ہو کر ان کے ہمنوا ہو گئے کہ کعبہ ابراہیم علیہ السلام کی بنیاد پر تعمیر ہونا چاہیے۔

مرثد بن شرحبیل سے، جو تعمیر کعبہ کے اس موقع پر موجود تھے، روایت ہے کہ میں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو یہ کہتے ہوئے سنا: اگر میں اس کام کا ذمہ دار ہوتا جس طرح کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما حجر (حطیم) کے معاملے کے ذمہ دار تھے تو میں بھی سارے حطیم کو کعبہ میں شامل کر دیتا۔ اگر حطیم کعبہ کا حصہ نہیں تو اس کا طواف کیوں کیا جاتا ہے؟ [4]

ابن زبیر رضی اللہ عنہما چاہتے تھے کہ وہ خانہ کعبہ کی از سرِ نو تعمیر کر کے نبیِ اکرم ﷺ کی آرزو کو عملی جامہ پہنائیں اور اسے ابراہیم علیہ السلام کی بنیاد پر تعمیر کریں، چنانچہ انھوں نے لوگوں سے کہا: ”میں نے (ام المؤمنین) عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ نبیِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

«لَوْلَا أَنَّ النَّاسَ حَدِيثٌ عَهْدُهُمْ بِكُفْرٍ، وَلَيْسَ عِنْدِي مِنَ النَّفَقَةِ مَا يُقَوِّينِي عَلٰى بِنَائِهِ، لَكُنْتُ أَدْخَلْتُ فِيهِ مِنَ الْحِجْرِ خَمْسَةَ أَذْرُعٍ، وَلَجَعَلْتُ لَهَا بَابًا يَدْخُلُ النَّاسُ مِنْهُ، وَبَابًا يَخْرُجُونَ مِنْهُ»

”اگر لوگوں کے کفر کا زمانہ قریب نہ ہوتا اور میرے پاس اتنا سرمایہ ہوتا کہ میں اس سے کعبہ کی تعمیر کر سکوں تو میں حطیم والی طرف سے پانچ ہاتھ جگہ کعبہ میں شامل کر دیتا اور ایک دروازہ بناتا جس سے لوگ داخل ہوتے اور دوسرا دروازہ بناتا جس سے لوگ باہر نکلتے۔“

یہ حدیث سنا کر ابنِ زبیر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: آج میرے پاس خرچ بھی موجود ہے اور اب مجھے لوگوں کے اسلام

[1] أخبار مكة للأزرقي: 205,204/1. [2] أخبار مكة للأزرقي: 217/1. [3] الإصابة: 95/6. [4] المصنف لعبد الرزاق: 132-130/5، حديث: 9157.

سے بد کنے کا بھی ڈر نہیں۔ [1]

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما قریش کے ستر منتخب اور معزز لوگوں کو لے کر ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں گئے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے انھیں بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے یہ فرمایا تھا:

«لَوْلَا حَدَاثَةُ عَهْدِ قَوْمِكِ بِالشِّرْكِ لَبَنَيْتُ الْبَيْتَ عَلٰى قَوَاعِدِ إِبْرَاهِيمَ وَ إِسْمَاعِيلَ .....»

''اگر تمھاری قوم کے شرک کا زمانہ قریب نہ ہوتا تو میں بیت اللہ کو ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کی بنیادوں پر تعمیر کرتا......'' [2]

اس موقع پر کعبہ کی تعمیرِ نو کے لیے سب سے پہلے پتھر جمع کیے گئے۔ اب اگلا مرحلہ کعبہ کی دیواریں ڈھانے کا تھا۔ اکثر لوگ اس ڈر سے مکہ چھوڑ کر منیٰ چلے گئے مبادا کعبہ کو گرانے کی وجہ سے عذاب نازل ہو جائے۔ جو لوگ باقی رہ گئے، وہ بھی کعبہ کو گرانے کے کام سے اس خوف کے باعث پیچھے ہٹ گئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جو شخص سب سے پہلے کعبہ کی عمارت پر چڑھے، اس پر آسمان سے کوئی مصیبت ٹوٹ پڑے۔ جب کوئی بھی اس کام کے لیے تیار نہ ہوا تو ابن زبیر رضی اللہ عنہما خود کدال لے کر آگے بڑھے اور کعبہ کی دیوار پر چڑھ کر اسے گرانا شروع کر دیا۔ انھوں نے اپنے ساتھ کچھ حبشی غلاموں کو بھی اس خیال کے تحت کعبہ پر چڑھایا کہ شاید ان میں اس حبشی کی صفت ہو جس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربِ قیامت کی علامات کے ضمن میں فرمایا ہے:

«يُخَرِّبُ الْكَعْبَةَ ذُوالسُّوَيْقَتَيْنِ مِنَ الْحَبَشَةِ»

''پتلی پتلی پنڈلیوں والا حبشی کعبہ کو منہدم کرے گا۔'' [3]

لوگوں نے جب دیکھا کہ ان حبشیوں کو کچھ نہیں ہوا تو وہ بھی اس کام میں شریک ہو گئے۔ انھوں نے دیواروں کو مسمار کر دیا اور ابراہیم علیہ السلام کی ڈالی ہوئی بنیاد تک پہنچ گئے۔ اس کے پتھر ایک دوسرے میں پیوست تھے۔ انھوں نے دیکھا کہ اس بنیاد میں حطیم کی تقریباً چھ ہاتھ اور ایک بالشت جگہ بھی شامل تھی۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے قریش کے پچاس معزز اور با اثر لوگوں کو بلا کر یہ بنیاد دکھائی اور انھیں اس پر گواہ ٹھہرایا۔

[1] صحيح مسلم:(402)-1333. اس حدیث میں حطیم کی جگہ پانچ ہاتھ بتائی گئی ہے۔ یہ ایک تخمینہ ہے جبکہ دیگر احادیث میں تعیین کی گئی ہے کہ یہ جگہ چھ ہاتھ سے زیادہ اور سات ہاتھ سے کم تھی۔ (فتح الباري:3/560) ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے جب کعبہ کی کھدائی کرائی تو اس وقت بھی حطیم کی جگہ چھ ہاتھ اور ایک بالشت کے قریب ظاہر ہوئی، لہٰذا اتنی ہی جگہ کعبہ میں شامل کی گئی۔ (أخبار مكة للأزرقي:1/206) [2] المصنف لعبدالرزاق:5/131,130، حديث:9157. [3] صحيح البخاري:1596.



عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی تعمیر بیت اللہ کا خاکہ
دو دروازوں کے ساتھ بشمول حطیم

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو پیغام بھیجا کہ آپ کعبہ کے اردگرد لکڑیاں نصب کر دیں اور ان پر پردے ڈال دیں تاکہ لوگوں کو کعبے کی جگہ کا علم رہے، وہ ان کے پیچھے طواف کرتے رہیں اور انھی کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے رہیں۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے ایسا ہی کیا۔ پردوں کے پیچھے کعبہ کی عمارت تعمیر ہوتی رہی یہاں تک کہ وہ ایک مخصوص بلندی تک پہنچ کر مکمل ہوگئی۔ کعبہ کی اونچائی ابراہیم علیہ السلام نے نو ہاتھ رکھی تھی۔ قریش نے اس میں نو ہاتھ اور اضافہ کر کے کل اونچائی اٹھارہ ہاتھ کر دی۔ جب ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے حطیم کو کعبہ میں شامل کر دیا تو کعبہ کی لمبائی اور چوڑائی زیادہ اور اونچائی کم محسوس ہونے لگی، لہٰذا انھوں نے تناسب قائم کرتے ہوئے اس کی اونچائی میں مزید دس ہاتھ کا اضافہ کر دیا۔ اس طرح کل اونچائی اٹھائیس ہاتھ ہوگئی۔ [1]

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے حجر اسود کے تین ٹکڑوں کو چاندی کے مضبوط پتروں سے جوڑ کر اسے اس کے اصل مقام پر رکھ دیا۔ [2] کعبہ کی دیواروں کو دو ہاتھ (تقریباً ایک میٹر) چوڑا رکھا۔ اس کے اندر وسط میں تین ستون بنائے گئے جبکہ اس سے پہلے قریش نے چھ ستون بنائے تھے۔ چھت میں ایک روشن دان بنایا گیا جس میں صنعاء سے سنگ مرمر منگوا کر لگایا گیا۔ چھت پر چڑھنے کے لیے رکنِ شامی کی اندرونی جانب لکڑی کی سیڑھی بنائی گئی۔ پہلے کعبہ کے مشرقی دروازے کا ایک ہی پٹ تھا۔ سیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے اس کے دو پٹ بنا دیے، ان کی لمبائی گیارہ ہاتھ تھی۔ اس کے بالمقابل مغربی جانب اسی طرح کا ایک اور دروازہ بنا دیا گیا۔ یہ دونوں دروازے زمین کے برابر تھے۔ لوگ مشرقی دروازے سے داخل ہوتے اور مغربی دروازے سے باہر نکلتے تھے۔ [3]

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما تعمیر کعبہ سے فارغ ہوئے تو انھوں نے کعبہ کے اندر اور باہر کے در و بام پر خوشبو لگائی۔ اسے قبطی غلاف پہنایا اور اس کام کی تکمیل پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ [4]

حجاج نے کعبہ کی عمارت کو حسب سابق بنا دیا

کچھ عرصہ بعد جمادی الاولیٰ 73 ہجری میں سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما شہید کر دیے گئے۔ [5] حجاج بن یوسف مکہ پر قابض ہو گیا۔ اس نے خلیفہ عبدالملک بن مروان کو خط لکھا کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے کعبہ کی عمارت ایسی بنیاد پر کھڑی کی ہے جسے مکہ کے عادل لوگوں نے دیکھا تھا۔ انھوں نے کعبہ میں وہ جگہ بھی شامل کر دی ہے جو سابقہ عمارت میں شامل نہیں تھی۔ انھوں نے اس میں ایک نئے دروازے کا اضافہ بھی کر دیا ہے۔ حجاج بن یوسف نے عبدالملک بن

[1] صحیح مسلم:(402)-1333، أخبار مكة للأزرقي:1/205-207. [2] أخبار مكة للأزرقي:1/216 و 219. [3] أخبار مكة للأزرقي:1/209 و 216. [4] أخبار مكة للأزرقي:1/216. [5] الإصابة:4/82.

مکہ میوزیم میں محفوظ سیدنا عبداللہ بن زبیر کے دور میں کعبہ کی تعمیر کے آثار



کعبے کا ستون



کعبے کے اندر استعمال ہونے والا کھجور کا ستون

کعبے کی چھت کا مکمل ستون

مروان سے درخواست کی کہ اب مجھے کعبہ کی ویسی ہی عمارت تعمیر کرنے کی اجازت دی جائے جیسی عمارت قریش نے تعمیر کی تھی۔

عبدالملک نے جواب میں لکھا: ہم ابنِ زبیر کی گڑ بڑ میں بالکل شریک نہیں ہوسکتے۔ انھوں نے کعبہ کی اونچائی میں جو اضافہ کیا ہے، اسے رہنے دو، البتہ حطیم کا جو حصہ انھوں نے کعبہ میں شامل کیا ہے، اسے ختم کرکے پہلے کی طرح کر دو۔ انھوں نے جو نیا دروازہ کھولا ہے، اسے بھی بند کر دو، چنانچہ حجاج نے حطیم کی طرف کی عمارت گرا کر اسے پہلے کی طرح کر دیا۔ مغربی دروازہ بند کر دیا اور مشرقی دروازے کی لمبائی جو گیارہ ہاتھ تھی، اسے چار ہاتھ اور ایک بالشت گھٹا کر سطحِ زمین سے اُونچا کر دیا۔ باقی عمارت کو ویسے ہی رہنے دیا۔ [1]

عبدالملک بن مروان کا اظہارِ ندامت


سکہ خلیفہ عبدالملک بن مروان

خلیفہ عبدالملک بن مروان نے حجاج بن یوسف کو تعمیرِ کعبہ کے سلسلے کی متذکرہ اجازت اس لیے دی تھی کہ اسے رسول اللہ ﷺ کی حدیث کا پوری طرح علم نہ تھا کہ خود رسول اللہ ﷺ نے کعبہ کو ابراہیم علیہ السلام کی بنیاد پر تعمیر کرنے کی خواہش ظاہر فرمائی تھی لیکن آپ اس پر عمل نہ کر سکے اور یہ کام اپنے بعد آنے والوں کے لیے چھوڑ گئے۔ بعد میں جب عبدالملک کے علم میں یہ حدیث آئی تو اسے اپنے فعل پر بڑی ندامت ہوئی۔

حارث بن عبداللہ، عبدالملک بن مروان کے دورِ خلافت میں اس کے پاس گئے تو عبدالملک نے کہا: میرا خیال ہے کہ ابوخبیب (ابن زبیر رضی اللہ عنہما) نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے وہ حدیث نہیں سنی جسے سننے کا وہ دعویٰ کرتے تھے۔

حارث نے کہا: کیوں نہیں! عائشہ رضی اللہ عنہا سے وہ حدیث تو خود میں نے بھی سنی ہے۔

عبدالملک نے پوچھا: تم نے انھیں کیا کہتے سنا؟

حارث نے کہا: انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ قَوْمَكِ اسْتَقْصَرُوا مِنْ بُنْيَانِ الْبَيْتِ، وَلَوْلَا حَدَاثَةُ عَهْدِهِمْ بِالشِّرْكِ أَعَدْتُ مَا تَرَكُوا مِنْهُ،

[1] صحيح مسلم: (402)-1333، أخبار مكة للأزرقي: 211،210/1

فَإِنْ بَدَا لِقَوْمِكِ مِنْ بَعْدِي أَنْ يَبْنُوهُ فَهَلُمِّي لِأُرِيَكِ مَا تَرَكُوا مِنْهُ»

''بے شک تیری قوم نے بیت اللہ کی عمارت چھوٹی کر دی ہے۔ اگر ان کے شرک کا زمانہ تازہ نہ ہوتا تو کعبہ کا جتنا حصہ انھوں نے چھوڑا ہے، میں اسے تعمیر کر دیتا۔ اگر میرے بعد تمھاری قوم اسے تعمیر کرنا چاہے تو آؤ، میں تمھیں وہ جگہ دکھا دوں جو انھوں نے بیت اللہ میں سے چھوڑ دی ہے۔''

نبی ﷺ نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو سات ہاتھ کے قریب وہ جگہ دکھائی، پھر آپ ﷺ نے مزید فرمایا:

«وَلَجَعَلْتُ لَهَا بَابَيْنِ مَوْضُوعَيْنِ فِي الْأَرْضِ شَرْقِيًّا وَّ غَرْبِيًّا، وَهَلْ تَدْرِينَ لِمَ كَانَ قَوْمُكِ رَفَعُوا بَابَهَا؟»

''اور میں زمین میں اس کے دو دروازے بنا دیتا۔ ایک مشرقی طرف اور دوسرا مغربی جانب۔ کیا تم جانتی ہو کہ تمھاری قوم نے اس کا دروازہ اونچا کیوں کیا؟''

عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: نہیں (میں نہیں جانتی)۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«تَعَزُّزًا أَنْ لَا يَدْخُلَهَا إِلَّا مَنْ أَرَادُوا، فَكَانَ الرَّجُلُ إِذَا هُوَ أَرَادَ أَنْ يَّدْخُلَهَا يَدَعُونَهُ يَرْتَقِي، حَتّٰى إِذَا كَادَ أَنْ يَّدْخُلَ دَفَعُوهُ فَسَقَطَ»

''ایسا انھوں نے تکبر اور فخر کی وجہ سے کیا تاکہ کعبہ میں صرف وہی داخل ہو سکے جسے وہ چاہیں۔ جب کوئی شخص کعبہ میں داخل ہونے کا ارادہ کرتا تھا تو وہ اسے چڑھنے دیتے حتی کہ جب وہ اندر جانے لگتا تو اسے دھکا دے دیتے تھے اور وہ نیچے گر جاتا تھا۔''

یہ سن کر عبدالملک نے حارث سے پھر پوچھا: کیا آپ نے خود انھیں یہ کہتے ہوئے سنا ہے؟ انھوں نے کہا: جی ہاں! اس پر عبدالملک نے غور و فکر کے انداز میں کچھ دیر زمین کو اپنی لاٹھی سے کریدا، پھر کہا: کاش! میں انھیں (ابن زبیر رضی اللہ عنہما) اور اُس ذمہ داری کو جو انھوں نے اٹھائی، چھوڑ دیتا۔[1]

ایک اور روایت میں ہے کہ عبدالملک بن مروان نے کہا:

اگر میں یہ حدیث حطیم کے حصے والی عمارت گرانے سے پہلے سن لیتا تو کعبہ کو ابن زبیر رضی اللہ عنہما ہی کی بنائی ہوئی عمارت کے مطابق رہنے دیتا۔[2] اس کے علاوہ عبدالملک نے حجاج بن یوسف کی بھی مذمت کی۔[3]

[1] صحیح مسلم: (403)-1333. [2] صحیح مسلم: (404)-1333. [3] أخبار مكة للفاكهي: 230/5.


سکہ خلیفہ سلیمان بن عبدالملک

سلیمان بن عبدالملک کی آرزو

بعد ازاں 96ھ/715ء میں عبدالملک بن مروان کا بیٹا سلیمان اپنے بھائی ولید کی وفات کے بعد خلیفہ بنا۔[1] اس نے اپنے دورِ خلافت میں حج کیا۔ اس موقع پر اُس نے کعبہ کو ابراہیمی بنیاد پر تعمیر کرنے کی تمنا کرتے ہوئے کہا:

''اگر یہ امیر المؤمنین (عبدالملک بن مروان) کا کیا ہوا کام نہ ہوتا تو میری خواہش تھی کہ میں کعبہ کو ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی بنائی ہوئی عمارت کے مطابق از سرِ نو تعمیر کرا دیتا۔''

یہی وجہ ہے کہ سلیمان بن عبدالملک نے کعبہ کو اسی حالت میں رہنے دیا۔[2]

بنوعباس کے دور میں کعبہ کی صورتِ حال

بنوعباس کا دورِ حکومت آیا تو خلیفہ ابوجعفر منصور، اس کے بیٹے مہدی یا مہدی کے بیٹے ہارون رشید، تینوں میں سے کسی نے کعبہ کو اسی طرح ابراہیمی بنیاد پر تعمیر کرنا چاہا جس طرح ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے کیا تھا۔ اس نے اس سلسلے میں امام مالک رحمہ اللہ سے مشورہ کیا جو مذکورہ تینوں خلفاء کے ہم عصر تھے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا:

''امیر المؤمنین! میں آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں، بیت اللہ کو اپنے بعد آنے والے بادشاہوں کے لیے کھلونا نہ بنائیے کہ ان میں سے جس کا جی چاہے اس میں تبدیلی کر دے۔ اس طرح لوگوں کے دلوں سے کعبہ کی ہیبت جاتی رہے گی۔''

یہ سن کر خلیفہ نے اپنا ارادہ ترک کر دیا۔[3]

عثمانی عہد میں کعبہ کی تعمیرِ نو


سکہ عثمانی خلیفہ مراد خان

نویں عثمانی خلیفہ مراد خان نے 1040ھ/1630ء میں کعبہ کی تعمیرِ نو کرائی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ ایک زبردست سیلاب آیا جس کی زد میں آکر کعبہ کی عمارت کے کچھ حصے منہدم ہوگئے، چنانچہ کعبہ کی عمارت کو اسی اسلوب کے مطابق از سرِ نو تعمیر کیا گیا جس طرح حجاج بن یوسف نے اسے چھوڑا تھا۔[4]

[1] البداية والنهاية:173/9. [2] أخبار مكة للأزرقي:221/1. [3] الروض الأنف:339/1، فتح الباري:566/3، السيرة لابن كثير، ص:58. [4] السيرة النبوية للمهدي:51/1، تاريخ مكة المكرمة:96/2-102.

رکن یمانی

80 سم

26 سم

23 سم

1.95 م

14 م (کعبہ کی بلندی)

رکن شامی

3.10 م

(حجر اسود کی بلندی)

1.10 م

2.25 م

13 سم

45 سم

رکن جنوبی

حطیم

ملتزم کی سمت

رکن عراقی

1.32 م

کعبہ شریف کی بلندی	14.00 میٹر
ملتزم کی جانب کعبہ کی لمبائی	12.84 میٹر
حطیم کی جانب کعبہ کی لمبائی	11.28 میٹر
رکن یمانی اور حطیم کا فاصلہ	12.11 میٹر
رکن یمانی اور رکن جنوبی کے مابین فاصلہ	11.52 میٹر

کعبہ کی موجودہ عمارت کا خاکہ اور اس کے ابعاد


عثمانی ترکوں کے عہد میں کعبہ کی سیڑھیاں


ترکان عثمانی کے عہد میں بئر زمزم


ترکان عثمانی کے عہد کا حجر اسود کا خول

آج بھی کعبہ کی عمارت ٹھیک اُسی حالت میں موجود ہے، البتہ تزئین و آرائش میں وقتاً فوقتاً مختلف تبدیلیاں ہو رہی ہیں۔

کعبہ پیمائشوں کے آئینے میں

جلال و جمال کے حامل کعبہ مشرفہ کی موجودہ پیمائشیں درج ذیل ہیں:

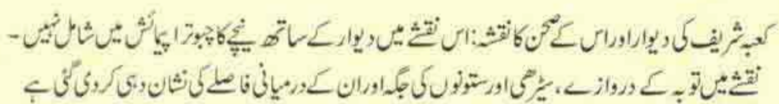
- کعبہ کی بلندی 14 میٹر ہے۔
- ملتزم یا دروازے والی سمت کا ضلع بیرونی جانب سے 12.84 میٹر اور اندرونی جانب سے 9.89 میٹر ہے۔
- حطیم کی جانب (رکن شامی اور رکن عراقی کے درمیان) کا ضلع بیرونی جانب سے 11.28 میٹر اور اندرونی طرف سے 8 میٹر ہے۔
- رکن یمانی اور حطیم (رکن شامی) والی جانب کا درمیانی ضلع بیرونی جانب سے 12.11 میٹر اور اندرونی طرف سے 10.15 میٹر ہے۔
- رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان کا ضلع بیرونی جانب سے 11.25 میٹر اور اندرونی جانب سے 8.24 میٹر ہے۔
- حطیم کی لمبائی 8.77 میٹر ہے۔
- حطیم کی دیوار سے کعبہ کی دیوار تک کا فاصلہ 8.46 میٹر ہے۔
- حطیم میں داخل ہونے کا راستہ رکن عراقی کی طرف سے 2.29 میٹر اور رکن شامی کی جانب سے 2.23 میٹر ہے۔
- حطیم کی دیوار کا بیرونی گھیرا 21.57 میٹر ہے۔
- حطیم کی دیوار کی اونچائی 1.32 میٹر اور چوڑائی 1.6 میٹر ہے۔
- کعبہ کی دیواریں 1.05 میٹر چوڑی ہیں، البتہ رکن یمانی سے رکن شامی تک کی دیوار 95 سینٹی میٹر چوڑی ہے۔

مغرب
شمال
جنوب
مشرق

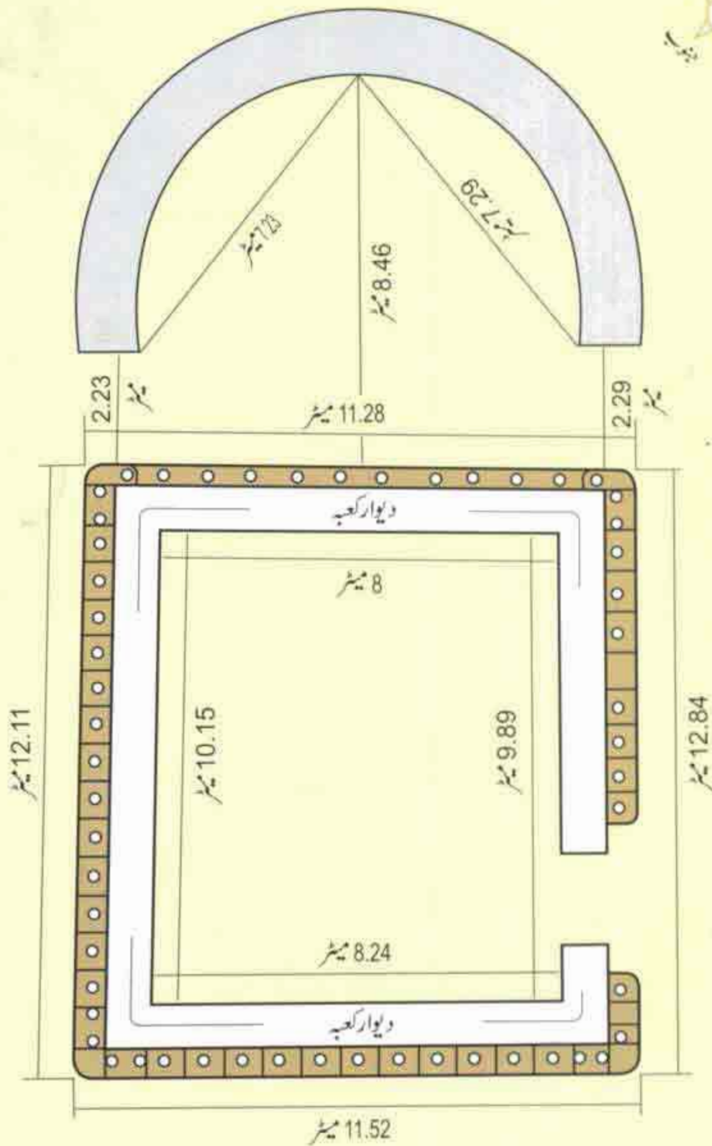
حطیم

9.90 میٹر
(عتبہ)

1.05 میٹر
1.75 میٹر
1.5 میٹر
ستون
2.5 میٹر
باب التوبة
2.35 میٹر
چبوترا
12.04 میٹر
11.68 میٹر
ستون
2.35 میٹر
باب الكعبة
1.90 میٹر
ستون
1.75 میٹر
1.05 میٹر
چبوترا
.95 میٹر
1.05 میٹر
10.18 میٹر


کعبہ شریف کی دیوار اور اس کے صحن کا نقشہ: اس نقشے میں دیوار کے ساتھ نیچے کا چبوترا پیمائش میں شامل نہیں۔
نقشے میں توبہ کے دروازے، سیڑھی اور ستونوں کی جگہ اور ان کے درمیانی فاصلے کی نشان دہی کر دی گئی ہے

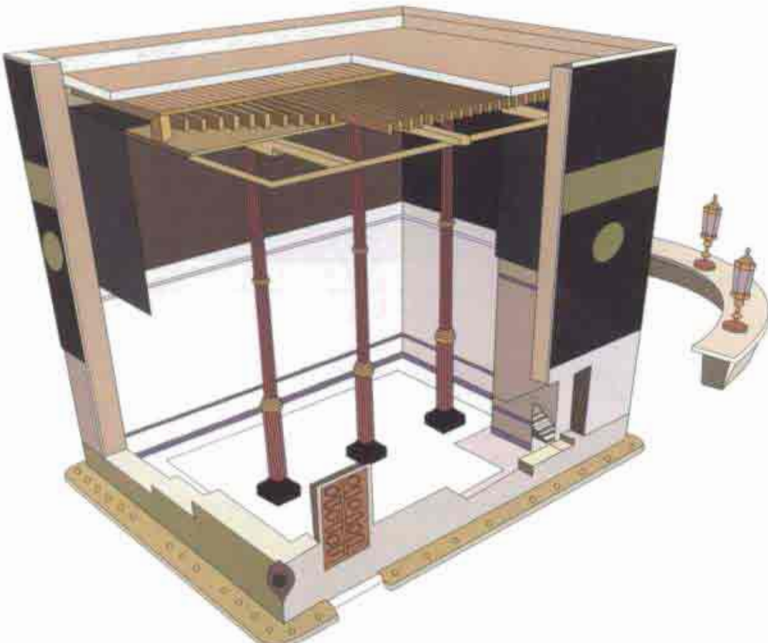
کعبہ شریف کی دیواروں کی لمبائی، چوڑائی اور درمیانی فاصلے



حطیم، بیت اللہ کے گرد چبوترے اور بیت اللہ کے اندرون کی پیمائش

(چبوترے کے ساتھ غلافِ کعبہ کو باندھنے کے لیے حلقے لگے ہوئے ہیں)

- چھت کی منڈیر کی اونچائی 80 سینٹی میٹر ہے۔
- کعبہ کا پرنالا حطیم کی طرف بہتا ہے۔ پرنالے کی لمبائی 2.53 میٹر، چوڑائی 26 سینٹی میٹر اور گہرائی 23 سینٹی میٹر ہے۔ یہ کعبہ کی دیوار سے 1.95 میٹر تک باہر نکلا ہوا ہے اور 58 سینٹی میٹر دیوار کے اندر ہے۔
- کعبے کا دروازہ مطاف سے 2.25 میٹر کی بلندی پر نصب ہے۔ اس کی لمبائی 3.10 میٹر اور چوڑائی 1.90 میٹر ہے۔ دروازے کے دو پٹ ہیں۔
- دروازے کے بائیں طرف حجرِاسود زمین سے 1.10 میٹر کی بلندی پر ہے۔
- کعبہ کے چاروں اضلاع کی بیرونی جانب ڈھلوان پر حاشیہ بنا ہوا ہے جو زمین سے 13 سینٹی میٹر اونچا ہے۔ اس کی چوڑائی 45 سینٹی میٹر ہے۔ اس پر کعبے کا غلاف اور پردے باندھنے کے لیے تانبے کے 55 کڑے لگے ہوئے ہیں۔
- رکن عراقی کے اندرونی طرف چھت پر چڑھنے کے لیے سیڑھی موجود ہے۔ سیڑھی کے قدمچے کی لمبائی 2.5 میٹر اور چوڑائی 1.5 میٹر ہے۔ سیڑھی کے شروع میں ایک دروازہ ہے جسے باب التوبہ کہا جاتا ہے۔ اس دروازے کی اونچائی 2.30 میٹر اور چوڑائی 70 سینٹی میٹر ہے۔
- کعبہ کے اندر ایک قطار میں تین ستون ہیں۔ کعبہ کی دیوار سے ہر بیرونی ستون تک کا فاصلہ 1.75 میٹر ہے۔ ایک ستون سے دوسرے ستون تک کا درمیانی فاصلہ 2.35 میٹر ہے۔



باب 9

سیرت انسائیکلوپیڈیا

بشارات نبوت و رسالت

تورات، زبور، انجیل اور دیگر آسمانی صحائف میں بعثتِ محمد رسول اللہ ﷺ
کی بشارات، ہندومت اور مجوس کی مذہبی کتابوں میں آخری نبی
کے ظہور کی پیش گوئیاں اور اہلِ کتاب کے اشارات

وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ

يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ

أَحْمَدُ

”اور ایک رسول کی بشارت دینے والا ہوں، وہ میرے
بعد آئے گا، اس کا نام احمد ہوگا۔“ (الصف 6:61)

اس باب میں

اسلام ایک آفاقی اور ابدی دین ہے۔ خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کی ہدایت کے لیے پیغمبر بنا کر بھیجے گئے جیسا کہ قرآن کریم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا﴾

(الأعراف 158:7)

''(اے نبی!) کہہ دیجیے: اے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔''

﴿وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا﴾

(سبا 28:34)

''اور (اے نبی!) ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لیے بشارت دینے والا اور ڈرانے والا ہی بنا کر بھیجا ہے۔''

اہلِ کتاب، یعنی یہود و نصاریٰ ایک آنے والے نبی (مسیحا) کے منتظر تھے۔ ان کی مذہبی کتابوں تورات، زبور، انجیل اور دیگر صحائف میں اس آخری اور عالمی نبی حضرت محمد ﷺ کی آمد کے متعلق واضح پیش گوئیاں موجود تھیں۔ اس کے باوجود جب محمد ﷺ عرب میں مبعوث ہوئے تو یہود و نصاریٰ نے نسلی و نظری تعصب کی بنا پر آپ ﷺ »

کی مخالفت پر کمر باندھ لی اور انکار کرنے کی ٹھان لی، بالخصوص یہود نے بدترین عناد کا مظاہرہ کیا۔ گنے چُنے یہودی ہی مشرف بہ اسلام ہوئے۔ حق یہ ہے کہ یہودی انتہائی مکار، سازشی اور وعدہ شکن لوگ تھے۔ ان کی اکثریت اپنی قبیح عادات کی وجہ سے ساقط الاعتبار تھی۔ ان کی سازشیں ڈھکی چھپی نہیں تھیں۔ اس لیے بہت سے فتنہ پرور یہودی عرب سے نکال دیے گئے اور جو یہودی ناقابلِ اصلاح حد تک فسادی اور فتنہ گر تھے، وہ اپنے کیفرِ کردار کو پہنچے۔ خلافتِ راشدہ کے زمانے میں جب دور ونزدیک فتوحاتِ اسلامیہ کے پرچم لہرائے تو شام، فلسطین، مصر، یمن، اردن، سودان، طرابلس (لیبیا)، الجزائر اور مراکش کے بیشتر عیسائی مسلمانوں کے حسنِ کردار سے اس قدر متاثر ہوئے کہ نہ صرف اسلام کی نعمت سے بہرہ ور ہوئے بلکہ وہ اپنی مادری زبانیں بھول کر اسلام کی زبان عربی بولنے لگے، چنانچہ اب یہ سب عرب ممالک ہی کہلاتے ہیں۔

یورپ کے عیسائی جن میں سے بیشتر عیسائیت میں نو وارد، جہالت کے پروردہ اور بہت متشدّد تھے، انھوں نے یہود سے بھی بڑھ کر اسلام دشمنی کا مظاہرہ کیا اور پانچویں صدی ہجری / گیارھویں صدی عیسوی کے اواخر میں لاکھوں کی تعداد میں ساحلِ شام اور فلسطین پر چڑھ دوڑے تاکہ ''ارض مقدس'' کو مسلمانوں سے چھین لیں۔ ان جنونی صلیبیوں نے اسلامی شہروں انطاکیہ، معرۃ النعمان، بیت المقدس، عکہ اور دمیاط میں مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہادیں اور حیوانیت کا ایسا مظاہرہ کیا جس پر تمام انصاف پسند انسان تاقیامت نفرین کرتے رہیں گے۔

اس کشت وخون کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اس دوران میں عیسائی پادریوں، راہبوں اوراسقفوں نے اسلام اور نبی کریم ﷺ کے بارے میں نہایت مذموم جُھوٹا پروپیگنڈہ کرکے جاہل عیسائیوں کے ذہن بُری طرح مسموم کردیے تھے حتی کہ انھوں نے بائبل کی مختلف کتابوں میں پیغمبرِ اسلام ﷺ کی بعثت کے متعلق آیات اور ان کے معانی بھی بدل دیے تھے تاکہ عیسائیت کے پیروکار حق اور باطل میں تمیز نہ کرسکیں اور اسلام کے حیات آفریں پیغام سے دور رہیں۔

لیکن بعض ایسے صاحبِ ضمیر حقیقت شناس انسان ضرور ہوتے ہیں جو بہرحال حق بات کہہ گزرتے ہیں۔ دیکھیے اُنیسویں صدی عیسوی کا مشہور ادیب، مؤرخ اور فلسفی تھامس کارلائل (1795-1881ء) کیا کہتا ہے۔ اس نے 8 مئی 1840ء کو برطانوی کلیسا کے ارکان سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

''ایمان میں بڑی طاقت ہے۔ واقعی یہ حیات انگیز ہے۔ یقین محکم ہوتو قوموں کی سوچ میں اخلاقی بلندی پیدا ہوتی ہے۔ ان کی روح ارفع ہو جاتی ہے اور ایسی قوم کی تاریخ ثمرات سے بھر جاتی ہے۔ دنیائے عرب پر غور کرو۔ اس شخص محمد ﷺ کو دیکھو اور بس ایک صدی کا اندازہ کرو۔ کیا ایسا نہیں لگتا جیسے بجلی کا کوندا سا لپک گیا ہو اس سرزمین پر جسے صدیوں سے کوئی شخص ایک لق ودق تاریک صحرا سے زیادہ کچھ نہ گردانتا تھا مگر اب یہی

ریت ایک بارود بن گئی جس کے شعلوں کو غرناطہ سے لے کر دہلی تک دیکھا جا سکتا ہے۔ میں کہتا ہوں اس عظیم شخص کی روشنی سے سارا جہاں ہمیشہ کے لیے منور ہو گیا۔ باقی لوگ (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) ایندھن کے طور پر اس کے انتظار میں رہتے تھے جنھیں بالآخر خود بھی شعلہ بن کر بھڑکنا تھا۔'' (خطبات شیخ احمد دیدات، ص: 114,113)

بنا بریں ''اللؤلؤ المکنون'' سیرت انسائیکلوپیڈیا کے زیرِ نظر باب ''بشاراتِ نبوت و رسالت'' میں خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے متعلق ان پیش گوئیوں کا اندراج کیا جا رہا ہے جو سابقہ آسمانی کتابوں اور صحیفوں میں وارد ہوئی ہیں مگر یہودی اور مسیحی علماء نے متن میں تحریف کر کے حقیقت پر پردہ ڈالنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ اس میں زیرِ بحث آنے والے نکات و موضوعات کی خصوصیات درج ذیل ہیں:

- بائبل اور اس کے اجزاء و صحائف کے متعلق بنیادی معلومات فراہم کی گئی ہیں، نیز موضوعات کی مناسبت سے بائبل میں مذکور انبیاء کا مختصر تعارف دیا گیا ہے۔
- بائبل میں کی گئی متن و معانی کی تحریفات کی واضح مثالیں پیش کی گئی ہیں۔ اس سلسلے میں بائبل کے عبرانی و یونانی مآخذ سے بھی رجوع کیا گیا ہے۔
- بائبل سے نبی ﷺ کے بارے میں کی گئی پیش گوئیاں بیان کر کے یہود و نصاریٰ کے جھوٹے پروپیگنڈے کا ابطال کیا گیا ہے۔
- انڈینٹ میں بائبل کے اقتباسات دے کر ان منتخب آیات اور فقروں کو علیحدہ رنگ دیا گیا ہے جن میں نبی ﷺ کی بعثت کا تذکرہ یا اشارات موجود ہیں۔
- نیچے ترتیب وار ہر بشارت یا پیش گوئی کو سرخی بنا کر اس پر مدلل تبصرہ کیا گیا ہے۔ بائبل کے شارحین اس کے متعلق جو دُور از کار باتیں کہتے ہیں، ان کا ذکر کر کے دلائل کے ساتھ تردید کی گئی ہے۔
- یوں شارحین بائبل کی کذب بیانی واضح کرتے ہوئے قرآن مجید، احادیث صحیحہ اور رسول اکرم ﷺ کی سیرت کی روشنی میں ثابت کیا گیا ہے کہ اس بشارت کے مصداق صرف نبیِ عربی محمد ﷺ ہیں۔
- باب ''بشاراتِ نبوت و رسالت'' کو مختلف فصلوں میں تقسیم کیا گیا ہے اور بائبل کے سلسلے میں زمانی ترتیب پیشِ نظر رکھی گئی ہے۔ ایک فصل ''انجیل برنباس کی واضح بشارات'' پر ہے جسے منکرینِ حق مسیحی علماء صحیح انجیل تسلیم نہیں کرتے کیونکہ وہ ان کے غلط عقائد کی تردید کرتی ہے۔
- ایک فصل میں نبوتِ محمدی پر علمائے اہل کتاب کی شہادتیں پیش کی گئی ہیں، مزید برآں حسد کی بنا پر یہود کا انکارِ حق، قیصرِ روم ہرقل اور شاہِ مصر مقوقس کی تصدیقات، بیت المقدس (یروشلم) میں ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی ہرقل سے گفتگو، مصر

میں مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا مقوقس سے مکالمہ اور یہودِ خیبر پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اتمامِ حُجّت بھی اس فصل میں شامل ہیں۔ آخر میں ایک فصل میں ''ہندوؤں کی مذہبی کتابوں میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ'' اور دوسری فصل میں ''پارسیوں کے صحیفے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ'' ہے۔

اس باب میں تقابل کی خاطر بائبل کے مندرجات کے وہ اقتباسات دیے گئے جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی پیش گوئیاں ہیں مگر یہود ونصاریٰ نے اپنے اپنے مطلب کی خاطر ان کی مخصوص تعبیریں کی ہیں تا کہ انھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کو تسلیم نہ کرنا پڑے۔ تقابل کا مقصد حضرت موسیٰ، حضرت داوٗد، حضرت سلیمان اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے مقام و مرتبہ کا استخفاف ہرگز نہیں کیونکہ یہ اسلام ہی ہے جس نے یہود ونصاریٰ کے برعکس ان جلیل القدر انبیائے کرام کا احترام ملحوظ خاطر رکھا ہے اور ان کے حقیقی مراتب اجاگر کیے ہیں۔ اہل اسلام کا عقیدہ ہے کہ یہ تمام انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے تھے اور ہم اس آیت قرآنی کے مطابق ان کی نبوت و رسالت پر کامل ایمان رکھتے ہیں:

﴿ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۟ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ﴾

''رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اس (ہدایت) پر ایمان لائے ہیں جو ان کے رب کی طرف سے ان پر نازل کی گئی ہے اور سارے مومن، سب اللہ پر اور اُس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں۔ (وہ کہتے ہیں:) ہم اس کے رسولوں میں سے کسی ایک میں بھی فرق نہیں کرتے۔'' (البقرۃ 285:2)

غرضیکہ ''اللؤلؤ المکنون'' سیرت انسائیکلوپیڈیا میں سابقہ مذہبی کتابوں میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بشارات کا باب اس لیے شامل کیا گیا ہے کہ یہود و نصاریٰ کے ربّیوں، پادریوں، اُسقفوں اور راہبوں کے جھوٹے دعووں پر مبنی مذموم پروپیگنڈے کا پردہ چاک کر کے وہ آبدار حقائق دنیا کے سامنے پیش کر دیے جائیں جنھیں حق شناس انسان قبول کر کے اپنی دنیا و آخرت سنوار سکتے ہیں۔

سلسلۂ نبوت کی آخری کڑی محمد رسول اللہ ﷺ

اس وحدۂ لاشریک پروردگار کی عظمتوں اور رفعتوں کا کیا پوچھنا جو ہم سب کا خالق و مالک ہے اور تمام جہانوں کا قادر مطلق فرمانروا ہے۔ وہ انسانوں کو اپنے اوامر ونواہی سے آگاہ کرنے کے لیے اپنے قاصد بھیجتا رہا۔ اللہ تعالیٰ کے قاصد نبی اور رسول کہلاتے ہیں، اسی سلسلۂ رسل کے آخری اور عالم گیر نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے ذریعے قیامت تک آنے والے انسانوں کے لیے دنیا اور آخرت میں کامیابی کے احکام ارسال فرمائے۔



انبیاء علیہم السلام کا باہمی رشتہ

درحقیقت تمام انبیائے کرام علیہم السلام ایک ہی سلسلۂ نبوت کی مختلف کڑیاں ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«......وَالْأَنْبِيَاءُ إِخْوَةٌ لِعَلَّاتٍ، أُمَّهَاتُهُمْ شَتّٰى وَدِينُهُمْ وَاحِدٌ»

''...... اور انبیاء علیہم السلام علاتی بھائیوں کی طرح ہیں۔ ان کی مائیں (فروعی مسائل) مختلف ہیں اور ان کا دین (توحید) ایک ہے۔''[1]

تمام انبیاء ایک ہی دین کے پرچارک تھے

حالات کے تقاضوں کے مطابق دنیا میں انبیائے کرام علیہم السلام آتے رہے۔ ان کے مقامات مختلف تھے۔ ان کے آنے کا زمانہ مختلف تھا، ان کی بولیاں مختلف تھیں۔ ان کے احکام مختلف تھے لیکن ان سب کا پیغامِ بندگی ایک تھا، ان کا دین ایک تھا۔ عقیدۂ توحید ایک تھا، یعنی تمام آسمانی مذاہب اصول میں متفق تھے۔ قرآن مجید عقیدۂ توحید کے تسلسل کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

[1] صحيح البخاري:3443، صحيح مسلم:2365.

﴿شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّ الَّذِيْۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ وَ مَا وَصَّيْنَا بِهٖۤ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰۤى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَ لَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ﴾

''اس نے تمھارے لیے وہی دین مقرر کیا ہے جس کا تاکیدی حکم اس نے نوح کو دیا تھا اور جسے (اے نبی!) ہم نے آپ کی طرف وحی کیا ہے اور جس کا تاکیدی حکم ہم نے ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا تھا کہ تم اس دین کو قائم رکھو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو۔''[1]

نبی ﷺ کے متعلق انبیاء علیہم السلام سے لیا گیا عہد

نبیِ کریم ﷺ خاتم النبیین، یعنی سلسلۂ نبوت کے آخری نبی ہیں، لہٰذا آپ کی نبوت قیامت تک کے لیے جاری و ساری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیائے کرام علیہم السلام سے عہد لیا تھا کہ اگر تم میں سے کسی کی موجودگی میں محمد رسول اللہ ﷺ کا ظہور ہو جائے تو تم پر اُن کی تصدیق کرنا اور اُن پر ایمان لانا واجب ہے:

﴿وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَاۤ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَ اَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ؕ قَالُوْۤا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَ اَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ۝﴾

''اور (یاد کرو) جب اللہ نے تمام نبیوں سے عہد لیا تھا کہ جب میں تمھیں کتاب اور حکمت عطا کروں، پھر تمھارے پاس ایک رسول (محمد ﷺ) آئے جو اس (کتاب) کی تصدیق کرتا ہو جو تمھارے پاس ہے تو تمھیں اس پر ایمان لانا ہوگا اور اس کی مدد کرنی ہوگی۔ اللہ نے فرمایا: کیا تم اقرار کرتے ہو اور اس پر میرا عہد قبول کرتے ہو؟ انھوں نے کہا: ہم نے اقرار کیا۔ اللہ نے فرمایا: تو تم گواہ رہنا اور میں بھی تمھارے ساتھ گواہ ہوں۔''[2]

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس قدر بھی حضرات انبیائے کرام علیہم السلام مبعوث فرمائے، ان میں سے ہر ایک سے یہ عہد و پیمان لیا کہ اگر ان کی زندگی میں محمد ﷺ مبعوث ہوں تو انھیں آپ ﷺ پر ضرور ایمان لانا اور آپ ﷺ کی مدد کرنا ہوگی۔[3] اللہ تعالیٰ نے اپنے ہر نبی کو یہ حکم بھی دیا کہ وہ اپنی امت سے بھی یہ عہد و پیمان لیں کہ اگر ان کی زندگی میں حضرت محمد ﷺ مبعوث ہوں تو انھیں آپ پر ایمان لانا اور آپ کی مدد کرنا ہوگی۔[4]

[1] الشورٰی 13:42. [2] آل عمرٰن 81:3. [3] تفسیر الطبري، آل عمرٰن 81:3. [4] تفسیر ابن کثیر، آل عمرٰن 81:3.

نبیِ اکرم ﷺ دعائے خلیل علیہ السلام ہیں

سید الانبیاء حضرت محمد ﷺ اپنے جدِّ امجد سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی دعا تھے جیسا کہ ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السلام نے خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے کہا تھا:

﴿ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴾

''اے ہمارے رب! اور ان لوگوں کے لیے انھی میں سے ایک رسول بھیج، وہ ان کے سامنے تیری آیتیں تلاوت کرے اور انھیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور انھیں پاک کرے، بے شک تو ہی غالب، خوب حکمت والا ہے۔''[1]

یہ دعائے مستجاب اللہ تعالیٰ کی اس تقدیر کے مطابق تھی جس میں پہلے سے یہ تعین کیا جا چکا تھا کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو عرب و عجم کے تمام انسانوں اور جنوں کی طرف رسول بنا کر مبعوث کیا جائے گا جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ نے عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنِّي عَبْدُ اللّٰهِ لَخَاتَمُ النَّبِيِّينَ، وَإِنَّ آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمُنْجَدِلٌ فِي طِينَتِهِ، وَسَأُنَبِّئُكُمْ بِأَوَّلِ ذٰلِكَ، دَعْوَةُ أَبِي إِبْرَاهِيمَ، وَبِشَارَةُ عِيسٰى بِي، وَرُؤْيَا أُمِّي الَّتِي رَأَتْ، وَكَذٰلِكَ أُمَّهَاتُ النَّبِيِّينَ تَرَيْنَ»

''میں اللہ کا بندہ ہوں، میں اس وقت بھی خاتم النبیین تھا جب آدم علیہ السلام کا خمیر ابھی مٹی میں گندھا ہوا تھا، میں تمھیں ابتدائی بات بتاتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی میرے بارے میں بشارت اور اپنی ماں کا خواب ہوں جو انھوں نے خواب دیکھا تھا۔ اور انبیائے کرام کی مائیں اسی طرح کے خواب دیکھا کرتی تھیں۔''[2]

تورات و انجیل میں نبی ﷺ کا تذکرہ اور قرآنِ کریم کی تصدیق

قرآن کریم نے نبیِ کریم ﷺ کی ایسی واضح اور بنیادی صفات بیان کی ہیں جو تورات اور انجیل میں بھی موجود ہیں، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

[1] البقرۃ 2:129. [2] مسند أحمد: 4/127. اس روایت کا آخری جملہ ضعیف ہے۔ (السلسلة الضعيفة: 5/104)

﴿ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ۡ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ ﴾

''وہ لوگ جو اس رسول اُمی نبی (محمد ﷺ) کی پیروی کرتے ہیں جس کا ذکر وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا پاتے ہیں، وہ انھیں اچھے کاموں کا حکم دیتا ہے اور بُرے کاموں سے روکتا ہے۔ اور وہ ان کے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کرتا ہے اور ان پر ناپاک چیزیں حرام ٹھہراتا ہے اور ان پر سے ان کے بوجھ اور وہ طوق اتارتا ہے جو ان پر تھے، چنانچہ جو لوگ اس پر ایمان لائے اور انھوں نے اس کی تعظیم کی اور اس کی مدد کی اور اس نور (ہدایت) کی پیروی کی جو اس پر نازل کیا گیا، تو وہی فلاح پانے والے ہیں۔''[1]

اصل انجیل میں ''احمد'' کا تذکرہ

بنی اسرائیل کے آخری نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تو بنی اسرائیل سے خطاب کرتے ہوئے باقاعدہ واضح طور پر آپ کا اسم گرامی بتایا اور آپ کی آمد کی بشارت دی جسے قرآن مجید میں یوں بیان کیا گیا ہے:

﴿ وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ﴾

''اور جب عیسیٰ ابن مریم نے کہا: اے بنی اسرائیل! بلاشبہ میں تمھاری طرف اللہ کا رسول ہوں، اس کی تصدیق کرنے والا ہوں جو مجھ سے پہلے تورات (کی صورت میں) ہے اور ایک رسول کی بشارت دینے والا ہوں جو میرے بعد آئے گا، اس کا نام احمد ہے۔''[2]

سابقہ انبیائے کرام علیہم السلام کی کتابوں میں محمد رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری کی واضح خوشخبری موجود تھی۔ یہ خوشخبری انھوں نے اپنی امتوں کو سُنائی تھی اور آپ کی اتباع کا حکم دیا تھا، یہ ایسی اٹل سچائی تھی جسے ان کے علماء و احبار خوب جانتے تھے۔

علمائے اہلِ کتاب نبی ﷺ کی صفات سے آگاہ تھے

احبارِ یہود اور علمائے نصاریٰ میں جن کے پاس صحیح معنوں میں پہلی کتابوں کا علم تھا، وہ اپنی کتابوں میں درج

[1] الأعراف 157:7. [2] الصّف 6:61.

نبی کریم ﷺ کے نام گرامی اور صفاتِ عالیہ سے بخوبی آگاہ تھے۔ قرآن نے ان کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَسْتَ مُرْسَلًا ۚ قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ ○﴾

''اور کافر کہتے ہیں: تم رسول نہیں ہو۔ آپ کہہ دیجیے: میرے اور تمھارے مابین بطور گواہ اللہ ہی کافی ہے اور وہ شخص (بھی) جس کے پاس کتاب کا علم ہے۔''[1]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت ان علمائے اہلِ کتاب کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو اپنی پہلی کتابوں میں حضرت محمد ﷺ کی صفت و نعت اور آپ کے بارے میں سابقہ انبیائے کرام کی بشارتیں لکھی ہوئی پاتے تھے۔[2]

نبی کریم ﷺ کے بارے میں پہلی آسمانی کتابوں میں مندرجہ نشانیاں اتنی نمایاں تھیں کہ علمائے بنی اسرائیل آپ ﷺ کو اس طرح پہچانتے تھے جیسے وہ اپنی اولاد کو پہچانتے تھے، فرمانِ الٰہی ہے:

﴿الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ ۖ وَإِنَّ فَرِيقًا مِنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ○﴾

''وہ لوگ جنھیں ہم نے کتاب دی، اسے (نبی آخرالزماں کو) پہچانتے ہیں جیسے وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں اور بے شک ان میں سے ایک گروہ یقیناً حق کو چھپاتا ہے، حالانکہ وہ جانتے ہیں۔''[3]

صفات نبوی کے بارے میں یہود کی راز داری

یہودی اپنی کتابوں میں خاتم النبیین ﷺ کی آمد کی پیش گوئی کے بارے میں ایک دوسرے سے کہا کرتے تھے کہ ہمارا یہ راز مسلمانوں تک نہیں پہنچنا چاہیے، چنانچہ قرآن میں فرمایا گیا:

﴿قَالُوا أَتُحَدِّثُونَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَاجُّوكُمْ بِهِ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ○﴾

''وہ (یہودی جب آپس میں تنہا ہوتے تو) کہتے: کیا تم انھیں (مسلمانوں کو) وہ باتیں بتاتے ہو جو اللہ نے تم پر کھول دی ہیں تاکہ وہ تمھارے رب کے ہاں تمھارے خلاف وہ باتیں بطور حجت پیش کریں؟ کیا تم عقل نہیں رکھتے؟''[4]

﴿أَتُحَدِّثُونَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ﴾ کے بارے میں مفسرین کہتے ہیں:

[1] الرعد13:43. [2] تفسیر ابن کثیر، الرعد13:43. [3] البقرة2:146. [4] البقرة2:76.

اس سے نبی کریم ﷺ کی وہ صفاتِ عالیہ مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ نے تورات میں بیان فرمائی ہیں۔ [1]

یہودی عالم کے بیٹے کی گواہی

امام احمد رحمہ اللہ نے ابوصخر عقیلی کی روایت بیان کی ہے کہ مجھے ایک اعرابی ملا۔ اُس نے بتایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں دودھ دینے والے جانور مدینہ لے گیا۔ جب میں انھیں بیچ کر فارغ ہوا تو میں نے اپنے من میں کہا کہ میں اُن صاحب سے ضرور ملوں گا اور ان کی بات سنوں گا جن کا تذکرہ زبان زد عام ہے۔ پس میں آپ ﷺ سے ملاقات کے لیے چل دیا۔ پھر آپ ﷺ سے میری ملاقات اس حالت میں ہوئی کہ آپ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے درمیان چل رہے تھے۔ میں بھی پیچھے پیچھے ہولیا۔ یہ حضرات ایک یہودی کے پاس پہنچے۔ وہ تورات پڑھ رہا تھا۔ اس سے وہ اپنے بیٹے کے بارے میں تسکین و تسلی حاصل کر رہا تھا، اس کا بیٹا بڑا خوبصورت نوجوان تھا اور موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے مخاطب ہو کر دریافت فرمایا:

«أَنْشُدُكَ بِالَّذِي أَنْزَلَ التَّوْرَاةَ هَلْ تَجِدُ فِي كِتَابِكَ ذَا صِفَتِي وَ مَخْرَجِي؟»

''میں تجھے اس ذات کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس نے تورات نازل فرمائی! کیا تو اپنی اس کتاب میں میری صفات اور میری بعثت کا ذکر موجود پاتا ہے؟''

اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا کہ نہیں مگر اس کا بیٹا بول پڑا۔ کہنے لگا: ہاں ہاں! اس ذات کی قسم جس نے تورات نازل فرمائی! ہم اپنی کتاب میں آپ کے اوصاف کا تذکرہ اور آپ کی بعثت کی خبر موجود پاتے ہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس بات کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہودیوں کو اپنے بھائی کے پاس سے اٹھادو۔'' پھر آپ نے اس کے کفن دفن کا اہتمام فرمایا اور اس کی نماز جنازہ ادا فرمائی۔ [2]

عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما اور کعب احبار کی صراحت

امام ابن جریر نے عطاء بن یسار سے روایت کیا ہے کہ میں نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے ملاقات کی اور ان سے کہا: مجھے یہ بتائیے کہ تورات میں رسول اللہ ﷺ کے کیا اوصاف لکھے ہوئے ہیں؟ انھوں نے فرمایا کہ اللہ کی قسم! تورات میں بھی آپ کے وہی اوصاف بیان کیے گئے ہیں جو قرآن مجید میں بتائے گئے ہیں:

[1] تفسير الطبري، تفسير ابن كثير، روح المعاني، البقرة 2:76. [2] مسند أحمد: 5/411.

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ إِنَّآ أَرۡسَلۡنَٰكَ شَٰهِدٗا وَمُبَشِّرٗا وَنَذِيرٗا ﴾ (الأحزاب 33:45)

''اے پیغمبر! بے شک ہم نے آپ کو گواہی دینے والا اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔'' اور آپ ان پڑھوں کے لیے محافظ اور میرے بندے اور رسول ہیں۔ میں نے آپ کا نام متوکل رکھا ہے۔ نہ آپ بدخو ہیں، نہ سخت دل ہیں، نہ بازاروں میں شور مچانے والے ہیں، نہ برائی کا بدلہ برائی سے دینے والے ہیں بلکہ معاف فرمانے اور درگزر کرنے والے ہیں۔ ہم اس وقت تک آپ کو اپنے پاس نہیں بلائیں گے جب تک کج رو ملت کو آپ کے ذریعے سے سیدھا نہ کر دیں حتیٰ کہ وہ لاالٰہ الا اللہ کہنے لگے۔ ہم آپ کے ذریعے سے بند دلوں، بہرے کانوں اور اندھی آنکھوں کو ٹھیک کر دیں گے۔''

عطاء بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد میں کعب سے ملا اور ان سے بھی یہ سوال کیا تو انھوں نے بھی بعینہٖ یہی جواب دیا......۔[1]

[1] تفسیر الطبري، الأعراف 7:157. اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ (صحیح البخاري: 2125)

یہود و نصاریٰ کی تحریف

بنی اسرائیل اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے چہیتے اور محبوب سمجھتے ہیں، اسی ذہنی گمراہی کی وجہ سے وہ شروع ہی سے من مانی کرتے آئے ہیں۔ اپنی خواہشات کی پیروی کے لیے احکامِ الٰہی میں رد و بدل کرنا اور انبیاء کو قتل کرنا ان کا شیوہ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید سے پہلے بنی اسرائیل کی طرف جتنی بھی آسمانی کتابیں اور صحائف نازل فرمائے، یہود و نصاریٰ نے ان میں اپنی خواہشات کے مطابق تحریف کر کے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا اور ان کی حرمت پامال کی۔ قرآن مجید، احادیث نبویہ، خود علمائے یہود اور بائبل اس پر شاہد ہیں۔ یہاں اس بارے میں چند دلائل پیش کیے جاتے ہیں:

قرآنِ کریم کی شہادت

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ۖ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ○﴾

''پس ان لوگوں کے لیے بڑی ہلاکت ہے جو اپنے ہاتھوں سے (من مانی شریعت کی) کتاب لکھتے ہیں، پھر دعویٰ کرتے ہیں: یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ اس کے بدلے میں تھوڑی سی قیمت حاصل کریں، پس ان کے لیے بڑی ہلاکت ہے اس چیز کے سبب جو ان کے ہاتھوں نے لکھی اور ان کے لیے بڑی ہلاکت ہے اس چیز کی وجہ سے جو وہ کماتے ہیں۔''[1]

سورۂ نساء میں اہلِ کتاب کی تحریف کا ذکر یوں کیا گیا ہے:

﴿مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ﴾

''یہودیوں میں سے کچھ لوگ الفاظ کو ان کے موقع محل سے ہٹا دیتے ہیں اور کہتے ہیں: ہم نے سنا اور ہم

[1] البقرة 2:79.

نے نافرمانی کی اور (کہتے ہیں:) سنو اگرچہ تم اس قابل نہیں ہو کہ تمھیں کچھ سنایا جائے۔"[1]

ایک اور مقام پر ان کی تحریف کا تذکرہ اس طرح آیا ہے:

﴿وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ○﴾

"اور بے شک ان میں سے ایک گروہ کتاب پڑھتے ہوئے زبان کو توڑتا مروڑتا ہے تاکہ تم اسے کتاب کا حصہ سمجھو، حالانکہ وہ کتاب میں سے نہیں اور وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے، حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں اور وہ جان بوجھ کر اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں۔"[2]

حدیث رسول سے گواہی

یہودی تورات میں تحریف کرنے اور حق کو چھپانے میں کس قدر دلیر تھے، اس کا اندازہ درج ذیل واقعے سے بخوبی کیا جا سکتا ہے:

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے آپ کو بتایا کہ ان میں سے ایک مرد اور ایک عورت نے زنا کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا:

«مَا تَجِدُوْنَ فِي التَّوْرَاةِ فِي شَأْنِ الرَّجْمِ؟»

"تم رجم (سنگسار کرنے) کے بارے میں تورات میں کیا حکم پاتے ہو؟"

وہ بولے: "(تورات میں ہم دیکھتے ہیں کہ) ہم انھیں رسوا کریں اور انھیں کوڑے لگائیں۔" اس پر سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا: "تم نے جھوٹ بولا ہے، بلاشبہ اس میں رجم کا حکم موجود ہے۔" پھر یہودی تورات لائے اور اسے کھولا تو ان میں سے ایک یہودی نے رجم کی آیت پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور اس سے پہلے اور اس کے بعد والی عبارت پڑھی۔ سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: "اپنا ہاتھ اٹھاؤ۔" اس نے اپنا ہاتھ اٹھایا تو وہاں رجم کی آیت موجود تھی۔ یہودی کہنے لگے: "اے محمد! عبداللہ بن سلام نے سچ کہا ہے۔ بے شک تورات میں رجم کی آیت موجود ہے۔" چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے لیے (رجم کا) حکم دیا تو انھیں رجم کر دیا گیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ میں نے (رجم کے وقت) یہودی مرد کو دیکھا، وہ خود پتھر کھا رہا تھا اور اس عورت پر جھک جھک کر اسے پتھروں کی مار سے بچا رہا تھا۔[3]

[1] النسآء 46:4. [2] آل عمرٰن 78:3. [3] صحیح البخاري: 3635.

یہودی عالم ابن صوریا کی شہادت

ایک اور روایت میں ہے کہ نبی ﷺ یہودی علماء سے استفسار کے لیے ان کے دارالعلوم تشریف لے گئے، اس وقت تین یہودی علماء آپ کے سامنے پیش ہوئے۔ اُن کے نام عبداللہ بن صوریا، ابویاسر اور وہب بن یہودا تھے۔ آپ نے ان میں سے عبداللہ بن صوریا کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کے نام سے تم سے پوچھتا ہوں، کیا تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تورات میں شادی شدہ افراد کے لیے زنا کی سزا رجم مقرر کی ہے؟ اس نے اثبات میں جواب دیا اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ ''ابوالقاسم! یہودی خوب جانتے ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے رسول ہیں مگر یہ لوگ آپ سے حسد کرتے ہیں۔''[1]

جب یہودیوں نے زنا کی سزا کے لیے تورات میں موجود حکم کو چھپانے کی ناکام کوشش کی تو اسی مقدمے کی کارروائی کے دوران آپ نے یہودیوں سے اس قانون کو چھپانے کی وجہ پوچھی کہ تم نے اللہ تعالیٰ کے اس قانون کو کیوں ترک کر دیا جو تمھارے پاس موجود ہے، انھوں نے بتایا کہ کچھ عرصہ جرم زنا کی سزا تورات کے قانون کے مطابق دی جاتی رہی حتی کہ شاہی خاندان کے ایک شخص نے زنا کا ارتکاب کیا تو بادشاہ نے اسے رجم کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد جب ایک اور کم تر نسب کے شخص نے زنا کیا اور بادشاہ نے اسے رجم کی سزا دینا چاہی تو لوگوں نے کہا کہ نہیں، اسے اس وقت تک رجم نہیں کیا جا سکتا جب تک شاہی خاندان کے فلاں شخص کو بھی رجم نہ کیا جائے، جب انھوں نے اس پر اصرار کیا تو بالآخر سب نے اس بات پر اتفاق کر لیا کہ زنا کے مجرموں کو رجم کی بجائے کوڑے لگائے جائیں، منہ کالا کیا جائے اور گدھے پر دم کی طرف منہ کر کے سوار کیا جائے۔ اس طرح انھوں نے رجم کے حکم پر عمل ترک کر دیا تھا۔ تورات کا قانون پوشیدہ رکھنے کا یہ سبب معلوم کرنے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا:

«اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَوَّلُ مَنْ أَحْيَا أَمْرَكَ إِذْ أَمَاتُوهُ»

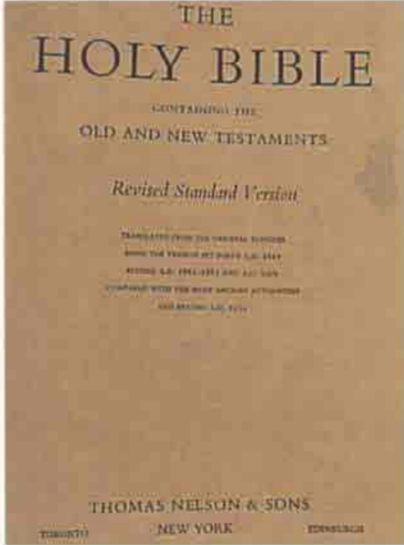
''اے اللہ! میں تیرے حکم کو زندہ کرنے والا پہلا شخص ہوں، جب کہ انھوں نے اسے ختم کر دیا تھا۔''[2]

بائبل کے متعلق 32 عیسائی علماء کی رپورٹ

اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام پر ایک آسمانی کتاب نازل کی تھی جو انجیل کہلاتی ہے اور ہو سکتا ہے کہ آج اس کے بعض

[1] السيرة لابن هشام:565,564/2. [2] صحيح مسلم:1700، السيرة لابن هشام:566/2.

اجزاء عیسیٰ علیہ السلام پر نازل شدہ الوہی تعلیمات کی صورت میں عہد نامہ جدید میں شامل ہوں۔ یہی کیفیت تورات اور دیگر صحیفوں کی ہے۔ مسلمان تورات، زبور اور انجیل پر ایمان رکھتے ہیں لیکن آج کل کی بائبل جس شکل میں ہمارے سامنے ہے، اُس پر بعینہٖ ایمان نہیں رکھتے کیونکہ موجودہ بائبل اُن اصل کتب کا مجموعہ نہیں جو اللہ نے نازل کی تھیں بلکہ یہودیوں اور عیسائیوں نے ان میں وقتاً فوقتاً طرح طرح کی ترمیمیں اور تحریفیں کیں اور من مانے اضافے کر ڈالے۔ یہ بات امریکہ میں نیشنل کونسل آف چرچز (NCC) کی اس کمیٹی نے بھی تسلیم کی جو بائبل مقدس کے ترمیم شدہ معیاری ایڈیشن پر نظر ثانی کے لیے 1937ء میں قائم کی گئی تھی۔ یہ کمیٹی 32 عیسائی علماء پر مشتمل تھی۔[1] انھوں نے تعاون کرنے والے فرقوں کے پچاس نمائندوں پر مشتمل مشاورتی بورڈ کے تاثرات، تجاویز اور مشورے اپنی رپورٹ میں شامل کیے۔ کمیٹی نے بائبل مقدس کے مقدمے میں لکھا: ”بعض اوقات یوں لگتا ہے کہ متن میں سے کچھ حصے حذف کر دیے گئے ہیں لیکن کسی نسخے میں بھی حذف شدہ حصے قابل اطمینان طور پر بحال نہیں کیے گئے۔ اصل متن کی انتہائی امکانی تشکیل جدید کے لیے فاضل علماء نے جو بہترین قیاسات پیش کیے ہیں، اب ہم انھی پر اکتفا کریں گے۔“ کمیٹی نے مقدمے میں یہ بھی لکھا: ”اس میں عبارات کا اضافہ کیا گیا ہے جن سے قدیم مستند نسخوں میں اہم تبدیلیوں، اضافوں اور تحریفات کا پتہ چلتا ہے۔“



نظر ثانی شدہ سٹنڈی بائبل کا سرورق

بائبل ہی کی عبارتوں سے تحریف کی گواہیاں

اہل کتاب نے من مانی تحریف کا جو بازار گرم کیا، اس کا ذکر صرف قرآن ہی میں نہیں بلکہ خود آج کی مروجہ بائبل میں بھی موجود ہے۔ بائبل قرآن کی بتائی ہوئی حقیقت کو تسلیم کرتی ہے۔ بائبل کے ہمہ جہت تعارف کے بعد اب آپ اہل کتاب کی تحریفوں کے بارے میں خود بائبل ہی کی گواہیاں پڑھ لیجیے:

1 بہت سی باتوں کا اضافہ

”تب یرمیاہ نے دوسرا طومار لیا اور باروک بن نیریاہ منشی کو دیا اور اُس نے اُس کتاب کی سب باتیں

[1] وکی پیڈیا انسائیکلوپیڈیا (En.wikipedia.org/wiki/Revised_Standard_Version)

جسے شاہ یہوداہ یہویقیم نے آگ میں جلایا تھا یرمیاہ کی زبانی اُس میں لکھیں اور اُن کے سوا ویسی ہی اور بہت سی باتیں اُن میں بڑھا دی گئیں۔" [1]

یہاں یہ عرض کرنا بے محل نہ ہوگا کہ یرمیاہ (Jeremiah) (ارمیاہ) کا عہد نبوت 626 ق م سے 587 ق م میں یروشلیم کی بربادی تک چالیس برسوں پر محیط ہے۔ یرمیاہ نے ایک دیندار کاہن کے خاندان میں پرورش پائی۔ امون شاہ یہوداہ (یہودیہ) کے مختصر عہد میں بت پرستی کا احیا ہو چکا تھا۔ ہیکل میں بھی بت رکھے ہوئے تھے اور یروشلیم کے نواح میں بعل اور مولک کے نام پر بچوں کو قربان کیا جاتا تھا۔ یرمیاہ نے منظم دینی و اخلاقی اصلاحات کا آغاز کیا۔ نبوکدنضر (بخت نصر شاہ بابل) نے کرکمیس (شام) کی لڑائی میں فرعون نکوہ کو شکست دینے کے بعد 604 ق م میں اسقلون (عسقلان) کو زمین بوس کر دیا تھا۔ اس پر یروشلیم میں روزہ کی منادی کی گئی اور یرمیاہ کا پیغام توحید سنایا گیا مگر شاہ یہویقیم نے بدستور بُت پرستانہ رسم و رواج کی حوصلہ افزائی کی۔ آخر کار 597 ق م میں بابل نے یہودیہ پر مکمل طور پر قبضہ کر لیا۔ بخت نصر کے دوسرے محاصرۂ یروشلیم (587 ق م) کے دوران میں یہودیوں نے یرمیاہ نبی پر غداری کا الزام لگا کر انھیں ایک دلدلی حوض میں پھینک دیا لیکن عبد ملک کی بروقت مداخلت نے انھیں موت کے منہ میں جانے سے بچا لیا۔ یروشلیم کی بربادی کے بعد نبوکدنضر (نبوکدرضر) یرمیاہ کے ساتھ مہربانی سے پیش آیا۔ بابل اور یہوداہ میں جھوٹے نبیوں نے یرمیاہ کو قتل کرانے کی کوششیں کیں۔ آخری عمر میں وہ مصر چلے گئے اور وہاں بھی یہودیوں کو بت پرستی سے باز آنے کی تلقین کرتے رہے۔ [2]



تختی یرمیاہ علیہ السلام

کتاب مقدس (یرمیاہ) کے متذکرہ بالا اقتباس میں یہوداہ یہویقیم کا ذکر آیا ہے۔ اس کی نسبت یہ جان لینا کافی ہے کہ یہ یہودیہ کے نیک بادشاہ یوسیاہ کا بیٹا تھا۔ اس کا پہلا نام الیاقیم تھا لیکن فرعون نکوہ نے اسے بادشاہ بنا کر خراج دینے پر مجبور کیا اور اس کا نام بدل کر یہویقیم رکھا۔ اس نے گیارہ سال حکومت کی۔ وہ بڑا ظالم اور بدکار تھا۔ یرمیاہ نبی نے پیش گوئی کی تھی کہ "یہ شخص گدھے کی طرح دفن ہوگا۔" [3]

[1] کتاب مقدس (یرمیاہ) 32:36. [2] قاموس الکتاب، ص: 1106-1109. [3] قاموس الکتاب، ص: 1191.

2 لکھنے والوں کے باطل قلم

"تم کیونکر کہتے ہو کہ ہم تو دانشمند ہیں اور خداوند کی شریعت ہمارے پاس ہے؟ لیکن دیکھ لکھنے والوں کے باطل قلم نے بطالت پیدا کی ہے۔ دانشمند شرمندہ ہوئے۔ وہ حیران ہوئے اور پکڑے گئے۔ دیکھ انھوں نے خداوند کے کلام کو رد کیا۔"[1]

3 تم نے اللہ کا کلام باطل کر ڈالا

"پس تم نے اپنی روایت سے خدا کا کلام باطل کر دیا۔ اے ریاکارو! یسعیاہ نے تمھارے حق میں کیا خوب نبوت کی کہ یہ امت زبان سے تو میری عزت کرتی ہے مگر ان کا دل مجھ سے دور ہے۔ اور یہ بے فائدہ میری پرستش کرتے ہیں کیونکہ انسانی احکام کی تعلیم دیتے ہیں۔"[2]

4 تم نے اللہ کا کلام بگاڑ دیا

"پر خداوند کی طرف سے بارِ نبوت کا ذکر تم کبھی نہ کرنا اس لیے کہ ہر ایک آدمی کی اپنی ہی باتیں اُس پر بارہوں گی کیونکہ تم نے زندہ خدا رب الافواج ہمارے خدا کے کلام کو بگاڑ ڈالا ہے۔"[3]

بائبل کی اُن تمام تحریفات کے باوجود، جن کا خصوصی ہدف آسمانی کتابوں کے وہ حصے رہے جن میں رسول اللہ ﷺ کی آمد کا صاف صاف ذکر تھا، آج بھی بائبل میں ایسی پیش گوئیاں موجود ہیں جن کا مصداق صرف رسول اللہ ﷺ ہی کی ذات گرامی ہے۔

بنی اسرائیل یسوع (عیسیٰ علیہ السلام) کے علاوہ بھی ایک نبی کے شدت سے منتظر تھے۔ اس نبی کے ورودِ مسعود کی صورت میں وہ دوبارہ غلبہ اور عظمت رفتہ حاصل کرنا چاہتے تھے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۡ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝ ﴾

"اور جب ان کے پاس اللہ کے ہاں سے ایک کتاب آگئی جو اس (کتاب) کی تصدیق کرنے والی ہے جو ان کے پاس ہے، حالانکہ وہ اس سے پہلے ان لوگوں پر (رسول موعود کے ذریعے سے) فتح طلب کیا کرتے تھے جنھوں نے کفر کیا، پھر جب ان کے پاس وہ (رسول برحق) آ گیا جسے انھوں نے پہچان لیا تو انھوں نے

[1] کتاب مقدس (یرمیاہ) 8:8،9. [2] کتاب مقدس (متی) 15:6-9. [3] کتاب مقدس (یرمیاہ) 36:23.

اس کے ساتھ کفر کیا، پس کافروں پر اللہ کی لعنت ہے۔“[1]

- بائبل کی تحریفات پر مزید معلومات حاصل کرنے کے لیے وزٹ کیجیے:

www.islam-guide.com/bible

- حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام اور اسلام کے حوالے سے مزید معلومات کے لیے وزٹ کیجیے:

www.islam-guide.com/jesus

- اس سلسلے میں دارالسلام لاہور سے شائع ہونے والی سینئر پروفیسر ساجد میر کی معرکہ آرا کتاب ”عیسائیت“ کا مطالعہ ان شاء اللہ بہت آگہی بخش اور چشم کشا ثابت ہوگا۔

[1] البقرة 2:89.

بائبل کا تعارف

نبی مکرم ﷺ پر قرآن کریم نازل کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لیے جو صحیفے اور کتابیں نازل فرمائیں، ان کے مجموعے کو عرفِ عام میں بائبل (Bible) کہا جاتا ہے۔ اس کے دو حصے ہیں: 1 عہد نامہ قدیم (Old Testament): اس میں تورات، زبور اور دیگر انبیاء کے صحیفے شامل ہیں۔ اسے یہودی اور عیسائی دونوں مانتے ہیں۔ 2 عہد نامہ جدید (New Testament): یہ چار انجیلوں متی، مرقس، یوحنا، لوقا اور رسولوں (عیسیٰ مسیح علیہ السلام کے حواریوں) کے اعمال اور خطوط پر مشتمل ہے، اسے صرف عیسائی مانتے ہیں۔ اگرچہ حواریِ مسیح برنباس نے بھی 55ء میں ایک انجیل لکھی تھی مگر عیسائی اسے وضعی قرار دیتے ہیں۔


عہد نامہ قدیم کا نسخہ

لفظ بائبل (Bible) یونانی زبان کے لفظ ببلوس (Bublos) یا بائبلوس (Biblus) سے مشتق ہے۔ اس کے معنی ہیں کتابوں کا مجموعہ۔ ابتدا میں بائبل دو زبانوں پہلے عبرانی (Hebrew) پھر یونانی (Greek) میں لکھی گئی۔

بائبل کے مؤلفین


عہد نامہ جدید کا نسخہ

تقریباً 1600 سال کے عرصے میں 40 مؤلفین نے بائبل کی مختلف کتابیں مرتب کیں۔ ان افراد کا تعلق دنیا کے مختلف حصوں سے تھا۔ آخری مصنف پہلے مصنف کی وفات کے 1450 برس بعد پیدا ہوا تھا۔ عیسائیوں کے کیتھولک فرقے (کیتھولک چرچ) کے مطابق بائبل 72 کتابوں کا مجموعہ ہے جبکہ پروٹسٹنٹ چرچ اسے 66 کتابوں کا مجموعہ مانتا ہے۔ کیتھولک چرچ کے نزدیک عہد نامہ قدیم میں 45 اور عہد نامہ جدید میں 27 کتابیں ہیں، جبکہ پروٹسٹنٹ چرچ عہد نامہ قدیم کو 39 اور عہد نامہ جدید کو 27 کتابوں کا مجموعہ مانتا

ہے۔ عہد نامہ قدیم کی پہلی پانچ کتابیں تورات (Torah) کہلاتی ہیں۔ پرانا عہد نامہ عبرانی زبان میں لکھا گیا تھا جس میں کتاب دانی ایل (دانیال) اور کتاب عزرا (عُزیر) کے کچھ حصے آرامی زبان میں تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب نیا عہد نامہ مکمل طور پر یونانی زبان میں لکھا گیا جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود یونانی زبان سے واقف تک نہ تھے۔ 420ء میں کیتھولک چرچ کو کچھ صحیفے ملے جنھیں ردو بدل کے بعد نئے عہد نامے ہی میں شامل کر دیا گیا اور ان صحیفوں کو محفوظ کر لیا گیا۔ موجودہ دور میں جو قدیم نسخے موجود ہیں، وہ چوتھی اور پانچویں صدی عیسوی میں مرتب کیے گئے۔

بائبل کی مختلف کتب مرتب کرنے والے جن افراد کا ذکر آیا ہے، یہاں ضمناً ان کا ترتیب وار تعارف پیش خدمت ہے:



انجیل متی کا قدیم نسخہ

متی (Matthew): یونانی میں اس کے معنی ''خدا کی بخشش'' ہیں۔ حلفئی کا بیٹا جو لاوی کہلاتا تھا، جب مسیح (علیہ السلام) کا شاگرد بنا تو اس نے اپنا نام متی رکھ لیا۔ جدت پسند علماء اس روایت کو قبول کرنے سے ہچکچاتے ہیں کہ انجیل متی کا مصنف متی رسول (حواری مسیح) تھا کیونکہ متی نے ایک ایسے رسالے (مرقس کی انجیل) کو بطور ماخذ استعمال کیا جس کا مصنف رسول نہیں تھا۔ متی کی انجیل یونانی بولنے والے یہودی مسیحیوں کے لیے لکھی گئی۔ اس انجیل کی بڑی مشکلات میں سے ایک یہ ہے کہ اس میں یسوع مسیح (علیہ السلام) موسوی شریعت کو صحیح قرار دیتے ہیں مگر اس کے ساتھ ہی وہ بعض اوقات اس کے بالکل برعکس کام کرتے بھی نظر آتے ہیں۔[1]

مرقس (یوحنا): یہ شخص انگریزی میں (St. Mark) کے نام سے معروف ہے۔ مُرقُس (مرقص) یا یوحنا لاطینی میں مارکوس (Marcus) کہلاتا ہے۔ یروشلیم میں پیدا ہوا۔ یہ برناباس (برنباس) کا عم زاد تھا۔ یوحنا اس کا یہودی نام تھا۔ یہ پطرس رسول کے وسیلے سے عیسائی ہوگیا۔ اسکندریہ کا کنیسہ مرقس ہی نے تعمیر کرایا اور وہ 43ء تا 63ء اس کا بطریق رہا۔ انجیل مرقس میں عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کے بجائے ان کے معجزات پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ مرقس نے یسوع مسیح کو ''یہوواہ''[2] کا

[1] قاموس الکتاب، ص: 877-880. [2] عبرانی میں ''یہوواہ'' یا ''یَہوہ'' کے معنی ہیں قائم بالذات یا زندگی دینے والا، عربی میں حیّ: جو خدا ◄◄



انجیل مرقس کا قدیم نسخہ

خادم“ کے طور پر پیش کیا ہے جبکہ متی انھیں بطور ”بادشاہ“، لوقا بطور ”انسان“ اور یوحنا بطور ”خدا کا بیٹا“ پیش کرتے ہیں۔ جب برناباس اور پولس قحط کی وجہ سے مالی مدد پہنچانے یروشلیم گئے تو وہ یوحنا مرقس کو بھی ساتھ لے گئے۔ یوں اسے ان کے ساتھ پہلے بشارتی (تبلیغی) سفر میں جانے کا موقع مل گیا۔ یہ سفر انطاکیہ سے کُپرس، پرگہ، پسدیہ کے انطاکیہ (ترکی) کی طرف کیا گیا مگر مرقس پرگہ (موجودہ احسانیہ) سے یروشلیم لوٹ آیا، لہٰذا دوسرے بشارتی سفر میں پولس نے اسے ساتھ لے جانے سے انکار کر دیا، تب برناباس اسے اپنے ساتھ کپرس (قبرص) لے گیا۔ دوسری مرتبہ مرقس ایک اہم خدمت گزار کے طور پر پولس کے ساتھ رومہ (Rome) میں نظر آتا ہے۔ پطرس اسے ”میرا بیٹا“ کہہ کر پکارتا ہے۔ اس نے روم میں انجیل رومی ماحول میں لکھی۔ مرقس نے 68ء میں اسکندریہ میں وفات پائی۔ عیسائی مرقس کا تہوار 25 اپریل کو مناتے ہیں۔[1]



انجیل یوحنا کا قدیم نسخہ

یوحنا عارف: یہ (حواریِ مسیح) زبدی کا بیٹا اور یعقوب رسول (حواری) کا بھائی تھا۔ اُسے یہودی بادشاہ ہیرودیس اگرپا اول نے تقریباً 44ء میں شہید کرا دیا۔ اس کی ماں سلومی، مقدسہ مریم (والدۂ مسیح علیہ السلام) کی ہمشیرہ تھی۔ اس کا آبائی پیشہ ماہی گیری تھا۔ یوحنا پہلے یوحنا اصطباغی (یحییٰ علیہ السلام) کا شاگرد تھا، پھر مسیح (علیہ السلام) کا شاگرد بنا۔ نئے عہد نامہ کی پانچ کتابیں، یعنی چوتھی انجیل، تین خط اور مکاشفہ کی کتاب اس سے منسوب ہیں۔ اس نے اپنے آخری ایام اِفِسُس (Ephesus) میں بسر کیے (جو مغربی ترکی میں واقع ہے)۔ اس نے مکاشفہ کی کتاب پتمس کے جزیرے میں لکھی جہاں وہ خدا کے کلام اور مسیح کی

« کا ایک نام ہے۔ یہود کے نزدیک یہ خداوند تعالیٰ کا ایک پاک ترین نام تھا۔ اسے زبان پر لانا بھی تورات کے تیسرے حکم کی خلاف ورزی سمجھا جاتا تھا (قاموس الکتاب: 1190)۔ اسے ”یہوداہ“ یا ”یہودہ“ (یہودا) سے گڈمڈ نہ کیا جائے جس کے معنی ہیں ”ممدوح، جس کی تعریف کی گئی۔“ یہودہ یعقوب علیہ السلام کے چوتھے بیٹے کا نام تھا جس کے نام پر ”یہودی“ اور ریاست ”یہودیہ“ کے نام پڑے۔ (قاموس الکتاب: 1185-1187)

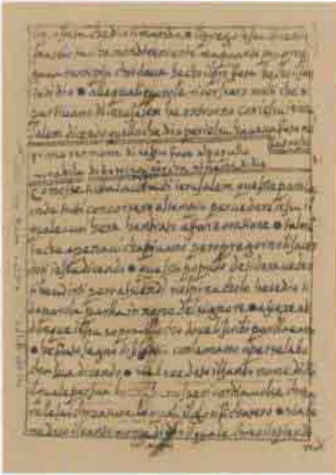
[1] المنجد في الأعلام، ص: 529، Encyclopedia of World Religions، قاموس الکتاب، ص: 899، وکی پیڈیا انسائیکلوپیڈیا۔

گواہی دینے کی وجہ سے قید تھا۔ اس نے اپنی انجیل ترکی کے علاقہ آسیہ (Asia، ایشیائے کوچک) میں رہ کر لکھی اور وہیں اِفسُس میں پہلی صدی کے آخر میں وفات پائی۔ [1]



انجیل لوقا کا قدیم نسخہ

لوقا (St.Luke): یونانی زبان میں اسے لوکاس کہتے ہیں۔ یہ پولس کا ساتھی تھا۔ اس نے عہد نامہ جدید کی دو کتابیں انجیل لوقا (67ء) اور رسولوں کے اعمال (68-85ء) تحریر کیں جن سے اس کی علمِ طب اور جہاز رانی میں دلچسپی ظاہر ہوتی ہے۔ ایک روایت کے مطابق وہ انطاکیہ کا رہنے والا تھا جبکہ دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فلپی (مقدونیہ) کا باشندہ تھا۔ اصلاً وہ طبیب تھا۔ 90ء میں قیصرِ روم نے اسے قتل کر دیا۔ ایک روایت کے مطابق اسے یونان میں قتل کیا گیا۔ کیتھولک عیسائی 18 اکتوبر کو لوقا (سینٹ لوک) کی عید مناتے ہیں۔ [2]



انجیل برناباس کا نسخہ

برناباس: بائبل کی رو سے برناباس کا نام یوسف تھا، پھر رسولوں (حواریوں) نے اسے برنابا کے نام سے موسوم کیا۔ برنابا کے معنی ارامی زبان میں ''وعظ کا بیٹا'' ہیں۔ یہ نسباً لاوی اور قبرص کا رہنے والا تھا۔ موجودہ بائبل کی ایک کتاب رسولوں کے اعمال میں اس کا اچھا تذکرہ ہے۔ اس نے یروشلم میں پولس کا استقبال کیا اور پھر انطاکیہ میں تبشیر (عیسائیت کی دعوت) کا فریضہ انجام دیتا رہا۔ پھر برناباس اور پولس دونوں نے مل کر پسدیہ کے انطاکیہ، اِکُنیم (قونیہ)، لُسترہ اور دِربے میں تبلیغی کام کیا۔ بعد میں برناباس کا پولس سے اختلاف ہوا اور برناباس اپنے رشتہ دار مرقس (حواری) کو لے کر کپرس چلا گیا۔ بعض سکالروں کا خیال ہے کہ عبرانیوں کے نام خط کا مصنف برناباس ہے۔ [3]

دانی ایل یا دانیال: عبرانی میں اس کے معنی ''خدا میرا منصف ہے'' ہیں۔ یہ ان نوجوان اسیروں میں سے تھا جنھیں

[1] قاموس الکتاب، ص: 1159، 1160. [2] المنجد في الأعلام، ص: 498، قاموس الکتاب، ص: 865، وکی پیڈیا انسائیکلوپیڈیا.
[3] قاموس الکتاب، ص: 146، 147.


کتاب دانیال کا نسخہ

بخت نصر (نبوکدنضر) 605 ق م میں قید کر کے بابل لے گیا۔ اس کا بابلی نام بیلطشضر رکھا گیا، یہ ایک بُت کا نام تھا لیکن دانی ایل اور اس کے دوست اپنے آباء و اجداد کے دین پر قائم رہے۔ دانی ایل کو خوابوں کی تعبیر بتانے کی صلاحیت بھی دی گئی تھی۔ دانی ایل نے نبوکدنضر کے خواب کی تعبیر بتائی تو اس نے دانی ایل کو اپنے حکیموں پر سردار مقرر کر دیا۔ خورس (سائرس اعظم) نے بابل پر قبضے (539 ق م) کے بعد دارا مادی (Darius, the Mede) کو بابل کا بادشاہ مقرر کیا تو اس نے دانیال کو اپنا وزیر بنالیا۔ بعد میں حاسدوں نے اسے معزول کرانے کے لیے بادشاہ سے فرمان جاری کرایا کہ کوئی شخص تیس دن تک دارا کے سوا کسی اور ہستی سے دعا کر سکتا ہے نہ کوئی درخواست۔ جلد ہی دانی ایل اپنے خدا سے دعا کرتا پکڑا گیا۔ اس پر دارا نے اسے شیروں کے بھٹ میں ڈال دیا لیکن خدا نے شیروں کے منہ بند کر دیے، تاہم جب ان حاسدوں کو ان کے سامنے پھینکا گیا تو انھوں نے انھیں فوراً پھاڑ کھایا۔ دارا بادشاہ کے اسی سالِ اول میں یہودیوں کی ستر برس کی اسیری ختم ہوئی اور یروشلیم کی دوبارہ تعمیر کا فرمان جاری ہوا۔ [1]

کتاب عزرا کا قدیم نسخہ

عزیر (عزرا) علیہ السلام: ان کے تعارف میں سید ابوالاعلیٰ مودودی قرآن کی آیت: ﴿ وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرُ ابْنُ اللَّهِ ﴾ (التوبۃ 9:30) ''اور یہود نے کہا: عزیر اللہ کے بیٹے ہیں'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ''عزیر سے مراد عزرا (Ezra) ہیں جن کو یہودی اپنے دین کا مجدد مانتے ہیں۔ ان کا زمانہ 450 ق م کے لگ بھگ بتایا جاتا ہے۔ اسرائیلی روایات کے مطابق سلیمان علیہ السلام کے بعد جو دورِ ابتلا بنی اسرائیل پر آیا، اس میں نہ صرف یہ کہ تورات دُنیا سے گم ہوگئی تھی بلکہ بابل کی اسیری نے اسرائیلی نسلوں کو اپنی شریعت، اپنی روایات اور اپنی قومی زبان عبرانی تک سے ناآشنا کر دیا تھا۔ آخرکار انھی عزیر یا عزرا نے بائبل کے پرانے عہد نامے کو مرتب کیا اور شریعت کی تجدید کی۔ اسی وجہ سے بنی اسرائیل ان کی بہت تعظیم کرتے ہیں اور یہ تعظیم اس حد تک بڑھ گئی کہ بعض یہودی گروہوں نے ان کو ابن اللہ (اللہ کا بیٹا) تک بنا دیا۔ یہاں قرآن مجید کے

[1] قاموس الکتاب، ص: 389،388۔

ارشاد کا مقصود یہ نہیں کہ تمام یہودیوں نے بالاتفاق عزرا کاہن کو خدا کا بیٹا بنایا ہے بلکہ مقصود یہ بتانا ہے کہ خدا کے متعلق یہود کے اعتقادات میں جو خرابی رُونما ہوئی، وہ اس حد تک تجاوز کر گئی کہ عزرا کو خدا کا بیٹا قرار دینے والے بھی ان میں پیدا ہوئے۔[1]

بائبل کے تین قدیم نسخے

اس وقت بائبل کے تین قدیم ترین نسخے موجود ہیں:



نسخہ ویٹیکن



سینائی نسخہ



نسخہ اسکندریہ

1 **نسخہ ویٹیکن:** یہ چوتھی صدی عیسوی کا نسخہ ہے اور روم (اٹلی) میں محفوظ ہے۔ ویٹیکن (Vatican) اٹلی کے شہر روم میں پاپائے روم کی ریاست اور رومن کیتھولک چرچ کا صدر مقام ہے۔ یہیں پاپائے روم کا مسکن ہے۔ اس کا رقبہ 109 ایکڑ اور آبادی بمطابق مردم شماری (1991ء) ایک ہزار ہے۔ یہیں سینٹ پیٹر کا مشہور گرجا واقع ہے۔ 1929ء میں اٹلی کے آمر مسولینی نے ویٹیکن میں پاپائے روم کی حاکمیت تسلیم کر لی تھی۔[2]

2 **سینائی نسخہ:** یہ بھی چوتھی صدی عیسوی کا نسخہ ہے اور سینٹ پیٹرز برگ (روس) میں محفوظ ہے۔...... سینٹ پیٹرز برگ شمال مغربی روس کی اہم ترین بندرگاہ ہے جو خلیج فن لینڈ (بحیرۂ بالٹک) میں گرنے والے دریائے نیوا کے دہانے پر واقع ہے۔ اس کی آبادی 50 لاکھ سے زائد ہے۔ زار روس پیٹر اعظم نے 1703ء میں اس شہر کی بنیاد رکھی تھی۔ 1712ء سے انقلاب روس (1917ء) تک یہ روس کا صدر مقام رہا حتیٰ کہ ماسکو دارالحکومت قرار پایا۔[3]

3 **نسخہ اسکندریہ:** یہ پانچویں صدی عیسوی میں مرتب ہوا اور لندن میں محفوظ ہے۔

---

[1] تفہیم القرآن، التوبۃ 30:9۔

[2] Oxford English Reference Dic, p:1599. [3] Oxford English Refernce Dic, p:1274.

اسرائیلی روایات

علمائے یہود نے جو روایات لکھیں یا بیان کی ہیں، وہ روایات علمائے اسلام نے بھی مختلف ضرورتوں کے تحت نقل کی ہیں۔ انھی روایات کو عرفِ عام میں اسرائیلی روایات یا اسرائیلیات کہا جاتا ہے۔ ان روایات کا بہت بڑا حصہ ساقط الاعتبار ہے۔ تاہم اگر ان روایات میں کوئی ایسی بات موجود ہو جس کی تائید قرآن کریم اور سنتِ رسول ﷺ سے ہوتی ہو، وہ یقیناً ہمارے لیے بھی واجب الاحترام ہے۔ لیکن قرآن وسنت جن روایات ومطالب کے بارے میں خاموش ہیں، نہ ان کی تائید کرتے ہیں نہ تکذیب، ٹھیک یہی بات ہم پر بھی لازم ہے کہ ہم بھی ایسی باتوں پر سکوت ہی اختیار کریں۔

ہر چند بائبل میں تحریف ہو چکی ہے اور اس میں مختلف مقامات پر تضاد پایا جاتا ہے، لیکن پھر بھی اس میں حق کے آثار موجود ہیں۔ آیئے! ہم دیکھیں کہ اس بارے میں ہمارے رہبرِ اعظم محمد رسول اللہ ﷺ نے اہلِ کتاب کی نسبت کیا ارشاد فرمایا ہے۔ ارشادِ عالی ہے:

«لَا تَسْأَلُوهُمْ عَنْ شَيْءٍ فَيُخْبِرُوكُمْ بِحَقٍّ فَتُكَذِّبُوا بِهِ، أَوْبِبَاطِلٍ فَتُصَدِّقُوا بِهِ»

''تم ان سے کسی چیز کے بارے میں کچھ نہ پوچھو کیونکہ وہ تمھیں حق کی خبر دیں گے تو تم اسے جھٹلا دو گے یا باطل کی خبر دیں گے تو تم اس کی تصدیق کر دو گے۔''[1]

اسرائیلی روایات کی تین قسمیں ہیں:

1. جن کے بارے میں ہمیں یہ معلوم ہے کہ وہ صحیح ہیں کیونکہ کتاب وسنت (یا ان کے اصول) ان کے صحیح ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔
2. جن کے بارے میں ہمیں یہ معلوم ہے کہ یہ اسرائیلی روایات جھوٹی ہیں کیونکہ کتاب وسنت کے اصول سے ان کی مخالفت ثابت ہے۔
3. وہ اسرائیلی روایات جن کے بارے میں کتاب وسنت کے اصول خاموش ہیں۔ یہ روایات نہ پہلی قسم میں سے ہیں اور نہ دوسری قسم میں سے، لہٰذا ہم ان کی تصدیق کرتے ہیں نہ تکذیب، البتہ صحیح بخاری کی درج ذیل حدیث کے پیشِ نظر انھیں بیان کرنا جائز ہے:

«بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً، وَحَدِّثُوا عَنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَلَا حَرَجَ، وَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا

[1] مسند أحمد: 387/3، إرواء الغليل: 34/6-38.

فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ»

”مجھ سے آگے پہنچاؤ، خواہ (تمھیں) ایک آیت (ہی معلوم) ہو اور بنی اسرائیل سے بیان کرو، اس میں بھی کوئی حرج نہیں لیکن جس نے جان بوجھ کر میری طرف کوئی جھوٹی بات منسوب کی تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے۔“ [1]

لیکن ان میں سے اکثر و بیشتر روایات بے سُود ہیں۔ اُن سے کسی طرح کا کوئی دینی یا علمی فائدہ نہیں۔ [2]

بائبل سے روایات پیش کرتے ہوئے اس امر کا اطمینان کر لیا جائے کہ وہ روایات قرآن مجید اور احادیث نبویہ سے متصادم نہ ہوں، ایسی صورت میں ہمیں حوالہ دینے میں بھی متامّل نہیں ہونا چاہیے کیونکہ خود قرآنِ مجید میں آسمانی کتب میں ہدایت اور روشنی کی موجودگی کا ذکر ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّا أَنزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِينَ أَسْلَمُوا لِلَّذِينَ هَادُوا وَالرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوا مِن كِتَابِ اللَّهِ وَكَانُوا عَلَيْهِ شُهَدَاءَ ﴾

”بے شک ہم ہی نے تورات نازل کی، اس میں ہدایت اور روشنی ہے۔ اسی کے مطابق اللہ کی اطاعت کرنے والے انبیاء، ربانی علماء اور فقہاء یہود کے معاملات کے فیصلے کرتے تھے، اس لیے کہ وہ اللہ کی کتاب کے نگران بنائے گئے تھے اور اس پر گواہ ٹھہرائے گئے تھے۔“ [3]

﴿ وَقَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِم بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَاةِ ۖ وَآتَيْنَاهُ الْإِنجِيلَ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَاةِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ○ ﴾

”اور ہم نے ان (رسولوں) کے بعد عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا جو اپنے سے پہلے نازل شدہ کتاب تورات کی تصدیق کرنے والے تھے۔ اور ہم نے انھیں انجیل دی جس میں ہدایت اور روشنی تھی اور وہ اپنے سے پہلے کی کتاب تورات کی تصدیق کرنے والی تھی اور پرہیز گاروں کے لیے سراسر ہدایت اور نصیحت تھی۔“ [4]

[1] صحیح البخاري :3461. [2] المصباح المنیر ،تہذیب وتحقیق تفسیر ابن کثیر (اردو) :72/1. [3] المآئدۃ5:44. [4] المآئدۃ5:46.

بائبل کی پیش گوئیاں اور اہلِ کتاب کی ہیرا پھیری

توراتی صحیفوں خصوصاً بنی اسرائیل کے دور اسیری کے انبیاء سے منسوب صحائف کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ یہ صحیفے یہود کے بارے میں آخری زمانے کی پیش گوئیوں پر مشتمل ہیں۔ مزید برآں ان سے چار باتیں اور معلوم ہوتی ہیں۔ پہلی یہ کہ یہودی آخری زمانے تک باقی رہیں گے، دوسری یہ کہ یہودیوں کی آخری زمانے میں یکجائی ہوگی، تیسری یہ کہ فلسطین میں ان کی ایک اور سلطنت قائم ہوگی اور چوتھی بات یہ کہ اللہ تعالیٰ ایک ایسی طاقتور امت کے ذریعے سے ان پر اپنا غضب نازل کرے گا جو روئے زمین کے تمام اطراف سے آکر ان پر چڑھائی کرے گی۔

ان پیش گوئیوں کے مفسرین کی آراء عموماً دو طرح کے نقطۂ نظر پر مشتمل ہیں:

1 ایک نقطۂ نظر یہ ہے کہ یہ پیش گوئیاں ماضی ہی میں پوری ہوچکی ہیں، چنانچہ یہودی ہر دور میں ان پیش گوئیوں کو اسی رائے پر محمول کرتے رہے ہیں تاکہ اب وہ پوری یکسوئی سے بس ایک نجات دہندہ کی آمد کا انتظار کریں۔

اسی طرح انجیل متی کے مؤلف کی یہ رائے ہے کہ یہ پیش گوئیاں مسیح علیہ السلام کی پہلی بار کی آمد ہی سے متعلق ہیں۔ اس رائے سے کیتھولک عیسائی متاثر ہوئے اور ان کی اکثریت اسی کی جانب مائل رہی۔

اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسا کہ اسلامی تاریخ میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض پیش گوئیوں کی بابت یہ کہہ دیا گیا کہ یہ پوری ہوچکی ہیں، مثلاً: بعض طبقوں نے مہدی منتظر کی آمد کو سلطنت بنی عبید یا سلطنت موحدین پر چسپاں کرکے یہ نظریہ قائم کرلیا کہ مہدی آچکے بلکہ آکر گزر بھی چکے ہیں۔ اس نظریے پر بہت سے لوگوں نے یقین کرلیا۔ ان کے پیروکار آج بھی پائے جاتے ہیں۔

اہل کتاب کے بعض طبقوں کی اسی رائے پر دور حاضر کے ''کتاب مقدس کے تاریخی نقد ونظر والے'' مکتبۂ فکر نے اپنے خیالات کی بنیاد رکھی حتی کہ ان میں سے بعض انتہا پسندی میں یہاں تک چلے گئے کہ انھوں نے کہا: ان انبیاء کا سارا کلام ہی ماضی کی تاریخ پر مبنی ہے۔ اس میں مستقبل کے بارے میں کوئی پیش گوئی نہیں ہے۔ اس رائے کی رو سے انبیاء ماضی کے واقعات کے راوی قرار پائیں گے، لہٰذا انھیں آیندہ کا پیش گو نہیں مانا جاسکتا۔

اہلِ کتاب کی روش درحقیقت ان پیش گوئیوں کی نص سے بھی متصادم ہے اور ان کی روح سے بھی۔ آخر اس بات

کا کیا مطلب سمجھا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کسی نبی سے فرمائے: اٹھو! اور بنی اسرائیل کو یہ پیش گوئی کرو، یا اہلِ مصر کو وہ پیش گوئی کرو یا ادوم کو پیش گوئی کرو...... جبکہ وہ ماضی کا واقعہ ہو اور نبی کے کہنے سے پہلے ہی پیش آ چکا ہو؟ اس بات پر کوئی تاریخی دلیل بھی موجود نہیں کہ ان انبیاء کی بعثت ان واقعات کے بعد ہوئی جن کی ان انبیاء نے پیش گوئی کی تھی۔

آج تاریخ کا علم پہلے سے کہیں زیادہ ترقی کر گیا ہے جس کی روشنی میں اب تاریخی واقعات آسانی سے معلوم کیے جا سکتے ہیں۔ چونکہ تاریخ ایسے واقعات کے ظہور میں آچکنے کی تائید نہیں کرتی، لہٰذا یہ نقطۂ نظر کہ اب یہ پیش گوئیاں مستقبل میں ظاہر نہیں ہوں گی کیونکہ یہ ماضی میں وقوع پذیر ہو چکیں، خود بخود بے وزن ہو جاتا ہے۔

2 دوسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ ان پیش گوئیوں کو ان کے ظواہر ہی کے اعتبار سے دیکھا جائے اور ان کے مستقبل ہی میں پیش آنے کے مفہوم کو ترجیح دی جائے۔ یہی احتمال صحیح اور منطقی ہے، خاص طور پر اس لیے کہ ان پیش گوئیوں کو مسیح علیہ السلام کی آمد اول پر منطبق کر دینا نہ عقلی لحاظ سے ٹھیک ہے نہ تاریخی اعتبار سے کیونکہ یہ پیش گوئیاں ایسے اقتدار، سلطنتوں اور جنگوں کے بارے میں ہیں جو مسیح علیہ السلام کے دور میں وقوع پذیر نہیں ہوئیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہود اور نصاریٰ کے اکثر شارحینِ بائبل، خصوصاً ان آخری صدیوں میں پائے جانے والے شارحین، ان پیش گوئیوں کو ''عہد خلاصی'' پر (جسے یہ مسیحا کا دور کہتے ہیں) منطبق کرتے ہیں، یعنی آخری زمانے کے وہ واقعات جو قیامت سے تھوڑی دیر پہلے یا عین اُسی وقت رونما ہوں گے۔ یہ ''عہد خلاصی'' نصاریٰ کے ہاں مسیح علیہ السلام کی دوبارہ آمد سے مشروط ہے جبکہ یہودی عقیدے کی رو سے یہ ایک ''بادشاہ'' کے آنے سے مشروط ہے۔ وہ بادشاہ داود علیہ السلام کی نسل سے ہوگا۔ جس کا لقب ان کے ہاں ''شاہِ امن'' ہے۔

توراتی بشارات اور محمد رسول اللہ ﷺ سے چشم پوشی

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اہلِ کتاب کے یہ دونوں مکاتبِ فکر بلکہ یوں کہیے کہ توراتی پیش گوئیوں کی تفسیر کرنے والے دونوں فریق اس بات پر بہرحال متفق ہیں کہ مسیح علیہ السلام کے زمانے سے لے کر یا اس کے کچھ دیر بعد سے اب تک تاریخ کے واقعات میں ایسی کوئی بات نہیں ملتی جس پر یہ پیش گوئیاں صادق آتی ہوں اور یہ کہ یہ معاملہ قربِ قیامت کے بڑے بڑے واقعات رُونما ہونے تک اسی طرح جاری رہے گا۔

آخر اہلِ کتاب کو خواہ مخواہ اتنا بڑا تاریخی خلا چھوڑ دینے پر اس قدر اصرار کیوں ہے؟ حیرت ہے کہ وہ اپنے سامنے تاریخِ انسانی کا سب سے بڑا اور تاریخ کی سب سے زیادہ توجہ لینے والا واقعہ صاف رونما ہوتا دیکھتے ہیں، یعنی محمد ﷺ کی بعثت اور آپ ﷺ کے دین کا سب ادیان پر چھا جانا مگر وہ اسے نظر انداز کر دیتے ہیں اور ان باتوں پر ایمان ہی

نہیں لاتے جو ان کے انبیاء کی پیش گوئیوں میں محمد ﷺ کے بارے میں پائی جاتی ہیں۔ ان پیش گوئیوں میں انھوں نے ہر اُس چیز سے جس کا نبی ﷺ یا دینِ اسلام سے کوئی تعلق بنتا ہے، بالکل آنکھیں میچ لی ہیں اور اُسے اس ڈھٹائی سے چھپانے کی ناکام کوشش کی ہے کہ دیکھنے والا سر پکڑ کر رہ جائے۔

نبی ﷺ کے بارے میں اہلِ کتاب کے تین نظریات

ازمنہ وسطیٰ کے محققین جو اس (امت محمد ﷺ کے مرحلے) سے صرفِ نظر کیے بغیر نہیں رہ سکے، وہ اس کی تفسیر میں مختلف نقطہ ہائے نظر میں بٹ گئے۔

1 ان میں سے کچھ نے تو اپنے آپ کو بالکل مجبور پایا اور وہ یہ جسارت نہ کر سکے کہ محمد ﷺ کی نبوت کا انکار کر دیں۔ انھیں یہ بھی خوب اچھی طرح معلوم ہوگیا کہ آپ ﷺ کی بعثت اور آپ کی امت کا شہرہ و اقتدار بھی واقعتاً دنیا کی تاریخ کا عظیم ترین انقلابی واقعہ ہے۔ ان کو یہ بات بھی کھٹکی کہ ان کی یہ عظیم مذہبی پیش گوئیاں بنی اسرائیل کی ایک چھوٹی سی کنبہ نما قوم سے تو بحث کریں اور تاریخ کے اس اہم ترین عظیم الشان انقلابی واقعے کو نظر انداز کر دیں جس نے دنیا بھر کے بت خانے الٹ دیے، دنیا کی بڑی بڑی بت پرست سلطنتوں کو زیر و زبر کر کے رکھ دیا اور تمام مشرک تہذیبوں اور طاغوتی سلطنتوں کو پاؤں تلے روند کر کرۂ ارض پر توحید کا پرچم لہرایا اور وہ عظیم اسلامی مملکت قائم کی جو روئے زمین کی سب سے بڑی سلطنتِ الٰہیہ تھی جہاں اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت اور اس کے سب رسولوں کی تعظیم و تقدیس کی جاتی تھی۔ یہ وہی اسلامی مملکت تھی جس نے توحید، امن اور انصاف کے مینارے روشن کر دیے اور زمین کے بہت بڑے حصے پر انسانوں کے دین اور ان کے جان و مال کا تحفظ یقینی بنا دیا۔ ان لوگوں کو تاریخ انسانی کے یہ روشن حقائق اپنے اس اندھے تعصب سے متصادم نظر آئے جو یہ اپنے دین کے لیے روا رکھتے تھے۔ انھوں نے اس الجھن سے نکلنے کی راہ یہ نکالی کہ یہ نبوت تو ہے مگر وہ اس شریعت کے مخاطب نہیں اور یہ کہ دینِ اسلام بطور خاص صرف عرب کے لیے آیا ہے۔ یہ نقطۂ نظر اختیار کرنے والوں میں مشہور ترین شخص پال راہب ہے جس کا شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح میں رد کیا تھا۔ واضح رہے کہ اس پال راہب سے مراد وہ پال نہیں جو عیسائیت کی تاریخ کا بڑا کردار اور موجودہ عیسائیت کا بانی ہے۔ وہ رسول اللہ ﷺ سے پہلے گزرا ہے۔ جبکہ یہ پال راہب رسول اللہ ﷺ کے بعد کے دور (بارھویں صدی عیسوی) کا ہے۔ یہ انطاکیہ میں پیدا ہوا اور بحیثیت راہب شہرت پائی۔[1]

[1] الجواب الصحیح (حاشیۃ) :1/99.

2 ان میں سے ایک گروہ کو محمد ﷺ کی نبوت و رسالت کا اثبات گراں گزرا۔ انھوں نے آپ ﷺ کو بخت نصر (Nebuchadnezzar) اور سنحارب (Sencharib) جیسے بادشاہوں کی طرح کا ایک بادشاہ قرار دیا اور یہ عقیدہ اختیار کیا کہ آپ ﷺ کی امت کا صدیوں پر پھیلا ہوا اقتدار انھی بت پرست سلطنتوں کا ایک تسلسل ہے۔

3 ان میں سے کچھ غالی معاندین نے اصل حقیقت کو یکسر مسخ کر دیا۔ انھوں نے دعویٰ کیا کہ (معاذ اللہ! نقل کفر کفر نباشد) خاتم المرسلین ﷺ وہ 'دجال' یا 'جھوٹا نبی' یا 'درندہ' ہے جس کا بائبل کی پیش گوئیوں میں ذکر ہے اور یہ کہ اس سے اور اس کی امت سے جنگ کرنے والے لوگ ہی پاکباز اور فرشتہ صفت نیکوکار ہیں (جو آخری زمانے میں دجال سے جنگ کریں گے۔) اس شرمناک تفسیر پر چلنے والے وہ پوپ اور پادری تھے جو عالم اسلام پر صلیبی حملوں کے محرک تھے اور جو یورپی اقوام کو بڑے پیمانے پر بے وقوف بنانے اور ان کے جذبات کو تموج میں لا کر انھیں مسلم ملکوں پر چڑھا لانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔[1]

نصرانیت سے جنم لینے والی صہیونیت

یہ سب نقطہ ہائے نظر اس قدر واضح منفی نتائج کے حامل ثابت ہوئے کہ بعد میں آنے والے بہت سے محققین نے اس معاملے پر چپ سادھ لی، صہیونی تحریک کی ولادت نے ان مردہ آراء کو از سر نو زندہ کر دیا اور ان سب مسائل کو مذہب، ایمانیات اور فکری جدلیات کا از سر نو موضوع بنا دیا۔ عجیب بات یہ کہ اس صہیونی تحریک کی تخلیق ایک یہودی تحریک کے طور پر نہیں ہوئی تھی بلکہ اس تحریک نے دراصل نصرانیت کی کوکھ سے جنم لیا تھا۔ یہودیوں میں اس تحریک کے داعی بعد میں پیدا ہوئے جو سب کے سب سیکولر، یعنی لادین تھے۔ دراصل عیسائی بنیاد پرستی کی صورت میں سامنے آنے والی یہی نصرانی صہیونیت ہے جس نے بائبل کی پیش گوئیوں کی من گھڑت تاویلات کو ایک نئے انداز سے رواج دیا اور ابھی تک اسی کام میں مصروف ہے۔ اسی نے یہ نظریہ اُجاگر کیا کہ فلسطین میں ایک یہودی ریاست کا قیام دراصل

[1] "In Pursuit of the Millennium" by: Norman Cohen.


صہیونیت کے قبضے میں بیت المقدس

نزولِ مسیح کی تمہید ہے۔

ان کی مذہبی کتابوں کی پیش گوئیاں نجات، عدل اور امن کے دور کے بارے میں ہیں مگر ساتھ ہی ساتھ وہ اس امت کا ذکر بھی کرتی ہیں جسے اللہ تعالیٰ شر کی قوتوں کے خلاف اپنے انتقام کا ذریعہ بنائے گا اور شرک، کفر، ظلم اور فساد کی قوتوں پر مسلط کرے گا...... یہ سب پیش گوئیاں ان کے بقول آخری زمانے کے بارے میں ہیں اور مسیح علیہ السلام کے ہاتھوں پوری ہونے والی ہیں۔ اسی طرح دوسری طرف اسی دعوے کا یہ کہہ کر انکار کیا جا رہا ہے کہ اسرائیل کا قیام اور نئی ہزاری (Millenium) کا شروع ہو جانا دراصل زمانے کے خاتمے کی ابتدا ہے اور یہ کہ وہ انہونا مستقبل، جس کی پیش گوئی کی گئی ہے، وہ دراصل یہی حال کا زمانہ ہے جو ہم دیکھ رہے ہیں۔ اس تعارض کا اصل سبب اہل کتاب کے افکار کا اپنا تناقض ہے جس میں ان کے ایک گروہ نے اس بڑے تاریخی خلا کی بحث چھیڑ دی ہے اور ان کا ایک دوسرا گروہ اس خلا کو پُر کرنے کی ہر غیر معقول اور غیر منطقی کوشش کر رہا ہے۔ یوں اہل کتاب کے ہاں ان دو رویوں، یعنی اس تجاہل عارفانہ کے ساتھ ساتھ قصداً تحریف کے بیچ اصل سچائی روپوش ہو جاتی ہے اور اللہ کی یہ بات ان پر پوری طرح صادق آتی ہے:

﴿ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ ﴾ (آل عمرٰن 3:71)

"اے اہل کتاب! آخر تم حق اور باطل کو خلط ملط کیوں کرتے ہو؟ اور تم جانتے بوجھتے ہوئے حق کو چھپاتے ہو۔"[1]

[1] روز غضب از ڈاکٹر سفر الحوالی / حامد کمال الدین، ص: 92-100۔

خاتم النبیین ﷺ کی بعثت وصداقت قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ

''اور وہ (محمد ﷺ) اپنی خواہش سے نہیں بولتے۔ وہ تو بس وحی ہی ہے جو اُن پر نازل کی جاتی ہے۔''

(النجم 53:3,4)

خاتم النبیین ﷺ کی بعثت وصداقت قرآن کی مذکورہ آیت کی صداقت بائبل سے ہوتی ہے:

أُقِيمُ لَهُمْ نَبِيًّا مِنْ وَسَطِ إِخْوَتِهِمْ مِثْلَكَ وَأَجْعَلُ
كَلَامِي فِي فَمِهِ فَيُكَلِّمُهُمْ بِكُلِّ مَا أُوصِيهِ بِهِ

''میں ان کے لیے ان ہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا۔''

کتاب مقدس (استثناء) 18:18

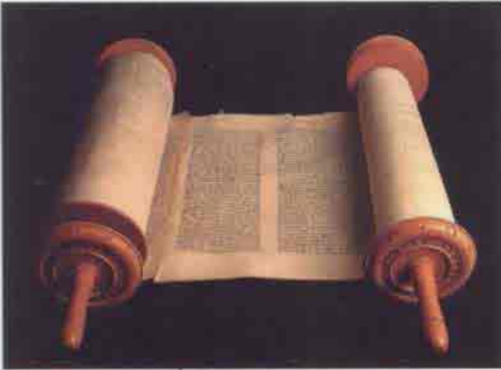
وَأَمَّا مَتَى جَاءَ ذَاكَ رُوحُ الْحَقِّ فَهُوَ يُرْشِدُكُمْ
إِلَى جَمِيعِ الْحَقِّ لِأَنَّهُ لَا يَتَكَلَّمُ مِنْ نَفْسِهِ بَلْ
كُلُّ مَا يَسْمَعُ يَتَكَلَّمُ بِهِ وَيُخْبِرُكُمْ بِأُمُورٍ آتِيَةٍ

''لیکن جب وہ یعنی روحِ حق آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا۔ اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آیندہ کی خبریں دے گا۔''

کتاب مقدس (یوحنا) 13:16

تورات کی بشارات

آپ نے پچھلے اوراق میں بائبل کی ترتیب و تدوین، اس کے مضامین و مفاہیم اور تحریف و ترمیم کی سرگزشت پڑھی۔ پھر وقتاً فوقتاً اس کے مضامین و مطالب گھٹانے بڑھانے والوں کے احوال کا مطالعہ بھی کیا۔ اس منظر نامے کے باوجود آپ دیکھیں گے کہ سچائی کسی طرح بھی چھپائے نہیں چھپ سکتی اور بائبل کی عبارتیں اپنے تغیر و تبدل اور صدیوں کی فرسودگی کے باوجود رہ کر یہ حقیقت اُجاگر کر دیتی ہیں کہ اللہ کے آخری نبی محمد ﷺ کے ظہور مبارک کی پکی اور سچی خبر بائبل کے دامن میں موجود ہے۔ آیئے! اب تورات کا جائزہ لیں۔



تورات کا قدیم نسخہ

تورات (توریت) کو عبرانی میں تورہ (Torah) کہا جاتا ہے۔ اس کے معنی ''شریعت'' ہیں۔ توریت موسیٰ نبی (علیہ السلام) کی پانچ کتابوں پیدائش (تکوین)، خروج، احبار، گنتی (عدد) اور استثنا (تثنیہ شرع) پر مشتمل ہے۔ ''پیدائش'' میں تخلیق کائنات سے لے کر بزرگوں کے زمانے (ابرہام، اضحاق، یعقوب اور یوسف علیہم السلام تک) کے احوال ہیں۔ خروج (ابواب 1 تا 19) میں موسیٰ (علیہ السلام) اور بنی اسرائیل کے مصر سے کوہ سینا تک کے واقعات ہیں۔ بقیہ خروج تا گنتی (باب 10 تک) میں کوہ سینا پر تقریباً ایک سالہ قیام کا تذکرہ ہے۔ گنتی (ابواب 10 تا 21) میں بنی اسرائیل کے بیابان (تیہ) میں بھٹکنے کا ذکر ہے اور بقیہ گنتی تا استثنا (باب 34 تک) میں کنعان (فلسطین) میں بنی اسرائیل کے داخل ہونے سے پہلے (وفات موسیٰ تک) ایک سال کے واقعات درج ہیں۔[1]

تورات کی پہلی پیش گوئی

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے مخاطب ہو کر فرمایا:

[1] قاموس الکتاب، ص: 266.

''میں اُن کے لیے اُن ہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اُس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اُسے حکم دوں گا وہی وہ اُن سے کہے گا۔ اور جو کوئی میری اُن باتوں کو جن کو وہ میرا نام لے کر کہے گا نہ سنے تو میں اُن کا حساب اُس سے لوں گا۔'' [1]

1 ''اُن ہی کے بھائیوں میں سے...... ایک نبی'': یہاں بھائیوں سے بنی اسماعیل مراد ہیں کیونکہ بنی اسرائیل، جو یعقوب علیہ السلام کی اولاد ہیں، اور بنی اسماعیل دونوں کے جدِّ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ بائبل میں یہ بات جابجا بیان ہوئی ہے کہ بنی اسرائیل کے بھائی بنی اسماعیل ہیں۔ ایک جگہ عبارت یوں ہے:

''اور اسماعیل کی کل عمر ایک سو سینتیس برس کی ہوئی تب اُس نے دم چھوڑ دیا اور وفات پائی اور اپنے لوگوں میں جا ملا۔ اور اُس کی اولاد حویلہ سے شور تک، جو مصر کے سامنے اُس راستہ پر ہے جس سے اسور (Asshur) کو جاتے ہیں، آباد تھی۔ یہ لوگ اپنے سب بھائیوں کے سامنے بسے ہوئے تھے۔'' [2]



تورات کی اس پیش گوئی کے مصداق حضرت عیسیٰ علیہ السلام قطعاً نہیں ہوسکتے کیونکہ وہ بنی اسرائیل سے تھے، ''ان کے بھائیوں (بنی اسماعیل)'' میں سے نہیں تھے۔

2 ''تیری مانند ایک نبی'': عیسیٰ علیہ السلام ''تیری مانند'' کا مصداق بھی نہیں کیونکہ بائبل ہی میں یہ صراحت موجود ہے:

1 کتاب مقدس (استثنا) 18: 18، 19۔ 2 کتاب مقدس (پیدائش) 25: 17، 18۔

''بنی اسرائیل میں کوئی نبی موسیٰ کی مانند جس سے خداوند نے رُو برو باتیں کیں، نہیں اُٹھا۔''[1]

نبی کریم ﷺ بنی اسرائیل کے بھائی بنو اسماعیل میں سے ہیں اور بہت سی صفات و کمالات اور شرعی احکام میں موسیٰ علیہ السلام ''کی مانند'' ہیں جبکہ عیسیٰ علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام ''کی مانند'' نہیں تھے۔ اس پیش گوئی کا مصداق حضرت مسیح اس لیے بھی نہیں ہیں کہ عہد نامہ جدید میں ''رسولوں کے اعمال'' (24-20:3) میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس پیش گوئی کا ذکر ہے جس میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ مسیح (علیہ السلام) کا اُس وقت تک آسمان میں رہنا ضروری ہے جب تک یہ پیش گوئی پوری نہ ہو۔

موسیٰ علیہ السلام اور نبیِ کریم ﷺ کی چند مشترک خصوصیات

مولانا رحمت اللہ عثمانی کیرانوی رحمہ اللہ نے اپنی عربی تصنیف ''اظہار الحق'' میں تورات کی اس پیش گوئی کے حوالے سے موسیٰ علیہ السلام اور نبیِ کریم ﷺ کے مابین جو مشابہتیں بیان کی ہیں، ان میں سے نمایاں خصوصیات درج ذیل ہیں:

1. ماں باپ سے پیدا ہونا۔
2. شادی شدہ اور صاحبِ اولاد ہونا۔
3. شریعت کا تمدنی سیاست پر مشتمل ہونا۔
4. غلبۂ دین کے لیے جہاد کا اجرا۔
5. زنا کی سزا میں ایک ہی طرح کا حکم دینا۔
6. حدود، قصاص اور تعزیری سزاؤں کی تعیین۔
7. ان سزاؤں کے نفاذ پر قادر ہونا۔
8. سود کو حرام قرار دینا۔
9. بستر پر وفات پانا۔
10. موسیٰ علیہ السلام کی طرح نبی ﷺ کا مدفون ہونا۔
11. موسیٰ علیہ السلام کی طرح آپ ﷺ بھی قابلِ اطاعت سربراہ تھے اور اپنے اوامر و نواہی کے نفاذ پر قادر تھے۔[2]

موسیٰ علیہ السلام اور محمد ﷺ میں دو مزید مماثلتیں درج ذیل ہیں:

12. دین کی خاطر ہجرت کرنا۔
13. موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات دلائی اور آپ ﷺ نے (فِرْعَوْنُ هٰذِهِ الْأُمَّة) ''اس اُمت کے

[1] کتاب مقدس (استثنا) 10:34۔ [2] إظهار الحق: 4/1123,1122۔

فرعون'' یعنی ابوجہل اور اُس کے اوباش ساتھیوں کو شکست دی۔

غرض دونوں شریعتوں میں اس قسم کی اور بہت سی مشترک چیزیں ہیں جن کی طرف قرآنِ کریم میں اس طرح اشارہ کیا گیا ہے:

﴿ اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا ۙ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ۝﴾

(المزمل 15:73)

''بلاشبہ ہم نے تمھاری طرف ایک پیغام پہنچانے والا بھیجا جو تم پر گواہی دینے والا ہے، جس طرح ہم نے فرعون کی طرف ایک پیغام پہنچانے والا بھیجا۔''[1]

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ایسی مشترک خصوصیات ہی کی وجہ سے شاید ورقہ بن نوفل نے اس وقت جب کہ پہلی وحی کے نزول کے بعد نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں وحی اُترنے کی خبر بتائی تھی، یہ کہا تھا:

هٰذَا النَّامُوسُ الَّذِي نَزَّلَ اللّٰهُ عَلٰى مُوسٰى.

''یہ وہی ناموس ہے جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ (علیہ السلام) پر نازل کیا تھا۔''[2]

یہاں ناموس سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ ورقہ نے عیسائی ہونے کے باوجود اس موقع پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بجائے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نام اس لیے لیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کتاب کے برعکس حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب اکثر احکام پر مشتمل تھی جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی کتاب میں بھی اکثر احکام و مسائل کا بیان ہے، یا اس لیے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں فرعون اور اس کے ساتھیوں کی تباہی و بربادی ہوئی، اسی طرح رسول اکرم علیہ الصلاۃ والسلام کے ذریعے سے اس امت کے فرعون ابوجہل عمرو بن ہشام اور اس کے ساتھیوں کی بدر میں ہلاکت ہوئی تھی، یا اس لیے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جبریل امین کا نزول اہل کتاب کے ہاں متفق تھا، جب کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے بہت سے یہودی منکر ہیں۔[3]

3 ''اپنا کلام اُس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اُسے حکم دوں گا وہی وہ اُن سے کہے گا'': قرآن کریم میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی طرح کی صفات یوں بیان کی گئی ہیں:

﴿ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝﴾

''اور وہ (نبی) اپنی خواہش سے نہیں بولتے۔ وہ تو صرف وحی ہی ہے جو (اُن پر) نازل کی جاتی ہے۔''[4]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

1 إظهار الحق: 1124/4. 2 صحيح البخاري: 3. 3 فتح الباري: 35/1. 4 النّجم 4،3:53.

«مَا مِنَ الْأَنْبِيَاءِ نَبِيٌّ إِلَّا أُعْطِيَ مِنَ الْآيَاتِ مَا مِثْلُهُ آمَنَ عَلَيْهِ الْبَشَرُ، وَإِنَّمَا كَانَ الَّذِي أُوتِيتُهُ وَحْيًا أَوْحَاهُ اللّٰهُ إِلَيَّ، فَأَرْجُو أَنْ أَكُونَ أَكْثَرَهُمْ تَابِعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

''انبیاء میں سے ہر نبی کو ایسے معجزات دیے گئے جن پر لوگ ایمان لاتے رہے اور مجھے جو معجزہ دیا گیا ہے، وہ وحی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے میری طرف نازل فرمایا ہے۔ مجھے امید ہے کہ روز قیامت میرے پیروکاروں کی تعداد سب سے زیادہ ہوگی۔''[1]

4 ''وہ میرا نام لے کر کہے گا'': یہ ایک نمایاں حقیقت ہے کہ نبی کریم ﷺ پر وحی کی ابتدا بھی اللہ کے نام سے ہوئی: ﴿ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ ﴾ ''اپنے رب کے نام سے پڑھیے۔''[2] نیز قرآن مجید کی 113 سورتیں اللہ کے پاک نام سے شروع ہوتی ہیں۔ مسلمانوں کے سوا دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں جو اپنے روز مرہ کے امور ﴿ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴾ ''اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان، نہایت رحم کرنے والا ہے۔'' جیسے مقدس جملے سے شروع کرتی ہو۔ مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ ہر اچھے قول اور عمل کا آغاز بسم اللہ پڑھ کر کریں۔

ان دلائل سے صاف ظاہر ہے کہ تورات کی یہ پیش گوئی نبیِ اکرم ﷺ کے سوا کسی اور کے لیے ہو ہی نہیں سکتی۔

تورات کی دوسری پیش گوئی

''اور مردِ خدا موسیٰ نے جو دُعائے خیر دے کر اپنی وفات سے پہلے بنی اسرائیل کو برکت دی وہ یہ ہے۔
اور اُس نے کہا:
خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے اُن پر آشکارا ہوا۔ وہ کوہ فاران سے جلوہ گر ہوا۔ اور لاکھوں قدسیوں میں سے آیا۔ اُس کے دہنے ہاتھ پر اُن کے لیے آتشی شریعت تھی۔''[3]

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو جس پہاڑ پر نبوت سے سرفراز فرمایا گیا، اسے سینا کہا گیا ہے۔

سیناء عام طور پر کوہِ طور کے نام سے مشہور ہے۔ یہ مصری جزیرہ نمائے سیناء (Senai) کے جنوب میں واقع ہے۔ اسے جبل طور بھی کہتے ہیں۔ بائبل میں اسے حورب کا پہاڑ لکھا گیا ہے۔ قرآن مجید میں اسے ﴿ الطُّوْرِ ﴾ (الطور 52:1)، ﴿ طُوْرِ سَيْنَآءَ ﴾ (المؤمنون 23:20) اور ﴿ طُوْرِ سِيْنِيْنَ ﴾ (التین 95:2) کہا گیا ہے۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''طور کے اصل معنی پہاڑ کے ہیں۔ اور الطّور سے مراد وہ خاص پہاڑ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو نبوت سے سرفراز فرمایا تھا۔''[4] وہ مزید لکھتے ہیں: ''یہ مقام جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے

[1] صحیح البخاري: 4981 و 7274. [2] العلق 96:1. [3] کتاب مقدس (استثنا) 33:1، 2. [4] تفہیم القرآن، الطور 52:1.

جھاڑی میں آگ لگی ہوئی دیکھی تھی، کوہ طور کے دامن میں سطح سمندر سے تقریباً 5 ہزار فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ رومی سلطنت کے پہلے عیسائی بادشاہ قسطنطین نے لگ بھگ ٹھیک اس مقام پر ایک کنیسہ تعمیر کرا دیا تھا جہاں موسیٰ علیہ السلام نے آگ سی لگی دیکھی تھی۔ اس کے دوسو برس بعد قیصر جسٹینین نے 527ء میں یہاں ایک دَیر (خانقاہ، Monastery) تعمیر کرایا جس کے اندر قسطنطین کے بنائے ہوئے کنیسہ کو بھی شامل کرلیا۔ اس دیر اور کنیسہ پر یونانی کلیسا کے راہبوں کا قبضہ ہے۔ [1] ''سیناء (طور) کے بلند پہاڑ کا بالائی حصہ اکثر بادلوں سے ڈھکا رہتا ہے اور جس کی بلندی 7359 فٹ ہے، اس پہاڑ کی چوٹی پر آج تک وہ کھوہ زیارت گاہ عام بنی ہوئی ہے جہاں موسیٰ علیہ السلام نے چالیس دن بسر فرمائے تھے۔ اس کے قریب مسلمانوں کی ایک مسجد اور عیسائیوں کا ایک گرجا ہے اور پہاڑی کے دامن میں رومی قیصر جسٹینین کے زمانے کی ایک خانقاہ بھی آج تک موجود ہے۔'' [2]

[1] تفہیم القرآن، النمل 7:27. [2] تفہیم القرآن، الأعراف: 142:7.



وادی سینا میں فاطمی مسجد، گرجا، اور کوہ طور



سیناء، شعیر (سعیر) اور فاران

1 ''وہ کوہِ فاران سے جلوہ گر ہوا'': اللہ تعالیٰ نے قرآن میں سیناء، شعیر اور فاران کے تین مقاماتِ مقدسہ کا ذکر اس طرح کیا ہے:

﴿ وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ۝ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ۝ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ۝ ﴾

''قسم ہے انجیر اور زیتون کی اور طور سیناء کی اور اس پُر امن شہر (مکہ) کی!''[1]

تورات میں تینوں کا ذکر ترتیب زمانی سے ہے۔ موسیٰ علیہ السلام پر وحی کا آغاز سیناء (طورِ سینین) پر ہوا۔ عیسیٰ علیہ السلام پر انجیر اور زیتون کی سرزمین شعیر یا سعیر (فلسطین میں یروشلیم سے 10 میل دور پہاڑی) میں اور آخری رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بلدِ امین (مکہ) کے پاس غار حراء میں اللہ تعالیٰ کے کلام کے نزول کا آغاز ہوا۔ یہ بلد امین کوہ فاران[2] کے دامن میں ہے۔ قرآن نے ترتیب زمانی کے بجائے فضل و شرف کے اعتبار سے ادنیٰ سے اعلیٰ کی ترتیب ملحوظ رکھ کر تینوں کا

[1] التین 95:1-3. [2] اس کی تفصیل ''صحیفۂ حبقوق کی بشارت'' کے ذیل میں عنوان ''وادی مکہ ہی فاران ہے'' کے تحت دیکھیں۔


جبل طور (مصر)


سرزمین سعیر (فلسطین)


جبل نور (مکہ)

ذکر کیا۔ پہلے عیسیٰ علیہ السلام پر نزولِ انجیل کا ذکر ہوا جو تورات ہی کی مؤید تھی، پھر تورات کے مقامِ نزول سینا کا ذکر کیا جس کی شریعت یہودیوں اور عیسائیوں دونوں کے لیے تھی، پھر مکہ میں قرآن مجید کے نزول کا ذکر کیا جس کا درجہ سب سے بلند ہے، جو مکمل ترین ہے اور ساری انسانیت کے لیے ہدایت کی ابدی دستاویز ہے۔[1]

2 ''اور لاکھوں قدسیوں میں سے آیا'': اہلِ کتاب نے اس خدشے کے پیش نظر کہ کہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس پیش گوئی کے مصداق نہ بن جائیں، بائبل کی اس پیش گوئی میں کئی بار تحریف کی۔ اس کی تفصیل ملاحظہ ہو:

موجودہ بائبل	قدیم بائبل
''خداوند سینا سے آیا (یعنی خود اللہ آیا)۔''	''خداوند سینا سے لایا۔''
''اور لاکھوں قدسیوں میں سے آیا۔''[2]	''دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا۔''[3]

بائبل میں تحریف در تحریف

1 قدیم بائبل میں جو لفظ درج تھا وہ ''لایا'' تھا، اسے ''آیا'' سے بدل دیا گیا اور نئی بائبل میں ''دس ہزار قدسیوں'' کو پہلے ''ہزاروں قدسیوں'' اور پھر ''لاکھوں قدسیوں'' بنا دیا گیا جبکہ غزل الغزلات 10:5 میں آج بھی یہ عبارت موجود ہے: ''میرا محبوب سُرخ و سفید ہے، وہ دس ہزار میں ممتاز ہے۔''

2 ''کاتھولک بائبل کمیشن پاکستان'' کی شائع کردہ بائبل ''کلام مقدس'' میں تو تحریف کی انتہا کر دی گئی ہے۔ اس میں سرے سے وہ آیت ہی غائب کر دی گئی ہے جس میں فتح مکہ کے وقت ہزاروں قدسیوں (صحابہ) کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کا واضح تذکرہ تھا، اس کی جگہ ایک مجہول آیت شامل کر دی گئی ہے جو یوں ہے:

''اور مریبہ قادیش میں آیا۔''[4]

گویا ''کاتھولک بائبل'' میں ''لاکھوں قدسیوں'' کو ''مریبہ قادیش'' میں بدل دیا گیا ہے جبکہ ہولی بائبل (نیو انٹرنیشنل ورژن) میں وہی آیت یوں ہے:

He came with myriads of holy ones.

انگریزی ڈکشنری (Chamber's 21st Century Dictionary) میں myriad یا myriads کے معنی an exceedingly great number ''بہت بڑی تعداد'' دیے گئے ہیں جبکہ اس کی اصل یونانی لفظ میریاس (Myrias)

1 تفصیل کے لیے دیکھیے: (الجواب الصحیح: 5/202-204، 207،208). 2 کتاب مقدس (استثنا) 2:33 (پاکستان بائبل سوسائٹی، انارکلی، لاہور 2008ء) 3 کتاب مقدس (استثنا) 2:33 (مطبوعہ آرفن سکول مرزا پور انڈیا 1870ء۔ Old Bibles, Londod.R.Dare بائبل مطبوعہ لدھیانہ 1908ء) 4 ''کلام مقدس'' تثنیہ شرع (استثنا) 2:33.

ہے جس کے معنی ''دس ہزار'' بتائے گئے ہیں۔ اسی سے لفظ myriad سولھویں صدی عیسوی میں انگریزی میں شامل ہوا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ''دس ہزار'' کو ''لاکھوں'' یا ''مریبہ قادیش'' میں بدل کر کھلی تحریف کی گئی ہے۔

فتح مکہ کے موقع پر نبیِ اکرم ﷺ دس ہزار صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ مکہ میں فاتحانہ شان کے ساتھ تشریف لائے۔ بنابریں یہ پیش گوئی بھی نبی ﷺ ہی پر پوری طرح صادق آتی ہے۔

خاتم النبیین ﷺ کی بعثت وصداقت قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِن بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ

''اور بلاشبہ ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد یہ لکھ دیا ہے کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہی ہوں گے۔''

(الأنبیآء 21:105)

خاتم النبیین ﷺ کی بعثت وصداقت قران کی مذکورہ آیت کی صداقت بائبل سے ہوتی ہے:

اَسْأَلْنِي فَأُعْطِيَكَ الأُمَمَ مِيرَاثًا لَكَ
وَأَقَاصِيَ الأَرْضِ مُلْكًا لَكَ

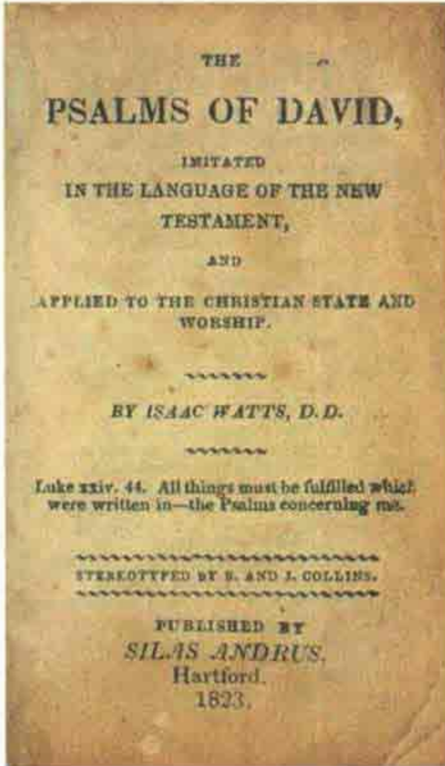
''مجھ سے مانگ اور میں قوموں کو تیری میراث کے لئے اور زمین کے انتہائی حصے تیری ملکیت کے لیے تجھے بخشوں گا۔''

کتاب مقدس (زبور) 8:2

زبور کی بشارات

زبور کی پہلی پیش گوئی

”تو بنی آدم میں سب سے حسین ہے۔ تیرے ہونٹوں میں لطافت بھری ہے اس لیے خدا نے تجھے ہمیشہ کے لیے مبارک کیا۔ اے زبردست! تو اپنی تلوار کو جو تیری حشمت وشوکت ہے اپنی کمر سے حمائل کر اور سچائی اور حلم وصداقت کی خاطر اپنی شان وشوکت میں اقبال مندی سے سوار ہو...... تیری سلطنت کا عصا راستی کا عصا ہے۔ تو نے صداقت سے محبت رکھی اور بدکاری سے نفرت، اسی لیے خدا تیرے خدا نے شادمانی کے تیل سے تجھ کو تیرے ہمسروں سے زیادہ مسح کیا ہے۔ تیرے ہر لباس سے مُر اور عود(Oud) اور تج (Cossia) کی خوشبو آتی ہے۔ ہاتھی دانت کے محلوں میں سے تاردار سازوں نے تجھے خوش کیا ہے۔ تیری معزز خواتین میں شہزادیاں ہیں۔ ملکہ تیرے دہنے ہاتھ اوفیر کے سونے سے آراستہ کھڑی ہے۔ اے بیٹی! سُن۔ غور کر اور کان لگا۔ اپنی قوم اور اپنے باپ کے گھر کو بھول جا۔ اور بادشاہ تیرے حسن کا مشتاق ہوگا۔ کیونکہ وہ تیرا خداوند ہے، اور صُور کی بیٹی ہدیہ لے کر حاضر ہوگی۔ قوم کے دولت مند تیری رضا جوئی



THE

PSALMS OF DAVID,

IMITATED
IN THE LANGUAGE OF THE NEW
TESTAMENT,

AND

APPLIED TO THE CHRISTIAN STATE AND
WORSHIP.

BY ISAAC WATTS, D.D.

Luke xxiv. 44. All things must be fulfilled which
were written in—the Psalms concerning me.

STEREOTYPED BY E. AND J. COLLINS.

PUBLISHED BY
SILAS ANDRUS,
Hartford.
1823.

زبور داود کا سرورق 1823ء

کریں گے۔"[1]

"تو بنی آدم میں سب سے حسین ہے": عیسائی تسلیم کرتے ہیں کہ یہ نص آنے والے نبی مسیحا (Messiah) کے بارے میں ہے اور اُن کا دعویٰ ہے کہ یہ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ہے [2] لیکن بائبل کی رو سے عیسیٰ علیہ السلام اس کا مصداق نہیں بنتے۔ بائبل کی کتاب یسعیاہ میں مسیحا (Messiah) کے متعلق لکھا ہے:

"نہ اُس کی کوئی شکل و صورت ہے نہ خوبصورتی اور جب ہم اُس پر نگاہ کریں تو کچھ حسن و جمال نہیں کہ ہم اُس کے مشتاق ہوں۔ وہ آدمیوں میں حقیر و مردود، مرد غمناک اور رنج کا آشنا تھا۔ لوگ اُس سے گویا رُوپوش تھے اُس کی تحقیر کی گئی اور ہم نے اُس کی کچھ قدر نہ جانی۔ تو بھی اس نے ہماری مشقتیں اٹھالیں اور ہمارے غموں کو برداشت کیا۔ پر ہم نے اُسے خدا کا مارا کوٹا اور ستایا ہوا سمجھا۔ حالانکہ وہ ہماری خطاؤں کے سبب سے گھایل کیا گیا اور ہماری بدکرداری کے باعث کچلا گیا۔ ہماری ہی سلامتی کے لیے اُس پر سیاست ہوئی تاکہ اُس کے مار کھانے سے ہم شفا پائیں۔ ہم سب بھیڑوں کی مانند بھٹک گئے۔ ہم میں سے ہر ایک اپنی راہ کو پھرا پر خداوند نے ہم سب کی بدکرداری اُس پر لادی۔"[3]

عیسائی علماء بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں۔ یونانی مسیحی مفکر کلیمنٹ اسکندرانی (150ء - 215ء) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق لکھتا ہے:

"اُن کی خوبصورتی روح اور اعمال میں تھی۔ اُن کی ظاہری ہیئت حقیر تھی۔"

اسی طرح کیتھولک مفکر ٹرٹلین (160-250ء) کہتا ہے:

"وہ ظاہری شکل و صورت کے لحاظ سے حسین نہیں تھے بلکہ یہ کہنا مناسب ہوگا کہ وہ ہر قسم کی جسمانی وجاہت سے محروم تھے۔"

مارٹر اور ریگاٹس وغیرہ بھی یہی بات کہتے ہیں۔ [4]

ہم ان کی بات سے اتفاق نہیں کرتے کیونکہ انبیاء علیہم السلام حسین ہوتے ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام بھی حسین لوگوں میں شمار

[1] کتاب مقدس (زبور) 45:2-12.

[2] NIV Study Bible, p: 835, FN 45:6.

[3] کتاب مقدس (یسعیاہ) 53:2-6، [4] Life Application Study Bible, P: 1105، هل بشر الكتاب المقدس بمحمد ﷺ؟ للدکتور منقذ محمود السقار، ص: 89،90.

ہوتے تھے۔ اُن کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَرَانِي اللَّيْلَةَ فِي الْمَنَامِ عِنْدَ الْكَعْبَةِ، فَإِذَا رَجُلٌ آدَمُ كَأَحْسَنِ مَا تَرٰى مِنْ أُدْمِ الرِّجَالِ، تَضْرِبُ لِمَّتُهُ بَيْنَ مَنْكِبَيْهِ، رَجِلُ الشَّعْرِ، يَقْطُرُ رَأْسُهُ مَاءً، وَاضِعًا يَدَيْهِ عَلٰى مَنْكِبَيْ رَجُلَيْنِ، وَهُوَ بَيْنَهُمَا يَطُوفُ بِالْبَيْتِ، فَقُلْتُ: مَنْ هٰذَا؟ فَقَالُوا: هٰذَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ»

''میں نے ایک رات خواب میں اپنے آپ کو کعبہ کے پاس پایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ گندمی رنگ کے آدمیوں میں سے ایک انتہائی حسین وجمیل گندمی رنگ کا قدرے گھنگھریالے بالوں والا شخص تھا۔ اُس کے بال کندھوں پر پڑ رہے تھے اور سر (کے بالوں) سے پانی کے قطرے گر رہے تھے (جیسے ابھی نہا کر آرہا ہو۔) وہ دو بندوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا۔ میں نے پوچھا: یہ کون ہے؟ انھوں نے بتایا: یہ مسیح ابن مریم ہیں۔''[1]

انبیائے کرام علیہم السلام کے خواب سچے ہوتے ہیں۔ جب حضرت محمد ﷺ یہ فرمارہے ہیں کہ میں نے خواب میں عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا۔ وہ نہایت خوبصورت تھے، لہٰذا پوری طرح یقین کر لینا چاہیے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک حسین وجمیل شخص تھے۔ اس سے مختلف بات چاہے کہیں بھی کہی گئی ہو، وہ بہرحال غلط ہے۔ لیکن زبور کی اس پیش گوئی میں بنی آدم میں سب سے حسین کا ذکر ہے اور وہ صرف نبی آخرالزمان حضرت محمد ﷺ ہی کی ذات گرامی کے بارے میں ہے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَحْسَنَ النَّاسِ وَجْهًا وَّأَحْسَنَهُ خَلْقًا، لَيْسَ بِالطَّوِيلِ الْبَائِنِ، وَلَا بِالْقَصِيرِ.

''رسول اللہ ﷺ کا چہرہ لوگوں میں سب سے زیادہ حسین تھا۔ آپ ظاہری شکل وصورت میں سب سے زیادہ خوبصورت تھے۔ آپ کا قد زیادہ لمبا تھا نہ بہت چھوٹا۔''[2]

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما کی ایک اور روایت میں ہے:

كَانَ النَّبِيُّ ﷺ مَرْبُوعًا بَعِيدَ مَا بَيْنَ الْمَنْكِبَيْنِ، لَهُ شَعْرٌ يَبْلُغُ شَحْمَةَ أُذُنِهِ، رَأَيْتُهُ فِي حُلَّةٍ حَمْرَاءَ لَمْ أَرَ شَيْئًا قَطُّ أَحْسَنَ مِنْهُ.

''نبی کریم ﷺ میانہ قد تھے۔ آپ کا سینہ کشادہ تھا۔ آپ کے (سر کے) بال کانوں کی لو تک تھے۔ میں نے

[1] صحیح مسلم: (274)-169. [2] صحیح البخاري: 3549.

نبی کریم ﷺ کو ایک مرتبہ سرخ لباس زیب تن کیے دیکھا۔ میں نے آپ سے بڑھ کر کوئی حسین و جمیل نہیں دیکھا۔'' [1]

2 **''خدا نے تجھے ہمیشہ کے لیے مبارک کیا'':** قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صفت یوں بیان کی گئی ہے: ﴿ وَجَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ ﴾ ''اور اس نے مجھے برکت والا بنایا جہاں بھی میں ہوں۔'' [2] آپ کی نبوت بلاشک وشبہ بابرکت تھی مگر وہ دائمی نہیں تھی۔ عیسیٰ علیہ السلام نے تو خود اعلان کیا ہے کہ میں بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں ہی کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ [3] لہٰذا وہ اس پیش گوئی کے مصداق نہیں ہو سکتے۔ عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ آئیں گے تو وہ محمد رسول اللہ ﷺ ہی کے اطاعت گزار ہوں گے۔

اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ مذکورہ پیش گوئی کے مصداق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بجائے رسول اللہ ﷺ ہیں جو قیامت تک پورے عالم انسانیت کے لیے نبی اور رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا ﴾

''کہہ دیجیے: اے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔'' [4]

یہ بھی رسول اللہ ﷺ کے شرف وعظمت کی دلیل ہے کہ آپ کو کائنات انسانی کے تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾

''اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا ہی بنا کر بھیجا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔'' [5]

ایک اور جگہ فرمایا:

﴿ قُلِ اللّٰهُ ۙ شَهِیْدٌۢ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ وَاُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ﴾

''کہہ دیجیے کہ اللہ ہی میرے اور تمھارے درمیان گواہ ہے اور یہ قرآن مجھ پر اس لیے اتارا گیا ہے کہ اس کے ذریعے سے تم کو اور جس شخص تک یہ پہنچ سکے، اسے ڈراؤں۔'' [6]

1 صحیح البخاري:3551. 2 مریم 31:19. 3 کتاب مقدس (متی) 24:15، 6,5:10. 4 الأعراف 158:7. 5 سبا 28:34. 6 الأنعام 19:6.

اور فرمایا:

﴿ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ﴾

''اور جو کوئی دوسرے گروہوں میں سے اس (محمد ﷺ) کا منکر ہو تو اس کا ٹھکانا آگ (جہنم) ہے۔''[1]

اور فرمایا:

﴿ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ۭ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ﴾

''اور (اے نبی!) اہل کتاب سے اور ان پڑھ لوگوں سے پوچھیں کہ کیا تم بھی (اللہ کے فرماں بردار بنتے اور) اسلام لاتے ہو؟ پھر اگر یہ لوگ اسلام قبول کر لیں تو بے شک یہ ہدایت پا گئے اور اگر پھر جائیں تو آپ کا کام صرف (اللہ کا) پیغام پہنچا دینا ہے۔''[2]

خود امام الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«أُعْطِيتُ خَمْسًا لَّمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ قَبْلِي: ...... وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلٰى قَوْمِهٖ خَاصَّةً وَّبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً»

''مجھے پانچ چیزیں ایسی عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی پیغمبر کو نہیں دی گئیں: ...... اور (ان میں سے پانچویں یہ ہے کہ) پہلے نبی خاص اپنی ہی قوم کی طرف مبعوث ہوا کرتا تھا لیکن میں تمام انسانوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔''[3]

3 ''اے زبردست! تو اپنی تلوار کو جو تیری حشمت و شوکت ہے اپنی کمر سے حمائل کر'': تلوار قوت، اقتدار اور سپہ سالاری کی علامت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت داود علیہ السلام کا یہ ''ممدوح الامم'' تلوار سے مسلح ہو کر میدان جنگ میں اُترے گا۔ اس کے مصداق بھی رسول اللہ ﷺ ہی ہیں۔ آپ نے دین اسلام کے فروغ کے لیے تلوار اٹھائی، سپہ سالار بنے اور بہت سے غزوات میں حصہ لیا، نیز مکہ کے پہلوان رکانہ بن عبد یزید بن ہاشم بن مطلب بن عبد مناف کو پچھاڑنے کا واقعہ[4] آپ ﷺ کی طاقت و قوت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«بُعِثْتُ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ بِالسَّيْفِ حَتّٰى يُعْبَدَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيكَ لَهٗ، وَجُعِلَ رِزْقِي

[1] هود 17:11. [2] آل عمرٰن 20:3. [3] صحيح البخاري: 335. [4] دیکھیے: السيرة لابن هشام: 391/1.



استنبول کے میوزیم توپ کاپی میں محفوظ رسول اللہ ﷺ سے منسوب تلوار

تَحْتَ ظِلِّ رُمْحِي

"مجھے قیامت سے پہلے تلوار دے کر بھیجا گیا ہے یہاں تک کہ اللہ کی عبادت کی جائے جو اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور میرا رزق میرے نیزے کے سائے تلے رکھا گیا ہے۔"[1]

تلوار کے ساتھ آپ کو اس لیے بھیجا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کفار و منافقین کے ساتھ جہاد کا حکم دیا تھا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۚ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ﴾

"اے نبی! کفار اور منافقین سے جہاد کیجیے اور ان پر سختی کیجیے اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔"[2]

اُس دور میں تلوار آلاتِ حرب وضرب میں بے حد اہمیت کی حامل تھی، اسی لیے فرمایا: "اے زبردست! تو اپنی تلوار کو جو تیری حشمت و شوکت ہے اپنی کمر سے حمائل کر۔"

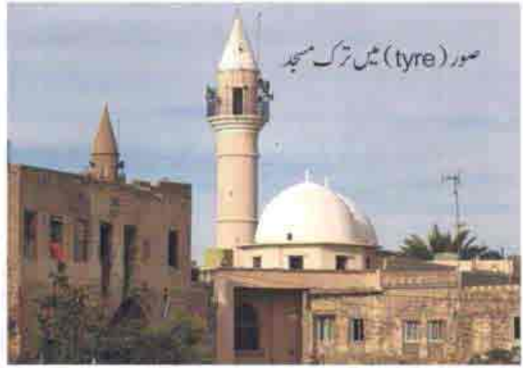
4 **"تیری معزز خواتین میں شہزادیاں ہیں":** رسول اللہ ﷺ نے خدیجہ بنت خویلد، صفیہ بنت حُیَیّ بن اَخطب، ام حبیبہ بنت ابی سفیان اور جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہن سے شادیاں کیں۔ یہ محترم خواتین اپنی اپنی قوم کے سرداروں کی بیٹیاں تھیں۔ اس کے برعکس عیسیٰ علیہ السلام کی قریبی خواتین میں ایسی کوئی خاتون نہیں تھی۔

5 **"ملکہ تیرے دہنے ہاتھ اوفیر کے سونے سے آراستہ کھڑی ہے":** بائبل کے طرزِ کلام میں جگہ جگہ استعارے استعمال ہوئے ہیں۔ "اوفیر کے سونے سے آراستہ ملکہ" بھی ایک استعارہ ہے جس سے دولت اور سلطنت کی خوشحالی

[1] مسند أحمد: 50/2، إرواء الغليل: 5/109-111. [2] التوبة 9:73.

مراد ہے۔ یمن نبی ﷺ کی زندگی ہی میں مدینہ کی اسلامی خلافت کا حصہ بن گیا تھا اور اوفیر (یمن) کا سونا زکاۃ و صدقات کی مد میں اسلامی بیت المال میں پہنچنے لگا تھا۔ ''اوفیر کے سونے'' سے یمن کے محاصل کی طرف اشارہ ہے، لہٰذا یہ پیش گوئی نبی ﷺ ہی پر صادق آتی ہے۔ اس کے برعکس عیسیٰ علیہ السلام یا ان کے اصحاب نے کوئی ریاست قائم نہیں کی، لہٰذا اوفیر کے سونے کی آمد کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

6 ''اور صُور کی بیٹی ہدیہ لے کر حاضر ہوگی'': نبیِ کریم ﷺ کی وفات کے بعد ایک دہائی کے اندر اندر شام و لبنان، عراق، فلسطین، ایران اور مصر اسلامی خلافت میں شامل ہوگئے، چنانچہ فنیقیوں کے دور میں بحیرۂ روم کے کنارے واقع جنوبی لبنان کے صور (Tyre) اور صیداء (Sidon) جیسے تاریخی شہر خلافتِ اسلامیہ کا حصہ بن گئے اور



صور (tyre) میں ترک مسجد



صیداء کی جامع مسجد

ان کے محاصل مدینہ پہنچنے لگے۔ ''صور کا ہدیہ (محصول) پہنچنے میں'' دراصل نبی ﷺ کے دین کے فروغ و اشاعت کی طرف اشارہ ہے۔

7 ''قوم کے دولت مند تیری رضا جوئی کریں گے'': حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جماعت میں تو کوئی دولت مند شامل ہی نہیں ہوسکتا تھا جیسا کہ انجیل میں آیا ہے:

''یسوع نے اس کو دیکھ کر کہا کہ دولت مندوں کا خدا کی بادشاہی میں داخل ہونا کیسا مشکل ہے! کیونکہ اونٹ کا سوئی کے ناکے میں سے نکل جانا اس سے آسان ہے کہ دولت مند خدا کی بادشاہی میں داخل ہو۔''[1]

اس کے برعکس نبیِ اکرم ﷺ پر ایمان لانے والوں میں قریش کی انتہائی مالدار خاتون سیدہ خدیجہ بنت خویلد کے علاوہ ابوبکر صدیق، عثمان غنی اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم جیسے مالدار لوگ بھی تھے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا جوئی

[1] کتاب مقدس (لوقا) 18:24,25۔

کے لیے ہر آن، ہر گھڑی کوشاں رہتے تھے۔

زبور کی دوسری پیش گوئی

زبورِ داود میں شامل سلیمان (علیہ السلام) کے گیت میں لکھا ہے:

''اُس کی سلطنت سمندر سے سمندر تک اور دریایِ فرات سے زمین کی انتہا تک ہوگی۔ بیابان کے رہنے والے اُس کے آگے جھکیں گے اور اُس کے دشمن خاک چاٹیں گے۔ ترسیس (Tershish) کے اور جزیروں کے بادشاہ نذریں گذرانیں گے۔ سبا (Sheba) اور سیبا (Siba) کے بادشاہ ہدیے لائیں گے۔ بلکہ سب بادشاہ اُس کے سامنے سرنگوں ہوں گے۔ کل قومیں اُس کی مطیع ہوں گی۔ کیونکہ وہ محتاج کو جب وہ فریاد کرے۔ اور غریب کو جس کا کوئی مددگار نہیں چھڑائے گا۔ وہ غریب اور محتاج پر ترس کھائے گا۔ اور محتاجوں کی جان کو بچائے گا۔ وہ فدیہ دیکر اُن کی جان کو ظلم اور جبر سے چھڑائے گا اور اُن کا خون اُس کی نظر میں بیش قیمت ہوگا۔ وہ جیتے رہیں گے اور سبا کا سونا اُس کو دیا جائے گا۔ لوگ برابر اس کے حق میں دعا کریں گے۔ ...... اُس کا نام ہمیشہ قائم رہے گا۔ جب تک سورج ہے اُس کا نام رہے گا۔ اور لوگ اُس کے وسیلہ سے برکت پائیں گے۔''[1]

مندرجہ بالا عبارت میں دریائے فرات اور ترسیس کا تذکرہ آیا ہے۔ ان دونوں مقامات کے بارے میں مختصر سی وضاحت ضروری ہے۔ عربی اور انگریزی بائبل میں دریائے فرات کا تعین نہیں ہے بلکہ صرف النھر، یعنی دریا (The River) کے الفاظ آئے ہیں، اگرچہ NIV Study Bible میں حاشیے میں لکھا ہے کہ ''دریا سے مراد دریائے فرات ہے'' مگر اردو بائبل (''کتاب مقدس'' پاکستان بائبل سوسائٹی، لاہور) کے متن ہی میں ''دریایِ فرات'' کے الفاظ درج کر دیے گئے ہیں۔ یہ بائبل میں تحریف کی ایک واضح مثال ہے۔ یہاں ''دریا'' (النھر) سے مراد وسطی ایشیا کا النھر (دریائے جیحون یا آمودریا) ہوسکتا ہے جیسا کہ ماوراء النّھر (Transoxiana) کی اصطلاح سے عیاں ہے۔

[1] کتاب مقدس (زبور) 72:8 - 17۔

دریائے جیحون (وسط ایشیا)

دریائے فرات (عراق)


دریائے جیحون اور دریائے فرات
روس
یورپ
بحیرۂ اسود
قسطنطنیہ
(استنبول)
کوہ قاف
آذر بائیجان
آرمینیا
بحیرۂ قزوین (کیسپین)
اناطولیہ (ترکی)
جھیل ارمیہ
الجزیرہ
دجلہ
شام
روڈس
قبرص
بحیرۂ روم
دمشق
فلسطین
اسکندریہ
مصر
دومۃ الجندل
جزیرہ نمائے عرب
دریائے فرات
مدائن
عراق
خلیج فارس
نہاوند
ہمدان
اصفہان
ایران
(فارس)
کرمان
خراسان
ایشیا
ترکمانستان
بحیرۂ ارال
ماوراء النہر
ازبکستان
سمرقند
بخارا
(آمو)
دریائے جیحون
تاشقند
ترکستان
افغانستان
بلوچستان
خلیج عمان

اسی طرح ترسیس یا ترشیش (Tershish) بحیرۂ روم یا بحر اوقیانوس میں ایک بندرگاہ ہے جہاں یوناہ (یونس علیہ السلام) خدا کے حکم کے خلاف بھاگ گیا تھا۔ [1] NIV Study Bible, P:866 میں ترشیش کو ''بحیرہ روم کی ایک دُور دراز بندرگاہ، شاید مغرب میں دور ساحلِ سپین پر واقع'' بتایا گیا ہے۔ یاقوت حموی نے ترشیش کو ''افریقیہ میں تونس کا ایک شہر'' لکھا ہے۔ [2]

1 ''اُس کی سلطنت سمندر سے سمندر تک اور دریائے فرات سے زمین کی انتہا تک ہوگی'': نبی ﷺ کی وفات کے وقت اسلامی ریاست ایک طرف خلیج فارس اور خلیج عُمان، دوسری طرف بحیرۂ قلزم (احمر) اور تیسری طرف بحیرۂ عرب اور خلیج عدن اور چوتھی طرف دریائے فرات کے نواح تک پھیل چکی تھی اور عہدِ فاروقی میں اس کی حدود بحیرۂ روم تک وسیع ہوگئیں۔

الغرض رسول اللہ ﷺ کی وفات سے پہلے مکہ، خیبر، بحرین، سارا جزیرہ نمائے عرب اور سارا ملک یمن فتح ہوگیا تھا، آپ نے ہَجَر کے مجوسیوں اور شام کے بعض علاقوں سے جزیہ بھی وصول فرمایا۔ ہرقل شاہ روم، مقوقس شاہ مصر و اسکندریہ، شاہانِ عمان اور اصحمہ رحمه الله وأكرمهٗ کے بعد بادشاہ بننے والے نجاشیِ حبشہ نے آپ کی خدمت میں تحائف ارسال کیے تھے۔

رسول اللہ ﷺ جب وفات پاگئے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے اسی عدیم النظیر عزت وشوکت کو پسند کرلیا جو اللہ تعالیٰ نے اپنی بارگاہِ عالی میں آپ کے لیے تیار فرما رکھی تھی تو بعدازاں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے خلیفہ بنے۔ انھوں نے نبیِ اکرم ﷺ کی وفات کے بعد پیدا ہونے والے حالات پر قابو پایا، جزیرہ نمائے عرب کو مطیع کیا اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک لشکر بلادفارس کی طرف روانہ فرمایا، انھوں نے سلطنت حیرہ اور عراق عرب کے بہت سے علاقے فتح کیے۔ دوسری طرف ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوعبیدہ، حضرت عمرو بن عاص، یزید بن ابی سفیان اور شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہم کی قیادت میں اردن، شام اور فلسطین کی طرف لشکر بھیجے جنھوں نے بصریٰ، دمشق، حوران اور گردونواح کے علاقے فتح کر لیے۔

دوسرے خلیفہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد میں بلادِ شام کے تمام علاقوں، مصر اور فارس پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا، آپ نے کسریٰ اور قیصر کی شان وشوکت خاک میں ملا دی اور قیصر ہرقل شام کو خیرباد کہہ کر قسطنطنیہ کی طرف بھاگ گیا۔ اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں اسلامی سرحدیں قبرص، طرابلس الغرب اور افریقیہ تک

1 قاموس الکتاب، ص:246. 2 معجم البلدان، مادة: ترشيش.



پھیل گئیں۔ کسریٰ یزدگرد قتل ہوگیا اور ساسانی سلطنت کے تمام علاقے، ترکستان اور خوارزم اسلامی خلافت میں شامل ہوگئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے میرے لیے زمین کو سمیٹ دیا، میں نے زمین کے مشارق و مغارب کو دیکھا اور زمین کو جہاں تک سمیٹ کر مجھے دکھایا گیا، وہاں تک یقیناً میری امت کی حکومت پہنچے گی۔“[1] اس سے معلوم ہوا کہ زبور کی اس پیش گوئی کہ ”اس کی سلطنت سمندر سے سمندر تک اور دریائے فرات سے زمین کی انتہا تک ہوگی۔“ کی مصداق صرف خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہی کی ذات گرامی ہے۔

2 **”بیابان کے رہنے والے اس کے آگے جھکیں گے“:** تاریخ گواہ ہے کہ صرف دس برس کی مدت میں صحرائے عرب کے تمام قبائل نبی ﷺ کے مطیع ہوگئے اور آپ کے دشمن خاک چاٹنے لگے، لہٰذا یہ پیش گوئی بھی پیغمبر اسلام ﷺ پر پوری طرح صادق آتی ہے۔

3 **”ترسیس ...... سبا اور سیبا کے بادشاہ ہدیے لائیں گے“:** سبا (sheba) یمن کا خراج نبی ﷺ کی خدمت میں مدینہ لایا گیا۔ جزیرہ بحرین مملکت البحرین میں شامل تھا جس کے حکمران منذر بن ساویٰ نے فتح مکہ سے قبل اسلام قبول کر لیا تھا۔ سیبا (سوڈان) (Siba) جو دریائے نیل اور دریائے اتبارا (عطبرہ) کے درمیان واقع تھا، عبرانی

[1] صحيح مسلم: 2889.


سواکن (سوڈان) کی ایک خوبصورت مسجد


...وان (تیونس) کی مسجد سیدی عقبہ

میں اسے کُوش کہتے تھے۔ یہاں مصر سے نیچے واقع سُوڈان کا علاقہ مقصود ہے۔[1] یہ عہدِ عثمانی میں فتح ہوا اور ترسیس (تیونس) عہدِ معاویہ رضی اللہ عنہ میں فتح ہو کر اسلامی سلطنت کا حصہ بن گیا۔

اس بشارت میں اسلامی ریاست کی حدود کے ترسیس (تونس یا اسپین) سے لے کر سیبا (سُوڈان)، سبا (یمن) اور ماوراء النہر (ترکستان) تک وسیع ہونے کا واضح اشارہ ہے جو عیسیٰ علیہ السلام پر کسی طور صادق نہیں آتا۔

4 ''سب بادشاہ اُس کے سامنے سرنگوں ہوں گے۔ کل قومیں اُس کی مطیع ہوں گی'': بلاشبہ یہ پیش گوئی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے بارے میں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت کی دو بڑی سلطنتیں روم اور ایران آپ کے پیروکاروں کے سامنے سرنگوں ہوگئیں۔ اہلِ حیرہ، غسانی، بیت المقدس کے مسیحی اکابر، شاہانِ بحرین وعُمان، شاہِ مصر اور دیگر چھوٹے بڑے بادشاہ اور سردار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے مطیع ہوگئے تھے۔ عہدِ فاروقی میں صحرائے شام اور دشتِ لوط وکویر (ایران) کے باشندے بھی اسلامی رعایا بن گئے۔

5 ''وہ غریب اور محتاج پر ترس کھائے گا'': غریبوں، محتاجوں اور ناداروں کی مدد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا بڑا نمایاں پہلو ہے۔ جناب ابوطالب نے اپنے شعر میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَأَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ ثِمَالُ الْيَتَامٰى عِصْمَةٌ لِّلْأَرَامِلِ

''وہ سفید رنگت والے جن کے چہرے کے وسیلے سے بارش کی دُعا کی جاتی ہے۔ وہ یتیموں کے ماویٰ اور بیواؤں کی آبرو کے محافظ ہیں۔''[2]

پہلی وحی کے نازل ہونے کے بعد جب نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھبرائے ہوئے گھر آئے تو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو ان الفاظ سے تسلی دی:

وَاللّٰهِ! مَا يُخْزِيكَ اللّٰهُ أَبَدًا، إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ، وَتَحْمِلُ الْكَلَّ، وَتَكْسِبُ الْمَعْدُومَ،

[1] قاموس الکتاب، ص:498، 10: NIV Study Bible, p:866 FN 72 [2] صحيح البخاري:1008.

وَتَقْرِي الضَّيْفَ، وَتُعِينُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ

''واللہ! اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رسوانہیں کرے گا۔ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں۔ درماندوں کا بوجھ اُٹھاتے ہیں۔ تہی دستوں کا بندوبست کرتے ہیں۔ مہمان کی میزبانی کرتے ہیں اور حق کی راہ میں آنے والے مصائب پر اعانت کرتے ہیں۔''[1]

رسول اللہ ﷺ کی دعوت پر لبیک کہنے والوں میں بڑی تعداد غریبوں اور غلاموں کی تھی۔ آپ یتیموں اور بیواؤں کا خاص خیال رکھتے تھے۔ آپ ﷺ نے یتیموں کی جائیداد اور ان کے مال کے تحفظ کا انتظام کیا اور فرمایا:

«أَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيمِ فِي الْجَنَّةِ هٰكَذَا»

''میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے۔''

یہ ارشاد فرماتے ہوئے آپ ﷺ نے اپنی شہادت والی اور درمیانی انگلی کو باہم ملا کر دکھایا۔[2] آپ نے بیواؤں کو ورثے کا حقدار قرار دیا۔ ان کے دوبارہ نکاح کے لیے اصول وضع کیے تاکہ وہ معاشرے میں باعزت زندگی بسر کر سکیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«اَلسَّاعِي عَلَى الْأَرْمَلَةِ وَالْمِسْكِينِ كَالْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، أَوْ كَالَّذِي يَصُومُ النَّهَارَ وَيَقُومُ اللَّيْلَ»

''بیوہ اور مسکین کے لیے دوڑ دھوپ کرنے والا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے یا اُس شخص کی طرح ہے جو دن بھر روزہ رکھتا ہے اور رات کو قیام کرتا ہے۔''[3]

6 **''وہ فدیہ دے کر ان کی جان کو ظلم اور جبر سے چھڑائے گا'':** نبی کریم ﷺ کی خواہش پر حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عثمان اور دیگر مالدار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے ظلم کی چکی میں پسنے والے بہت سے غلام آزاد کرائے۔ خود رسول اللہ ﷺ غلاموں پر خصوصی شفقت فرماتے تھے۔ اس کا بخوبی اندازہ درج ذیل واقعے سے لگایا جا سکتا ہے:

معرور بن سوید رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے ربذہ میں ملاقات کی۔ وہ ایک عمدہ جوڑا پہنے ہوئے تھے۔ ان کے غلام نے بھی بہت عمدہ جوڑا پہن رکھا تھا۔ میں نے ان سے غلام کو اس قدر نوازنے کا سبب پوچھا تو انھوں نے فرمایا: ''میں نے ایک شخص (غلام) کو برا بھلا کہا اور اسے اس کی ماں کے ساتھ عار دلائی۔ یہ صورتحال دیکھ کر نبی اکرم ﷺ نے مجھ سے فرمایا:

[1] صحيح البخاري: 3. [2] صحيح البخاري: 6005، سنن أبي داود: 5150. [3] صحيح البخاري: 6006.

«يَا أَبَا ذَرٍّ! أَعَيَّرْتَهُ بِأُمِّهِ؟ إِنَّكَ امْرُؤٌ فِيكَ جَاهِلِيَّةٌ، إِخْوَانُكُمْ خَوَلُكُمْ، جَعَلَهُمُ اللّٰهُ تَحْتَ أَيْدِيكُمْ، فَمَنْ كَانَ أَخُوهُ تَحْتَ يَدِهِ فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَأْكُلُ، وَلْيُلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ، وَلَا تُكَلِّفُوهُمْ مَا يَغْلِبُهُمْ، فَإِنْ كَلَّفْتُمُوهُمْ فَأَعِينُوهُمْ»

''اے ابوذر! کیا تم نے اسے اس کی ماں سے عار دلائی ہے؟ بلاشبہ تم ایسے آدمی ہو کہ تم میں ابھی تک جاہلیت موجود ہے۔ تمھارے غلام تمھارے بھائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں تمھارے ماتحت بنایا ہے۔ پس جس کا بھائی اس کے ماتحت ہو وہ اسے وہی کھلائے جو خود کھاتا ہے اور وہی پہنائے جو خود پہنتا ہے اور انھیں ایسے کام کی تکلیف نہ دو جو ان پر گراں گزرے۔ اگر ایسے کام کی انھیں زحمت دو تو خود بھی ان کی مدد کرو۔'' [1]

رسول اللہ ﷺ کی ملکیت میں جو غلام آئے، آپ ﷺ نے نہ صرف انھیں آزاد کر دیا بلکہ غلام آزاد کرنے کے عمل کو سب سے بڑی نیکیوں میں شامل کیا۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«أَيُّمَا رَجُلٍ أَعْتَقَ امْرَءًا مُسْلِمًا، اسْتَنْقَذَ اللّٰهُ بِكُلِّ عُضْوٍ مِنْهُ عُضْوًا مِنَ النَّارِ»

''جو شخص کسی مسلمان غلام کو آزاد کرے گا، اللہ تعالیٰ اس (آزاد کردہ غلام) کے ہر عضو کے بدلے اس کے ہر عضو کو جہنم کی آگ سے نجات عطا فرمائے گا۔'' [2]

7 **''لوگ برابر اُس کے حق میں دُعا کریں گے''**: اس پیش گوئی کی مصداق بھی صرف رسول اللہ ﷺ ہی کی ذاتِ گرامی ہے۔ دنیا بھر میں کروڑوں مسلمان روزانہ آپ ﷺ پر درود بھیجتے اور آپ کے لیے دعائیں کرتے ہیں۔ یہ سلسلہ آپ کی بعثت سے جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ خود بھی جناب رسالت مآب ﷺ پر رحمت بھیجتا ہے۔ اُس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے تمام اہلِ ایمان کو آپ ﷺ کی ذات گرامی پر رحمت بھیجنے کا حکم دیا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾

''اللہ اور اس کے فرشتے پیغمبر پر درود بھیجتے ہیں، مومنو! تم بھی پیغمبر پر درود اور سلام بھیجا کرو۔'' [3]

8 **''اُس کا نام ہمیشہ قائم رہے گا''**: دُنیا بھر میں پندرہ صدیوں سے روزانہ اذان میں پانچ مرتبہ اللہ کے نام کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا نام بھی گونجتا ہے اور قیامت تک گونجتا رہے گا جو اس پیش گوئی کا زندۂ جاوید ثبوت ہے۔ قرآن مجید بھی یہی کہتا ہے:

[1] صحیح البخاري: 30. [2] صحیح البخاري: 2517. [3] الأحزاب 33:56.

﴿ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ○﴾

''اور ہم نے آپ کے لیے آپ کا ذکر بلند کر دیا ہے۔''[1]

یہی صدائے دلنواز حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے کلام میں بھی گونجتی ہے۔ انھوں نے نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کرتے ہوئے کتنے خوبصورت شعر کہے ہیں:

وَضَمَّ الْإِلٰهُ اسْمَ النَّبِيِّ إِلَى اسْمِهِ   إِذَا قَالَ فِي الْخَمْسِ الْمُؤَذِّنُ أَشْهَدُ

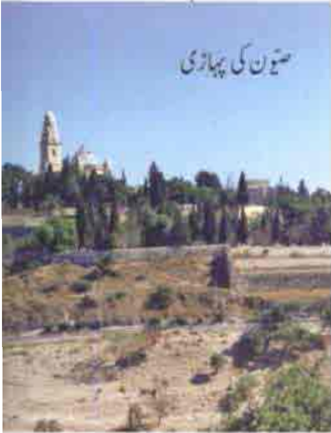
وَشَقَّ لَهُ مِنِ اسْمِهِ لِيُجِلَّهُ   فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُودٌ وَّهٰذَا مُحَمَّدُ

''معبود برحق نے اپنے نبی کا نام اپنے نام کے ساتھ ملا لیا، (اس کا ایمان افروز مظاہرہ اُس وقت ہوتا ہے) جب مؤذن پانچ وقت أشهد ''میں گواہی دیتا ہوں'' کی صدا لگاتا ہے۔ اور اس نے اپنے اسم گرامی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی بھی ہویدا کر دیا تاکہ اسے بھی عظمت عطا کر دے۔ سو صاحب عرش محمود، یعنی علی الدوام سزاوارِ حمد ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم محمد ہیں، یعنی جن کی بار بار، رہ رہ کر بہت تعریف و توصیف کی جائے۔''[2]

زبور کی تیسری پیش گوئی

زبور کے ایک گیت میں ہے:

''مبارک ہے وہ آدمی جس کی قوت تجھ سے ہے۔ جس کے دل میں صیّون کی شاہراہیں ہیں۔ وہ وادیِ بُکا سے گزر کر اُسے چشموں کی جگہ بنا لیتے ہیں۔ بلکہ پہلی بارش اُسے برکتوں سے معمور کر دیتی ہے۔ وہ طاقت پر طاقت پاتے ہیں۔''[3]



صیّون کی پہاڑی

1 ''مبارک ہے وہ......جس کے دل میں صیّون کی شاہراہیں ہیں۔'':

صیّون (Zion) یا صِہیَون ایک پہاڑی کا نام ہے جس پر شروع شروع یروشلم (بیت المقدس) آباد ہوا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی رات مکہ مکرمہ سے بُراق پر سوار ہوئے اور بیت المقدس تشریف لے گئے۔ یہ مبارک سفر آپ نے حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ کیا۔ مسجد اقصیٰ کے احاطے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء علیہم السلام کی امامت فرمائی۔ پھر جبریل علیہ السلام کی رہنمائی میں عالمِ بالا تشریف لے گئے۔

[1] ألم نشرح 4:94. [2] ديوان حسان بن ثابت الأنصاري، ص: 47. [3] کتاب مقدس (زبور) 84:5-7.

2 ''وہ وادیِ بُکا سے گزر کر اسے چشموں کی جگہ بنا لیتے ہیں۔'': اُردو بائبل کی طرح عربی ''الکتاب المقدس'' میں بھی وادی البُکَاء (رونے کی وادی) سے گزرنے کا ذکر ہے، تاہم بائبل کے New International Version میں اس وادی کا نام Valley of Baca ہی درج ہے جبکہ King James Version میں اسے Valley of Weeping (وادی البُکاء) سے بدل دیا گیا ہے لیکن حاشیے میں Valley of Baca بھی لکھ دیا گیا ہے۔ اسے لبنان کی سرسبز اور وافر پانی والی وادی بقاع (Valley of Bekaa) بھی نہیں گردانا جاسکتا کیونکہ بائبل میں لبنان کے حوالے سے اس نام کی وادی کا کوئی ذکر نہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس مزمورِ داود میں بکا (Baca) یا بکّہ کا ذکر ہے اور یہ مکہ ہی کا ایک نام ہے۔ بکہ اور مکہ دونوں نام بلدالحرام ہی کے لیے آتے ہیں، اس لیے کہ عربی زبان میں میم اور ب میں اکثر تبادلہ ہوتا رہتا ہے، جیسے لازم اور لازب اور ملیط اور بلیط۔ [1] قرآن مجید میں بھی مکہ کو بکہ کے نام سے یاد کیا گیا ہے:



﴿ إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾

''بے شک (اللہ کا) پہلا گھر جو لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا ہے وہی ہے جو بکہ (مکہ) میں ہے۔ وہ ساری دنیا کے لیے بڑی برکت اور ہدایت والا ہے۔'' [2]

اس سے صریحاً یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ زبور کی اس پیش گوئی میں وادیِ بکّہ یا مکہ کا ذکر ہے جہاں زمزم کا چشمہ ہے جو

[1] حاشیہ نبی رحمت ﷺ، ص:69. [2] آل عمرٰن 3:96.

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے زمانے سے جاری ہے اور یہیں سے پیغمبر اسلام محمد ﷺ نے معراج کی رات صیون (صہیون)، یعنی بیت المقدس کا سفر کیا جیسا کہ قرآن مجید نے بیان فرمایا ہے:

﴿ سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝﴾

''پاک ذات ہے (اللہ) جو اپنے بندے کو رات کے ایک حصے میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا جس کے ماحول کو ہم نے برکت دی ہے تاکہ ہم اسے اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں۔ بے شک وہی خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا ہے۔''[1]

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ''نبیٔ رحمت ﷺ'' میں لکھتے ہیں: بائبل ''عہد عتیق'' میں اس قدر تحریف کے باوجود ''وادی بکہ'' کے الفاظ آج تک موجود ہیں لیکن مترجمین نے اسے ''وادی البُکاء'' بنا دیا ہے اور علَم کے بجائے نکرہ کر دیا ہے۔''مزامیرِ داود'' کے الفاظ جو عربی (ترجمے) میں آتے ہیں، وہ یہ ہیں:

طُوبٰى لِأُنَاسٍ عِزُّهُمْ بِكَ، طُرُقُ بَيْتِكَ فِي قُلُوبِهِمْ . عَابِرِينَ فِي وَادِي الْبُكَاءِ يُصَيِّرُونَهُ يَنْبُوعًا. (مزامیر6,5:84) الكتاب المقدس في ساحة أستور من مدينة نيويارك، لندن (1804ء).

''مبارک ہیں وہ انسان جن میں قوت تجھ سے ہے، ان کے دل میں تیری راہیں ہیں۔ وہ بُکا کی وادی میں گزرتے ہوئے اسے ایک کنواں بناتے ہیں۔''[2]

لیکن علمائے یہود کو صدیوں کے بعد احساس ہوا کہ یہ ترجمہ غلط ہے، چنانچہ جیوئش انسائیکلوپیڈیا میں یہ اعتراف موجود ہے کہ وہ ایک مخصوص وادی ہے جس میں پانی نہ ملتا تھا اور جس نے یہ (مذکورہ بالا) عبارت لکھی ہے، اس کے ذہن میں ایک ایسی وادی کی تصویر تھی جس کے خاص قدرتی حالات تھے جن کی ترجمانی اس نے ان الفاظ سے کی ہے۔

ان صحیفوں کے انگریزی مترجموں نے ترجمے میں صحت و احتیاط کا عربی مترجموں سے زیادہ ثبوت دیا ہے۔ انھوں نے ''بکہ'' کا لفظ اسی طرح باقی رکھا ہے جیسا کہ اصل صحیفے میں تھا۔ انھوں نے اس کو حرف ''B'' نہ کہ ''b'' سے لکھا ہے (Baca) جیسے عام طور پر اسماء و اعلام کو لکھا جاتا ہے، یہ انگریزی ترجمہ درج ذیل ہے:

Blessed is the man whose strength is in Thee; in whose heart are the ways of them, who passing through the valley of Baca make it a well. (Psalm 84: 5,6)[3]

[1] بنيٓ إسرآءيل 1:17۔ [2] کتاب مقدس (زبور)6,5:84، برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی، بحوالہ ''نبیٔ رحمت''، ص:69. [3] نبیٔ رحمت ﷺ، ص:70,69.

زبور کی چوتھی پیش گوئی

''مزمورِ سلیمان'' نامی دعا میں لکھا ہے:

''اے خدا! بادشاہ کو اپنے احکام اور شاہزادہ کو اپنی صداقت عطا فرما۔ وہ صداقت سے تیرے لوگوں کی اور انصاف سے تیرے غریبوں کی عدالت کرے گا۔ ان لوگوں کے لیے پہاڑوں سے سلامتی کے اور پہاڑیوں سے صداقت کے پھل پیدا ہوں گے۔ وہ ان لوگوں کے غریبوں کی عدالت کرے گا۔ وہ محتاجوں کی اولاد کو بچائے گا اور ظالم کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے گا۔ جب تک سورج اور چاند قائم ہیں لوگ نسل در نسل تجھ سے ڈرتے رہیں گے۔ وہ کٹی ہوئی گھاس پر مینہ کی مانند اور زمین کو سیراب کرنے والی بارش کی طرح نازل ہوگا۔'' [1]

''**وہ صداقت سے تیرے لوگوں کی اور انصاف سے تیرے غریبوں کی عدالت کرے گا**'': یہ پیش گوئی بھی صریحاً نبیِ آخرالزمان محمد رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری کی طرف اشارہ کرتی ہے جنھوں نے سچائی اور انصاف کے ذریعے لوگوں میں عدالت قائم کی۔ اخلاقی اقدار کی بلند پایہ روایات قائم کیں، محبت و الفت کو اسلامی اخوت و مساوات کی لڑی میں پرو دیا۔ آپ کی قائم کردہ اسلامی ریاست میں سلامتی اور سچائی کا دور دورہ تھا۔ اسلامی ریاست کی بنیاد ان شرعی احکام کے اصول وضوابط پر مستحکم ہوئی جس پر الٰہی مہر ثبت تھی، کائنات کی تمام رعنائیاں امن و سلامتی کی فضا میں ہر انسان کی ضروریات پوری کرتی رہیں۔ آپ ﷺ نے غریبوں کو انصاف دیا، محتاجوں کی دستگیری کی اور ظالموں کا استیصال کیا۔ جب تک سورج اور چاند اپنے طلوع و غروب کے نظارے دکھائیں گے، نبی ﷺ کا احترام قائم رہے گا۔ آپ ﷺ کا فیض قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لیے بارش کی طرح عام ہوا۔ عہدِ نبوت سے لے کر اس وقت تک کوئی لمحہ ایسا نہیں گزرا جس میں یہ امت اپنے نبی محمد ﷺ سے منقطع ہوئی ہو۔ زندگی کے ہر شعبے اور ہر گوشے میں ہر لحظہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ ہی کی سیرت عمل کا بہترین نمونہ، کامل ضابطۂ حیات اور مسلمانوں کے لیے ملجا و ماویٰ ہے۔

یہ خصوصیات صرف اور صرف نبیِ کریم ﷺ کی ذاتِ بابرکات میں پائی جاتی ہیں۔ یہود کے موعود ''مسیحا'' یا نصاریٰ کے ''مسیح'' کی زندگی میں ان خصوصیات کا کوئی نشان نہیں ملتا!

[1] کتاب مقدس (زبور) 72:1-6.

خاتم النبیین ﷺ کی بعثت وصداقت قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ

”اور ہم نے آپ کے لیے آپ کا ذکر اونچا کر دیا۔“

(ألم نشرح 94:4)

خاتم النبیین ﷺ کی بعثت وصداقت قرآن کی مذکورہ آیت کی صداقت بائبل سے ہوتی ہے:

أَنسَكَبَتِ ٱلنِّعْمَةُ عَلَىٰ شَفَتَيْكَ لِذَٰلِكَ
بَارَكَكَ ٱللَّهُ إِلَى ٱلْأَبَدِ

''تیرے ہونٹوں میں لطافت بھری ہے اس لئے خدا نے تجھے ہمیشہ کے لئے مبارک کیا۔''

کتاب مقدس (زبور) 2:45

غزل الغزلات سلیمان علیہ السلام کی بشارت

حضرت سلیمان علیہ السلام سے منسوب غزل الغزلات (یا نشید الانشاد) کے حوالے سے یہاں چند باتوں کا تذکرہ ضروری ہے:

1 علمائے بائبل کے ہاں یہ عام طور پر تسلیم کیا گیا ہے کہ ''غزل الغزلات کے مصنف بادشاہ اور نبی سلیمان (علیہ السلام)'' ہیں، تاہم ان کا سارا متن اُن سے منسوب نہیں کیا جا سکتا۔

2 سلیمان علیہ السلام نے مبینہ طور پر یہ گیت دسویں صدی ق م کے وسط میں نظم کیے، تاہم ان کی حتمی ترتیب و تحریف غالباً تیسری چوتھی صدی ق م میں پایۂ تکمیل کو پہنچی۔

3 بعض تحریف کرنے والوں نے ان میں کھلم کھلا فحش مواد شامل کر دیا۔

4 فحش اور ناشائستہ مواد شامل ہونے کے باعث قدیم و جدید یہودی علماء نے یہ ضروری سمجھا کہ عورتوں اور تیس سال سے کم عمر کے مردوں کے لیے ان غزلات کا مطالعہ ممنوع قرار دے دیا جائے۔

5 متن کی نحوی ترکیب میں ہم آہنگی کے فقدان کے باعث انھیں ''آزاد غزلوں کا مرقع'' کہا جا سکتا ہے۔[1]

6 پہلی صدی عیسوی کے آخر میں ربی اکیبا نے لکھا: ''بائبل کی تمام تحریریں مقدس ہیں مگر غزل الغزلات مقدس ترین ہے۔'' اس دور کے ایک اور ربّی نے یہ مبالغہ آمیز رائے دی: ''اگر اللہ بنی اسرائیل کو تورات



غزل الغزلات

[1] Muhammad Foretold in the Bible by Name, pp: 4,5.

نہ دیتا تو غزل الغزلات دُنیا پر حکمرانی کے لیے کافی تھی۔"[1]

حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایک فرمودے کے الفاظ یہ ہیں:

"میرا محبوب سُرخ و سفید ہے۔
وہ دس ہزار میں ممتاز ہے۔
اس کا سر خالص سونا ہے۔
اس کی زلفیں پیچ در پیچ اور کوّے سی کالی ہیں۔
اس کی آنکھیں ان کبوتروں کی مانند ہیں جو دودھ میں نہا کر لبِ دریا تمکنت سے بیٹھے ہوں۔
اس کے رخسار پھولوں کے چمن اور بلسان کی ابھری ہوئی کیاریاں ہیں۔
اس کے ہونٹ سوسن ہیں جن سے رقیق مُر ٹپکتا ہے۔
اس کے ہاتھ زبرجد سے مرصّع سونے کے حلقے ہیں۔
اس کا پیٹ ہاتھی دانت کا کام ہے جس پر نیلم کے پھول بنے ہوں۔
اس کی ٹانگیں کندن کے پایوں پر سنگ مرمر کے ستون ہیں۔
وہ دیکھنے میں لُبنان اور خوبی میں رشکِ سرو ہے۔
اس کا منہ از بس شیریں ہے۔ ہاں وہ سراپا عشق انگیز ہے۔ اے یروشلیم کی بیٹیو! یہ ہے میرا محبوب، یہ ہے میرا پیارا۔"[2]

آیئے! اب اس ارشاد کے بین السطور کا جائزہ لیجیے۔

1 **"میرا محبوب سرخ و سفید ہے":** بعض علمائے بائبل کہتے ہیں کہ غزل الغزلات کی مذکورہ آیات میں عیسیٰ (علیہ السلام) کی آمد کی پیش گوئی کی گئی ہے اور اس میں "محبوب" کا اشارہ مسیحی کلیسا کی طرف ہے جبکہ یسوع اس کے محبّ (Lover) ہیں لیکن یہ بات دُور از کار اور محلِ نظر ہے۔

"میرا محبوب" عبرانی لفظ Dodee (דודי) کا ترجمہ ہے جس کے معنی سٹرانگز ڈکشنری میں یوں دیے گئے ہیں:

محبّ (Lover)، دوست، محبوب (Beloved)، خصوصاً چچا، باپ کا بھائی۔[3]

---

[1] The International Bible. Com, An Ecumonical Comuontary For the 21st Contury, ed William R. Farmer (Bangalore, TPI, 2004.)

[2] کتاب مقدس (غزل الغزلات) 5:10-16۔

[3] James Strong, A Concise Dic of the Words in the Hebrew Bible.

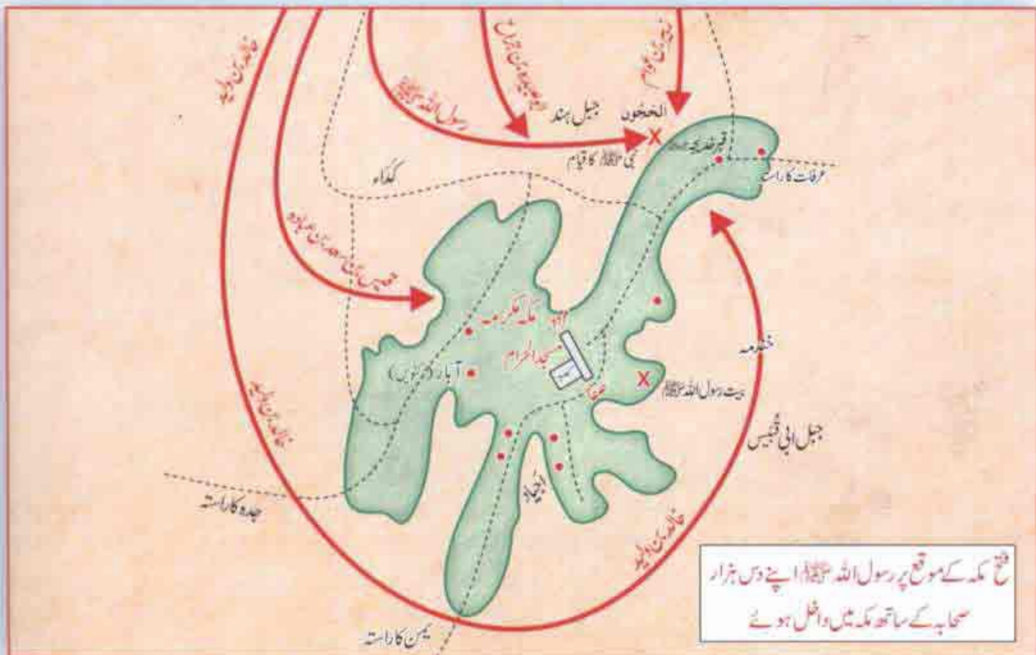
حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت اسحاق علیہ السلام کے بڑے بھائی ہونے کی حیثیت سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے چچا ہوئے کیونکہ سلیمان علیہ السلام آلِ اسحاق میں سے ہیں۔ یوں ''دودی'' (چچا یا مجازاً ''چچا کی اولاد'') کا اشارہ محمد ﷺ کی طرف ہے جو آلِ اسماعیل میں سے ہیں۔ اس کے برعکس عیسیٰ علیہ السلام بن باپ کے پیدا ہوئے، ان کا کوئی پدری رشتہ نہیں بنتا جو اس پیش گوئی کے مصداق ہو۔ ان کی والدہ مریم بھی سلیمان علیہ السلام کے والد داود علیہ السلام کی نسل سے تھیں [1] اور وہ داود کے کسی بھائی کی اولاد سے نہ تھیں۔

بائبل میں فتح مکہ کا اشارہ

صحیفۂ سلیمان (غزل الغزلات) کی عبرانی عبارت میں آخری نبی کے ہاتھوں فتح مکہ کا صاف ذکر تھا اور دس ہزار قدوسیوں (صحابہ) کے الفاظ تھے جنھیں تحریف کرنے والوں نے بدل کر کچھ کا کچھ بنا دیا۔ ملاحظہ کیجیے:

2 ''وہ دس ہزار میں ممتاز ہے'': عبرانی بائبل کا اصلی لفظ Dagal (דגל) ہے جس کا ترجمہ ''ممتاز'' کیا گیا ہے اگرچہ سٹرانگز ڈکشنری میں اس کے معنی Conspicuous (منفرد) اور Chiefest (ممتاز ترین) دیے گئے ہیں۔ ''دس ہزار'' عبرانی لفظ ریبابہ rebawbah یا rebobah (רבבה) کا ترجمہ ہے جس کے معنی Myriad (دس ہزار) ہیں۔ گویا اس فقرے میں فتح مکہ کی طرف اشارہ ہے جب 10 ہزار صحابہ نبی ﷺ کے ہمرکاب تھے۔

[1] قاموس الکتاب، ص: 905.



3 ''اس کی زلفیں پیچ در پیچ اور کوّے سی کالی ہیں'': بائبل میں تحریف کرنے والوں کا کمال دیکھیے کہ انھوں نے لفظ عرب (معرفہ) کو نکرہ کر کے الغراب یا Raven (بڑا سیاہی مائل نیلا کوّا) بنا دیا ہے جبکہ عبرانی بائبل میں آیت کے آخری الفاظ دراصل یوں ہیں:

'קוצותיו תלתלים שחרות כערב'

قَوْس وَهِوْ طَلطَلِس شَهرُت كَعَرَب

(Qawswahiv taltalis shahrut ka 'arab)

عبرانی میں سیاہ کوے کے لیے لفظ arab (عرب) ہی استعمال ہوتا ہے مگر وہ نکرہ ہے جبکہ یہاں دراصل معرفہ Arab بمعنی عرب کا باشندہ (شَهرُت كَعَرَب) استعمال ہوا ہے، لہٰذا اس آیت کا صحیح ترجمہ یوں ہوگا:

There is a slight curl in his locks and they are extremely black. He is an inhabitant of Arabia.

''اس کی زلفیں ہلکے ہلکے گھونگر والی ہیں اور بے حد سیاہ ہیں، وہ عرب کا باشندہ ہے۔'' [1]

حضرت سلیمان علیہ السلام آخری نبی محمد عربی ﷺ کے شمائل بیان کرتے ہوئے تخصیص کرتے ہیں کہ وہ عرب میں مبعوث ہوں گے مگر اہل کتاب نے تحریف کرکے اسے کچھ سے کچھ بنا دیا۔ مسیحیوں نے معنوی تحریف کر کے سلیمان علیہ السلام کے الفاظ کو عیسیٰ علیہ السلام کا کلام بنا دیا اور سلیمان علیہ السلام کے ''محبوب'' (محمد ﷺ) کے بجائے مسیحی کلیسا کو ''محبوبِ مسیح'' بنا کر پیش کر دیا۔

4 ''وہ سراپا عشق انگیز ہے'': یہ آیت عبرانی میں یوں ہے: וכלו מחמדים (وَكُلُّ محمديم)۔ اسے عربی میں یوں پڑھیں گے: هو كله محمد۔

انگریزی اور اردو بائبل میں ''کُلُّ'' کا ترجمہ Altogether (سراپا) اور ''محمدیم'' کا ترجمہ Lovely (عشق انگیز) کر دیا گیا ہے جو کسی طور درست نہیں۔ عبرانی میں اصل لفظ מחמדים (M+H+M+D+I+M) ہے جو 'מחמד' (M+H+M+D یعنی محمد) کی احترامی جمع ہے جس کے معنی سٹرانگز ڈکشنری اور آکسفورڈ (انگلش اردو) ڈکشنری میں درج ذیل ہیں:

Delightful (مسرت بخش)، a Delight (فرحت بخش، شادمانی)، Desire (تمنا)، Beloved (محبوب)، Goodly (وجیہ، خوبصورت)، Lovely (پیارا)، Pleasant (پُر لطف) [2]

''محمدیم'' کے معنی محمد (ﷺ) ہیں: پوری بائبل میں لفظ מחמדים (محمدیم) یہیں ایک جگہ آیا ہے۔ اس کے آخری دو

[1] Muhammad Foretold in the Bible by Name, P: 47. [2] Strong's Dictionary of the Heb. Bible, entry 4261, P: 64, Oxford, (English - Urdu) Dictionary.

حروف 'یم' (ים) جمع کی علامت ہیں جو جمع احترامی کو ظاہر کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے "محمدیم" کا صحیح ترجمہ Muhammad the Magnificent (محمد عالیشان) ہوگا۔ یہاں "محمد" اسم معرفہ ہے مگر بائبل کے تحریف کنندگان نے اسے نکرہ بنا کر اس کے مختلف ترجمے کر ڈالے۔ اس پوری آیت (وكل محمديم) کا صحیح ترجمہ یوں ہوگا: He is exactly Muhammad the Magnificent. (وہ سراسر محمد عالیشان ہے۔)[1]

"مَحْماد" اور "محمدیم": بائبل کے بیشتر اسمائے معرفہ بامعنی الفاظ ہوتے ہیں اور ان کے سیاق و سباق سے یہ تعین ہوتا ہے، آیا کوئی لفظ اسم معرفہ کے طور پر استعمال ہوا ہے یا صرف بامعنی لفظ کے طور پر۔ بائبل میں نو جگہ لفظ "مَحْماد" (Mahmad) یا "محمد" بطورِ اسم نکرہ آیا ہے جہاں مترجمین نے اس کے معنی Pleasant (پسندیدہ)، Desire (تمنا) اور Beloved (محبوب) بتائے ہیں۔[2] لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس گیت (غزل) میں لفظ "محمد" بطور اسم معرفہ آیا ہے، چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ میرے محبوب نبی "محمدیم" یا "محمد عالیشان" (ﷺ) بنو اسماعیل میں سے ہوں گے اور وہ عرب میں مبعوث ہوں گے۔ یہ خبر دیتے ہوئے سلیمان علیہ السلام نے خاتم الانبیاء ﷺ کی جو صفات بیان کی ہیں، وہ احادیث میں مذکور شمائل نبوی کے عین مطابق ہیں۔ یوں حضرت سلیمان علیہ السلام کی یہ پیش گوئی صرف محمد رسول اللہ ﷺ ہی کی ذات ستودہ صفات کے بارے میں ہے لیکن مترجمین نے اس میں تحریف کر کے اسے زبردستی "یسوع مسیح اور ان کے محبوب کلیسا" پر چسپاں کر دیا ہے۔

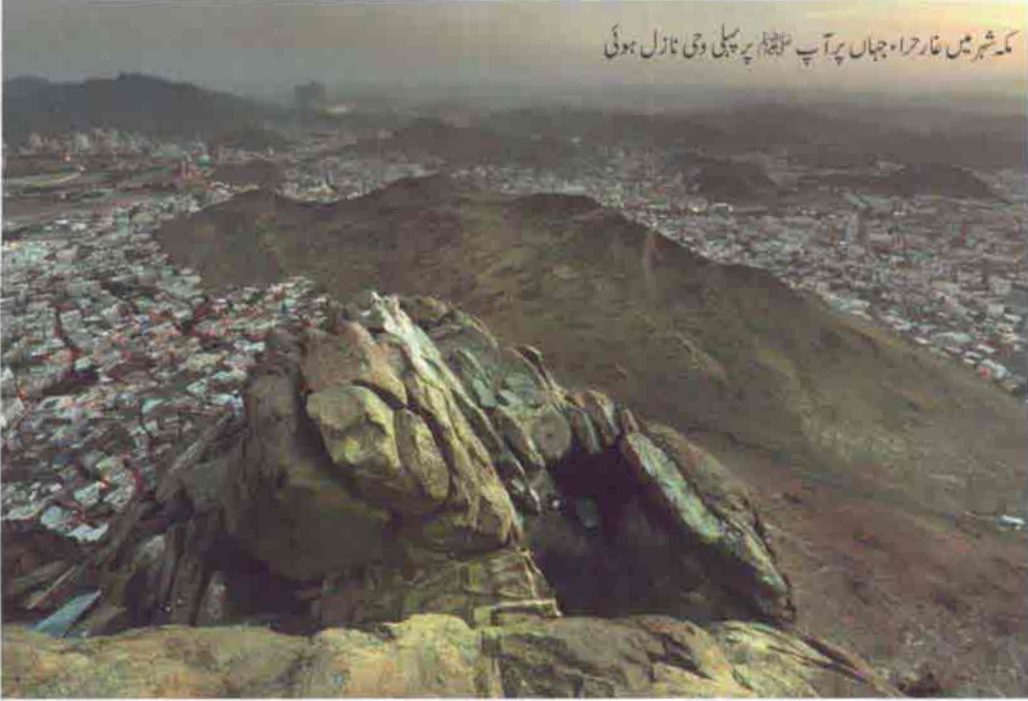
5 "اے یروشلیم کی بیٹیو!": اس پیش گوئی کے آخر میں "یروشلیم کی بیٹیوں" کا ذکر ہے جو تحریف کا نتیجہ ہے۔ یہاں اصل عبرانی لفظ ירושלים (Yer-oo-shaw-lah-yim یروشالائیم) تثنیہ ہے جس کے معنی سٹرانگز ڈکشنری میں یہ بتائے گئے ہیں:

A dual (in allusion to its two main hills); Founded Peaceful; Jerushalaim or Jarushalem, the Capital City of Palestine, Jerusalem.

لیکن ہیسٹنگز ڈکشنری آف بائبل (Hasting's Dic. of Bible) میں کہا گیا ہے: تَلُّ العمرنة (مصر) کے مجموعے میں یروشلم کے ایک اولین حکمران کے خطوط سے پتہ چلا ہے کہ یہ نام (یروشلم یا یروشلیم) فلسطین کی عبرانیوں (بنی اسرائیل) کے ہاتھوں فتح سے بھی پہلے موجود تھا اور اس کا تلفظ Uru-salem یا Uru-salim (اُوروسلم) تھا جس کے معنی "شہرِ سلام" (بلد الامین یا دار السلام) یا "پُر امن شہر" کے ہیں اور یہ یوشع (بن نون) علیہ السلام کی فتح کے زمانے

[1] Muhammad Foretold in the Bible by Name, pp.117-120. [2] Muhammad Foretold in the Bible by Name, pp. 121,122.

سے Jerusalem (یروشلم) کہلاتا تھا۔ پیش گوئی میں یہ نام تثنیہ کی شکل میں آیا ہے، چنانچہ یروشلائیم کے معنی ہیں ''دو یروشلم'' یا ''دو شہرِ امن۔''[1] اس سے آیت کا مطلب نکلتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام فلسطینی شہرِ سلام (بیت المقدس) اور عربی شہرِ سلام بلد الامین (مکہ مکرمہ) دونوں کے باشندوں کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ میرا محبوب (خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم) جب عرب میں مبعوث ہوگا تو بنی اسرائیل اور بنی اسماعیل دونوں کے لیے اس کی اطاعت اور پیروی لازم ہوگی۔


مکہ شہر میں غار حرا، جہاں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی نازل ہوئی

یروشلم یا یروشلیم سامی نام ہے۔ 1400 ق م کے لگ بھگ اسے اوروسلم (Urusalim) کہا جاتا تھا جس کا عام مطلب ''سلامتی کا شہر'' ہے۔ عبرانی بائبل میں یہ لفظ سب سے پہلے یشوع 1:10 میں استعمال ہوا ہے جہاں اس کے ہجے یروشلائیم (Yerushalayim) ہیں۔ عزرا 4: 51,24,20,8 کی ارامی عبارت میں اس کے ہجے یروشلیم (Yarushalem) ہیں۔ شاہ سنحیرب (سنخارب) کے ریکارڈ میں اسے اورسلیمو (Ursalimu) کہا گیا ہے۔ سریانی زبان میں اسے اُوریشلم (Urishalem) اور (بائبل کے) ہفتادی ترجمے میں اسے ہیروسلیم (Hierousalem) بتایا گیا ہے۔ 135ء میں رومیوں نے اس کا نام ایلیا کیپٹولینا (Aelia Capitolina) رکھا۔ پرانے عہد نامہ میں یروشلیم کا نام

[1] Muhammad Foretold in The Bible by Name, pp. 127,128.

600 مرتبہ آیا ہے۔ یسعیاہ، نحمیاہ اور انجیل متی میں اسے ''شہر قدس'' یا ''شہر مقدس'' بھی کہا گیا ہے۔ ''سالم'' اس شہر کا ابتدائی نام تھا جو ابرہام (ابراہیم علیہ السلام) اور ملک صدق کی گفتگو کے دوران میں آیا ہے جہاں ملک صدق کو ''سالم کا بادشاہ'' بتایا گیا ہے۔ لفظ ''سالم'' عبرانی ''شالوم'' اور عربی ''سلام'' کی بنیاد ہے۔ یروشلیم کے علاوہ اس کے لیے جو نام سب سے زیادہ استعمال ہوا ہے، وہ صیّون ہے جو پُرانے عہد نامہ میں 100 مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ صیُّون یا صہیَون (Zion) ان پہاڑیوں میں سے ایک ہے جن پر یروشلم واقع ہے۔ پرانے عہد نامہ میں اس کا ذکر یبوسیوں کے قلعے کے طور پر کیا گیا ہے۔ داود بادشاہ (علیہ السلام) نے اس پر قبضہ کر لیا اور اس کا نام داود کا شہر رکھا۔ اس وقت یہ قلعہ ہیکل (مسجد اقصیٰ) کے جنوب کی طرف طویل چٹان پر واقع تھا۔ اثریات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ شہر عہد داود سے بہت پہلے آباد تھا اور یہی اصل صیّون ہے۔ داود بادشاہ (علیہ السلام) عہد کے صندوق (تابوت سکینہ) کو صیّون میں لائے اور اس وقت سے یہ پہاڑی متبرک سمجھی جانے لگی۔ بعد میں جب سلیمان بادشاہ (علیہ السلام) عہد کے صندوق کو نزدیک ہی کوہ موریاہ پر ہیکل (مسجد اقصیٰ) میں لے گئے تو وہ علاقہ بھی صیّون کہلانے لگا۔ بعد میں تمام یروشلم کو صِیون کہا جانے لگا۔ آج سے ایک صدی پہلے عربوں نے اسے القدس الشریف کہنا شروع کیا۔ یہ بحیرۂ روم کے مشرق میں 33 میل پر اور بحیرہ مردار کے مغرب میں 14 میل پر سطح سمندر سے 2550 فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔


القدس شریف

یہ تین پہاڑیوں پر آباد ہے۔ ان دونوں پہاڑیوں کے مشرق میں گہری وادی کو قدرون کی وادی کہا جاتا تھا۔ یروشلیم حبرون (Hebron الخلیل) کے شمال میں 19 میل پر اور سامریہ کے جنوب میں 30 میل پر تھا۔ [1]

6 ''یہ ہے میرا محبوب، یہ ہے میرا پیارا'': سلیمان علیہ السلام نے اس پیش گوئی کے آخر میں ''دودی'' (چچا یا مجازاً ''چچا کی اولاد'') کے علاوہ ریع یا ریاع (Rea یا Reya) استعمال کیا ہے جس کا ترجمہ ''میرا دوست'' یا ''میرا پیارا'' کیا گیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کا ''محمدیم'' ان کا ساتھی (نبی)، راعی یا متصل ہمسایہ ہے اور وہ ان کے خاندان (اسرائیلیوں) سے کوئی تعلق نہیں رکھتا بلکہ وہ غیر اسرائیلی ہے۔ اگر سلیمان علیہ السلام کا مقصود یہ ہوتا کہ اس محمدیم کا تعلق ان کے اپنے خاندان بنی اسرائیل سے ہے تو وہ اس کے لیے مناسب لفظ 'ידיד' (Yedeed یدید) استعمال کرتے۔ اور اگر یہ ''محمدیم'' اجنبی ہوتا تو وہ اس کے لیے موزوں لفظ 'אהב' (احاب) استعمال کرتے۔ لیکن انھوں نے دود (דוד) اور ریع (רע) کے الفاظ کے استعمال سے واضح کر دیا کہ ان کا محبوب ''محمدیم'' بنی اسرائیل سے ہے نہ کوئی اجنبی بلکہ وہ ان کے چچا بزرگ اسماعیل کی اولاد سے ہوگا اور اس کا تعلق عرب سے ہوگا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کی اس پیش گوئی کے مصداق صرف آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ [2]

---

1 قاموس الکتاب، ص: 605 و 1113،1112۔

2 Muhammad Foretold in the Bible by Name, p. 126.

خاتم النبیین ﷺ کی بعثت وصداقت قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يٰٓأَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّآ أَرْسَلْنٰكَ
شٰهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيرًا
وَّدَاعِيًا إِلَى اللّٰهِ بِإِذْنِهٖ
وَسِرَاجًا مُّنِيرًا

”اے نبی! بلاشبہ ہم نے آپ کو گواہی دینے والا، بشارت دینے والا اور ڈرانے والا (بنا کر) بھیجا ہے۔ اور اللہ کے حکم سے اس کی طرف دعوت دینے والا اور روشن چراغ (بنا کر بھیجا ہے)۔“

(الأحزاب33:45،46)

خاتم النبیین ﷺ کی بعثت وصداقت قرآن کی مذکورہ آیت کی صداقت بائبل سے ہوتی ہے:

هُوَذَا عَبْدِيَ ٱلَّذِي أَعْضُدُهُ مُخْتَارِيَ ٱلَّذِي سُرَّتْ بِهِ نَفْسِي. وَضَعْتُ رُوحِي عَلَيْهِ فَيُخْرِجُ ٱلْحَقَّ لِلْأُمَمِ. لَا يَصِيحُ وَلَا يَرْفَعُ وَلَا يُسْمِعُ فِي ٱلشَّارِعِ صَوْتَهُ. قَصَبَةً مَرْضُوضَةً لَا يَقْصِفُ وَفَتِيلَةً خَامِدَةً لَا يُطْفِئُ. إِلَى ٱلْأَمَانِ يُخْرِجُ ٱلْحَقَّ. لَا يَكِلُّ وَلَا يَنْكَسِرُ حَتَّى يَضَعَ ٱلْحَقَّ فِي ٱلْأَرْضِ وَتَنْتَظِرُ ٱلْجَزَائِرُ شَرِيعَتَهُ

"دیکھو میرا خادم جس کو میں سنبھالتا ہوں۔ میرا برگزیدہ جس سے میرا دل خوش ہے۔ میں نے اپنی روح اس پر ڈالی۔ وہ قوموں میں عدالت جاری کرے گا۔ وہ نہ چلاّئے گا اور نہ شور کرے گا اور نہ بازاروں میں اس کی آواز سنائے دی گی وہ مسلے ہوئے سرکنڈے کو نہ توڑے گا اور ٹمٹماتی بتی کو نہ بجھائے گا۔ وہ راستی سے عدالت کرے گا۔ وہ ماندہ نہ ہوگا اور ہمت نہ ہارے گا جب تک کہ عدالت کو زمین پر قائم نہ کرلے جزیرے اس کی شریعت کا انتظار کریں گے۔"

کتاب مقدس (یسعیاہ) 42:1-4

صحیفۂ یسعیاہ کی بشارات

یسعیاہ (Isaiah) کے عبرانی نام ''یشاعیاہو'' کے معنی ہیں: ''یہوواہ (اللہ) نجات ہے۔'' آموص کے بیٹے یسعیاہ شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ جس سال عزیاہ بادشاہ (790 تا 740 ق م) نے وفات پائی، اسی سال یسعیاہ کو نبوت کا منصب عطا ہوا۔ بائبل میں انھیں ''طائرانِ نبوت کا شاہین'' اور ''قدوسیت کا نبی'' کہا گیا ہے۔ یسعیاہ نے بنی اسرائیل کے عوام و خواص کو گناہوں پر ملامت کی، خصوصاً بُت پرستی سے روکا اور یہوداہ (یہودیہ) اور یروشلیم پر قہرِ الٰہی نازل ہونے کی پیش گوئی کی جو (ڈیڑھ سو سال بعد) یروشلیم کی تباہی کی صورت میں پوری ہوئی۔ وہ فرماتے تھے کہ غیر معبودوں پر توکل لاحاصل ہے اور مورتوں (بتوں) کو پوجنا احمقانہ گناہ ہے۔ یسعیاہ اعلان کرتے تھے کہ گناہ کا ارتکاب خدا کی ذات کو چیلنج کرنا ہے۔ وہ ظاہرداری کی دینی رسوم اور عبادت میں بت پرستانہ روش کی شدید مذمت کرتے تھے۔ انھوں نے پیش گوئی کی تھی کہ خورس (ذوالقرنین) بابل کی اینٹ سے اینٹ بجادے گا جو 539ء میں پوری ہوئی۔ یہودیہ کے بادشاہ منسّی کے عہد حکومت (697 تا 642 ق م) میں یسعیاہ کو آرے سے چیرا گیا۔ [1]



صحیفہ یسعیاہ کا قدیم نسخہ

یسعیاہ کی پہلی پیش گوئی

یسعیاہ (Isaiah) نبی نے بتایا کہ خداوند فرماتا ہے:

''دیکھو میرا خادم جس کو میں سنبھالتا ہوں۔ میرا برگزیدہ جس سے میرا دل خوش ہے۔ ...... وہ قوموں میں عدالت جاری کرے گا۔ وہ نہ چلّائے گا اور نہ شور کرے گا اور نہ بازاروں میں اس کی آواز سنائی

[1] قاموس الکتاب، ص: 1122-1127.

دے گی ...... وہ راستی سے عدالت کرے گا۔ وہ ماندہ نہ ہوگا اور ہمت نہ ہارے گا جب تک کہ عدالت کو زمین پر قائم نہ کر لے۔ جزیرے اُس کی شریعت کا انتظار کریں گے۔ ...... خداوند خدا یوں فرماتا ہے۔ میں خداوند نے تجھے صداقت سے بلایا۔ میں ہی تیرا ہاتھ پکڑوں گا اور تیری حفاظت کروں گا اور لوگوں کے عہد اور قوموں کے نور کے لیے تجھے دوں گا۔ کہ تو اندھوں کی آنکھیں کھولے اور اسیروں کو قید سے نکالے اور ان کو جو اندھیرے میں بیٹھے ہیں قید خانہ سے چھڑائے۔''[1]

مسلمانوں میں اس مفہوم کی روایت چودہ سو سال سے مشہور چلی آرہی ہے جبکہ عہد نامہ قدیم (Old Testament) کا قدیم ترین عربی ترجمہ 9 صدی عیسوی میں ہوا۔[2] عہد نامہ جدید (New Testament) کا قدیم ترین عربی ترجمہ 253ھ بمطابق 867ء میں ہوا۔[3]



عہد نامہ جدید کا عربی ترجمہ



عہد نامہ قدیم کا عربی ترجمہ

اس سلسلے میں ام المؤمنین میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کے غلام عطاء بن یسار رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے ملا اور درخواست کی: ''مجھے بتائیے: تورات میں رسول اللہ ﷺ کی کیا صفت لکھی ہوئی ہے؟'' انھوں نے کہا:

أَجَلْ، وَاللّٰهِ! إِنَّهُ لَمَوْصُوفٌ فِي التَّوْرَاةِ بِبَعْضِ صِفَتِهِ فِي الْقُرْآنِ: ﴿ يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنٰكَ

1 کتاب مقدس (یسعیاہ) 42:1-7.

2 www.islamic_awareness.org 3 Sidney H. Griffith, "The Gospel in Arabic: An Enquiry into its Appearance in the First Abbasid Century", Oriens Christianus, Vol: 69, PP: 131,132.

شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝﴾ (الأحزاب45:33) وَحِرْزًا لِّلْأُمِّيِّيْنَ، أَنْتَ عَبْدِي وَ رَسُولِي، سَمَّيْتُكَ الْمُتَوَكِّلَ، لَيْسَ بِفَظٍّ وَّلَا غَلِيظٍ وَّلَا سَخَّابٍ فِي الْأَسْوَاقِ وَلَا يَدْفَعُ بِالسَّيِّئَةِ السَّيِّئَةَ، وَ لٰكِنْ يَّعْفُو وَيَغْفِرُ وَلَنْ يَّقْبِضَهُ اللّٰهُ حَتّٰى يُقِيمَ بِهِ الْمِلَّةَ الْعَوْجَاءَ بِأَنْ يَّقُولُوا: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ يُفْتَحُ بِهَا أَعْيُنٌ عُمْيٌ وَّآذَانٌ صُمٌّ وَّ قُلُوبٌ غُلْفٌ.

''ضرور، اللہ کی قسم! تورات میں بھی آپ ﷺ کی بعض صفات وہی بیان ہوئی ہیں جو قرآن مجید میں موجود ہیں۔ (اللہ تعالیٰ نے فرمایا:) ''اے نبی! ہم نے بلاشبہ آپ کو گواہی دینے والا اور خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا (بنا کر) بھیجا ہے۔'' اور ان پڑھوں (عربوں) کے لیے محافظ بنایا ہے۔ آپ میرے بندے اور رسول ہیں۔ میں نے آپ کا نام متوکل رکھا ہے۔ وہ (نبی ﷺ) بدخو، سخت دل اور بازاروں میں شور کرنے والے نہیں، برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے بلکہ معافی اور درگزر سے کام لیتے ہیں اور بخش دیتے ہیں۔ اس وقت تک اللہ تعالیٰ انھیں دنیا سے نہیں بلائے گا جب تک وہ ان کے ذریعے سے کج رو ملت (ملتِ کفر) کو سیدھا نہیں کر دیتا کہ وہ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کہنا شروع کر دیں۔ اس کلمے کے ذریعے اندھی آنکھوں، بہرے کانوں اور پردے میں بند دلوں کو کھول دیا جائے گا۔''[1]

حدیث نبوی کی روشنی میں یسعیاہ کی مذکورہ بالا پیش گوئی کے مندرجات کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ اس کا مصداق نبی آخر الزمان محمد ﷺ ہی کی ذات گرامی ہے۔

1 ''میرا خادم جس کو میں سنبھالتا ہوں'': ''خادم'' یا عبد (بندہ) نبیِ کریم ﷺ کی اہم صفت ہے جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ ﴾ ''تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل کی۔''[2] ٹھیک اسی طرح قرآن مجید میں رسول اللہ ﷺ کو سنبھالنے اور بچانے کا واضح ذکر موجود ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ۭ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝﴾

''اے رسول! جو کچھ آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے، وہ (لوگوں تک) پہنچا دیجیے اور اگر آپ نے (ایسا) نہ کیا تو آپ نے (گویا) اس کا پیغام نہیں پہنچایا اور اللہ آپ کو لوگوں (کے شر) سے بچائے گا۔ بے شک اللہ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔''[3]

[1] صحيح البخاري:2125، مسند أحمد:174/2. [2] الكهف 1:18. [3] المآئدة5:67.

ایک اور مقام پر یوں فرمایا ہے:

﴿ يَآيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾

''اے نبی! آپ کے لیے اللہ کافی ہے اور ان لوگوں کے لیے بھی جنھوں نے مومنوں میں سے آپ کی پیروی کی۔''[1]

2 ''وہ راستی سے عدالت کرے گا۔ وہ ماندہ نہ ہوگا اور ہمت نہ ہارے گا جب تک کہ عدالت کو زمین پر قائم نہ کرلے'': قرآن مجید میں عدل و انصاف پر بہت زور دیا گیا ہے بلکہ یوں کہیے کہ قرآن مجید ہی نے عدل و انصاف کا وہ منفرد تصور دیا ہے کہ دنیا کی تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ۚ اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۚ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾

''اور لوگوں کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ انصاف چھوڑ دو، انصاف کیا کرو کہ یہی پرہیز گاری کے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو، کچھ شک نہیں کہ اللہ تمھارے اعمال سے خبردار ہے۔''[2]

عدل کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے فرمودات اور آپ کے عدالتی فیصلے ان آیات کریمہ کی عملی تفسیر ہیں جن میں عدل و انصاف کا حکم دیا گیا ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ کی سیرت وسنت کے مطالعے سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ آپ نے عدل و انصاف کے لیے نہ صرف بنیادی اصول عطا فرمائے بلکہ ان پر خود عمل پیرا ہوکر قانون کی عمل داری کا اعلیٰ نمونہ پیش فرمایا۔ کسی شخص کا سماجی، سیاسی یا مذہبی رتبہ کتنا ہی اونچا ہوتا، وہ عدل و انصاف کے تقاضے پورے کرنے میں آپ کی راہ میں حائل نہیں ہوسکتا تھا۔ خاندانِ مخزوم کی فاطمہ نامی عورت کی چوری کے مقدمے کے فیصلے میں آپ کے یہ الفاظ آج بھی منصف مزاج لوگوں کے دلوں کو گرماتے ہیں اور حکمرانوں اور کرسیِ عدل پر فائز لوگوں کے لیے خاص طور پر مشعلِ راہ ہیں:

«فَإِنَّمَا أَهْلَكَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الشَّرِيفُ، تَرَكُوهُ، وَ إِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الضَّعِيفُ، أَقَامُوا عَلَيْهِ الْحَدَّ»

''تم سے پہلے لوگوں کو اسی بات نے ہلاک کیا کہ ان میں جب کوئی طاقتور چوری کرتا، تو اسے چھوڑ دیتے اور ان میں جب کوئی کمزور چوری کرتا تھا تو اس پر حد قائم کردیتے تھے۔''

اس کے بعد آپ ﷺ نے جو الفاظ ارشاد فرمائے، وہ رہتی دنیا تک جگمگاتے رہیں گے۔ آپ نے فرمایا:

[1] الأنفال8:64. [2] المائدة5:8.

«وَإِنِّي وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا»

''اور جہاں تک میری بات ہے، تو اس ذات پاک کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔'' [1]

آپ نے جو بھی عدالتی فیصلے فرمائے، وہ اس قدر صاف شفاف اور مبنی بر عدل تھے کہ عدل و انصاف کا اس سے بڑھ کر کوئی تصور انسانی ذہن میں نہیں آیا۔ مقدمات کا فیصلہ آپ بہت جلد فرما دیتے تھے۔ اس میں کسی قسم کی تاخیر سے کام نہ لیتے کیونکہ انصاف کی فراہمی اور مقدمات کے فیصلوں میں تاخیر بجائے خود ظلم ہے، اسی طرح آپ نے فیصلوں کے نفاذ کا بھی پورا پورا اہتمام فرما رکھا تھا، آپ کے تمام فیصلے باقاعدہ نافذ ہوئے۔ زانی رجم کیے گئے، چوروں کے ہاتھ کاٹے گئے، قاتل قصاصاً قتل کیے گئے۔ اسی طرح دیوانی مقدمات کے فیصلے بھی باقاعدہ نافذ کیے گئے کیونکہ عملی نفاذ کے بغیر فیصلے بے معنی ہوتے ہیں۔ آپ کے قائم کردہ عدل و انصاف کے باعث دنیا امن، چین اور سکون کا گہوارہ بن گئی، لہٰذا یسعیاہ نبی کی مذکورہ بالا پیش گوئی آپ کی ذات گرامی کے سوا کسی اور پر صادق نہیں آسکتی۔

3 ''جزیرے اُس کی شریعت کا انتظار کریں گے'': جزیرہ نمائے عرب، الجزیرہ (عراق و شام وغیرہ) اور الجزیرہ (سوڈان) کے علاوہ جزیرہ نمائے آئی بیریا (اندلس، پرتگال) اور دنیا کے بہت سے جزائر جیسے صقلیہ (سسلی)، کریٹ،

[1] صحیح مسلم: 1688.


کریٹ کے ساحل پر ایک مسجد


پتریاجا مسجد کوالالمپور (ملائیشیا)


کرسٹل مسجد (مالدیپ)


سلیمیہ مسجد نکوشیا (قبرص)

انڈونیشیا، ملائیشیا، مالدیپ، فلپائن، لکادیپ، قبرص وغیرہ نے جس طرح اسلام کے لیے اپنا دامن کشادہ کر دیا، اُس کے پیش نظر یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہ نبی (ﷺ) اور آپ کے لائے ہوئے دین اسلام ہی کا انتظار کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۚ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝﴾

''یا وہ کہتے ہیں کہ اس (نبی) نے یہ (قرآن) خود گھڑ لیا ہے۔ بلکہ وہی آپ کے رب کی طرف سے حق ہے تا کہ آپ ان لوگوں کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تا کہ وہ راہ پائیں۔''[1]

4 ''لوگوں کے عہد اور قوموں کے نور کے لیے تجھے دوں گا کہ تو اندھوں کی آنکھیں کھولے اور اسیروں کو قید سے نکالے اور ان کو جو اندھیرے میں بیٹھے ہیں قید خانے سے چھڑائے'': اس کی وضاحت بھی قرآن مجید میں صاف صاف موجود ہے:

﴿ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۝ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝﴾

''بے شک تمھارے پاس اللہ کی طرف سے ایک روشنی اور واضح کتاب آئی ہے۔ جس کے ذریعے اللہ ان لوگوں کو جو اس کی رضا کے پیچھے چلیں، سلامتی کے راستوں کی ہدایت دیتا ہے اور انھیں اپنے حکم سے اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالتا ہے اور انھیں سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتا ہے۔''[2]

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝﴾

''الرٰ، (اے نبی! یہ) عظیم الشان کتاب ہے، یہ ہم نے آپ کی طرف اس لیے اُتاری ہے تا کہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال لائیں، ان کے رب کے اذن سے عزیز و حمید پروردگار کے راستے کی طرف۔''[3]

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

«لَقَدْ تَرَكْتُكُمْ عَلٰى مِثْلِ الْبَيْضَاءِ لَيْلُهَا كَنَهَارِهَا، لَا يَزِيغُ بَعْدِي عَنْهَا إِلَّا هَالِكٌ»

[1] السّجدة 32:3. [2] المآئدة 5:15، 16. [3] إبرٰهيم 14:1.

”میں نے تمھیں ایسی منور شریعت پر چھوڑا ہے جس کی رات بھی اس کے دن کی طرح روشن ہے۔ میرے بعد اس سے کوئی ہلاک ہونے والا ہی کج روی کر سکتا ہے۔“ [1]

یسعیاہ کی دوسری پیش گوئی

یسعیاہ نبی نے بتایا کہ خداوند فرماتا ہے:

”قیدار کے آباد گاؤں اپنی آواز بلند کریں۔ سلع کے بسنے والے گیت گائیں۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے للکاریں۔ وہ خداوند کا جلال ظاہر کریں اور جزیروں میں اُس کی ثنا خوانی کریں۔“ [2]

1 ”قیدار کے آباد گاؤں اپنی آواز بلند کریں“: آل اسماعیل میں قیدار کی اولاد، یعنی قبائل کنانہ، قریش، قیس عیلان، بنوتمیم وغیرہ مشرف بہ اسلام ہوئے اور ان کے نعرہ ہائے تکبیر سے بیابانِ عرب کی بستیاں گونج اُٹھیں۔

2 ”سلع کے بسنے والے گیت گائیں“: تاریخ شاہد ہے کہ سَلع، یعنی مدینہ اور اس کے آس پاس رہنے والے دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے اور انھوں نے اسلام کی خاطر عظیم خدمات انجام دیں۔ جبل سلع مدینہ کے مغرب میں اس جگہ واقع ہے جہاں سے 5 ھ میں غزوۂ احزاب کے موقع پر خندق کی کھدائی کا آغاز ہوا تھا۔ وہیں ثنیۃ الوداع ہے۔ سلع کو انگریزی بائبل میں Sela لکھا گیا ہے۔ [3] جب نبی مکرم ﷺ 622ء میں مکہ سے ہجرت کر کے یثرب

[1] كتاب السنة لابن أبي عاصم، ص: 44. [2] کتاب مقدس (یسعیاہ) 42:11، 12. [3] معجم البلدان، مادة: سلع، أطلس القرآن، ص: 388، Holy Bible, Isaiah 42:11



جبل سلع اور مسجد سبع مساجد (مدینہ منورہ)

(مدینہ) پہنچے تو جبل سلع پر کھڑے ہو کر عورتیں اور بچے یہ گیت گا رہے تھے:

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ   وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعِ

''ہم پر الوداع کی گھاٹیوں سے چودھویں کا چاند طلوع ہوا ہے۔ جب تک اللہ کو پکارنے والا پکارے، ہم پر (اس کا) شکر واجب ہے۔''[1]

یہ پیش گوئی نبی ﷺ کی ذاتِ گرامی پر من وعن صادق آتی ہے۔

یسعیاہ کی تیسری پیش گوئی

یسعیاہ نبی نے بتایا کہ خداوند فرماتا ہے:

''اُٹھ منور ہو کیونکہ تیرا نور آ گیا اور خداوند کا جلال تجھ پر ظاہر ہوا۔ کیونکہ دیکھ تاریکی زمین پر چھا جائے گی اور تیرگی اُمتوں پر لیکن خداوند تجھ پر طالع ہوگا اور اُس کا جلال تجھ پر نمایاں ہوگا۔ اور قومیں تیری روشنی کی طرف آئیں گی اور سلاطین تیرے طلوع کی تجلی میں چلیں گے۔ وہ سب کے سب اکٹھے ہوتے ہیں اور تیرے پاس آتے ہیں۔ تیرے بیٹے دور سے آئیں گے ...... اُونٹوں کی قطاریں اور مدیان اور عیفہ (Ephah) کی سانڈنیاں آ کر تیرے گرد بے شمار ہوں گی۔ وہ سب سبا سے آئیں گے اور سونا اور لُبان (Incense) لائیں گے اور خداوند کی حمد کا اعلان کریں گے۔ قیدار کی سب بھیڑیں تیرے پاس جمع ہوں گی۔ نبایوت کے مینڈھے تیری خدمت میں حاضر ہوں گے ...... اور بیگانوں کے بیٹے تیری دیواریں بنائیں گے اور ان کے بادشاہ تیری خدمت گزاری کریں گے۔ ...... اور تیرے پھاٹک ہمیشہ کھلے رہیں گے۔ وہ دن رات کبھی بند نہ ہوں گے تاکہ قوموں کی دولت اور اُن کے بادشاہوں کو تیرے پاس لائیں۔''[2]

1 ''تاریکی زمین پر چھا جائے گی ...... سلاطین تیرے طلوع کی تجلی میں چلیں گے'': نبی کریم محمد ﷺ کی بعثت سے پہلے دُنیا میں کفر و شرک اور جہل و ظلم کے گھٹا ٹوپ اندھیرے چھائے ہوئے تھے جو آپ ﷺ کے طفیل چھٹ گئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْأُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝﴾

[1] دلائل النبوة للبيهقي: 2/507,506. [2] کتاب مقدس (یسعیاہ) 60:1-11.

''وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں انھی میں سے ایک رسول بھیجا، وہ انھیں اس کی آیات پڑھ کر سُناتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے، اور بلاشبہ اس سے پہلے تو وہ کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔''[1]

اللہ تعالیٰ کی ہدایت کا نور اور اس کا جلال نمایاں ہوا اور قومیں اس نور ہدایت کی طرف کھنچی چلی آئیں۔ قیصر و کسریٰ کی پُر شکوہ سلطنتیں اور دیگر بادشاہتیں اسلام کی پیشرفت کے آگے ڈھیر ہوتی چلی گئیں۔ یوں کتاب یسعیاہ کی واضح پیش گوئی عظیم اسلامی انقلاب کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔

2 ''وہ سب کے سب اکٹھے ہوتے ہیں..... تیرے بیٹے دور سے آئیں گے.....'': حج کے موقع پر دنیا بھر سے افراد اکٹھے ہو کر خانہ کعبہ کی رونق بڑھاتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

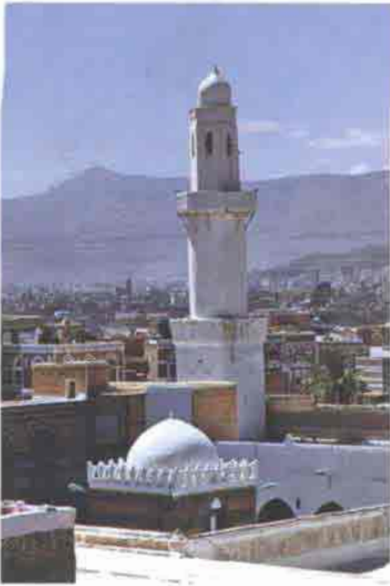
﴿ وَ اَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰی كُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ ۝ ﴾

''اور لوگوں میں حج کا اعلان کر دے، وہ تیرے پاس پیدل (چل کر) اور لاغر اونٹنیوں پر (سوار ہو کر) آئیں گے جو ہر دور دراز راستے سے آئیں گی۔''[2]

[1] الجمعۃ 62:2. [2] الحج 22:27.


پوری انسانیت کا مرکز و محور

3 ''اُونٹوں کی قطاریں اور مدیان اور عیفہ کی سانڈنیاں آ کر تیرے گرد بے شمار ہوں گی۔ وہ سب سبا سے آئیں گے اور سونا اور لبان لائیں گے'': نبی ﷺ کی زندگی ہی میں پورا جزیرہ نمائے عرب مدین اور سبا (یمن) سمیت اسلامی ریاست میں شامل ہوگیا تھا۔ مدین، یعنی شمال مغربی عرب اور اردن کے قبائل غزوۂ تبوک کے بعد مطیع ہو گئے تھے۔ یمنی قبائل اشعر، مُراد، زَبید، کندہ، صُداء، بَجیلہ اور شاہان حمیر اور شاہانِ حضرموت کے اخلاف نے عام الوفود (9ھ) میں اطاعت قبول کر لی۔ رمضان 10ھ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی لشکر کشی کے نتیجے میں یمن کے بنومذحج دائرۂ اسلام میں داخل ہوگئے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ سبا کے علاقے ہی سے آئے تھے۔ وہ اپنے ساتھ قربانی کے اونٹ اور جزیہ و خراج کی رقم بھی لائے تھے جبکہ خوشبودار لوبان صدیوں سے یمن اور عُمان کی جنسِ تجارت رہا ہے۔


صنعاء میں 7ویں عیسوی کی قدیم ترین مسجد

4 ''خداوند کی حمد کا اعلان کریں گے......'': مسلمان ہر نماز میں اللہ کی حمد و ثنا کرتے ہیں۔ حج اور عمرہ ادا کرنے والے تلبیہ پڑھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی حمد کا اعلان کرتے ہیں۔

5 ''قیدار کی سب بھیڑیں تیرے پاس جمع ہوں گی۔ نبایوت کے مینڈھے تیری خدمت میں حاضر ہوں گے'': بائبل کے شارحین لکھتے ہیں:

"The places mentioned belonged to obscure tribes in the Arabian Desert hundreds of miles from Israel. All people would come to Jerusalem because God would be living there, and they would be attracted to his light".

''اس پیش گوئی میں اسرائیل سے سینکڑوں میل دور صحرائے عرب کے غیر معروف قبائل کے مقامات کا ذکر کیا گیا ہے۔ تمام لوگ یروشلیم کی طرف کھنچے چلے آئیں گے کیونکہ وہاں خدا ظہور پذیر ہوگا اور لوگ اُس کے نور کی طرف متوجہ ہوں گے۔''[1]

قیدار حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دوسرے بیٹے تھے۔ ان کی اولاد جزیرہ نمائے عرب میں پھلی پھولی۔ قیدار کی اولاد میں

[1] Life Application Study Bible, p:1110.

عدنان تھے جن سے قیس عیلان، بنوتمیم، ربیعہ، بنوکنانہ، قریش اور دیگر قبائل وجود میں آئے۔ بنوکنانہ مکہ کے شمال میں جبال یلملم اور وصیف کے آس پاس آباد تھے۔ [1] بائبل کی رو سے قیدار اور نبایوت دونوں اسماعیل علیہ السلام کے بیٹے اور عرب کے دو بڑے قبیلوں کے جد امجد ہیں۔ قیدار کی اولاد میں عدنان ہوئے جو قریش اور نبی ﷺ کے جدِّ بزرگوار تھے۔ تورات کا بیان ہے:

''اور اسماعیل کے بیٹوں کے نام یہ ہیں۔ یہ نام ترتیب وار اُن کی پیدائش کے مطابق ہیں۔ اسماعیل کا پہلوٹھا نبایوت تھا۔ پھر قیدار اور ادبئیل اور مِبسام۔ اور مِشماع اور دُومہ اور مسّا۔ حدد اور تیما اور یطور اور نفیس اور قِدمہ۔ یہ اسماعیل کے بیٹے ہیں اور ان ہی کے ناموں سے ان کی بستیاں اور چھاؤنیاں نامزد ہوئیں اور یہی بارہ اپنے اپنے قبیلہ کے سردار ہوئے۔'' [2]

یہ بات تاریخی طور پر مسلمہ ہے کہ بنواسماعیل کا قبلہ خانہ کعبہ تھا جو اُن کے باپ اور دادا نے مل کر تعمیر کیا تھا۔ فرمان باری ہے:

﴿ وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴾

''اور (یاد کرو) جب ابراہیم اور اسمٰعیل بیت اللہ کی بنیادیں اونچی کر رہے تھے (اور دعا کر رہے تھے:) اے ہمارے رب! تو ہم سے (یہ نیکی) قبول کر لے، بے شک تو ہی خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔'' [3]

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں برکت کا وعدہ کیا:

''اور اسماعیل کے حق میں بھی میں نے تیری دُعا سنی۔ دیکھ میں اُسے برکت دُوں گا اور اُسے برومند کروں گا اور اُسے بہت بڑھاؤں گا اور اُس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے اور میں اُسے بڑی قوم بناؤں گا۔'' [4]

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں بھی برکت کا وعدہ کیا گیا تھا:

''اور ابرہام کی وفات کے بعد خدا نے اُس کے بیٹے اضحاق کو برکت بخشی اور اضحاق بیرلحی روئی (Beer Lahai Roi) کے نزدیک رہتا تھا۔'' [5]

عبرانی میں ''بیرلحی روئی'' کے معنی ہیں: ''اس کا کنواں جو زندہ ہے اور مجھے دیکھتا ہے۔'' قاموس الکتاب کے

[1] معجم قبائل العرب: 997/3، أخبار مكة للأزرقي: 408/2. [2] کتاب مقدس (پیدائش) 25:13 - 16. [3] البقرة 2:127.
[4] کتاب مقدس (پیدائش) 17:20. [5] کتاب مقدس (پیدائش) 25:11.



قادیش کا علاقہ

مطابق ''یہ ایک کنویں کا نام ہے جو غالباً قادس یا (قادیش برنیع Kadesh Barnaea) کے نزدیک ہے جہاں خداوند ہاجرہ پر ظاہر ہوا تھا۔''[1] اس سے پہلے اللہ کے فرشتے نے ہاجرہ کو اسماعیل کی پیدائش کی خوشخبری دی تھی۔[2] بیرلحی روئی قادس اور برد کے درمیان ہے۔[3]

بنی اسرائیل کے مسلمہ ضابطے کے مطابق اضحاق (اسحاق علیہ السلام) سے برکت کا وعدہ تو اُن کی اولاد میں نبوت کی صورت میں پورا ہوا۔

اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں برکت کا وعدہ کیسے پورا ہوا؟ تعداد میں اضافے کے لیے تو علیحدہ وعدہ ہے: ''اُسے برومند کروں گا اور اُسے بہت بڑھاؤں گا۔''[4] لہٰذا یہاں برکت سے مراد یقیناً نبوت ہے جو آل اسماعیل میں سے خاتم الانبیاء محمد ﷺ کو عطا ہوئی ہے۔



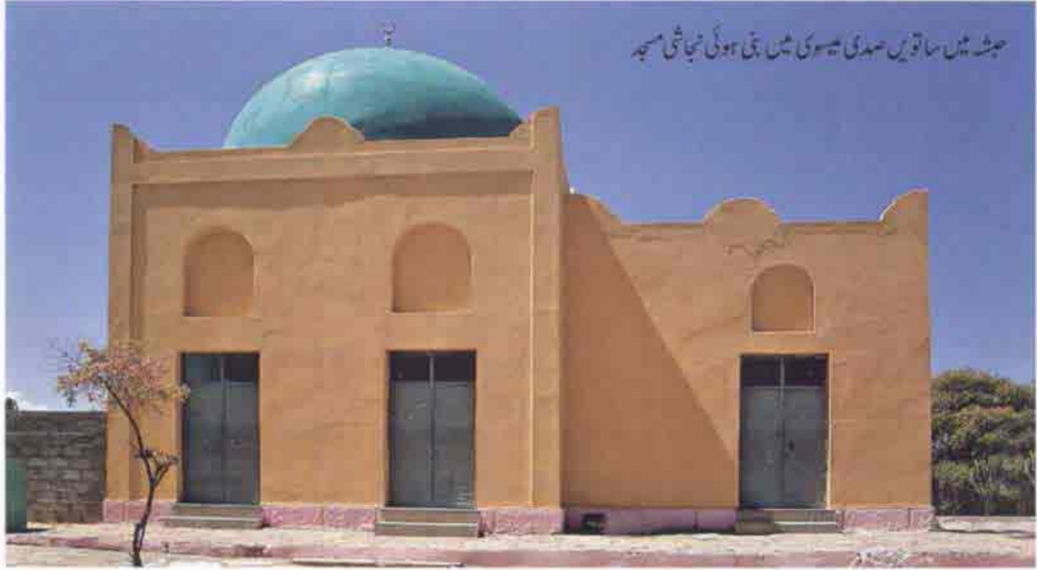
عثمانی ترک کا تعمیر کردہ باب کعبہ

6 ''بیگانوں کے بیٹے تیری دیواریں بنائیں گے۔'': سلجوقی ترک، ممالیکِ مصر اور عثمانی ترک جو عرب اقوام کے لیے بیگانے اور اجنبی تھے، قبولِ اسلام کے بعد انھیں اقتدار ملا تو انھوں نے شاندار مساجد اور قلعے تعمیر کرائے۔ ممالیک اور عثمانیوں نے اپنے اپنے دور میں بڑے اخلاص سے خانہ کعبہ کی تعمیر کی اور خدمت دین اور سپاس گزاری کی تاریخ رقم کردی۔ 802ھ/1400ء میں مسجد الحرام میں آگ لگ گئی تو مملوک حکومت نے مسجد الحرام کی تعمیرِ نو کی اور حسب سابق ساگوان کی چھت ڈال دی، پھر عثمانی خلیفہ سلیم ثانی نے چھت کی تعمیر کا آغاز گنبدوں کی شکل میں کیا جس کی تکمیل خلیفہ مراد ثالث کے عہد 984ھ/1576ء میں ہوئی۔[5] اُن کے علاوہ بھی بڑے بڑے ملوک وسلاطین خود کو خادم حرمین شریفین کہلانے میں فخر محسوس

[1] قاموس الکتاب، ص: 169. [2] کتاب مقدس (پیدائش) 11:16. [3] کتاب مقدس (پیدائش) 14:16. [4] کتاب مقدس (پیدائش) 20:17. [5] تاریخ مکہ مکرمہ (دارالسلام)، ص: 104، بحوالہ اخبار مکہ، ازرقی، ضمیمہ نمبر: 1 (مطبوعہ دارالثقافہ)

کرتے تھے۔

7 ''اور ان کے بادشاہ تیری خدمت گزاری کریں گے۔'': یہ پیش گوئی بھی نبیِ اکرم ﷺ ہی پر صادق آتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس پیش گوئی کے مصداق نہیں بنتے کیونکہ آپ کے حواریوں میں کسی بادشاہ کا ذکر نہیں ملتا جبکہ اللہ کے رسول ﷺ پر ایمان لانے والوں میں بادشاہ اور سردار بھی شامل ہیں۔ شاہِ حبشہ نجاشی نے اسلام قبول کیا اور آپ



حبشہ میں ساتویں صدی عیسوی میں بنی ہوئی نجاشی مسجد

کے لیے تحائف بھیجے، پھر جب قیصر روم اور ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے مابین رسول اللہ ﷺ کے بارے میں مکالمہ ہوا تو آخر میں قیصر روم نے کہا: ''یہ باتیں جو تم کہہ رہے ہو، اگر سچ ہیں تو عنقریب وہ اس جگہ کا مالک بن جائے گا جہاں میرے یہ دونوں پاؤں ہیں۔'' پھر کہا: ''مجھے یہ تو معلوم تھا کہ وہ پیغمبر آنے والا ہے مگر یہ معلوم نہ تھا کہ وہ تم میں سے ہوگا۔ اگر میں جانتا کہ اس تک پہنچ سکوں گا تو اُس سے ملنے کے لیے ہر تکلیف گوارا کرتا اور اگر میں اس کے پاس ہوتا تو اس کے پاؤں دھوتا۔''[1] لہٰذا یہ پیش گوئی صرف پیغمبر آخرالزمان ﷺ ہی پر منطبق ہوتی ہے۔

8 ''تیرے پھاٹک ہمیشہ کھلے رہیں گے۔ وہ دن رات کبھی بند نہ ہوں گے تاکہ قوموں کی دولت اور اُن کے بادشاہوں کو تیرے پاس لائیں'': اس کا مصداق صرف خانہ کعبہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾

[1] صحيح البخاري: 7.

''کیا ہم نے انھیں (اہلِ مکہ کو) پُر امن حرم میں جگہ نہیں دی جس کی طرف ہر قسم کے پھل ہماری طرف سے بطورِ رزق کھینچ کر لائے جاتے ہیں؟ لیکن ان (کُفّار) کے اکثر (لوگ) نہیں جانتے۔''[1]

یوں اس پیش گوئی کے تمام نکات اس امر کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ اس کے مصداق صرف آخری نبی حضرت محمد ﷺ ہی ہیں۔ آپ کے علاوہ کوئی اور شخصیت اس باب میں پوری نہیں اُترتی۔

یسعیاہ کی چوتھی پیش گوئی

یسعیاہ نبی نے بتایا کہ خداوند فرماتا ہے:

''اے بانجھ تو جو بے اولاد تھی نغمہ سرائی کر! تو جس نے ولادت کا درد برداشت نہیں کیا خوشی سے گا اور زور سے چلا کیونکہ خداوند فرماتا ہے کہ بے کس چھوڑی ہوئی کی اولاد شوہر والی کی اولاد سے زیادہ ہے۔ اپنی خیمہ گاہ کو وسیع کر دے ہاں اپنے مسکنوں کے پردے پھیلا۔ دریغ نہ کر۔ اپنی ڈوریاں لمبی اور اپنی میخیں مضبوط کر۔ اس لیے کہ تو دہنی اور بائیں طرف بڑھے گی اور تیری نسل قوموں کی وارث ہوگی اور ویران شہروں کو بسائے گی۔ ...... دیکھ میں تیرے پتھروں کو سیاہ ریختہ میں لگاؤں گا اور تیری بنیاد نیلم سے ڈالوں گا۔ میں تیرے کنگروں کو لعلوں اور تیرے پھاٹکوں کو شب چراغ اور تیری ساری فصیل بیش قیمت پتھروں سے بناؤں گا۔ اور تیرے سب فرزند خداوند سے تعلیم پائیں گے اور تیرے فرزندوں کی سلامتی کامل ہوگی۔ تو راستبازی سے پایدار ہو جائے گی۔ تو ظلم سے دور رہے گی کیونکہ تو بے خوف ہوگی اور دہشت سے دور رہے گی۔''[2]

1 ''اے بانجھ تو جو بے اولاد تھی نغمہ سرائی کر!'': بائبل کے شارحین کہتے ہیں کہ اس سے مراد یروشلیم ہے بلکہ بعض نے تو یہاں تک جسارت کی ہے کہ متن ہی میں (O Jerusalem۔ اے یروشلیم) لکھ دیا ہے۔[3] لیکن اگر ان آیات پر غور کیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ بانجھ نبوت سے محرومی کا اشارہ ہے اور اس سے مراد مکہ مکرمہ ہے جہاں اسماعیل علیہ السلام کے بعد کوئی پیغمبر آیا نہ وحی نازل ہوئی۔ اس کے برعکس یروشلیم میں کثرت سے پیغمبر مبعوث ہوتے رہے۔

قبلے کی تبدیلی

عیسیٰ علیہ السلام نے یروشلیم کے بجائے ایک اور قبلے کے بارے میں بھی لوگوں کو مطلع کر دیا تھا:

---

[1] القصص 57:28. [2] کتاب مقدس (یسعیاہ) 54:1 - 14.

[3] Life Application Study Bible, P:1105.

''ہمارے باپ دادا نے اس پہاڑ پر پرستش کی اور تم کہتے ہو کہ وہ جگہ جہاں پرستش کرنا چاہیے یروشلیم میں ہے۔ یسوع نے اُس سے کہا اے عورت! میری بات کا یقین کر کہ وہ وقت آتا ہے کہ تم نہ تو اس پہاڑ پر باپ کی پرستش کرو گے اور نہ یروشلیم میں۔'' [1]

یہی بات قرآن مجید میں بھی بہ اسلوبِ دیگر بیان کی گئی ہے:

﴿قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۠ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ﴾

''تحقیق ہم آپ کے چہرے کا بار بار آسمان کی طرف اُٹھنا دیکھ رہے ہیں، سو ہم ضرور آپ کو اس قبلے کی طرف پھیر دیں گے جسے آپ پسند کرتے ہیں، پھر آپ اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں اور جہاں کہیں بھی تم ہو اپنے منہ اس کی طرف پھیر لو۔'' [2]

نبی ﷺ اور آپ کے پیروکار برسوں مسجد اقصیٰ (بیت المقدس یا یروشلم) کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھتے رہے مگر نبی ﷺ کے دل میں یہ آرزو موجزن رہی کہ ابوالانبیاء ابراہیم علیہ السلام نے جسے قبلہ بنایا تھا، وہی مسلمانوں کا قبلہ ہو جائے، چنانچہ جب 2ھ میں وحی آگئی کہ اپنا رخ مسجد الحرام (کعبہ) کی طرف پھیر دیجیے تو نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فوراً نئے قبلے کی طرف منہ کر لیا۔

[1] کتاب مقدس (یوحنا) 4:20، 21. [2] البقرۃ 2:144.



مسجد قبلتین

2 ''بے کس چھوڑی ہوئی کی اولاد شوہر والی کی اولاد سے زیادہ ہے'': بے کس چھوڑی ہوئی کی اولاد سے مراد حضرت ہاجرہ کی اولاد ہے کیونکہ اُنھی پر یہ بات صادق آتی ہے۔ وہ اس مطلقہ عورت کی طرح تھیں جو علیحدہ ہو کر جنگل میں رہنے لگی ہو۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے اس وعدے میں جو ہاجرہ سے اسماعیل کے حق میں کیا گیا تھا، یہ الفاظ کہے گئے تھے: ''وہ گورخر کی طرح آزاد مرد ہوگا۔''[1]

''شوہر والی کی اولاد'' سے حضرت سارہ کی اولاد مراد ہے۔

3 ''دیکھ میں تیرے پتھروں کو سیاہ ریختہ میں لگاؤں گا......'': یہ بات خانہ کعبہ ہی پر صادق آتی ہے۔ بنوعباس کے خلیفہ مہدی، اُس سے پہلے کے خلفاء اور بعد کے خلفاء و سلاطین نے خانہ کعبہ اور مسجد الحرام کی توسیع کے لیے بے دریغ خطیر رقوم خرچ کیں بلکہ اس مقصد کے لیے لوگوں نے ہیرے جواہرات اور سونے کے تاج بھی نذر کر دیے۔ کعبہ کی موجودہ عمارت عثمانی خلیفہ مراد خاں رابع کے عہد (1032ھ تا 1049ھ) میں تعمیر ہوئی تھی جس میں سیاہ مسالا (ریختہ) استعمال ہوا ہے۔

4 ''تو راست بازی سے پایدار ہو جائے گی۔ تو ظلم سے دور رہے گی......'': یہ حقیقت بالکل عیاں ہے کہ یہ بات خانہ کعبہ اور مکہ مکرمہ کے بارے میں کہی گئی ہے کیونکہ وہ جائے امن ہے، وہاں ظلم بپا نہیں ہوتا۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّ هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ○ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا﴾

''بے شک پہلا گھر جو لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا، یقیناً وہی ہے جو بکہ (مکہ) میں ہے، بہت بابرکت اور جہانوں کے لیے ہدایت ہے۔ اس میں واضح نشانیاں (اور) مقام ابراہیم ہے اور جو کوئی اس میں داخل ہوا، وہ امن والا ہو گیا۔''[2]

یروشلم کی بار بار تباہی اور مکہ جائے امن

تاریخ شاہد ہے جس نے خانہ کعبہ یا اُس کے امن کو غارت کرنے کی کوشش کی، وہ خود نیست و نابود ہو گیا جبکہ یروشلیم بار بار تباہ ہوتا رہا۔ بائبل میں یروشلم کی بار بار تباہی کا ذکر ہوا ہے۔

- 917 ق م میں شاہ مصر سیسق نے یروشلیم پر چڑھائی کی اور خداوند کے گھر کے خزانوں اور شاہی محل کے خزانوں کو لے لیا اور سونے کی وہ سب ڈھالیں بھی لے گیا جو سلیمان علیہ السلام نے بنائی تھیں۔[3]

---

[1] کتاب مقدس (پیدائش) 12:16. [2] آل عمرٰن 3:96,97. [3] کتاب مقدس (سلاطین-1) 26:14.

- یہورام کے عہد حکومت (850-843 ق م) میں عرب اور فلستی یہوداہ (یہودیہ) پر چڑھائی کر کے اس میں گھس آئے اور بادشاہ کا سارا مال اور اس کے بیٹوں اور بیویوں کو بھی لے گئے۔ [1]
- اسرائیل کے (یہودی) بادشاہ یہوآس (801-786 ق م) نے یروشلیم آ کر مغربی دیوار کو 600 فٹ تک گرا دیا۔ اور اس نے سب سونے اور چاندی کو اور سب برتنوں کو جو خداوند کی ہیکل اور شاہی محل کے خزانوں میں ملے اور کفیلوں کو بھی ساتھ لیا اور (اپنے دارالحکومت) سامریہ کو لَوٹا۔ [2]
- شاہ یہوداہ آخز کے دورِ حکومت (732-715 ق م) میں یروشلیم پر ایک ناکام حملہ ہوا۔ شاہ ارام رضین اور شاہ اسرائیل رملیاہ نے مل کر چڑھائی کی اور ہیکل پر قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ [3]
- شاہ اسور تگلت پلاسر سوم (745-727 ق م) نے یروشلیم پر حملہ کیا اور آخز نے خداوند کے گھر اور بادشاہ اور سرداروں کے محلوں سے مال لے کر شاہ اسور کو دیا تو بھی اس کی کچھ مدد نہ ہوئی۔ [4]
- 701 ق م میں شاہ اسور سنحیرب نے یہودیہ پر حملہ کیا۔ اس کے کتبے میں لکھا ہے: ''میں نے (شاہ) حزقیاہ یہودی کے 46 شہر ایک ایک کر کے فتح کر لیے اور 200,150 آدمی کھدیڑ ڈالے اور ان کے بادشاہ کو پنجرے میں بند پرندے کی طرح یروشلیم میں قیدی بنا لیا۔'' تاہم بائبل کہتی ہے کہ ''شاہ اسور یروشلیم میں داخل نہ ہو پایا...... رات کو خداوند کے فرشتہ نے نکل کر اسور کی لشکرگاہ میں ایک لاکھ پچاسی ہزار آدمی مار ڈالے...... تب شاہ اسور نینوہ لوٹ گیا۔'' [5]
- چھٹی صدی قبل مسیح کے اوائل (597 ق م) میں بابل کے حکمران نبوکدنضر (بخت نصر) نے یروشلیم پر چڑھائی کی، شاہ یہویقیم کو گرفتار کر کے بابل لے گیا، صدقیاہ کو شاہ یہودیہ نامزد کیا اور ہزاروں یہودی جلاوطن کر دیے۔ 587 ق م میں بخت نصر نے پھر حملہ آور ہو کر یروشلیم کا محاصرہ کر لیا۔ طویل محاصرے اور بھوک سے تنگ آ کر شاہ صدقیاہ اور اس کی فوج ایک رات عربہ (اردن) کی طرف بھاگ نکلی مگر بخت نصر نے انھیں اریحا کے میدان

[1] کتاب مقدس (تواریخ-2) 17,16:21۔ [2] کتاب مقدس (سلاطین-2) 14,13:14۔ [3] کتاب مقدس (سلاطین-2) 5:16۔ [4] کتاب مقدس (تواریخ-2) 21,20:28۔ [5] کتاب مقدس (سلاطین-2) 36-33:19، NIV Study Bible,p: 551، قاموس الکتاب، ص: 1115,1114۔

یروشلم شہر کا منظر

میں جا گھیرا۔ صدقیاہ کو زنجیروں میں جکڑ کر ربلہ (شام) لے گیا جہاں اس کے بیٹے اس کے سامنے ذبح کیے گئے۔ پھر صدقیاہ کو اندھا کر کے بابل لے جایا گیا۔

بخت نصر نے اس بار یروشلیم پر قبضہ کر کے ہیکل سلیمانی کو جلادیا اور یروشلیم کو پیوندِ زمین کر دیا۔ اس نے یہودیوں کے تمام صحیفے نذرِ آتش کر دیے اور تقریباً ایک لاکھ یہودیوں کو گرفتار کر کے بابل لے گیا۔ پھر قریباً نصف صدی بعد 539 ق م میں فرمانروائے فارس سائرس اعظم (ذوالقرنین) نے بابل فتح کر کے یہودیوں کو رہائی بخشی اور انھوں نے واپس جا کر ہیکل سلیمانی دوبارہ تعمیر کیا۔

- سکندر اعظم کی وفات (323 ق م) کے تین سال بعد یروشلیم یونانی بطلیموس بادشاہ سوتیر اول کے ہاتھ آیا۔ ایک سو سال بعد یہ شہر سلوقیوں کے قبضے میں آ گیا۔
- 199 ق م میں شاہِ مصر نے فلسطین اور یروشلیم پر قبضہ کر لیا۔ ایک سال بعد سلوقی انطاکس اعظم سوم اس شہر پر قابض ہو گیا اور یہودیوں نے اسے خوش آمدید کہا۔
- 169-168 ق م میں مثیلِ مخالفِ مسیح انطاکس چہارم (یونانی) نے ہیکل میں خنزیر کی قربانی چڑھا کر اسے ناپاک کیا اور یہودی قربانیوں اور ختنے اور سبت کی پابندی کو ممنوع قرار دیا اور ایک فرمان جاری کیا کہ اگر کسی یہودی کے پاس کلامِ پاک ملا تو قتل کیا جائے گا، لہٰذا بے شمار یہودی قتل ہوئے۔
- 163 ق م میں انطاکس پنجم نے یروشلیم کی دیواروں اور ہیکل کو توڑ دیا۔
- رومی جرنیل ٹائٹس (Titus) نے 70ء میں ایک طویل محاصرے کے بعد بیت المقدس پر قبضہ کر لیا تو اس کا عالیشان معبد (ہیکل) ایک بار پھر جلا دیا گیا۔ رومی سپاہیوں نے شہر پر قبضہ کر لینے کے بعد بڑی بے رحمی سے اس کو غارت کیا۔ چھ لاکھ یہودی مقتول ہوئے اور ہزاروں گرفتار کر لیے گئے۔
- یروشلم میں جو کچھ بچ رہا تھا، قیصر ہیڈرین (Hadrian) کے عہد (135ء) میں اسے بھی پیوندِ خاک کر دیا گیا یہاں تک کہ بنیادوں کو بھی اکھاڑ دیا گیا۔ یہودیوں کو فلسطین سے جلاوطن کر کے بیت المقدس کو مکمل طور پر بت پرستوں



کے شہر میں بدل دیا گیا۔ دو سال بعد رومیوں نے نیا شہر تعمیر کیا تو اس میں دو سو برس تک یہودیوں کو آباد ہونے کی اجازت نہ ملی۔

- 614ء میں شاہ فارس خسرو دوم (خسرو پرویز) کے ایک سپہ سالار نے یروشلیم پر قبضہ کر کے 60 ہزار مسیحی قتل کر دیے اور 35 ہزار کو غلام بنا لیا۔ شہر اور اس کے اردگرد اس قدر تباہی و بربادی تھی کہ پھر وہ پوری طرح کبھی بحال نہ ہو سکا۔[1]

عیسیٰ علیہ السلام نے یروشلیم کی بربادی کی خبر دی

یسوع (عیسیٰ علیہ السلام) نے خود ہیکل سلیمانی اور یروشلیم کی بربادی کی خبر دی تھی:

''اور یسوع ہیکل سے نکل کر جا رہا تھا کہ اُس کے شاگرد اُس کے پاس آئے تاکہ اُسے ہیکل کی عمارتیں دکھائیں۔ اُس نے جواب میں اُن سے کہا: کیا تم ان سب چیزوں کو نہیں دیکھتے؟ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ یہاں کسی پتھر پر پتھر باقی نہ رہے گا جو گرایا نہ جائے گا۔''[2]

ان تاریخی حقائق کے ہوتے ہوئے یروشلیم کیسے صحیفہ یسعیاہ کی اس پیش گوئی کا مصداق ہو سکتا ہے؟

یسعیاہ کی پانچویں پیش گوئی

خداوند نے یسعیاہ نبی کی معرفت فرمایا:

''جو لوگ تاریکی میں چلتے تھے اُنھوں نے بڑی روشنی دیکھی۔ جو موت کے سایہ کے ملک میں رہتے تھے اُن پر نور چمکا۔ تو نے قوم کو بڑھایا۔ تو نے اُن کی شادمانی کو زیادہ کیا۔ وہ تیرے حضور ایسے خوش ہیں جیسے فصل کاٹتے وقت اور غنیمت کی تقسیم کے وقت لوگ خوش ہوتے ہیں۔ کیونکہ تو نے اُن کے بوجھ کے جوئے اور اُن کے کندھے کے لٹھ اور اُن پر ظلم کرنے والے کے عصا کو ایسا توڑا ہے جیسا مِدیان کے دن میں کیا تھا۔ کیونکہ جنگ میں مسلح مردوں کے تمام سلاح اور خون آلودہ کپڑے جلانے کے لیے آگ کا ایندھن ہوں گے۔ اس لیے ہمارے لیے ایک لڑکا تولّد ہوا اور ہم کو ایک بیٹا بخشا گیا اور سلطنت اُس کے کندھے پر ہوگی اور اُس کا نام عجیب مشیر خدای قادر ابدیت کا باپ سلامتی کا شاہزادہ ہوگا۔ اُس کی سلطنت کے اقبال اور سلامتی کی کچھ انتہا نہ ہوگی۔ وہ داؤد کے تخت اور اُس کی مملکت پر

[1] اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 16-(1)/296، قاموس الکتاب، ص: 1114-1117، 573 :NIV Study Bible . [2] کتاب مقدس (متی) 2,1:24.

آج سے ابد تک حکمران رہے گا اور عدالت اور صداقت سے اُسے قیام بخشے گا۔"[1]

بائبل کے شارحین کہتے ہیں کہ یہ پیش گوئی عیسیٰ علیہ السلام کے لیے کی گئی ہے۔[2] لیکن اگر اس کا جائزہ لیا جائے تو اس کی کسی بھی لحاظ سے عیسیٰ علیہ السلام سے کوئی مناسبت ثابت نہیں ہوتی۔

1 "جو لوگ تاریکی میں چلتے تھے اُنھوں نے بڑی روشنی دیکھی": قرآن مجید میں بھی اسی طرح کے الفاظ آئے ہیں:

﴿قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۙ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝﴾

"بے شک تمھارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی اور واضح کتاب آئی ہے۔ جس کے ساتھ اللہ ان لوگوں کو جو اس کی رضا کے پیچھے چلیں، سلامتی کے راستوں کی ہدایت دیتا ہے اور انھیں اپنے حکم سے اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالتا ہے اور انھیں سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتا ہے۔"[3]

2 "جو موت کے سایہ کے ملک میں رہتے تھے اُن پر نور چمکا": عرب میں خاندانی دشمنیوں، قبائلی عصبیتوں اور جاہلانہ مشاغل کی وجہ سے لوگوں پر موت کا سایہ مسلط رہتا تھا اور ہر طرف رقص ابلیس جاری تھا۔ لیکن بعثتِ نبوی کی روشنی کے بعد بھائی چارے کی ایسی فضا بن گئی جس کی دُنیا میں مثال نہیں ملتی۔ فرمان باری ہے:

﴿وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا﴾

"اور اپنے اوپر اللہ کی نعمت (احسان) یاد کرو۔ جب تم (آپس میں) دشمن تھے، پھر اس نے تمھارے دلوں میں الفت ڈال دی تو تم اُس کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے۔"[4]

دربارِ نجاشی میں صحابیِ رسول کا اعلانِ حق

سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے زمانۂ جاہلیت کی تاریکی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد اسلام کی نور افشانیوں کا نقشہ شاہِ حبشہ نجاشی کے دربار میں اس طرح کھینچا تھا:

أَيُّهَا الْمَلِكُ! كُنَّا قَوْمًا أَهْلَ جَاهِلِيَّةٍ، نَعْبُدُ الْأَصْنَامَ، وَنَأْكُلُ الْمَيْتَةَ، وَنَأْتِي الْفَوَاحِشَ، وَنَقْطَعُ الْأَرْحَامَ، وَنُسِيءُ الْجِوَارَ، يَأْكُلُ الْقَوِيُّ مِنَّا الضَّعِيفَ، فَكُنَّا عَلٰى ذٰلِكَ حَتّٰى بَعَثَ

---

1 کتاب مقدس (یسعیاہ) 9:2-7۔

2 Life Application Study Bible, P: 1059

3 المآئدة 5:15، 16۔ 4 آل عمرٰن 3:103۔

اللّٰهُ إِلَيْنَا رَسُولًا مِّنَّا نَعْرِفُ نَسَبَهُ وَصِدْقَهُ وَ أَمَانَتَهُ وَعَفَافَهُ، فَدَعَانَا إِلَى اللّٰهِ لِنُوَحِّدَهُ وَنَعْبُدَهُ، وَنَخْلَعَ مَا كُنَّا نَعْبُدُ نَحْنُ وَ آبَاؤُنَا مِنْ دُونِهِ مِنَ الْحِجَارَةِ وَالْأَوْثَانِ، وَأَمَرَنَا بِصِدْقِ الْحَدِيثِ وَأَدَاءِ الْأَمَانَةِ وَصِلَةِ الرَّحِمِ وَحُسْنِ الْجِوَارِ وَالْكَفِّ عَنِ الْمَحَارِمِ وَالدِّمَاءِ، وَنَهَانَا عَنِ الْفَوَاحِشِ وَقَوْلِ الزُّورِ وَأَكْلِ مَالِ الْيَتِيمِ وَقَذْفِ الْمُحْصَنَةِ، وَأَمَرَنَا أَنْ نَّعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهُ لَا نُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا، وَ أَمَرَنَا بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ وَالصِّيَامِ ـ قَالَتْ: فَعَدَّدَ عَلَيْهِ أُمُورَ الْإِسْلَامِ ـ فَصَدَّقْنَاهُ وَ آمَنَّا بِهِ وَاتَّبَعْنَاهُ عَلٰى مَا جَاءَ بِهِ، فَعَبَدْنَا اللّٰهَ وَحْدَهُ، فَلَمْ نُشْرِكْ بِهِ شَيْئًا، وَ حَرَّمْنَا مَا حَرَّمَ عَلَيْنَا، وَ أَحْلَلْنَا مَا أَحَلَّ لَنَا ......

”اے بادشاہ! ہم ایک ایسی قوم تھے جو جاہلیت میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ ہم بتوں کی عبادت کرتے تھے، مردار کھاتے تھے، بے حیائی کے کام کرتے تھے، قطع رحمی کرتے تھے، ہمسایوں سے برا سلوک کرتے تھے۔ ہم میں سے طاقتور کمزور کو کھا رہا تھا۔ ہم اسی حالت میں تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف ہم ہی میں سے ایک رسول مبعوث کیا۔ ہم اس کی عالی نسبی، سچائی، امانت داری اور پاک دامنی سے خوب واقف ہیں۔ سو اس نے ہمیں دعوت دی کہ ہم اللہ کو ایک مانیں، اسی کی عبادت کریں اور ہم اور ہمارے باپ دادا اس کے سوا جن پتھروں اور بتوں کی پرستش کرتے تھے، انھیں چھوڑ دیں۔ اس (رسول) نے ہمیں سچی بات کرنے، امانت ادا کرنے، صلہ رحمی کرنے، ہمسایوں سے حسن سلوک کرنے، حرام کاموں اور خونریزی سے باز رہنے کا حکم دیا۔ بے حیائی کے کام کرنے، جھوٹ بولنے، یتیم کا مال کھانے اور پاک دامن عورت پر تہمت لگانے سے روکا۔ اس نے ہمیں حکم دیا کہ ہم ایک اللہ کی عبادت کریں، اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ اس نے ہمیں نماز، زکاۃ اور روزے رکھنے کا حکم دیا۔“

(......اس حدیث کی راویہ) ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ جعفر رضی اللہ عنہ نے نجاشی کو اسلام کے امور گنوائے۔ (پھر کہا:) ”ہم نے اس (رسول) کی تصدیق کی، اس پر ایمان لائے اور جو وہ لایا تھا، اس میں اس کی پیروی کی۔ ہم نے ایک اللہ کی عبادت کی اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہرایا۔ جس چیز کو اس نے ہم پر حرام کیا، ہم نے اسے حرام جانا اور جسے ہمارے لیے حلال کیا، ہم نے اسے حلال مانا......“[1]

3 ”تو نے قوم کو بڑھایا۔ تو نے اُن کی شادمانی کو زیادہ کیا“: یسوع (عیسیٰ علیہ السلام) کو اس دنیا میں قیام کے دوران

[1] مسند أحمد: 1/201-203.

میں یہ مقام کبھی حاصل نہیں ہوا بلکہ ان کی قوم بنی اسرائیل ان کی جان کے درپے تھی اور وہ اپنے چند شاگردوں کے ساتھ بنی اسرائیل کے لوگوں سے چھپتے رہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے یہ وعدہ فرمایا تھا کہ وہ آپ کی امت کو زمین میں خلفاء، یعنی لوگوں کے امام اور حکمران بنا دے گا۔ پھر علاقوں کی فلاح و بہبود انھی کی وجہ سے ہوگی، بندگانِ الٰہی ان کے تابع فرمان ہو جائیں گے اور خوف کے بعد انھیں امن اور اقتدار عطا فرما دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے یہ سارے وعدے پورے فرما دیے تھے۔ لوگوں نے موج در موج اور فوج در فوج اللہ تعالیٰ کے دین کو قبول کر لیا تھا، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝﴾

"جب اللہ کی مدد اور فتح آجائے گی اور آپ لوگوں کو دیکھیں گے کہ وہ اللہ کے دین میں گروہ در گروہ داخل ہو رہے ہیں تو آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجیے اور اس سے بخشش مانگیے، بلاشبہ وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔"[1]

فتح سے یہاں مراد فتح مکہ ہے۔ عرب قبائل اسلام قبول کرنے کے لیے فتح مکہ کے منتظر تھے۔ وہ کہتے تھے کہ اگر یہ اپنی قوم پر غالب آگئے تو پھر اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ہیں، لہٰذا جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مکہ کی فتح سے بھی سرفراز فرما دیا تو لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہونے لگے اور ابھی دو سال کی مدت بھی نہ گزری تھی کہ سارا جزیرۃ العرب نورِ ایمان سے چمک اُٹھا۔ تمام قبائلِ عرب مشرف بہ اسلام ہو گئے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ "اللہ تعالیٰ نے میرے لیے زمین کو سمیٹ دیا۔ میں نے زمین کے مشارق و مغارب کو دیکھا اور زمین کو جہاں تک سمیٹ کر مجھے

[1] النصر 110:1-3.



دکھایا گیا، وہاں تک میری امت کی حکومت پہنچے گی۔"[1] لہٰذا یسعیاہ نبی کی اس پیش گوئی کہ "تو نے قوم کو بڑھایا۔ تو نے ان کی شادمانی کو زیادہ کیا" کے مصداق حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا کوئی دوسرے نبی نہیں ہو سکتے، اس کے مصداق صرف امام کائنات، فخر موجودات حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔

4 **"اُن پر ظلم کرنے والے کے عصا کو ایسا توڑا ہے جیسا مدیان کے دن میں کیا تھا"[2]**: یسوع (عیسیٰ علیہ السلام) کو اس دنیا میں یہ مقام بھی نہ حاصل ہوسکا۔ بائبل کے مطابق وہ تو خود "ایلی۔ ایلی۔ لما شبقتنی" "اے میرے خدا! اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟"[3] کہتے ہوئے سولی چڑھ گئے۔

اس کے برعکس مسلمانوں پر جبر و تشدد اور ظلم و ستم کرنے والے بدر کے میدان میں مارے گئے اور ان کے باقی ماندہ افراد و قبائل فتح مکہ کے موقع پر مطیع ہو گئے۔ اس طرح یہ پیش گوئی بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آتی ہے۔

5 **"سلطنت اُس کے کندھے پر ہوگی"**: اس کے برعکس بائبل میں تو یہ بتایا گیا ہے کہ یسوع علیہ السلام کا دنیاوی سلطنت سے کوئی تعلق ہی نہیں[4] بلکہ یسوع (عیسیٰ علیہ السلام) تو دو افراد کے درمیان بھی منصف بننے کے لیے تیار نہیں تھے:

"پھر بھیڑ میں سے ایک نے اُس سے کہا اے اُستاد! میرے بھائی سے کہہ کہ میراث کا میرا حصہ مجھے دے۔ اُس نے اُس سے کہا میاں! کس نے مجھے تمہارا منصف یا بانٹنے والا مقرر کیا ہے؟"[5]

6 **"سلامتی کا شاہزادہ ہوگا۔"**: عیسائی شارحین حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس کا مصداق قرار دیتے ہیں۔ لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ بائبل ہی کی رو سے یسوع علیہ السلام اس کے مصداق نہیں بنتے۔ مذکورہ بالا اقتباس میں ایک بڑی صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ سلامتی کا شاہزادہ ہوگا، یعنی اُس کا مقصد امن و سلامتی پھیلانا ہوگا لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق بائبل میں بتایا گیا ہے:

"یہ نہ سمجھو کہ میں زمین پر صُلح کرانے آیا ہوں۔ صُلح کرانے نہیں بلکہ تلوار چلوانے آیا ہوں۔"[6]

مزید برآں یسوع نے تلوار خریدنے کی ترغیب دیتے ہوئے یہ بھی کہا کہ اس کے لیے اگر اپنی پوشاک بھی بیچنی پڑے تو اس سے دریغ نہ کیا جائے:

"اس نے اُن سے کہا مگر اب جس کے پاس بٹوا ہو وہ اُسے لے اور اسی طرح جھولی بھی اور جس کے پاس نہ ہو وہ اپنی پوشاک بیچ کر تلوار خریدے۔"[7]

---

1 صحیح مسلم: 2889. 2 "جدعون اُن (ظالم مدیانیوں) پر حملہ کر کے ان پر غالب آیا۔ اس نے ان کے سرداروں عوریب اور زئیب اور ان کے بادشاہ زبح اور ضلمنع کو بھی قتل کیا۔" (کتاب مقدس (قضاۃ) 21:7-25 و 5:8-21) 3 کتاب مقدس (متی) 46:27. 4 کتاب مقدس (یوحنا) 36:18. 5 کتاب مقدس (لوقا) 14,13:12. 6 کتاب مقدس (متی) 34:10. 7 کتاب مقدس (لوقا) 36:22.

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ بشارت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں نہیں بلکہ اس کے مصداق نبیِ کریم ﷺ ہیں جو امن و سلامتی اور صلح و خیر خواہی کے پیغام بر ہیں اور آپ ﷺ کی تعلیمات امن کے داعیوں کے لیے مینارۂ نور ہیں۔

7 ''وہ داؤد کے تخت اور اُس کی مملکت پر آج سے ابد تک حکمران رہے گا'': تاریخ گواہ ہے کہ یسوع (علیہ السلام) کو داود (علیہ السلام) کے تخت پر ایک دن بھی بیٹھنا نصیب نہیں ہوا بلکہ یسوع (علیہ السلام) تو رومیوں کو جزیہ دیتے رہے۔[1] کہاں داود (علیہ السلام) کا تخت اور کہاں رومیوں کو جزیے کی ادائیگی!

بائبل کی رو سے یسوع (علیہ السلام) داود (علیہ السلام) کے وارث ہو ہی نہیں سکتے کیونکہ یہویقیم کی اولاد کے لیے داود (علیہ السلام) کا تخت ہمیشہ کے لیے حرام ہے:

''اس لیے شاہ یہوداہ یہویقیم کی بابت خداوند یوں فرماتا ہے کہ اُس کی نسل میں سے کوئی نہ رہے گا جو داؤد کے تخت پر بیٹھے۔''[2]

انجیل متی میں ''یسوع مسیح ابن داؤد ابن ابرہام'' (علیہم السلام) کے نسب نامے کی جو تفصیل دی گئی ہے، اس میں آخری شاہ یہودیہ صدقیاہ سے لے کر داود (علیہ السلام) تک نسب یوں ہے: صدقیاہ بن یکونیاہ بن یوسیاہ بن امون بن مُنسّی بن حزقیاہ بن آخز بن یُتام بن عُزِیاہ بن یُورام بن یہوسفط بن آسا بن اَبِیّاہ بن رُحِبعام بن سلیمان بن داؤد (علیہما السلام)۔[3]

لیکن عہد نامہ عتیق میں نسب ''صدقیاہ بن یکونیاہ بن یہویقیم بن یوسیاہ...... دیا گیا ہے:

''اور یوسیاہ کے بیٹے یہ تھے۔ پہلوٹھا یوحنان۔ دوسرا یہویقیم۔ تیسرا صدقیاہ۔ چوتھا سلوم۔ اور بنی یہویقیم۔ اُس کا بیٹا یکونیاہ۔ اُس کا بیٹا صدقیاہ۔''[4]

اگرچہ انجیل متی میں یسوع (علیہ السلام) کے نسب نامہ میں یہویقیم کا نام حذف کرکے دادا کے بعد پوتے کا ذکر کیا گیا ہے:

''اور امون سے یوسیاہ پیدا ہوا۔ اور گرفتار ہوکر بابل جانے کے زمانہ میں یوسیاہ سے یکونیاہ اور اُس کے بھائی پیدا ہوئے۔''[5]

مسیح (علیہ السلام) داود (علیہ السلام) کے خلف ہیں

شارحینِ بائبل کا کہنا ہے کہ یہاں یہویقیم کا نام اُسی طرح حذف کیا گیا ہے جس طرح بالعموم پوتے کو باپ کا ذکر کیے بغیر براہِ راست دادا سے منسوب کر دیا جاتا ہے، تاہم NIV Study Bible کے شارح نے یہ وضاحت بھی کی

[1] کتاب مقدس (متی)17:24-27. [2] کتاب مقدس (یرمیاہ)30:36. [3] کتاب مقدس (متی)1:1-16. [4] کتاب مقدس (تواریخ)3: 15، 16. [5] کتاب مقدس (متی)1:10،11.

ہے کہ یسوع مسیح (علیہ السلام) کے شجرۂ نسب میں "متی" نے یہ نہیں کہا کہ یوسف نجار یسوع کا باپ تھا بلکہ اسے صرف مریم کا شوہر بتایا ہے۔ گویا یسوع (علیہ السلام) یوسف (نجار) کا صُلبی بیٹا نہیں بلکہ قانونی بیٹا ہے، لہٰذا وہ داود (علیہ السلام) کا ایک خلف ہے۔[1] یوسف نجار کی نسبت "لوقا" میں ہے کہ جب فرشتے نے مریم کو یسوع مسیح کی پیدائش کی خوشخبری سنائی تو مقدسہ مریم گلیل میں ناصرۃ کے مقام پر رہائش پذیر تھیں۔ ان کی منگنی ایک نجار (ترکھان) یوسف سے ہو چکی تھی۔[2] لوقا ہمیں بتاتا ہے کہ یوسف داؤد کی نسل سے تھا۔ اگرچہ مریم کے حسب نسب کے متعلق صاف نہیں بتایا گیا، پھر بھی وہ اسی نسل سے تعلق رکھتی تھیں کیونکہ لوقا باب 3 میں جو نسب نامہ دیا گیا ہے، اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے۔ مقدسہ مریم کے حمل کو بتوسّط پاک رُوح بتایا گیا ہے۔[3]

چلیے، یسوع مسیح (علیہ السلام) کو یہویقیم کی قانونی اولاد اور داود (علیہ السلام) کا خلف مانا ہے تو یرمیاہ (30:36) کی صراحت، یعنی شاہِ یہوداہ یہویقیم کے بارے میں خداوند یوں فرماتا ہے کہ اس کی نسل سے کوئی نہ رہے گا جو داؤد کے تخت پر بیٹھے، اس کی رو سے وہ داود (علیہ السلام) کے وارث بہرحال نہیں ہو سکتے۔ یوں اس پیش گوئی کی رو سے اس کا صحیح مصداق نبی آخر الزمان محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔

اسلام انسانیت کے لیے پیغامِ امن

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین تمام بنی نوع انسان کو امن کی ضمانت دیتا ہے۔ یہ ایک انسان کے ناحق قتل کو پوری انسانیت کا قتل اور ایک جان بچانے کو تمام انسانوں کی جان بچانے کے مترادف ٹھہراتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا﴾

"اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل کے لیے یہ لکھ دیا کہ جو شخص کسی کو قتل کر دے، سوائے اس کے کہ وہ کسی کا قاتل ہو یا زمین میں فساد کرنے والا ہو، تو گویا اُس نے تمام لوگوں کو قتل کر دیا اور جو شخص کسی ایک جان کو (ناحق قتل ہونے سے) بچائے، تو گویا اُس نے تمام لوگوں کی جان بچائی۔"[4]

اللہ تعالیٰ کا بنی اسرائیل کے لیے یہ ضابطہ تھا کہ کسی انسان کا ناحق قتل، ساری انسانیت کا قتل ہے۔ اسلام کا بھی یہی ضابطہ ہے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ»

[1] NIV Study Bible, p: 1466.

[2] کتاب مقدس (لوقا) 27,26:1. [3] کتاب مقدس (متی) 18:1، قاموس الکتاب، ص: 905. [4] المآئدۃ 32:5.

''مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں۔'' [1]

اس سے کسی کو یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے کہ اسلام میں بس مسلمانوں ہی کے حقوق محفوظ ہیں اور کسی کے نہیں، جیسا کہ یہودیوں کے ہاں ہے۔ ایسی بات ہرگز نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ کے ایک اور فرمان کی رُو سے یہ غلط فہمی دور ہوجاتی ہے:

«وَالْمُؤْمِنُ مَنْ أَمِنَهُ النَّاسُ عَلٰى دِمَائِهِمْ وَ أَمْوَالِهِمْ»

''اور مومن وہ شخص ہے جس سے لوگوں کے خون اور مال محفوظ ہوں۔'' [2]

یہاں ''اَلنَّاس'' فرمایا ہے جس میں مسلم اور غیر مسلم سب شامل ہیں۔

امن وسلامتی نبیِ کریم ﷺ کی تعلیمات کی معروف و مسلم بنیاد ہے یہاں تک کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے ملاقات کرتے وقت ''السلام علیکم'' کہتا ہے۔ اس طرح دونوں ایک دوسرے کے لیے سلامتی کی دعا کرتے ہیں۔ محمد رسول اللہ ﷺ نے عرب سے بدامنی اور جنگ و جدال کا خاتمہ کر کے امن و سلامتی کی مثالی فضا پیدا کر دی، لہٰذا ''سلامتی کا شہزادہ'' ہونے کا خطاب آپ ﷺ ہی پر صادق آتا ہے۔ آپ ﷺ سید الانبیاء اور خاتم النبیین ہونے کے ناتے تمام انبیاء کی میراث کے وارث ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی ذات میں نبوت و ریاست کو جمع کر دیا۔ داود اور سلیمان ﷥ بھی نبی ہونے کے ساتھ ساتھ اسلامی ریاست کے فرمانروا تھے۔

اس لحاظ سے آپ داود ﷤ کے تخت کے وارث بھی ہیں۔ آپ نے اسے قیامت تک کے لیے خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کی صورت میں نمایاں کر دیا۔ اس کی بنیاد اُسی بات پر ہے جس کا اس پیش گوئی میں ذکر ہے: ''وہ داوٗد کے تخت اور اُس کی مملکت پر آج سے ابد تک حکمران رہے گا اور عدالت اور صداقت سے اُسے قیام بخشے گا۔''

1 صحيح البخاري:10. 2 جامع الترمذي:2627.

خاتم النبیین ﷺ کی بعثت وصداقت قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ

"اور ہم نے آپ کے لیے آپ کا ذکر اونچا کر دیا۔"

(ألم نشرح 94:4)

خاتم النبیین ﷺ کی بعثت وصداقت قران کی مذکورہ آیت کی صداقت بائبل سے ہوتی ہے:

يَكُونُ ٱسْمُهُ إِلَى ٱلدَّهْرِ. قُدَّامَ ٱلشَّمْسِ يَمْتَدُّ ٱسْمُهُ

''اس کا نام ہمیشہ قائم رہے گا۔ جب تک سورج ہے اس کا نام رہے گا۔''

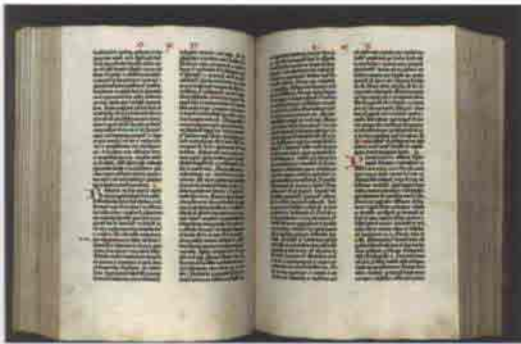
کتاب مقدس (زبور) 17:72

صحیفۂ دانیال کی بشارات

دانیال علیہ السلام (دانی ایل) بنی اسرائیل کے انبیاء میں سے ایک نبی تھے۔ وہ یوسف علیہ السلام سے بہت مشابہ تھے۔ یوسف علیہ السلام ہی کی طرح بابل میں پردیسی اور مظلوم تھے مگر اللہ تعالیٰ نے انھیں علم اور خوابوں کی تعبیر عنایت فرما کر بادشاہ کی نظر میں ان کی بڑی قدر و منزلت پیدا کر دی۔ وہ ہمیشہ توحید کے داعی رہے۔ زمانے اور زندگی کا کوئی فتنہ انھیں دعوت الی اللہ کے مقدس مقصد سے نہ ہٹا سکا۔

فتح تستر اور دانیال کی میت

اسلامی تاریخ میں دانیال علیہ السلام کی نسبت سے ایک واقعہ مشہور ہے جسے امام ابن اسحاق، ابن ابی شیبہ، بیہقی رحمہم اللہ وغیرہ نے ان تابعین سے روایت کیا ہے جو شوشتر (تستر) کی فتح میں شریک تھے۔ ان میں ابوالعالیہ اور مطرف بن مالک کا بھی ذکر آتا ہے۔ ہخامنشی دور میں سلطنت فارس کا دارالحکومت شوشتر تھا۔ عہد فاروقی میں سیدنا براء بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ نے اسے فتح کیا تھا۔ مسلمان فوج نے دانیال علیہ السلام کی میت ایک تختے پر پڑی ہوئی پائی۔ میت جوں کی توں اپنی اصل حالت میں تھی۔ گُدی کے چند بالوں کے سوا اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ میت کے سرہانے ایک صحیفہ تھا۔ مسلمان فوج نے وہ صحیفہ اٹھا کر امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا۔ انھوں نے (یہود میں سے اسلام قبول کرنے والے عالم) کعب الاحبار کو طلب فرمایا۔ کعب نے اس صحیفے کو عربی رسم الخط میں لکھ دیا۔ ابوالعالیہ کہتے ہیں: میں پہلا شخص تھا جس نے وہ صحیفہ پڑھا۔ راوی، جو ابوالعالیہ سے روایت کرتا ہے، کہتا ہے: میں نے ابوالعالیہ سے دریافت کیا: صحیفے میں کیا لکھا تھا؟ کہا: ''تمھاری سب سیرت، تمھارے تمام امور، تمھارے کلام



کتاب دانیال (عہد نامہ قدیم)

کے لیے اور جو کچھ آئندہ پیش آنے والا ہے۔" [1]

دانیال کی پہلی پیش گوئی

عبرانی زبان کے ماہر کعب الاحبار کی سعی بلیغ سے دانیال کے صحیفے کا ترجمہ باقاعدہ عربی میں ہوا۔ اسے بہت سے لوگوں نے پڑھا۔ بعید نہیں وہ علمائے اسلام جنھوں نے کتب سابقہ میں محمد رسول اللہ ﷺ کے متعلق بشارتوں پر تالیفات مُرتب کی ہیں، مثلاً: ابن قتیبہ اور ابن ظفر وغیرہ، وہ اس صحیفے سے واقف ہوں، البتہ اگر ایسا نہ ہو اور ان کی معلومات کا مصدر تورات کے وہ صحیفے ہوں جو ان کے دور میں پائے گئے تو یہ کہیں زیادہ قوی اور بامعنی بات قرار پائے گی کیونکہ یہ مسلم مصنفین کبھی غلط بات نقل کرنے کے مورد الزام نہیں پائے گئے حتی کہ ان کے معاصر اہل کتاب نے بھی ان کو اس معاملے میں کبھی نہیں جھٹلایا۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی "الجواب الصحیح" میں ابن قتیبہ کا یہ قول نقل کیا ہے: "اور (محمد ﷺ کے بارے میں دانیال کی) یہ پیش گوئی یہود اور نصاریٰ کے ہاں آج بھی پائی جاتی ہے۔ وہ اسے پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس میں مذکور شخص ابھی ظاہر نہیں ہوا۔"

بخت نصر کا خواب دانیال پر آشکار

پیش گوئی کا پس منظر یوں ہے کہ بابل کا بادشاہ نبوکدنضر (بخت نصر) 586 ق م میں یروشلم کو تاخت و تاراج کرنے کے بعد ایک لاکھ کے قریب یہودیوں کو اسیر کر کے عراق لے گیا تھا۔ ان میں دانیال علیہ السلام اور ان کے ساتھی حننیاہ، میسا ایل اور عزریاہ بھی تھے جنھیں بخت نصر کے دربار میں حاضری کے لیے منتخب کیا گیا۔ ایک روز بخت نصر نے ایک عجیب خواب دیکھا جس سے وہ پریشان ہوگیا۔ بادشاہ نے جادوگروں اور فال گیروں کو حکم دیا کہ وہ بادشاہ کا یہ خواب بوجھیں اور اس کی تعبیر بھی بتائیں۔ سب عاجز آگئے مگر دانیال علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عجز و انکسار سے دُعا کی تو اللہ تعالیٰ نے بادشاہ کا وہ خواب اور اس کی تعبیر دانیال کو الہام کر دی، چنانچہ وہ شاہی اہلکار اریوک کی وساطت سے بادشاہ کے پاس پہنچے اور کہنے لگے:

بابل (عراق) کا قدیم شہر

[1] البداية والنهاية :38,37/1، دلائل النبوة للبيهقي:382,381/1، المصنف لابن أبي شيبة:23,22/7، شفاء الصدور، ص:336.

"اے بادشاہ! تو نے ایک بڑی مورت دیکھی۔ وہ بڑی مورت جس کی رونق بے نہایت تھی تیرے سامنے کھڑی ہوئی اور اس کی صورت ہیبت ناک تھی۔ اس مورت کا سر خالص سونے کا تھا، اُس کا سینہ اور اس کے بازو چاندی کے۔ اس کا شکم اور اس کی رانیں تانبے کی تھیں۔ اُس کی ٹانگیں لوہے کی اور اس کے پاؤں کچھ لوہے کے اور کچھ مٹی کے تھے۔ تو اسے دیکھتا رہا یہاں تک کہ ایک پتھر ہاتھ لگائے بغیر ہی کاٹا گیا اور اس مورت کے پاؤں پر جو لوہے اور مٹی کے تھے لگا اور ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ تب لوہا اور مٹی اور تانبا اور چاندی اور سونا ٹکڑے ٹکڑے کیے گئے اور تابستانی کھلیہان (کھلیان) کے بھوسے کی مانند ہوئے اور ہوا ان کو اڑا لے گئی یہاں تک کہ ان کا پتہ نہ ملا اور وہ پتھر جس نے اس مورت کو توڑا ایک بڑا پہاڑ بن گیا اور تمام زمین میں پھیل گیا۔

وہ خواب یہ ہے اور اس کی تعبیر بادشاہ کے حضور بیان کرتا ہوں۔ اے بادشاہ! تو شہنشاہ ہے جس کو آسمان کے خدا نے بادشاہی و توانائی اور قدرت و شوکت بخشی ہے۔ اور جہاں کہیں بنی آدم سکونت کرتے ہیں اس نے میدان کے چرندے اور ہوا کے پرندے تیرے حوالہ کر کے تجھ کو ان سب کا حاکم بنایا ہے۔ وہ سونے کا سر تو ہی ہے۔ اور تیرے بعد ایک اور سلطنت برپا ہوگی جو تجھ سے چھوٹی ہوگی اور اس کے بعد ایک اور سلطنت تانبے کی جو تمام زمین پر حکومت کرے گی اور چوتھی سلطنت لوہے کی مانند مضبوط ہوگی اور جس طرح لوہا توڑ ڈالتا ہے اور سب چیزوں پر غالب آتا ہے ہاں جس طرح لوہا سب چیزوں کو ٹکڑے ٹکڑے کرتا اور کچلتا ہے اسی طرح وہ ٹکڑے ٹکڑے کرے گی اور کچل ڈالے گی۔ اور جو تو نے دیکھا کہ اس کے پاؤں اور انگلیاں کچھ تو کمہار کی مٹی کی اور کچھ لوہے کی تھیں سو اس سلطنت میں تفرقہ ہوگا۔"[1]

ابدی سلطنت کی بشارت

دانی ایل نے مزید کہا:

"اور ان بادشاہوں کے ایام میں آسمان کا خدا ایک سلطنت برپا کرے گا جو تا ابد نیست نہ ہوگی اور اس کی حکومت کسی دوسری قوم کے حوالہ نہ کی جائے گی بلکہ وہ ان تمام مملکتوں کو ٹکڑے ٹکڑے اور نیست کرے گی اور وہی ابد تک قائم رہے گی۔ جیسا تو نے دیکھا کہ وہ پتھر ہاتھ لگائے بغیر ہی پہاڑ سے کاٹا گیا اور اس نے لوہے اور تانبے اور مٹی اور چاندی اور سونے کو ٹکڑے ٹکڑے کیا۔ خدا تعالیٰ نے بادشاہ

[1] کتاب مقدس (دانی ایل) 2:31-41.

کو وہ کچھ دکھایا جو آگے کو ہونے والا ہے اور یہ خواب یقینی ہے اور اس کی تعبیر یقینی۔

تب نبوکدنضر بادشاہ نے منہ کے بل گر کر دانی ایل کو سجدہ کیا اور حکم دیا کہ اسے ہدیہ دیں اور اس کے سامنے بخور جلائیں۔ بادشاہ نے دانی ایل سے کہا: فی الحقیقت تیرا خدا معبودوں کا معبود اور بادشاہوں کا خداوند اور بھیدوں کا کھولنے والا ہے کیونکہ تو اس راز کو کھول سکا۔''[1]

یہاں یہ بات یاد رہنی چاہیے کہ گزشتہ شریعتوں میں سجدۂ تعظیمی جائز تھا جیسا کہ قرآن میں ہے کہ سیدنا یوسف علیہ السلام کے والدین اور بھائیوں نے انھیں سجدہ کیا تھا (یوسف 100:12) مگر شریعتِ اسلامیہ نے اسے روا نہیں رکھا اور ممنوع قرار دیا۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

«لَا يَصْلُحُ لِبَشَرٍ أَنْ يَسْجُدَ لِبَشَرٍ، وَلَوْ صَلَحَ لِبَشَرٍ أَنْ يَسْجُدَ لِبَشَرٍ لَأَمَرْتُ الْمَرْأَةَ أَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا مِنْ عِظَمِ حَقِّهِ عَلَيْهَا»

''کسی انسان کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی انسان کو سجدہ کرے۔ اگر کسی انسان کے لیے کسی انسان کو سجدہ کرنا ٹھیک ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے، کیونکہ خاوند کا اس پر بہت بڑا حق ہے۔''[2]

دانیال کی پیش گوئی مندرجہ ذیل ہے:

1 ''آسمان کا خدا ایک سلطنت برپا کرے گا جو تا ابد نیست نہ ہوگی'': اس پیش گوئی کے مطابق آخری نبی ﷺ کے ذریعے اللہ کے دین کی تکمیل ہوئی اور اسلام کی خلافت وسلطنت قائم ہوئی جو پچھلے ڈیڑھ ہزار سال سے چلی آرہی ہے اور تا ابد فروغ پائے گی لیکن مسیحی مصنفین اسے تسلیم کرنے کے بجائے اس پیش گوئی کی مختلف تاویلیں کرتے ہیں جبکہ مسیح علیہ السلام کے سوا تین سو سال بعد تک عیسائیوں کی کوئی سلطنت قائم نہ ہو سکی۔ خود یسوع (عیسیٰ علیہ السلام) نے لوگوں کو بتایا کہ ''میں اپنے باپ (رب) کے پاس جا رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ تمھیں دوسرا مددگار بخشے گا جو ابد تک تمھارے ساتھ رہے گا۔''[3] اس قول کے بعد اب یسوع کی بات کو صحیح مانا جائے یا بائبل کے شارحین کی بات کو؟

2 ''بلکہ وہ ان تمام مملکتوں کو ٹکڑے ٹکڑے اور نیست کرے گی......'': اس پیش گوئی کے مصداق مسلمانوں نے اپنے عہد کی بڑی بڑی مملکتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے جبکہ یسوع (علیہ السلام) بار بار کہتے رہے کہ ''میری بادشاہی اس دنیا کی نہیں۔''[4] پیش گوئی میں لوہے کی دو ٹانگوں سے مراد مشرقی اور مغربی شاخوں میں بٹی رومی سلطنت تھی جس میں بظاہر

[1] کتاب مقدس (دانی ایل) 2:44-47. [2] مسند احمد: 159,158/3. [3] دیکھیے: کتاب مقدس (یوحنا) 16:14 و 7:16. [4] دیکھیے: کتاب مقدس (یوحنا) 36:18.

لوہے کی سی مضبوطی تھی مگر وہ ایک نئی طاقت، یعنی آخری نبی حضرت محمد ﷺ کے دین اسلام کی قوت کے آگے ڈھیر ہوجانے والی تھی۔ شارحین بائبل کھینچ تان کر ''خدا کی بادشاہت'' کو مسیح کی بادشاہت پر منطبق کرتے ہیں، حالانکہ اس سے مراد نبی ﷺ کی بعثت اور اسلام کی سلطنت ہے۔ دین اسلام کی پیش رفت نے روم و فارس کی عظیم الشان سلطنتیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیں اور اس خطے میں اسلام کو مستقل غلبہ حاصل ہوگیا۔

سب سے سچا مشہور ترین خواب

بخت نصر نے جو خواب دیکھا اور دانیال علیہ السلام کو خواب میں اس کی جو تعبیر بتائی گئی، اس کے حوالے سے شیخ سفرالحوالی لکھتے ہیں: اس خواب کا ہمیشہ یہ وصف بیان کیا گیا ہے کہ اہل کتاب کے صحیفوں میں تاریخ کی بابت پایا جانے والا یہ سب سے سچا مشہور ترین خواب ہے۔ اہل کتاب کئی صدیوں تک اس خواب اور اس کی تعبیر کو مانتے رہے۔ اس دوران میں ان کو اس پر شک نہ ہوا کہ یہ پیش گوئی اپنے ظاہر ہی پر محمول ہونی چاہیے اور یہ کہ اس پیش گوئی میں مذکور پہلی مملکت (سونے کا سر) بابل کی کلدانی سلطنت ہے اور دوسری مملکت (چاندی کا سینہ) فارس کی ہخامنشی سلطنت ہے جو بابلی سلطنت کے بعد قائم ہوئی اور عراق، شام اور مصر تک اس کا سکہ چلتا رہا اور تیسری مملکت (تانبے کی رانیں) سلطنتِ یونان ہے جس نے سکندر مقدونی کی بادشاہت (336 ق م تا 323 ق م) میں سلطنت فارس کو روند ڈالا اور چوتھی مملکت (ٹانگیں لوہے کی اور پاؤں کچھ لوہے اور کچھ مٹی کے) سلطنت روما (Roman Empire) ہے جو بعد ازاں دو حصوں میں بٹ گئی: ایک مضبوط مشرقی سلطنت جس کا پایۂ تخت بیزنطیم (قسطنطنیہ) تھا (جو 1453ء میں عثمانی ترکوں کے ہاتھوں ختم ہوئی۔) دوسری کمزور مغربی سلطنت جس کا پایۂ تخت روم (اٹلی) تھا (جو 476ء میں جرمانک حملہ آور اوڈوکر کے ہاتھوں تباہ ہوئی۔)



ہخامنشی حکمران خشیارشاہ کا سکہ



مقدونی سلطنت کا شاہی نشان



رومی حکمران قسطنطین اعظم کا سکہ

''امن کے بادشاہ'' کا انتظار

اہل کتاب اس خواب پر اس قدر گہرا ایمان رکھتے تھے کہ وہ بڑی بے تابی سے پانچویں مملکت (''خدائی سلطنت'')

کا انتظار کر رہے تھے جو شرک، کفر اور ظلم کی سلطنتوں کو تہ و بالا کر کے رکھ دے گی۔ ان کی بے صبری خاص طور پر اس لیے بھی تھی کہ اس چوتھی سلطنت، یعنی سلطنتِ روم نے اہل کتاب پر بے انتہا ظلم ڈھائے تھے۔ اسی نے 70ء میں بیت المقدس اور ہیکل سلیمانی کو برباد کیا اور یہود کو ذلیل و خوار کر کے دیس نکالا دیا تھا، پھر یہ رومی ان عیسائیوں کو تین صدیوں تک ظلم و اذیت کی چکی میں پیستے رہے یہاں تک کہ رومی حکمران قسطنطین نے تحریف شدہ عیسائیت قبول کرنے کا اعلان کیا مگر وہ ظلم جو یہود اور نصاریٰ کے موحد طبقوں اور رومیوں کے مخالف سب فرقوں پر روا رکھا جاتا تھا، وہ بدستور جاری رہا۔

اہل کتاب یقینی طور پر جانتے تھے کہ وہ پانچویں سلطنت نبی آخر الزمان ﷺ کے ہاتھوں قائم ہوگی، اُسے یہ ارکون السلام (امن کا بادشاہ) کہتے تھے، اس کے بارے میں یہ بھی جانتے تھے کہ اس کے کندھے پر نبوت کی مہر ہوگی۔ انھیں معلوم تھا کہ تمام انبیائے کرام اُس کی آمد کی بشارت دے کر گئے ہیں، یہاں تک کہ اہل کتاب میں سے جن علماء کو ہدایت نصیب ہوئی، انھوں نے صرف ایک یسعیاہ نبی ہی کے صحیفے سے آپ ﷺ کی بابت تیس بشارتیں اکٹھی کیں۔

اور پانچویں سلطنت قائم ہوگئی



عہد صدیقی و فاروقی میں شام و فلسطین کی فتح

اہل کتاب بہت سی تاریخی اور واقعاتی نشانیوں سے بھی یہ جانتے تھے کہ اس آخری نبی کی آمد قریب آگئی ہے۔ وہ ان نشانیوں کی تاک میں لگے رہتے تھے یہاں تک کہ وہ دن آگیا جب ان کے قیصر ہرقل نے جو بذاتِ خود بہت عبادت گزار اور اپنے دین کا عالم تھا، یہ اعلان کیا: قَدْ ظَهَرَ مَلِكُ أُمَّةِ الْخِتَانِ. ''ختنہ کرانے والی امت کے بادشاہ کا ظہور ہوگیا ہے۔'' اُسے آپ ﷺ کی بابت یقین ہوگیا تھا اور یہ شہادت اس نے کفارِ مکہ کے سربراہ (ابوسفیان) کے منہ پر دے دی تھی کہ ''جہاں میں پیر رکھ کر کھڑا ہوں، اس کی بادشاہت یہاں تک آپہنچے گی۔''[1]

اور واقعتاً یہ ''پانچویں مملکت'' یا ''خدائی سلطنت'' قائم ہوئی اور ہرقل کے پیروں کی جگہ (شام و فلسطین) کی مالک

[1] صحيح البخاري: 7.

بن کر رہی۔ ہرقل کو شام چھوڑنا پڑا اور بوقتِ رخصت اس کے یہ الفاظ تاریخ کا حصہ بن گئے: سَلَامٌ عَلَيْكَ يَا سُورِيَةُ، سَلَامٌ لَا لِقَاءَ بَعْدَهُ ''الوداع، اے سرزمینِ شام! الوداع، اب تجھ سے کبھی ملاقات نہیں ہوگی۔''[1]

یہ ''خدائی مملکت'' بُت پرست تہذیبوں اور سلطنتوں کو روندتی ہوئی رُوئے زمین پر ہرطرف بڑھتی چلی گئی۔ یہ اس وقت کی آباد زمین کے ایک بڑے حصے پر حکمران ہوئی اور بنی نوع انسان کو توحید اور امن و انصاف کا پیغام دیتی رہی۔

یہاں آ کر اس ''پانچویں سلطنت'' کی تفسیر پر اہل کتاب میں بہت زیادہ اختلاف ہوگیا اور وہ تفرقے میں پڑ گئے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝﴾

''اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی انھوں نے اپنے پاس روشن دلیل آجانے کے بعد تفرقہ کیا۔''[2]

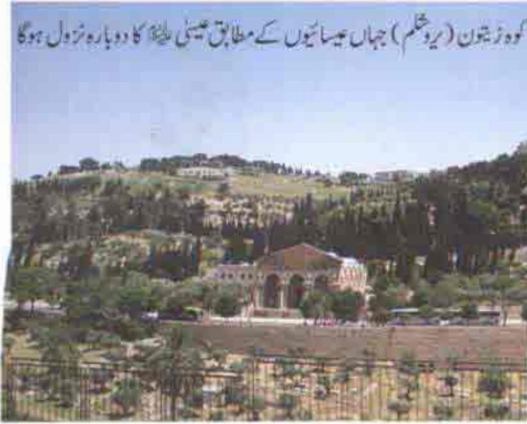
سلطنتِ اسلام کو تسلیم کرنے سے یہود و نصاریٰ کا گریز

اہلِ کتاب میں سے کچھ ایسے ہوئے جو ایمان لائے اور ہدایت پا گئے۔ یہ بھی کوئی کم تعداد میں نہیں تھے۔ کچھ ایسے ہوئے جو گریز و فرار اور انکار کر گئے اور اپنے کفر و انکار کی توجیہ کرتے کرتے اتنے گروہوں میں بٹ گئے جو حدِّ شمار سے باہر ہیں۔

اس سے پہلے ان میں اس پر کوئی اختلاف نہ تھا کہ دانیال علیہ السلام کی پیش گوئی میں مذکور ''چوتھی سلطنت'' دراصل سلطنتِ روما ہے مگر اب وہ اس تعبیر کو بدلنے لگے، اس کے رومی سلطنت پر منطبق ہونے کی حقیقت سے انکار کرنے لگے اور اِسے عمداً مؤخر کرنے کے درپے ہوگئے تاکہ کسی طرح اس آخری (خدائی) مملکت کا صاف صاف اقرار کرنے سے بچ جائیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے اس صدیوں پر محیط دورِ اقتدار کو اس پیش گوئی کے ذیل میں آنے سے روک دیں۔

خواب پر مبنی دانیال کی یہ پیش گوئی کفر کی سلطنتوں کی معنی خیز انداز میں تصویر کشی کرتی ہے۔ یہ سب سلطنتیں ایک معبودِ حقیقی کو چھوڑ کر اپنے تراشے ہوئے بتوں اور مورتیوں کو پوجتی رہیں، چنانچہ پیش گوئی پر مبنی اس خواب میں ان سب تہذیبوں اور سلطنتوں کو ایک مورت بتایا گیا ہے۔ کوئی اس مورت کا سر ہے، کوئی اس کا سینہ ہے، کوئی اس کی ران ہے، کوئی اس کی ٹانگیں ہیں اور کچھ اس کے پاؤں کی انگلیاں ہیں۔ یہ ایک بت ہے جو شرک کی مجسم شکل پیش کرتا ہے تاکہ اس کے بالمقابل دوسری طرف کی تصویر واضح ہوجائے۔ یہ ایک پتھر ہے جو اس مورت کو توڑتا ہے اور پھر اس کی جگہ لے کر ایک پہاڑ کی صورت میں پوری زمین پر اپنا وجود گاڑتا ہے اور ہمیشہ کے لیے ناقابلِ تسخیر ہو جاتا ہے۔

[1] معجم البلدان، مادة: سورية. [2] البينة 98:4.


کوہ زیتون (یروشلم) جہاں عیسائیوں کے مطابق عیسیٰ علیہ السلام کا دوبارہ نزول ہوگا

یہود اور نصاریٰ نے اپنے مخصوص مقاصد کے لیے پیش گوئی میں مذکور اس پہاڑ کو وہ ملینیم (Millennium) قرار دیا جس میں عیسائی عقیدے کے مطابق مسیح علیہ السلام کا دوبارہ نزول ہونا ہے یا پھر یہودی عقیدے کے مطابق اس پہاڑ کو داؤدی سلطنتِ عظمیٰ ٹھہرایا جس کی قیادت مسیح الیہود جلد آ کر کرے گا۔ انھوں نے یہ رائے اختیار کی کہ دانیال علیہ السلام کی پیش گوئی میں دراصل کوئی چیز ذکر ہونے سے رہ گئی ہے اور اسے ڈھونڈ کر مورت کی ٹانگوں اور پیروں کے درمیان فٹ کر دیا۔ اب دیکھیے اس مورت کے سر (سلطنتِ بابل) سے لے کر اس کی ٹانگوں (سلطنتِ روما) تک آنے میں تو تاریخ کے صرف چھ سو سال لگتے ہیں مگر وہ فاصلہ جو یہ اپنی طرف سے مورت کی ٹانگوں اور پیروں کے درمیان فرض کر رہے ہیں، دو ہزار سال کا بنتا ہے جو دو ہزار سال گزر جانے کے بعد بھی ختم نہیں ہوا۔ یہ بدستور بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے اور قیامت تک بڑھتا چلا جائے گا۔[1]

چار حیوانوں کے خواب سے لیے گئے کل پرزے

تاریخ کے تسلسل میں رہ جانے والا یہ خلا پُر کرنے کے لیے انھیں ایک اور مُورت سے ''کل پرزے'' چُرانے پڑے۔ صحیفۂ دانیال کے ساتویں باب میں ایک خواب ہے جو شیر ببر، ریچھ، تیندوے اور ایک چوتھے ہیبت ناک حیوان کے بارے میں ہے۔ انھوں نے وہاں سے چوتھا جانور چرایا اور پہلے خواب کی مورت کے ٹخنوں میں فٹ کر دیا، حالانکہ اس چوتھے حیوان کے بارے میں صاف لکھا ہے:

> ''کیا دیکھتا ہوں کہ چوتھا حیوان ہولناک اور ہیبت ناک اور نہایت زبردست ہے اور اس کے دانت لوہے کے اور بڑے بڑے تھے۔ وہ نگل جاتا اور ٹکڑے ٹکڑے کرتا تھا اور جو کچھ باقی بچتا اس کو پاؤں سے لتاڑتا تھا اور یہ ان سب پہلے حیوانوں سے مختلف تھا اور اس کے دس سینگ تھے۔ میں نے ان سینگوں پر غور سے نظر کی اور کیا دیکھتا ہوں کہ ان کے درمیان سے ایک اور چھوٹا سا سینگ نکلا جس کے آگے پہلوں میں سے تین سینگ جڑ سے اکھاڑے گئے اور کیا دیکھتا ہوں کہ اس سینگ میں انسان کی سی

[1] روزِ غضب از ڈاکٹر سفر الحوالی / حامد کمال الدین، ص: 106-111.

آنکھیں ہیں اور ایک منہ ہے جس سے گھمنڈ (کفر والحاد) کی باتیں نکلتی ہیں۔"[1]

یہاں یہ بات خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کہ روم کو ہمارے نبی ﷺ نے "ذات قرون" کہا ہے، یعنی روم کے بہت سے سینگ ہوں گے، چنانچہ حدیث میں آتا ہے:

«فَارِسُ نَطْحَةٌ أَوْ نَطْحَتَانِ ثُمَّ لَا فَارِسَ بَعْدَهَا أَبَدًا وَ الرُّومُ ذَاتُ الْقُرُونِ أَصْحَابُ بَحْرٍ وَّصَخْرٍ كُلَّمَا ذَهَبَ قَرْنٌ خَلَفَ قَرْنٌ آخَرُ»

"فارس بس ایک یا دو ٹکر کی مار ہے، پھر اس کے بعد فارس کا نام و نشان مٹ جائے گا، البتہ روم کے بہت سینگ ہوں گے۔ یہ سمندر اور پتھر والے ہیں۔ جب اس کا ایک سینگ تباہ ہوگا تو اس کی جگہ دوسرا سینگ ابھر آئے گا۔"[2]

دوسری بات یہ کہ روم (اہلِ مغرب) کے ساتھ ہماری جیت ہار چلتی رہے گی تا آنکہ آخری دور میں روم مکمل طور پر مفتوح ہوگا تب عیسیٰ علیہ السلام کا نزول بھی ہوجائے گا۔ ایسا بالفعل کب ہوگا؟ اس کا یقینی علم صرف اللہ کے پاس ہے۔ ہوسکتا ہے دوسری پیش گوئی میں سینگوں کی مذکورہ تعداد 'دس' کوئی خاص مفہوم نہ رکھتی ہو بلکہ یہ محض رمز ہو (اور بہت زیادہ تعداد کے لیے دس کا لفظ بولا گیا ہو)۔ اہلِ کتاب کے ہاں کتاب مقدس کی تفسیر میں ایک باقاعدہ مذہب پایا جاتا ہے کہ اعداد کو ظاہری معنی میں نہ لیا جائے بلکہ ان کو رموز پر محمول کیا جائے ...... یہ توجیہ بھی اس صورت میں ہوگی اگر ہم اس امکان کو خارج کر دیں کہ پیش گوئی کے متن میں کوئی تحریف یا اضافہ نہیں کیا گیا۔

دانیال کی دوسری پیش گوئی

دانی ایل (دانیال) نبی نے اپنے اس خواب کے سلسلے میں بتایا:

"میں دیکھ ہی رہا تھا کہ اس سینگ کی گھمنڈ کی باتوں کی آواز کے سبب سے میرے دیکھتے ہوئے وہ حیوان مارا گیا اور اس کا بدن ہلاک کر کے شعلہ زن آگ میں ڈالا گیا۔ اور باقی حیوانوں کی سلطنت بھی ان سے لے لی گئی لیکن وہ ایک زمانہ اور ایک دور زندہ رہے۔ میں نے رات کو رؤیا (خواب) میں دیکھا اور کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص آدم زاد کی مانند آسمان کے بادلوں کے ساتھ آیا اور قدیم الایام (اللہ) تک پہنچا۔ وہ (فرشتے) اُسے اُس کے حضور لائے۔ اور سلطنت اور حشمت اور مملکت اُسے دی گئی

[1] کتاب مقدس (دانی ایل) 7:7،8. [2] المصنف لابن أبي شيبة: 4/212، بغية الباحث عن زوائد مسند الحارث: 2/713، الفتن لنعيم بن حماد، ص:331.

تا کہ سب لوگ اور اُمتیں اور اہل لغت اُس کی خدمت گزاری کریں۔ اُس کی سلطنت ابدی سلطنت ہے جو جاتی نہ رہے گی اور اُس کی مملکت لازوال ہوگی۔''[1]

1 ''سب لوگ اور اُمتیں اور اہل لغت اُس کی خدمت گزاری کریں'': بائبل کے شارحین کا خیال ہے کہ یہ پیش گوئی بھی ان کی مفروضہ ''خدا کی بادشاہی'' کے بارے میں ہے اور اُن کے نزدیک اس میں بیان کردہ شخص یسوع ہیں۔[2] لیکن بائبل کی رو سے یسوع (عیسیٰ علیہ السلام) اس کے مصداق نہیں بنتے کیونکہ اس میں سب اُمتوں اور اہل لغت (مختلف زبانیں بولنے والوں) کی خدمت گزاری کا ذکر ہے جبکہ عیسیٰ علیہ السلام تو سب لوگوں اور اُمتوں کی طرف بھیجے ہی نہیں گئے۔[3]

اس کے برعکس رسول اللہ ﷺ کو تمام بنی نوع انسان کی طرف بھیجا گیا ہے جیسا کہ ''زبور کی پہلی پیش گوئی'' میں قرآنی آیات اور حدیث نبوی کی روشنی میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ ادھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام صرف بنی اسرائیل کی ہدایت کے لیے مبعوث ہوئے تھے، اس لیے ان کا تذکرہ کرتے ہوئے قرآنِ کریم میں فرمایا گیا ہے:

﴿ وَ اِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ﴾

''اور وہ وقت بھی یاد کرو جب مریم کے بیٹے عیسیٰ نے کہا کہ اے بنی اسرائیل! میں تمھارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں۔''[4]

یعنی اے بنی اسرائیل! مجھے صرف تمھارے ہی لیے رسول بنا کر بھیجا گیا ہے، ساری دنیا کے لیے نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انجیل آج بھی جس صورت میں موجود ہے، وہ احکام و مسائل، شریعت، قوانین اور ان کی دفعات سے بالکل خالی ہے، جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ احکام و مسائل، شریعت اور قانون کے لیے اس کے بعد کسی اور کتاب اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد لامحالہ کسی اور رسول کی ضرورت تھی، اسی لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے بعد ایک رسول آئے گا۔ انجیل برناباس میں یہ پیش گوئیاں بہت صاف اور واضح الفاظ میں موجود ہیں، اور انجیل یوحنا (14:16 و 26:15 و 7:16) میں بھی یہ پیش گوئیاں درج ہیں۔

2 ''اس کی سلطنت ابدی سلطنت ہے جو جاتی نہ رہے گی اور اس کی مملکت لازوال ہوگی'': اس پر بحث دانیال کی پہلی پیش گوئی میں گزر چکی ہے۔

---

1 کتاب مقدس (دانی ایل) 14,11:7.

2 Life Application Study Bible, P: 1279 & 1268.

3 ملاحظہ ہو: کتاب مقدس (متی) 15:21-24 و 6,5:10. 4 الصّف 6:61.

حضرت دانیال علیہ السلام کی دوسری پیش گوئی کے سلسلے میں شیخ سفرالحوالی لکھتے ہیں: دانیال (علیہ السلام) کی اپنی ہی روایت نے یہ واضح کیا ہے کہ وہ چوتھا حیوان چوتھی مملکت ہے جو زمین پر اقتدار پائے گی۔ یہ باقی تینوں مملکتوں سے مختلف ہوگی، زمین کے وسائل کو کھائے گی بھی اور پاؤں سے لتاڑے گی بھی۔ اسی روایت میں آگے چل کر اس کے دس سینگوں کی تفسیر دس بادشاہوں کی صورت میں ہوتی ہے، چنانچہ دانیال کے الفاظ ہیں:

''اور وہ دس سینگ دس بادشاہ ہیں جو اس سلطنت میں برپا ہوں گے اور ان کے بعد ایک اور برپا ہوگا اور وہ پہلوں سے مختلف ہوگا اور تین بادشاہوں کو زیر کرے گا اور وہ حق تعالیٰ کے خلاف باتیں کرے گا۔''[1]

صحیفہ دانیال باب ہفتم کی اگلی آیت (27) میں ہے کہ اس حیوان کا اقتدار آخر کار ''حق تعالیٰ کے قدوسوں'' (مسلمانوں) کے ہاتھوں ختم ہوگا جن کی ایسی مملکت قائم ہوگی جو صفحۂ ہستی سے کبھی روپوش نہ ہوگی۔

اب چونکہ اس پیش گوئی میں چوتھے حیوان کے لوہے کے دانت ہیں اور پہلی پیش گوئی میں جس چوتھی مملکت کا ذکر ہوا تھا (پیر اور ٹانگیں) وہ لوہے کی بیان کی گئی تھی ...... سو اس سے شارحینِ بائبل نے یہ نتیجہ نکالا کہ چوتھی مملکت چوتھا حیوان تو ہے مگر یہاں رمزی طور پر یورپ کا ذکر ہوا ہے جس کی دس قومی ریاستیں ہوں گی اور جس کے آگے ...... نزول مسیح سے پیشتر ...... پوری دنیا سرنگوں ہوگی! اب اس تفسیر کی رو سے پانچویں مملکت ان کا مفروضہ 'ہزار سالہ دورِ خوش بختی' (مقدس ملینیم) قرار پائے گی جس میں مسیح علیہ السلام کا نزول ہوگا۔ اس رائے کا بطلان بہت واضح ہے:

- چوتھے حیوان کی اگر یہی تعبیر ہے تو آخر پہلے تین حیوانوں کی آپ کیا تعبیر کریں گے؟ یہ بھی ذہن میں رہے کہ اس کی جو بھی تعبیر کریں، وہ دانیال کی اپنی تفسیر سے متصادم ہونے کی صورت میں صحیح نہیں ہوسکتی جو صحیفۂ دانیال میں ان کی اپنی زبان سے کر دی گئی ہے۔ آخر یہ کیسے ممکن ہے کہ پے در پے کی تین قدیم سلطنتیں (بابل، فارس، یونان) آپ مورت والی پیش گوئی سے لیں اور صرف ایک چوتھی سلطنت کے لیے حیوانات والی پیش گوئی لے کر اس سے جدید یورپ کو ثابت کر دیں۔
- دوسری پیش گوئی کے چاروں حیوان سمندر (بحرمحیط یا بحر اوقیانوس) سے نمودار ہوتے ہیں۔ جبکہ پہلی پیش گوئی کی چاروں سلطنتیں مشرق میں قائم ہوتی ہیں اور پانچویں (اسلامی سلطنت) بھی اسی خطے میں قائم ہوتی ہے جو مشرق سے مغرب تک ہر طرف پھیل جاتی ہے یہاں تک کہ عثمانی ترکوں کے دور میں وسطی یورپ تک چلی جاتی ہے اور پورا جنوب مشرقی یورپ اس کے زیر نگیں آجاتا ہے۔

[1] کتاب مقدس (صحیفہ دانی ایل) 25،24:7.

■ دوسری پیش گوئی کے تینوں حیوانات پر چوتھا حیوان غالب ضرور آجاتا ہے مگر وہ تین حیوان بدستور باقی رہتے ہیں۔ مگر پہلی پیش گوئی کی تینوں سلطنتیں یکے بعد دیگرے ایک دوسرے پر غالب آتی اور پھر ختم ہو جاتی ہیں۔

بائبل کے اسلوب میں دس بادشاہوں سے ان کی کثرت مراد ہے جیسا کہ انگریزی بائبل میں دس سینگوں کو ''سلطنت کی عملداری کے بکثرت علاقوں پر محیط ہونے کا اشارہ'' بتایا گیا ہے۔[1] چنانچہ رومی سلطنت کے قیام سے لے کر عہد نبوی کے قیصر ہرقل تک 70 کے لگ بھگ حکمران ہوئے اور پھر بازنطینی رومی سلطنت کے خاتمے (857ھ/1453ء) تک بہت سے اور بادشاہ گزرے۔ یوحنا عارف کے مکاشفے میں بھی بتایا گیا ہے: ''دس سینگ محض علامتی ہیں اور ان سے مراد سیاسی اقتدار کی کلّیت ہے۔''[2]

دس بادشاہ عہدِ نپولین کے یا یورپی یونین؟

اس بنا پر غالب آنے والے جانور کے دس سینگوں کی یہ تفسیر کہ یہ نپولین دور کے یورپی اتحاد کی دس ریاستیں ہیں (جیسا کہ T.B.Bates کہتا ہے) یا یہ کہ یہ آج کا یورپی اتحاد (EU) ہے، جیسا کہ ہمارے بعض معاصرین کا خیال ہے، کسی طور درست نہیں۔ اکیلا امریکہ ان سے کہیں زیادہ طاقتور ہے، پھر یورپی اتحاد اب دس ممالک پر مشتمل نہیں بلکہ اس میں شامل یورپی ملکوں کی تعداد پچیس ہوگئی ہے۔

صحیفۂ دانیال کی دوسری پیش گوئی میں چونکا دینے والی بات ایک چھوٹے سے سینگ کا ذکر ہے جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ الحاد اور کفر بکے گا۔ اہلِ کتاب کے ایک گروہ کا کہنا ہے کہ اس سے مراد اسلامی مملکت ہے اور ''کفر والحاد بکنے'' سے مراد مسلمانوں کا مسیح کی الوہیت ماننے سے انکار ہے۔ اسلام کا نصف کرۂ ارض اور صدیوں پر

[1] NIV Study Bible, p: 1331. [2] NIV Study Bible, p: 1985.



محیط اقتدار (جو درحقیقت پہلی پیش گوئی کی رو سے پانچویں مملکت بنتی ہے) بھلا ایک ''چھوٹا سا'' سینگ کیسے کہلا سکتا ہے، وہ بھی کہیں چار حیوانوں میں سے چوتھے کے سر پر، اس طرح کہ اس حیوان کے سر پر اس سے کہیں بڑے بڑے دس سینگ اور بھی ہیں اور یہ ان کے مقابلے میں چھوٹا سا سینگ ہے۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ امت اسلامیہ جس میں عرب، فارس، ترک، بربر، حبش، ہند اور تاتار وغیرہ ممالک اور اقوام شامل رہیں، وہ سب کی سب مل کر روم کا ایک سینگ بنیں اور وہ بھی ایک چھوٹا سا سینگ۔[1]

ان میں سے ایک گروہ نے یہ رائے اختیار کی کہ یہ ''چھوٹا سینگ'' دراصل وہ درندہ ہے جو یوحنا عارف کے مکاشفے میں پایا جاتا ہے اور جس میں لکھا ہے:

> ''اور میں نے ایک حیوان کو سمندر سے نکلتے دیکھا۔ اس کے دس سینگ اور سات سر تھے اور اس کے سینگوں پر دس تاج اور اس کے سروں پر کفر کے نام لکھے ہوئے تھے (کفر والحاد رقم تھا۔) اور جو حیوان میں نے دیکھا اس کی شکل تیندوے کی سی تھی اور پاؤں ریچھ کے سے اور منہ ببر کا سا۔''[2]

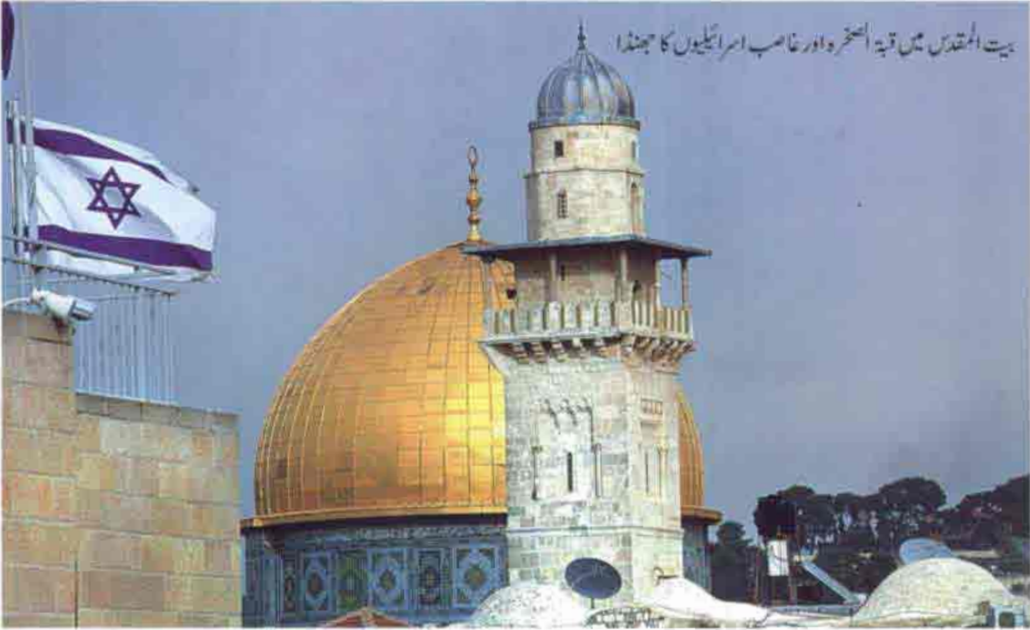
دانیال کی پیش گوئی میں اسرائیل کا تذکرہ

بائبل کا مفسر بیٹس (Bates) جو اسرائیل کے قیام سے بہت پہلے وفات پا گیا، یہ موقف اختیار کرتا ہے کہ ''یوحنا عارف کے مکاشفے میں مذکور ''درندہ'' اور دانیال کے صحیفے میں مذکور ''چھوٹا سینگ'' ایک ہی چیز ہے (جبکہ یوحنا کے مکاشفے میں ایک نہیں دو جانوروں کا ذکر آتا ہے) اور اس سے مراد وہ نئی شکل ہے جو سلطنت روما نزول مسیح علیہ السلام سے پہلے اختیار کرے گی اور دنیا کو حیران کر دے گی۔'' تب مسیح علیہ السلام...... بیٹس کے بقول ...... وہ آخری مملکت قائم کریں گے جو ابدی ہوگی۔ بیٹس کے نزدیک ''مکاشفۂ یوحنا کا درندہ یروشلیم میں ہوگا اور بنی اسرائیل سے تعلق رکھتا ہوگا مگر نہ تو اس کو یہوواہ (خدا) کا کوئی پاس ہوگا نہ مسایا (مسیح موعود منتظر) کا، نیز اس درندے کا عالمی قوت کے مرکز سلطنتِ روما سے اتحاد ہوگا اور اس درندے کی حکومت ملحد اور مغربی طرز کی ہوگی۔ مشرق کے حکمران اپنی فوجیں جمع کریں گے تاکہ درندے کی قلمرو پر حملہ آور ہوں۔ دوسری طرف درندہ مغرب کے بادشاہوں سے مل کر اپنی فوجیں جمع کرے گا اور ہر مجدون (Armageddon) یعنی آخری زمانے کی جنگوں کی طرف بڑھے گا۔''

ان اشارات کی روشنی میں اگر ہم غور کریں کہ صحیفۂ دانیال میں مذکور منحوس ''چھوٹا سینگ'' کیا ہے تو ان نتائج پر پہنچتے ہیں: 1 موجودہ اسرائیل وہ 'چھوٹا سینگ' ہے یا صحیفۂ دانیال ہی کے الفاظ میں ''بربادی کا منحوس پیش خیمہ'' جو روم

[1] روزِ غضب از ڈاکٹر سفر الحوالی/ حامد کمال الدین، ص: 113-118. [2] کتاب مقدس (یوحنا عارف کا مکاشفہ) 2,1:13.

(یورپی ومغربی اقوام) کے ہاں سے برآمد ہوا ہے جبکہ اس کے بڑے بڑے استعماری سینگ کئی اور ہیں۔ 2 ''درندہ'' یا ''دو درندے'' جو پیش گوئی میں مذکور ہیں، صہیونیت ہے جس کے دراصل دو چہرے ہیں: ایک یہودی، دوسرا نصرانی۔ 3 یہودی عموماً اور صہیونی خاص طور پر، دور حاضر میں زمین کے اندر الحاد اور فساد کے داعی بن کر اٹھے ہیں۔ بیشتر الحادی نظریات کے بانی انھی میں سے ہوئے ہیں، مثلاً: مارکس، فرائڈ، ڈارکایم، نیتشے، ایڈلر، مارکوس (Marcuse)، شیلر، برگسٹن، مارٹن بوبر وغیرہ۔ 4 بیت المقدس (یروشلم) میں رجسۃ خراب (بربادی کا منحوس


بیت المقدس میں قبۃ الصخرہ اور غاصب اسرائیلیوں کا جھنڈا

پیش خیمہ) کا قیام دراصل صہیونی یہودیوں کا بیت المقدس پر قابض ہونا اور اسے اپنا پایۂ تخت بنانا ہے۔ 5 جدید سلطنتِ روما سے مراد ریاستہائے متحدہ امریکہ ہے، یا پورا مغرب کہہ لیجیے۔ 6 مشرق سے آنے والا لشکر مسلم مجاہدین ہیں۔

بیٹس چونکہ اول و آخر مسیحی ہے اور تثلیث نے صرف ان لوگوں کا عقیدہ ہی خراب نہیں کیا بلکہ ان کی عقلوں کو بھی بری طرح متاثر کیا ہے، اس لیے وہ اپنی کتاب کے صفحہ 211 پر اپنی ہی کہی ہوئی باتیں بھول کر یہ کہنے لگتا ہے کہ یہ تین اشخاص جن کو پیش گوئیوں میں ''چھوٹا سینگ''، ''درندہ'' اور ''سلطنت کا رئیس'' کہا گیا ہے، دراصل ایک ہی شخص ہیں۔ [1]

[1] روزِ غضب از ڈاکٹر سفر الحوالی/ حامد کمال الدین، ص: 129,128.

خاتم النبیین ﷺ کی بعثت وصداقت قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ
وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ
وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ

’’قسم ہے انجیر اور زیتون کی۔ اور طور سیناء کی۔ اور اس پُر امن شہر (مکہ) کی۔‘‘

(التین 95:1-3)

خاتم النبیین ﷺ کی بعثت وصداقت قرآن کی مذکورہ آیت کی صداقت بائبل سے ہوتی ہے:

جَاءَ الرَّبُّ مِنْ سِينَاءَ وَأَشْرَقَ لَهُمْ مِنْ سَعِيرَ
وَتَلَالَا مِنْ جَبَلِ فَارَانَ

"خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر آشکارا ہوا۔ وہ کوہِ فاران سے جلوہ گر ہوا۔"

کتاب مقدس (استثنا)2:33

صحیفۂ حبقوق کی بشارت

حبقوق نام غالباً عبرانی ''حبق'' بمعنی ''بغل گیر ہونا'' یا پھر ایک اُسوری بوٹی ''حمبا قو قو'' سے مشتق ہے۔ اس کا سن ساتویں صدی ق م کے اواخر، یعنی جنگ کرکمیش (شام) کے فوراً بعد (605 ق م) کا متعین کیا جاتا ہے جب



صحیفۂ حبقوق کا قدیم صفحہ

کسدیوں (کلدانیوں) نے فرات کے کنارے خیمہ زن فرعون مصر نکو کی فوجوں کو کچلتے ہوئے مغرب کی جانب بڑھ کر یہویاکین شاہِ یہودا کو باجگزار بنالیا تھا۔[1]

حبقوق نبی نے فرمایا:

''خدا تیمان سے آیا اور قدُّوس کوہ فاران سے۔
سلاہ اُس کا جلال آسمان پر چھا گیا اور زمین اُس کی حمد سے معمور ہوگئی۔ اُس کی جگمگاہٹ نور کی مانند تھی۔ اُس کے ہاتھ سے کرنیں نکلتی تھیں اور اس میں اُس کی قدرت نہاں تھی۔ وبا اُس کے آگے آگے چلتی تھی اور آتشی تیر اس کے قدموں سے نکلتے تھے۔ وہ کھڑا ہوا اور زمین تھرا گئی۔ اس نے نگاہ کی اور قومیں پراگندہ ہوگئیں۔''[2]

1 ''خدا تیمان سے آیا اور قدُّوس کوہ فاران سے'': تیما اسماعیل (علیہ السلام) کا ایک بیٹا اور قبیلے کا بانی ہے۔[3] اسی کے نام پر تیما یا تیمان کا شہر ہے جو مدینہ منورہ اور خیبر سے تبوک اور شام جانے والی شاہراہ پر واقع

[1] قاموس الکتاب، ص: 318. [2] کتاب مقدس (حبقوق) 3:3-6. [3] دیکھیے: کتاب مقدس (پیدائش) 25:15,16.



مدینہ منورہ اور تبوک کے درمیان تیما کا شہر

ہے۔[1] یہاں تیمان کا ذکر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد کے حجاز میں آباد ہونے کے سلسلے میں آیا ہے اور بنو اسمٰعیل میں آخری نبی حضرت محمد ﷺ مبعوث ہوئے۔

وادی مکہ ہی فاران ہے

فاران مکہ ہی کا ایک نام ہے جس کا ذکر تورات میں کیا گیا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ مکہ کے پہاڑوں کا نام ہے۔[2] یہ وہی بیابان ہے جہاں اٹھارویں صدی ق م میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اہلیہ ہاجرہ اور اپنے فرزند اسماعیل علیہ السلام کو حکم ربی سے یہاں لا کر آباد کیا۔ وہاں پانی کا ایک کنواں بھی تھا جو معجزانہ طور پر وجود میں آیا تھا۔ وادی فاران کے متعلق تورات میں رقم ہے، جیسا کہ ''تورات کی دوسری پیش گوئی'' میں ذکر ہوا، کہ یہاں سے ایک نبی کا ظہور ہوگا:

''خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے اُن پر آشکارا ہوا۔ وہ کوہ فاران سے جلوہ گر ہوا۔''[3]

بائبل میں ''قدوس'' سے مراد محمد ﷺ ہیں

بائبل کے الفاظ میں ''قدوس'' سے مراد آخری نبی محمد ﷺ ہیں جو ''کوہ فاران سے آئے'' یعنی مکہ مکرمہ میں مبعوث ہوئے جبکہ آپ کے جد امجد (اللہ کے پیغمبر اسماعیل علیہ السلام) کی اولاد تیمان یا تیما میں بھی آباد رہی۔

2 ''زمین اس کی حمد سے معمور ہوگئی'': اس جملے کا مفہوم عین وہی ہے جو آخری نبی کے نام گرامی ''محمد'' کا ہے جن کی ہر دور میں حمد کی گئی اور کرۂ ارض نبی ﷺ کی تعریف و توصیف سے معمور ہوگیا جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا گیا:

﴿ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝ ﴾ ''اور ہم نے آپ کے لیے آپ کا ذکر بلند کیا۔''[4]

امام مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے معنی یہ ہیں کہ جب میرا ذکر کیا جائے گا تو ساتھ ہی آپ کا ذکر بھی کیا جائے گا، یعنی جب کوئی أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کہے گا تو وہ ساتھ ہی أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ کہے گا۔ امام قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذکر کو دنیا و آخرت میں بلند کر دیا ہے، یہی وجہ ہے کہ جب بھی کوئی خطیب، تشہد پڑھنے والا یا نماز ادا کرنے والا أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کہتا ہے تو وہ ساتھ ہی پکار اٹھتا ہے کہ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ.[5]

1 معجم البلدان، مادة: تيماء، أطلس المملكة العربية السعودية والعالم، ص: 11. 2 معجم البلدان، مادة: فاران. 3 کتاب مقدس (استثنا) 2:33. 4 ألم نشرح 4:94. 5 تفسير الطبري، ألم نشرح 4:94.

اللہ جل جلالہ نے محمد رسول اللہ ﷺ کا ذکرِ جمیل سارے عالم انسانیت میں بلند فرمایا ہے، نبی ﷺ کی پیدائش سے قبل آپ کا ذکر اس وقت بلند فرمایا جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام سے محمد ﷺ کی اتباع کا عہد لیا اور انھیں حکم دیا کہ ان پر ایمان لائیں اور آپ ﷺ کی پیدائش کے بعد آپ کی امت میں آپ کا نام اس طرح بلند فرمایا کہ اللہ کے ذکر کے ساتھ فوراً آپ ﷺ کا ذکر بھی کیا جاتا ہے۔[1]

رفع ذکر کی ایک نمایاں صورت یہ بھی ہے کہ افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں سے لے کر سوئٹزر لینڈ کی منجمد


صحرائے لیبیا میں واقع مسجد العتیق (اوجلہ)


سوئٹزر لینڈ میں ترک مسجد

فضاؤں تک چہار دانگ عالم میں روزانہ پانچ مرتبہ اذان کی نورانی ندا بلند ہوتی ہے اور پوری فضا أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کے ساتھ ہی أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ کی صدائے دلآویز سے گونج اٹھتی ہے۔

3 ''اس کے ہاتھ سے کرنیں نکلتی تھیں...... اور آتشی تیر اس کے قدموں سے نکلتے تھے'': اس میں نبی ﷺ کی

[1] تفسیر ابن کثیر، ألم نشرح 4:94.

زندگی ہی میں اسلام کے فروغ اور غلبے کی طرف اشارہ ہے۔

4 "اس نے نگاہ کی اور قومیں پراگندہ ہوگئیں": خاتم النبیین ﷺ اور آپ کے خلفائے راشدین نے جو اسلامی حکومت قائم کی، اس کے آگے اقوام و قبائل اور سلطنتیں ڈھیر اور زیر ہوتی چلی گئیں۔ فتح مکہ کے بعد پورا جزیرہ نمائے عرب نبی ﷺ کی زندگی ہی میں اسلام کے پرچم تلے آ گیا۔

ان تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ بائبل کی اس پیش گوئی کے مصداق نبی آخر الزمان محمد ﷺ کے سوا اور کوئی شخصیت نہیں۔

خاتم النبیین ﷺ کی بعثت وصداقت قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ

"بے شک (اللہ کا) پہلا گھر جو لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا وہی ہے جو مکہ میں ہے۔
وہ تمام دنیا کے لیے بڑی برکت اور ہدایت والا ہے۔"
(آل عمران 3:96)

خاتم النبیین ﷺ کی بعثت وصداقت قرآن کی مذکورہ آیت کی صداقت بائبل سے ہوتی ہے:

طُوبَى لِأُنَاسٍ عِزُّهُمْ بِكَ. طُرُقُ بَيْتِكَ
فِي قُلُوبِهِمْ. عَابِرِينَ فِي وَادِي الْبُكَاءِ
يُصَيِّرُونَهُ يَنْبُوعًا

"مبارک ہے وہ آدمی جس کی قوت تجھ سے ہے۔ جس کے دل میں صیون کی شاہراہیں ہیں۔ وہ وادی بکا سے گزر کر اسے چشموں کی جگہ بنا لیتے ہیں۔"

کتاب مقدس (زبور) 6،5:84

صحیفہ حَجّی کی بشارت

حجی، جد کا بیٹا اور یعقوب کا پوتا تھا جس کے نام سے حجیوں کا خاندان چلا۔ 537 ق م میں بابل کی اسیری سے واپسی کے بعد جن دو نبیوں کا نام پہلے آتا ہے، وہ حجی اور زکریاہ ہی ہیں۔ گمان ہے کہ حجی 520 ق م کے لگ بھگ اسیروں کے ایک نئے جتھے کے ساتھ فلسطین آئے۔[1]

THE BOOK OF HAGGAI. EXPOUNDED BY JAMES FREDERICK McCURDY

NEW YORK: CHARLES SCRIBNER'S SONS.

کتاب حجی کا سرورق (1899، نیویارک)

حجّی نبی نے بنی اسرائیل کی قید سے واپسی پر اللہ کی طرف سے بشارت دی:

”کیونکہ ربّ الافواج یوں فرماتا ہے کہ میں تھوڑی دیر میں پھر ایک بار آسمان و زمین اور بحروبر کو ہلا دوں گا۔ میں سب قوموں کو ہلادوں گا اور اُن کی مرغوب چیزیں آئیں گی ...... اس پچھلے گھر کی رونق پہلے گھر کی رونق سے زیادہ ہوگی۔ ربّ الافواج فرماتا ہے اور میں اس مکان میں سلامتی بخشوں گا۔“[2]

1 ”اُن کی مرغوب چیزیں آئیں گی“: اردو بائبل کے الفاظ ”اُن کی مرغوب چیزیں“ عبرانی زبان کے لفظ ”مَحْمَاد“ کا ترجمہ ہیں۔ عربی بائبل میں اس کا ترجمہ مُشْتَهَى الأُمَم (قوموں کی طرف سے چاہا گیا) کیا گیا۔

بائبل کے ”نئے زندہ ترجمے“ (New Living Translation) میں محماد کے معنی میں یوں تحریف کی گئی ہے:

"The treasures of all the nations" (تمام اقوام کے خزانے)

1 قاموس الکتاب، ص: 319۔ 2 کتاب مقدس (حجّی) 2:6-9۔

جبکہ بائبل کی ''نئی بین الاقوامی اشاعت'' (New International Version) میں ہے:

"The desired of all nations" [1] (تمام اقوام کا چاہا گیا)

سابق پادری عبدالاحد داؤد قدیم زبانوں کے ماہر ہیں، وہ مذکورہ بالا جملے کی اصل عبرانی عبارت کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں: ''تمام قوموں کا محماد آئے گا۔'' گویا عبرانی بائبل میں لفظ ''محماد'' آیا ہے یا ''حمدات'' جیسا کہ بعض جدید نسخوں میں لکھا ہے۔ مَحْماد کا لفظ عبرانی زبان میں ''سب سے بڑی چاہت'' یا ''جس کا بندہ سب سے زیادہ خواہش مند ہو'' کے لیے آتا ہے۔ موجودہ عبرانی میں اس کا ترجمہ: فباؤا حمدات کول ها جوییم ہے۔ [2]

عبرانی ''محماد'' عربی میں محمد (ﷺ) ہے

اگر ہم نام کا ترجمہ کیے بغیر اسے اپنی اصل حالت میں باقی رکھیں تو یہ مَحْمَاد ہے جو ''محمد'' ہی کی عبرانی شکل ہے مگر مترجمین نے اپنی مرضی کے ترجمے کر کے اس کا حلیہ بگاڑ دیا ہے۔

عبرانی بائبل کی ڈکشنری میں لفظ ''محماد'' 'מחמד' (m+h+m+d) کے یہ معنی دیے گئے ہیں: delightful یا delight (فرحت بخش)، beloved (محبوب)، object of affection or desire (چیز جس کی محبت یا خواہش ہو)، desire (خواہش یا مقصود)، goodly (خوبصورت)، lovely (پیارا)۔ اس کا مادہ 'حمد' (primary root) (h+m+d) ہے۔ [3]

عبدالستار غوری کی انگریزی کی تصنیف ''بائبل میں محمد ﷺ کا نام کے ساتھ ذکر'' میں لکھا ہے:

'מחמד' (m+h+m+d) can be pronounced either as (i) Mahmad or (ii) Muhammad. The primary root of 'מחמד' is 'חמד' (h+m+d)

''מחמד کا تلفظ ''محماد'' یا ''محمد'' کیا جا سکتا ہے۔ اس کا مادہ حمد (חמד) ہے۔'' [4]

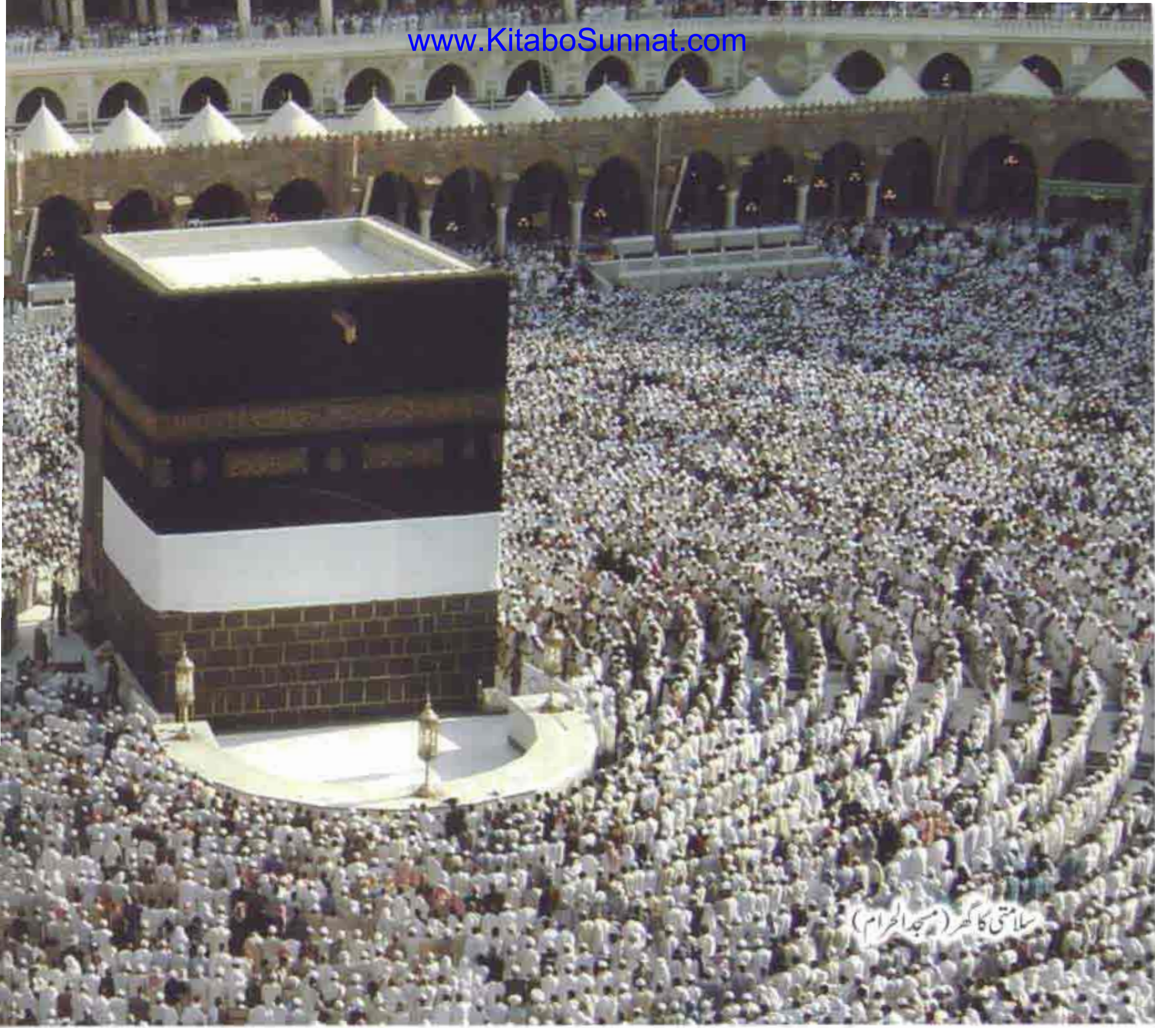
یاد رہے عبرانی دائیں سے بائیں پڑھی جاتی ہے۔

2 **''اس پچھلے گھر کی رونق پہلے گھر کی رونق سے زیادہ ہوگی'':** یہاں پہلے گھر سے مراد یروشلیم (بیت المقدس) میں واقع قبلہ (ہیکل سلیمانی یا مسجد اقصیٰ) ہے۔ 70ء میں ہیکلِ سلیمانی کی تباہی اور 2ھ/624ء میں قبلے کی تبدیلی کے بعد پچھلے گھر سے مراد خانہ کعبہ ہے۔ (مکہ مکرمہ) خانہ کعبہ اور مسجد حرام کی رونقیں اس کی شاہد ہیں۔

[1] NIV Study Bible, Haggai: 2/7.

[2] هل بشر الكتاب المقدس بمحمدﷺ؟، ص: 111.

[3] Strong's Dic. of Heb. Bible, entry 4261; pp: 40,64. [4] Muhammad Foretold in the Bible by Name, P: 122



سلامتی کا گھر (مسجد الحرام)

3 ''میں اس مکان میں سلامتی بخشوں گا'': قرآن مجید میں بھی خانہ کعبہ کی سب سے بڑی صفت یہاں کا امن بیان کی گئی ہے:

﴿وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا ۖ وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى﴾

''اور جب ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے لیے بار بار لوٹ کر آنے کی اور امن کی جگہ بنایا اور (حکم دیا کہ) تم مقام ابراہیم کو جائے نماز بناؤ۔'' [1]

عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں: لوگ اس گھر میں آئیں گے لیکن ان کا دل نہیں بھرے گا، چنانچہ وہ اپنے گھروں کو واپس جائیں گے تو دوبارہ سہ بارہ آئیں گے۔ [2]

1 البقرة 2: 125. 2 تفسير الطبري، البقرة 2:125.



﴿مَثَابَةً لِّلنَّاسِ﴾ کے معنی ہیں لوگوں کے جمع ہونے کی جگہ، یعنی اسے ایک ایسا مقام بنا دیا ہے کہ روحیں اس کے لیے اس قدر مشتاق اور بے قرار رہتی ہیں کہ وہ اس سے کبھی سیر ہی نہیں ہوتیں، چاہے ہر سال یہاں حاضری دیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کے بارے میں اپنے خلیل کی اس دعا کو بھی شرف قبولیت سے نواز دیا تھا کہ ﴿فَاجْعَلْ اَفْـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْۤ اِلَيْهِمْ﴾ ''پس تو بعض لوگوں کے دلوں کو ایسا کر دے کہ ان کی طرف جھکے رہیں۔'' [1] نیز اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کو اس قدر امن اور سکون کا گہوارہ بنا دیا کہ جو اس میں داخل ہو جائے، وہ آغوشِ امن میں آجاتا ہے، چاہے وہ کتنا ہی بڑا جرم کر کے آیا ہو، اُسے بیت اللہ کی حدود میں کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ یہی معنی ہیں صحیفہ حبقوق کی اس پیش گوئی کے کہ ''میں اس مکان میں سلامتی بخشوں گا۔''

[1] إبرٰهيم 37:14.

خاتم النبیین ﷺ کی بعثت وصداقت قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ

يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ

أَحْمَدُ

''اور ایک رسول کی بشارت دینے والا ہوں، وہ میرے بعد آئے گا، اس کا نام احمد ہوگا۔''

(الصف 6:61)

خاتم النبیین ﷺ کی بعثت وصداقت قران کی مذکورہ آیت کی صداقت بائبل سے ہوتی ہے:

لَا أَتَكَلَّمُ أَيْضًا مَعَكُمْ كَثِيرًا لِأَنَّ رَئِيسَ هَذَا الْعَالَمِ يَأْتِي
وَلَيْسَ لَهُ فِيَّ شَيْءٌ.

''(عیسیٰ علیہ السلام نے کہا) اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں۔''

کتاب مقدس (یوحنا) 30:14

وَأَمَّا الْمُعَزِّي الرُّوحُ الْقُدُسُ الَّذِي سَيُرْسِلُهُ الْآبُ بِاسْمِي
فَهُوَ يُعَلِّمُكُمْ كُلَّ شَيْءٍ وَيُذَكِّرُكُمْ بِكُلِّ مَا قُلْتُهُ لَكُمْ

''لیکن مددگار یعنی روح القدس جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہی تمہیں سب باتیں سکھائے گا اور جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے وہ سب تمہیں یاد دلائے گا۔''

کتاب مقدس (یوحنا) 26:14

لَكِنِّي أَقُولُ لَكُمُ الْحَقَّ إِنَّهُ خَيْرٌ لَكُمْ أَنْ أَنْطَلِقَ. لِأَنَّهُ إِنْ
لَمْ أَنْطَلِقْ لَا يَأْتِيكُمُ الْمُعَزِّي. وَلَكِنْ إِنْ ذَهَبْتُ أُرْسِلُهُ إِلَيْكُمْ

''لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا لیکن اگر جاؤں گا تو اُسے تمہارے پاس بھیج دوں گا۔''

کتاب مقدس (یوحنا) 7:16

صحیفۂ ملاکی کی بشارت

اللہ تعالیٰ نے صحفِ مقدسہ میں خاتم النبیین ﷺ کے لیے جو نام استعمال کیے ہیں، ان میں سے ایک ایلیاء بھی ہے جس کے اعداد یہودی حساب سے 53 بنتے ہیں اور ''أحمد'' کے اعداد اس کے مساوی ہیں۔ [1]

الیاس اور ایلیاہ

ایلیاہ نام کے ایک عظیم نبی جنھیں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی طرف بھیجا تھا، ان کا عہد نویں صدی ق م تھا۔ قرآن میں انھیں ''الیاس'' کہا گیا ہے:

﴿ وَاِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝﴾

''اور بلاشبہ الیاس یقیناً رسولوں میں سے تھا۔'' [2]

ایک ''ایلیاہ'' یا ''ملاکی'' ان کے سات سو سال بعد مبعوث ہوئے [3] جنھوں نے اپنے مختصر صحیفے میں بنی اسرائیل کو ان کی سرکشی کے خطرناک نتائج سے آگاہ کیا۔ [4]

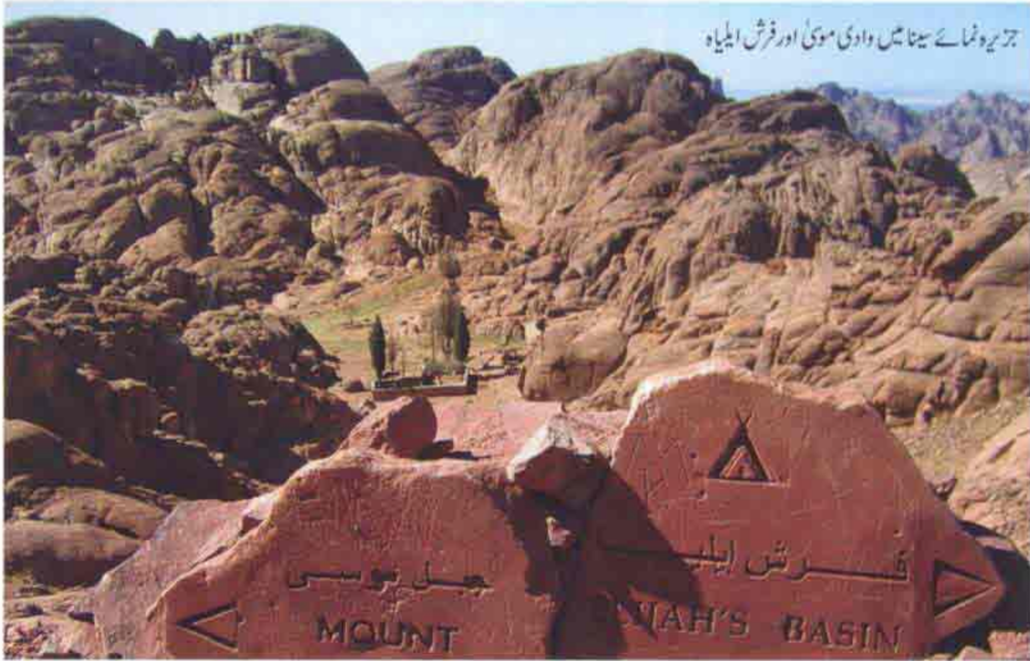
اردن کے قصبہ تشبہ کا ایک منظر

ایلیاہ (Elijah بمعنی ''اللہ میرا معبود ہے'') جلعاد (اردن) کے قصبہ تشبہ (Tishbe) کے رہنے والے تھے۔ انھیں بعل نامی بُت کے پجاریوں کی ہدایت کے لیے بھیجا گیا۔ یہود کی شمالی ریاست اسرائیل کا شاہ احاب یا اخی اب (874 تا 853 ق م) کھلم کھلا بعل کی پوجا کو فروغ دینے لگا تھا، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرح الیاس علیہ السلام کو

---

[1] ایلیاء (إ=1، ی=10، ل=30، ی=10، ا=1، أ=1)=53، أحمد (أ=1، ح=8، م=40، د=4)=53. [2] الصّٰفّٰت 123:37. [3] ملاکی: کتاب مقدس (بائبل) میں ملاکی نبی کی کتاب کا زمانہ پانچویں صدی قبل مسیح بتایا گیا ہے جب یروشلیم میں ہیکل دوبارہ تعمیر ہو چکا تھا (کتاب مقدس، ص: 1145) یعنی ملاکی، الیاس علیہ السلام کے چار سو سال بعد مبعوث ہوئے۔ [4] هل بشر الكتاب المقدس بمحمد؟، ص: 115.

مبعوث فرمایا۔ کوہ کرمل پر الیاس علیہ السلام کی طرف سے بیل کی سوختنی قربانی قبول ہونے کا معجزہ دکھانے پر لوگ بعل کی پوجا کرنے سے باز آ گئے اور بعل کے 450 پروہت قتل کر دیے گئے۔ ایلیاہ کی دعا سے خشک سالی دور ہوئی۔ شاہ احاب کی بت پرست ملکہ ایزبل کو بعل کے پروہتوں کے قتل کا علم ہوا۔ نتیجتاً اس نے ایلیاہ (علیہ السلام) کو قتل کرنے کی دھمکی دی۔ اس صورت حال میں وہ پہلے بئر سبع گئے اور پھر جواب (سینا) کے غار میں جا چھپے۔ خدا نے انھیں دمشق کے بیابان



جزیرہ نمائے سینا میں وادی موسیٰ اور فرش ایلیاہ

جانے کی ہدایت کی۔ راستے میں انھوں نے الیشع بن سافط (الیسع علیہ السلام) کو مسح کیا اور وہ ان کی جگہ نبی ہوئے۔ ایلیاہ الیشع کے ہمراہ بیت ایل (بیت المقدس) اور اریحا سے ہوتے ہوئے دریائے یردن (اردن) کے کنارے پر پہنچ گئے۔ ایلیاہ نے اپنی چادر لپیٹ کر پانی پر ماری تو وہ دو حصے ہوگیا اور وہ دریا پار کر گئے۔ پھر خداوند نے ایلیاہ کو بگولے میں آسمان پر اٹھالیا۔[1] یوحنا بپتسمہ دینے والے (یحییٰ علیہ السلام) کو بھی ایلیاہ کہا گیا ہے۔[2] الیاس علیہ السلام اسرائیلی نبی تھے جو الیسع علیہ السلام کے چچازاد بھائی تھے۔ قرآن میں ان کا نام الیاسین بھی آیا ہے۔[3]

صحیفہ ملاکی میں لکھا ہے:

''دیکھو میں اپنے رسول کو بھیجوں گا اور وہ میرے آگے راہ درست کرے گا اور خداوند جس کے تم طالب

[1] کتاب مقدس (سلاطین-1) 19,18,17 اور 2- سلاطین باب 2. NIV Study Bible, p: 509 [2] کتاب مقدس (متی) 14:11، [3] الصّٰفّٰت 130:37،

ہو نا گہاں اپنی ہیکل میں آموجود ہوگا۔ ہاں عہد کا رسول جس کے تم آرزومند ہو آئے گا رب الافواج فرماتا ہے۔ پر اُس کے آنے کے دِن کی کس میں تاب ہے؟ اور جب اُس کا ظہور ہوگا تو کون کھڑا رہ سکے گا؟ کیونکہ وہ سنار کی آگ اور دھوبی کے صابون کی مانند ہے۔" [1]

1 ''جس کے تم طالب ہو نا گہاں اپنی ہیکل میں آموجود ہوگا'':

''ملاکی'' عہد نامہ قدیم کی آخری کتاب ہے۔ بائبل کے شارحین کہتے ہیں کہ اس پیش گوئی میں دو نبیوں کا ذکر ہوا ہے۔ ایک یوحنا (یحییٰ علیہ السلام) اور دوسرے عیسیٰ (علیہ السلام) ہیں۔ [2] ہیکل کے لغوی معانی میں ''بڑی عمارت، بت خانہ، یہودیوں کا بڑا مقدس معبد یا کلیسائی قربان گاہ'' شامل ہیں۔ [3] یروشلیم میں کوہ موریاہ پر یکے بعد دیگرے تین ہیکلیں تعمیر ہوئیں۔ آج کل اس جگہ کو حرم الشریف کہتے ہیں (جہاں مسجد اقصیٰ اور قبۃ الصخرہ واقع ہیں)۔ پہلی ہیکل سلیمان بادشاہ (علیہ السلام) نے تعمیر کی تھی۔ دوسری زرُبّابل اور ان یہودیوں نے تعمیر کی جو بابل کی اسیری سے واپس آئے تھے۔ تیسری ہیکل جو مسیح (علیہ السلام) کے زمانے میں موجود تھی، اسے ہیرودیس بادشاہ نے تعمیر کرایا تھا۔ مجدّو اور حصور میں جو کنعانی مندر ملے ہیں، وہ نقشے کے لحاظ سے عبرانی ہیکل سے بڑی حد تک ملتے جلتے تھے لیکن یروشلیم کی ہیکل اس لحاظ سے منفرد تھی کہ اس کے اندرونی عبادت خانہ میں بت نہیں تھے بلکہ ایک صندوق (جسے عہد کا صندوق کہتے تھے) رکھا ہوا تھا جس میں شریعت کی دو تختیاں تھیں اور صندوق کے سرپوش پر سونے سے گھڑے ہوئے بحالت پرستش دو فرشتے تھے۔ [4]

صحیفۂ ''ملاکی'' کا ایک ورق

نوٹ: زَرُبّابل (زروب بابل: بابل کی شاخ یا بیج، یعنی بابل میں پیدا ہوا): جب شاہِ فارس خورس (سائرس یا ذوالقرنین) نے یہودیوں کو (538 ق م میں) وطن واپس جانے کی اجازت دی تو زَرُبّابل کو یہوداہ (ریاست یہودیہ) کا ناظم مقرر کیا۔ یروشلیم پہنچنے پر زربابل نے سوختنی قربانی کا مذبح بنایا اور ہیکل کی بنیاد ڈالی مگر یہودیوں نے شاہِ فارس سے شکایت کر کے کام رکوا دیا۔ 520 ق م میں یہ کام پھر شروع ہوا اور چار سال میں

1 کتاب مقدس (ملاکی)2,1:3۔

2 Life Application Study Bible, P: 1389.

3 المعجم الوسیط، مادة: هکل۔ 4 قاموس الکتاب،ص:1091۔


مسجد الاقصیٰ اور قبۃ الصخرہ جہاں یکے بعد دیگرے 3 ہیکلیں تعمیر ہوئیں

مکمل کیا گیا۔[1]

بائبل کے شارحین کی باتوں میں عجیب تضاد ہے۔ ایک طرف وہ یسوع کو خدا کا بیٹا، خدا اور اقانیم ثلاثہ میں سے ایک اقنوم قرار دیتے ہیں اور دوسری طرف بائبل میں جہاں کہیں انبیاء اور رسولوں کے متعلق پیش گوئیاں نظر آتی ہیں، انھیں بھی یسوع پر چسپاں کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ''جس کے تم طالب ہو ناگہاں اپنی ہیکل میں آموجود ہوگا'' اس پیش گوئی میں واضح طور پر موجود ہے کہ ''جب اُس کا ظہور ہوگا تو کون کھڑا رہ سکے گا؟'' یسوع اور یوحنا دونوں میں سے کسی نے نہ تو ہیکل پر غلبہ پایا، نہ اُنھیں ایسی پوزیشن ملی کہ اُن کے سامنے کوئی کھڑا نہ ہو سکے؟

یوں عیسیٰ اور یحییٰ علیہما السلام اس پیش گوئی کے مصداق نہیں بنتے، لامحالہ اس سے نبی کریم ﷺ ہی مراد ہیں۔ جب آپ نے مکہ فتح کیا تو گویا ''اپنی ہیکل'' (کعبہ) کو واگزار کرایا۔ یاد رہے پیش گوئی میں ہیکل سلیمانی کا ذکر نہیں بلکہ ''اپنی ہیکل'' کے الفاظ مذکور ہیں۔ اُس ظہور (فتح مکہ) کے وقت سب کی گردنیں آپ کے سامنے جھکی ہوئی تھیں۔ کسی میں جرأت نہیں تھی کہ نبی کریم ﷺ کے سامنے کھڑا ہو سکے۔

نبی ﷺ نے ان سے فرمایا تھا: ''تم مجھ سے کیسے سلوک کی توقع رکھتے ہو؟'' جواباً ان جھکی گردنوں والوں نے کہا تھا: ''بھلائی کی! آپ ہمارے کریم بھائی اور کریم بھائی کے بیٹے ہیں۔'' اس پر آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

«اِذْهَبُوا فَأَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ»

''جاؤ! تم سب آزاد ہو۔''

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَقُولُ كَمَا قَالَ يُوسُفُ : ﴿ لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۖ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ ۖ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ۝ ﴾ (یوسف 92:12)»

[1] قاموس الکتاب، ص 478,477۔

’’میں وہی کہتا ہوں جو یوسف علیہ السلام نے کہا تھا: ’’تم پر آج کوئی ملامت نہیں، اللہ تمھاری مغفرت کرے اور وہ ارحم الراحمین ہے۔‘‘ [1]

2 ’’سنار کی آگ اور دھوبی کے صابون کی مانند‘‘: مذکورہ پیش گوئی میں ’’سنار کی آگ‘‘ اور ’’دھوبی کے صابون‘‘ کے الفاظ بھی نبی کریم ﷺ ہی کی طرف اشارہ کرتے ہیں کیونکہ آپ نے تمام کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا، باطل کے اندھیرے چھٹ گئے اور حق روشن ہو کر دُنیا کے سامنے آ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا﴾

’’اور (اے نبی!) کہہ دیجیے کہ حق آ گیا اور باطل مٹ گیا۔ بے شک باطل تو مٹنے ہی والا ہے۔‘‘ [2]

﴿قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيدُ﴾

’’آپ کہہ دیجیے: حق آ گیا اور باطل نہ پہلی بار ابھرا نہ دوبارہ ابھرے گا۔‘‘ [3]

سیدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«قَدْ تَرَكْتُكُمْ عَلَى الْبَيْضَاءِ، لَيْلُهَا كَنَهَارِهَا، لَا يَزِيغُ عَنْهَا بَعْدِي إِلَّا هَالِكٌ»

’’یقیناً میں تمھیں روشن (شریعت) پر چھوڑ رہا ہوں۔ اس کی رات بھی دن کی طرح (روشن) ہے۔ میرے بعد اس سے صرف وہی کج روی اختیار کرے گا جو ہلاک ہونے والا ہے۔‘‘ [4]

3 ’’سردار‘‘ اور ’’عہد کا رسول‘‘: دکتور منقذ محمود السقار لکھتے ہیں:

ملاکی نبی کے صحیفے (ملاکی 2,1:3) میں دو آدمیوں کے بارے میں پیش گوئی کی گئی ہے۔ ان میں سے ایک وہ ہے جو رب کی طرف سے آنے والے کے لیے ’’راہ درست کرے گا۔‘‘ دوسرا وہ ہے جو ’’ناگہاں اپنی ہیکل میں آ موجود ہوگا۔‘‘ اور اس صحیفے میں اس کے لیے ’’سردار‘‘ [5] اور ’’عہد کا رسول‘‘ کے القاب استعمال ہوئے ہیں۔ بنی اسرائیل اسی کی آمد کے متمنی اور منتظر تھے۔

ملاکی نبی اپنے صحیفے کے آخر میں اس آنے والے کے متعلق کہتے ہیں: ’’تم میرے بندہ موسیٰ کی شریعت، یعنی ان فرائض و احکام کو، جو میں نے حورب پر تمام بنی اسرائیل کے لیے فرمائے یاد رکھو۔ دیکھو خداوند کے بزرگ اور

1 السنن الکبرٰی للبیهقي: 118/9، السنن الکبرٰی للنسائي :383,382/6. 2 بني إسرآءیل 81:17. 3 سبا 49:34.
4 سنن ابن ماجه :43. 5 عربی بائبل ’’الکتاب المقدس‘‘ میں لقب السید (سردار) اور انگریزی بائبل (NIV Study Bible) میں لفظ Lord موجود ہے جسے اردو بائبل (کتاب مقدس) میں حذف کر دیا گیا ہے۔

ہولناک دن کے آنے سے پیشتر میں ایلیاہ نبی کو تمھارے پاس بھیجوں گا۔ اور وہ باپ کا دل بیٹے کی طرف اور بیٹے کا باپ کی طرف مائل کرے گا۔ مبادا میں آؤں اور زمین کو ملعون کروں۔'' [1]

موسیٰ علیہ السلام کی وصیت

ملاکی نبی نے یہاں کوہِ حوریب (حورب) پر بنی اسرائیل کے سامنے موسیٰ علیہ السلام کی وصیت کا تذکرہ کیا ہے جس میں موسیٰ علیہ السلام نے اپنے جیسے آنے والے ایک نبی کا ذکر کیا جو بنی اسرائیل کے بھائیوں (بنی اسماعیل) میں سے ہوگا۔ ملاکی نبی نے اس آنے والے نبی کا نام ایلیاء (ایلیاہ) بتایا۔ تحفۃ الجیل کے مصنف نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے: ''صحیفۂ ملاکی کے آخری حصے میں مذکور ایلیاء نبی کا کردار ایک معما ہے اور وہ دنیا کا سب سے بڑا عالم ہے جو آخری زمانے میں آنے والا ہے۔''

عیسائیوں کے خیال میں وہ پیغمبر جس نے آنے والے کے لیے راستہ ہموار کیا، وہ یوحنا اصطباغی موسوم بہ ایلیاء ہے جیسا کہ انجیل مرقس میں لکھا ہے: ''دیکھ میں اپنا پیغمبر تیرے آگے بھیجتا ہوں جو تیری راہ تیار کرے گا۔ بیابان میں پکارنے والے کی آواز آتی ہے کہ خداوند کی راہ تیار کرو۔ اس کے راستے سیدھے بناؤ۔ یوحنا آیا اور بیابان میں بپتسمہ دیتا اور گناہوں کی معافی کے لیے توبہ کے بپتسمہ کی منادی کرتا تھا۔ اور یہودیہ کے ملک کے سب لوگ اور یروشلیم کے سب رہنے والے نکل کر اس کے پاس گئے اور انھوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کر کے دریائے یردن

[1] کتاب مقدس (ملاکی) 4:4-6.



بائبل کے مطابق دریائے اردن پر وہ جگہ جہاں یوحنا نے لوگوں کو بپتسمہ دیا

میں اس سے بپتسمہ لیا۔ اور یوحنا اونٹ کے بالوں کا لباس پہنے اور چمڑے کا پٹکا اپنی کمر سے باندھے رہتا اور ٹڈیاں اور جنگلی شہد کھاتا تھا۔ اور منادی کرتا تھا کہ میرے بعد وہ شخص آنے والا ہے جو مجھ سے زور آور ہے۔ میں اس لائق نہیں کہ جھک کر اس کی جوتیوں کا تسمہ کھولوں۔ میں نے تو تم کو پانی سے بپتسمہ دیا مگر وہ تم کو روح القدس سے بپتسمہ دے گا۔" [1]

ایسی ہی بات انجیل لوقا میں مسیح (علیہ السلام) کی زبانی نقل کی گئی ہے: "تو پھر تم کیا دیکھنے گئے تھے؟ کیا ایک نبی؟ ہاں میں تم سے کہتا ہوں بلکہ نبی سے بڑے (رسول) کو۔ یہ وہی ہے جس کی بابت لکھا ہے کہ دیکھ میں اپنا پیغمبر تیرے آگے بھیجتا ہوں جو تیری راہ تیرے آگے تیار کرے گا۔" [2]

عیسائیوں کے خیال میں راستہ ہموار کرنے والا یوحنا اصطباغی ہے اور جس کے لیے راستہ ہموار کیا گیا ہے، وہ یسوع مسیح (عیسیٰ علیہ السلام) ہیں اور یہ لوگ (نصاریٰ) یوحنا کو ایلیاء کے نام سے یاد کرتے ہیں جیسے کہ متی نے بھی مسیح علیہ السلام کی زبان سے یوحنا اصطباغی کے بارے میں بیان کیا ہے۔ [3]

"ختنے والا پیغمبر"

صحیح بات یہ ہے کہ ایلیاء آنے والے نبی کی طرف اشارہ ہے اور اس سے مراد راستہ ہموار کرنے والا نبی نہیں۔ دکتور السقار لکھتے ہیں: "اس سے پہلے کہ ہم اس آنے والے نبی کا تعین کریں، ہم یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ موجودہ بائبل کے متن میں بے تحاشا تحریف ہو چکی ہے جیسے صحیفۂ ملاکی میں آنے والے نبی کو "عہد کا رسول" کہا گیا ہے جبکہ بائبل کے پرانے ترجموں میں اسے "ختنے والا پیغمبر" قرار دیا گیا ہے۔ بائبل کے جدید ترجمے میں عبارت ہے "ملاکی نے بھیجا" جبکہ پرانے نسخے میں یہ الفاظ آئے ہیں: "میں اپنا رسول بھیجوں گا۔" بعض نسخوں میں "سردار آئے گا" کے الفاظ رقم ہوئے ہیں جبکہ بعض میں اسے "دوست" اور بعض میں "ایلیاء" کہا گیا ہے۔

اناجیل میں صحیفۂ ملاکی کی اس عبارت میں بھی تحریف کر دی گئی ہے: "وہ میرے آگے راہ درست کرے گا۔" یہاں "میرے" ضمیر متکلم ہے، اس کے بجائے اناجیل میں ضمیر مسیح (علیہ السلام) کی طرف لوٹا دی گئی ہے، چنانچہ لوقا کی عبارت ہے: "یہ وہی ہے جس کی بابت لکھا ہے کہ دیکھ میں اپنا پیغمبر تیرے آگے بھیجتا ہوں جو تیری راہ تیرے آگے تیار کرے گا۔" [4]

موجودہ بائبل کی تحریف شدہ عبارات سے آنے والے نبی کا تعین ناممکن ہے کیونکہ یہ عبارات بائبل ہی کی دیگر عبارات

[1] کتاب مقدس (مرقس) 2:1-9. [2] کتاب مقدس (لوقا) 26:7-27. [3] کتاب مقدس (متی) 9:11-15. [4] کتاب مقدس (لوقا) 27:7.

سے متضاد ہیں جن میں آنے والے نبی کی واضح بشارت دی گئی ہے۔

اس بحث کا حتمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ''عہد کا رسول'' جس کی بشارت دی گئی ہے، وہ محمد ﷺ ہی کی ذات گرامی ہے۔ نبی ﷺ ہی معراج کی رات بیت المقدس کی سرزمین میں ہیکل (مسجد اقصیٰ) تشریف لے گئے تھے۔ اس کے برعکس مسیح (علیہ السلام) اور یوحنا (یحییٰ علیہ السلام) دونوں اسی سرزمین میں پیدا ہوئے تھے اور وہیں انھوں نے پرورش پائی۔ محمد ﷺ ہی کو بائبل کے مختلف نسخوں میں ''ختنے والا پیغمبر'' قرار دیا گیا ہے جنھوں نے اپنی امت کو ختنے کی ترغیب دی اور اس عمل کو فطری ہدایت ٹھہرایا ہے اور مسلمان اس وقت سے آج تک اس پر عمل پیرا ہیں۔[1]

[1] هل بشر الكتاب المقدس بمحمد ﷺ، ص: 115-122.

خاتم النبیین ﷺ کی بعثت وصداقت قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَآ أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا

”محمد (ﷺ) تمھارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، اور لیکن وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں، اور اللہ ہر شے کو خوب جاننے والا ہے۔“ (الأحزاب 40:33)

خاتم النبیین ﷺ کی بعثت وصداقت قرآن کی مذکورہ آیت کی صداقت بائبل سے ہوتی ہے:

قَالَ لَهُمْ يَسُوعُ أَمَا قَرَأْتُمْ قَطُّ فِي ٱلْكُتُبِ.
ٱلْحَجَرُ ٱلَّذِي رَفَضَهُ ٱلْبَنَّاؤُونَ هُوَ قَدْ
صَارَ رَأْسَ ٱلزَّاوِيَةِ

''یسوع نے ان سے کہا کیا تم نے کتاب مقدس میں کبھی نہیں پڑھا کہ جس پتھر کو معماروں نے رد کیا۔ وہی کونے کے سرے کا پتھر ہو گیا۔''

کتاب مقدس (متی) 42:21

انجیل کی بشارات

انجیل (Evangel) یونانی لفظ euangelion کا معرب ہے۔ اس کا لفظی ترجمہ ہے: ''خوشخبری۔'' یہ لفظ غالباً براستہ حبش (ایتھوپیا) عربی میں آیا۔ نئے عہدنامہ میں اس لفظ کا یہی مفہوم (خوشخبری) ہے۔ کسی آیت میں اس کا مطلب ''کتاب'' یا ''صحیفہ'' نہیں ہے۔ 150ء کے بعد اس لفظ کو کتاب (نیا عہد نامہ) کے لیے استعمال کیا جانے لگا۔ یہ لفظ نئے عہدنامہ یونانی میں تقریباً سو مرتبہ استعمال ہوا ہے اور پروٹسٹنٹ اردو ترجمہ میں صرف گیارہ مرتبہ۔ باقی جگہ اس کا متبادل اردو لفظ ''خوشخبری'' درج کیا گیا ہے۔ (کیتھولک ترجمہ میں ہر جگہ انجیل ہی ہے)۔[1]

انجیل (عہد نامہ جدید) کا ایک قدیم نسخہ

جس طرح تورات اور دیگر انبیائے بنی اسرائیل کے صحیفوں میں یہود نے بکثرت تحریف کر ڈالی، اسی طرح اناجیل اربعہ میں بھی عیسائیوں نے تحریف کر کے کلامِ الٰہی اور اس کی تعلیمات کو مسخ کر دیا، تاہم تحریف و ترمیم کے باوجود اناجیل میں اب بھی ایسے اشارات بکثرت ملتے ہیں جن سے محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت اور ختمِ نبوت کی تصدیق ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں انجیل کی پیش گوئیاں ملاحظہ کیجیے:

انجیل کی پہلی پیش گوئی

''اور یوحنا کی گواہی یہ ہے کہ جب یہودیوں نے یروشلیم سے کاہن اور لاوی یہ پوچھنے کو اُس کے پاس بھیجے کہ تو کون ہے؟ تو اُس نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا بلکہ اقرار کیا کہ میں تو مسیح نہیں ہوں۔ اُنھوں نے اُس سے پوچھا پھر کون ہے؟ کیا تو ایلیاہ ہے؟ اُس نے کہا میں نہیں ہوں۔ کیا تو وہ نبی ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ نہیں۔ پس اُنھوں نے اُس سے کہا پھر تو ہے کون؟ تاکہ ہم اپنے بھیجنے والوں کو

[1] قاموس الکتاب، ص:93.

جواب دیں۔ تو اپنے حق میں کیا کہتا ہے؟ اُس نے کہا میں جیسا یسعیاہ نبی نے کہا ہے بیابان میں ایک پکارنے والے کی آواز ہوں کہ تم خداوند کی راہ کو سیدھا کرو۔ یہ فریسیوں کی طرف سے بھیجے گئے تھے۔ اُنھوں نے اُس سے یہ سوال کیا کہ اگر تو نہ مسیح ہے نہ ایلیاہ نہ وہ نبی تو پھر بپتسمہ کیوں دیتا ہے؟'' [1]

مندرجہ بالا اقتباس میں ''لاوی'' کا نام آیا ہے۔ اس کے بارے میں یہ جان لینا چاہیے کہ درحقیقت لاوی (Levi) حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں میں سے ایک بیٹے کا نام ہے۔ بعد میں لاوی کی اولاد میں سے یہودی علماء (احبار) کو لاوی کہا جانے لگا، چنانچہ اس حوالے سے بائبل کی ایک کتاب بھی احبار (Leviticus) کہلاتی ہے۔ بائبل کے مطابق ہارون علیہ السلام ''بنی اسرائیل کے پہلے سردار کاہن'' (First HighPriest) تھے۔ ان کے کاہنوں (Priests) اور احبار کے لیے ضروری تھا کہ وہ بنو لاوی بلکہ بنو ہارون میں سے ہوں۔ [2]

بنو ہارون کی نسبت ہارون علیہ السلام سے ہے۔ وہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے بڑے بھائی تھے۔ وہ موسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے تین سال پہلے پیدا ہوئے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کی خواہش پر اللہ تعالیٰ نے یہ کہہ کر ان کو نبی مامور فرمایا: ﴿ اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ۝ اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝ ﴾ ''تم اور تمھارا بھائی میرے (دیے ہوئے) معجزات کے ساتھ جاؤ اور میرے ذکر میں سستی نہ کرنا۔ تم دونوں فرعون کی طرف جاؤ، بے شک وہ سرکش ہو گیا ہے۔'' [3] یوں حضرت ہارون علیہ السلام کو بھی جو فرعون کی مجلسِ وزراء کے رُکن تھے، منصبِ رسالت سپرد ہوا۔ ہر چند وہ دیگر انبیائے بنی اسرائیل کی طرح شریعتِ موسوی ہی کے تابع تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عدم موجودگی میں جب یہودیوں نے سامری کے کہنے پر سنہرے بچھڑے کی پوجا شروع کر دی تو ہارون علیہ السلام نے انھیں اس سے منع کیا۔


مقام ہارون علیہ السلام (جبل ہور)

محرفین تورات نے اس موقع پر خواہ مخواہ ہارون علیہ السلام کو گوسالہ پرستی (بچھڑے کی پوجا) میں ملوث کرنے کی ناپاک کوشش کی مگر قرآن حکیم نے ان کی پیغمبرانہ عظمت پوری طرح محفوظ رکھی۔ دشت تیہ (صحرائے سینا) میں بنی اسرائیل کی چالیس سالہ صحرا نوردی کے دوران میں ہارون علیہ السلام نے وفات پائی اور جبل ہُور پر دفن ہوئے۔ اس وقت ان کی عمر 123 برس تھی۔ [4]

[1] کتاب مقدس (یوحنا) 1: 19-25. [2] قاموس الکتاب، ص: 854,853. [3] طٰہٰ 20: 43,42. [4] اردو دائرۂ معارف اسلامیہ: 84,83/23، اطلس القرآن (اردو)، ص: 145.

''وہ نبی'' کون؟

یوحنا (یحییٰ علیہ السلام) سے یہودیوں نے تین افراد کے متعلق پوچھا: مسیح، ایلیاہ اور ''وہ نبی۔'' ''وہ نبی'' اُن کے درمیان اتنا مشہور تھا کہ اُنھوں نے اس کی مزید وضاحت ضروری نہیں سمجھی۔ یہودی اخنوخ (ادریس)، یعقوب، موسیٰ، داود اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی بشارات کی وجہ سے ایک ایسے نبی کے منتظر تھے جو نبی ہونے کے ساتھ ساتھ صاحبِ اختیار و اقتدار بھی ہوگا۔ اُس کی آمد کی صورت میں وہ اپنی نشأۃ ثانیہ اور دوبارہ غلبہ دیکھ رہے تھے۔ اس کے بارے میں فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۡ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ○﴾

''اور جب ان کے پاس اللہ کے ہاں سے ایک کتاب آگئی جو اس (کتاب) کی تصدیق کرنے والی ہے جو ان کے پاس ہے، حالانکہ اس سے پہلے وہ ان لوگوں کے خلاف (رسول موعود کے ذریعے سے) فتح طلب کیا کرتے تھے جنھوں نے کفر کیا، پھر جب ان کے پاس وہ (رسول برحق) آگیا جسے انھوں نے پہچان لیا تو انھوں نے اس کا انکار کر دیا، پس کافروں پر اللہ کی لعنت ہے۔''[1]

اس آیت مبارک میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی گھٹیا ذہنیت بے نقاب کی ہے اور بتایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور مبارک اور نزولِ قرآن سے پہلے یہودیوں کا طرزِ عمل یہ تھا کہ جب وہ اپنے مشرک دشمنوں سے جنگ کرتے تو اس رسول کی تشریف آوری کے وسیلے سے کافروں پر فتح کی دعا مانگا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اب اس آخری زمانے میں اللہ کے ایک نبی مبعوث ہوں گے تو ہم ان کے ساتھ مل کر تم سے لڑائی کریں گے اور تمھیں اسی طرح نیست و نابود کر دیں گے جس طرح عاد اور ارم کی قوموں کو تباہ و برباد کر دیا گیا تھا...... لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور اور قرآن کریم نازل ہوا تو ان کا رویہ بدل گیا۔

محمد بن اسحاق نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے یہود آپ کے وسیلے سے اوس اور خزرج کے خلاف مدد طلب کیا کرتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے جب آپ کو عربوں میں مبعوث فرما دیا تو انھوں نے اپنی باتوں کے برعکس عناد اور کفر کی راہ اختیار کر لی۔ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور خاندان بنوسلمہ کے بشر بن براء بن معرور رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: اے گروہ یہود! اللہ سے ڈرو اور اسلام قبول کرلو، جب ہم مشرک تھے تو تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم

[1] البقرۃ2:89.

کے وسیلے سے ہمارے خلاف مدد مانگا کرتے تھے اور تمھی بتایا کرتے تھے کہ اس نبی کی بعثت ہونے والی ہے اور تم ان کی نشانیاں بھی بیان کرتے تھے۔ اس کے جواب میں بنونضیر کے سلام بن مشکم نے کہا: ''آپ ﷺ ہمارے پاس کوئی ایسی چیز نہیں لائے جسے ہم پہچانتے ہوں۔ یہ وہ نبی نہیں جن کا ہم تمھارے سامنے ذکر کیا کرتے تھے۔'' تب ان کے بارے میں مذکورہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ [1]

بائبل بھی یہی کہتی ہے:

''اور دیکھو یروشلیم میں شمعون نام ایک آدمی تھا اور وہ آدمی راستباز اور خدا ترس اور اسرائیل کی تسلی کا منتظر تھا اور روح القدس اُس پر تھا۔'' [2]

''اُنھوں نے اُس (یسوع) سے کہا یسوع ناصری کا ماجرا جو خدا اور ساری اُمت کے نزدیک کام اور کلام میں قدرت والا نبی تھا۔ اور سردار کاہنوں اور ہمارے حاکموں نے اُس کو پکڑوا دیا تاکہ اُس پر قتل کا حکم دیا جائے اور اُسے مصلوب کیا۔ لیکن ہم کو اُمید تھی کہ اسرائیل کو مخلصی یہی دے گا۔'' [3]

عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات دیکھ کر بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوگئی کہ شاید یسوع ہی وہ بادشاہ نبی ہیں جن کے ذریعے سے ہمیں دوبارہ عروج، ترقی اور اقتدار ملنے والا ہے جیسا کہ مذکورہ پیش گوئی میں ہے۔ لیکن عیسیٰ علیہ السلام ہمیشہ اس کی تردید کرتے رہے۔ یہودیوں کے ہاں تو یہ بات واضح تھی کہ مسیح اور نبیِ منتظر دو جُداگانہ شخصیتیں ہیں لیکن عیسائیوں نے اسے خلط ملط کر دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس کی وجہ سے بائبل کی کئی پیش گوئیوں میں تضادات نمایاں ہوگئے۔

مسیح سے کیا مراد ہے؟

بنی اسرائیل کے ہاں پُرانا طریقہ یہ تھا کہ کسی چیز یا کسی شخص کو جب کسی مقدس مقصد کے لیے مختص کیا جاتا تو اُس چیز پر یا اُس شخص کے سر پر تیل مل کر اُسے متبرک (Consecrate) کر دیا جاتا تھا۔ عبرانی میں تیل ملنے کے اس فعل کو مَسح کہتے تھے۔ جس شخص پر تیل ملا جاتا تھا، اُسے مسیح یا مسِیا (Messiah) کہا جاتا تھا۔ [4] عبادت گاہ کے ظروف اسی طریقے سے مسح کر کے عبادت کے لیے وقف کیے جاتے تھے۔ کاہنوں کو کہانت (Priesthood) کے منصب پر مامور کرتے وقت بھی مسح کیا جاتا تھا۔ بادشاہ اور نبی بھی جب اللہ کی طرف سے بادشاہت یا نبوت کے لیے نامزد کیے جاتے تو اُنھیں بھی مسح کیا جاتا، چنانچہ بائبل کی رو سے بنی اسرائیل کی تاریخ میں مسیح بکثرت پائے جاتے ہیں۔ [5]

[1] تفسیر ابن کثیر، البقرة 89:2. [2] کتاب مقدس (لوقا) 25:2. [3] کتاب مقدس (لوقا) 24:19-21.

[4] The International Standard Bible Encyclopedia, Messiah.

[5] دیکھیے: کتاب مقدس (سموئیل-1) 26:7-11، کتاب مقدس (زبور) 50:18 و 15:105.

یہودی عقائد کی رو سے ہارون (علیہ السلام) کاہن کی حیثیت سے مسیح تھے۔ موسیٰ (علیہ السلام) کاہن اور نبی ہونے کے لحاظ سے، طالوت بادشاہ کے اعتبار سے، حضرت داود (علیہ السلام) بادشاہ اور نبی کے منصب پر فائز ہونے کی وجہ سے اور الیسع (علیہ السلام) نبی کی حیثیت سے مسیح تھے۔ بعد میں یہ بھی ضروری نہ رہا تھا کہ تیل مل کر ہی کسی کو مامور کیا جائے بلکہ محض کسی کا مامور من اللہ ہونا ہی مسیح کا ہم معنی بن گیا۔

قرآنِ کریم میں الیشع نبی کا نام الیسع آیا ہے۔[1] طبری کے بیان کے مطابق الیسع علیہ السلام حضرت الیاس علیہ السلام کے چچازاد بھائی تھے۔ وہ الیاس علیہ السلام کے خلیفہ بھی تھے اور ان کے بعد نبی بنے۔ انھوں نے بعلبک میں زندگی گزاری اور وہیں فوت ہوئے۔[2]



بعلبک کے کھنڈر

خدا نے ایلیاہ (الیاس علیہ السلام) کو حکم دیا:

''خداوند نے اُسے فرمایا تو اپنے راستہ لوٹ کر دمشق کے بیابان کو جا اور جب تو وہاں پہنچے تو تو حزائیل کو مسح کر کہ ارام کا بادشاہ ہو۔ اور نمسی کے بیٹے یاہو کو مسح کر کہ اسرائیل کا بادشاہ ہو اور ابیل محولہ کے الیشع بن سافط کو مسح کر کہ تیری جگہ نبی ہو۔''[3]

ان لوگوں میں سے کسی کے سر پر تیل نہیں ملا گیا۔ بس خدا کی طرف سے ان کی ماموریت کا فیصلہ سنا دینا ہی گویا انھیں مسح کر دینا تھا۔ اسرائیلی تصور کے مطابق لفظ مسیح درحقیقت ''مامور من اللہ'' کا ہم معنی تھا اور انھی معنوں میں

[1] الأنعام 86:6، صٓ 48:38۔ [2] اطلس القرآن (اردو)، ص: 155-159۔ [3] کتاب مقدس (سلاطین-1) 19:15،16۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا ''نبیِ منتظر'' کے لیے استعمال کیا گیا۔ عیسیٰ علیہ السلام ہمیشہ تردید کرتے رہے کہ وہ ''نبیِ منتظر'' یا وہ ''مسیح'' نہیں تھے جن کے ذریعے سے بنی اسرائیل دوبارہ اپنے غلبے کے خواب دیکھ رہے تھے۔

عیسیٰ علیہ السلام کا مسیح ہونے سے انکار

''پھر یسوع اور اُس کے شاگرد قیصریہ فلپی کے گاؤں میں چلے گئے اور راہ میں اُس نے اپنے شاگردوں سے یہ پوچھا کہ لوگ مجھے کیا کہتے ہیں؟ اُنھوں نے جواب دیا کہ یوحنا بپتسمہ دینے والا اور بعض ایلیاہ اور بعض نبیوں میں سے کوئی۔ اُس نے اُن سے پوچھا لیکن تم مجھے کیا کہتے ہو؟ پطرس نے جواب میں اُس سے کہا تو مسیح ہے۔ پھر اُس نے اُن کو تاکید کی کہ میری بابت کسی سے یہ نہ کہنا۔'' [1]

قابل غور بات یہ ہے کہ اگر ''یسوع'' وہی ''مسیح'' تھے جس کے ذریعے سے بنی اسرائیل اپنے غلبے اور عروج کے خواب دیکھ رہے تھے تو پھر وہ اپنے ''مسیح'' ہونے کو چھپا کیوں رہے تھے۔

[1] کتاب مقدس (مرقس) 8:27-30.


قیصریہ فلپی کا خوبصورت علاقہ

عیسیٰ علیہ السلام مسیح منتظر نہیں تھے

درحقیقت عیسائیوں کے بقول سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا دکھ اُٹھانا اور قتل ہونا یقینی تھا، پھر ڈر کیسا؟ یسوع نے تو ان لوگوں کو جو انھیں مسیح منتظر سمجھتے تھے، شیطان تک کہہ دیا:

''اُس وقت سے یسوع اپنے شاگردوں پر ظاہر کرنے لگا کہ اُسے ضرور ہے کہ یروشلیم کو جائے اور بزرگوں اور سردار کاہنوں اور فقیہوں کی طرف سے بہت دُکھ اُٹھائے اور قتل کیا جائے اور تیسرے دن جی اُٹھے۔ اِس پر پطرس اُس کو الگ لے جا کر ملامت کرنے لگا کہ اے خداوند خدا نہ کرے۔ یہ تجھ پر ہرگز نہیں آنے کا۔ اُس نے پھر کر پطرس سے کہا اے شیطان! میرے سامنے سے دور ہو۔ تو میرے لیے ٹھوکر کا باعث ہے کیونکہ تو خدا کی باتوں کا نہیں بلکہ آدمیوں کی باتوں کا خیال رکھتا ہے۔''[1]

عیسیٰ علیہ السلام ہمیشہ لوگوں کی اس غلط فہمی کی تردید کرتے رہے کہ وہ ''وہی نبی'' یا اُن کی اصطلاح میں ''مسیح'' ہیں جس کے ظہور کی صورت میں وہ دوبارہ اپنا غلبہ دیکھ رہے ہیں:

''پس جو معجزہ اُس نے دکھایا وہ لوگ اُسے دیکھ کر کہنے لگے جو نبی دنیا میں آنے والا تھا فی الحقیقت یہی ہے۔ پس یسوع یہ معلوم کر کے کہ وہ آ کر مجھے بادشاہ بنانے کے لیے پکڑا چاہتے ہیں پھر پہاڑ پر اکیلا چلا گیا۔''[2]

اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی مسیح منتظر تھے تو وہ فرار کیوں ہوئے؟ اور اس کے اظہار کے بجائے وہ اکیلے پہاڑ پر کیوں چلے گئے؟ صاف ظاہر ہے وہ خود کو مسیح منتظر نہیں سمجھتے تھے۔

مسیح منتظر: محمد صلی اللہ علیہ وسلم

اس کے برعکس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ آپ ہی وہ نبی منتظر ہیں جن کا پہلی آسمانی کتابوں میں بار بار ذکر کیا گیا ہے۔ پہلے انبیاء کی کتابوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بشارات کے علاوہ خود قرآن مجید کی تصدیق اس کا بین ثبوت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ ﴾

[1] کتاب مقدس (متی) 16:21-23. [2] کتاب مقدس (یوحنا) 6:14,15.

’’اور (یاد کرو) جب اللہ نے تمام نبیوں سے عہد لیا تھا کہ جب میں تمھیں کتاب اور حکمت عطا کروں، پھر تمھارے پاس کوئی رسول آئے جو اس (کتاب) کی تصدیق کرتا ہو جو تمھارے پاس ہے تو تمھیں اس پر ایمان لانا ہوگا اور اس کی مدد کرنی ہوگی۔ اللہ نے فرمایا: کیا تم اقرار کرتے ہو اور اس پر میرا عہد قبول کرتے ہو؟ انھوں نے کہا: ہم نے اقرار کیا۔ اللہ نے فرمایا: تو تم گواہ رہنا اور میں بھی تمھارے ساتھ گواہ ہوں۔‘‘ [1]

حضرت علی بن ابی طالب اور ان کے عم زاد حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جتنے بھی انبیائے کرام مبعوث فرمائے، ان میں سے ہر نبی سے یہ عہد لیا تھا کہ اگر ان کی زندگی میں حضرت محمد ﷺ مبعوث ہوئے تو انھیں آپ پر ضرور ایمان لانا ہوگا اور آپ کی لازماً مدد کرنی ہوگی۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو یہ بھی حکم دیا کہ وہ اپنی اُمت کے لوگوں سے عہد لیں کہ اگر ان کی زندگی میں حضرت محمد ﷺ تشریف لے آئیں تو ان کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ آپ پر ایمان لائیں اور آپ کی مدد کریں۔ [2]

خاتم الانبیاء محمد ﷺ ہی امام اعظم ہیں۔ آپ ﷺ کی اطاعت ہر اُمت کے ہر فرد پر فرض عین ہے۔ آپ کی ذات گرامی تمام انبیاء سے مقدم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب شب معراج تمام انبیائے کرام علیہم السلام بیت المقدس میں جمع ہوئے تو ان کی امامت کا تاج محمد ﷺ ہی کے سر مبارک پر رکھا گیا تھا۔ [3]

اسی طرح میدانِ حشر میں بھی اس وقت رسول اکرم ﷺ ہی کو شفاعتِ کُبریٰ کا اعزاز حاصل ہوگا جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے مابین فیصلہ کرنے کے لیے جلوہ افروز ہوگا۔ یہی وہ مقام محمود ہے جو آپ ﷺ کی ذات کے لیے خاص ہے۔ [4]

عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

«إِنِّي عَبْدُ اللّٰهِ فِي أُمِّ الْكِتَابِ لَخَاتَمُ النَّبِيِّينَ، وَ إِنَّ آدَمَ لَمُنْجَدِلٌ فِي طِينَتِهِ، وَسَأُنَبِّئُكُمْ بِتَأْوِيلِ ذٰلِكَ، دَعْوَةُ أَبِي إِبْرَاهِيمَ، وَبِشَارَةُ عِيسٰى قَوْمَهُ، وَرُؤْيَا أُمِّي الَّتِي رَأَتْ أَنَّهُ خَرَجَ مِنْهَا نُورٌ أَضَاءَتْ لَهُ قُصُورُ الشَّامِ، وَكَذٰلِكَ تَرٰى أُمَّهَاتُ النَّبِيِّينَ صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ»

’’میں اللہ کا بندہ ہوں۔ آدم علیہ السلام جب مٹی کا ڈھانچہ تھے، اسی وقت اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں میرا نام

[1] آل عمرٰن 81:3۔ [2] تفسیر الطبري، آل عمرٰن 81:3، تفسیر ابن کثیر، آل عمرٰن 82,81:3۔ [3] صحیح مسلم: 172، مسند أحمد: 257/1۔ [4] صحیح البخاري: 4712، نیز دیکھیے: (تحفة الأحوذي: 485/8)

خاتم النبیین کی حیثیت سے لکھ دیا تھا۔ میں تمھیں اس کی تفسیر بتاتا ہوں۔ میں اپنے والد ابراہیم علیہ السلام کی دُعا ہوں، عیسیٰ علیہ السلام کی اپنی قوم کو دی گئی بشارت ہوں اور اپنی ماں کے خواب کی تعبیر ہوں۔ میری والدہ نے خواب میں دیکھا کہ ان کے وجود سے ایک نور نکلا ہے جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے۔ انبیاء علیہم السلام کی مائیں ایسے ہی خواب دیکھا کرتی ہیں۔‘‘ [1]

انجیل کی دوسری پیش گوئی

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے شاگردوں کو بتایا:

’’اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمھیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمھارے ساتھ رہے۔‘‘ [2]

’’لیکن مددگار یعنی رُوح القدس جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہی تمھیں سب باتیں سکھائے گا اور جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے وہ سب تمھیں یاد دلائے گا۔‘‘ [3]

’’لیکن جب وہ مددگار آئے گا جس کو میں تمھارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا یعنی روحِ حق جو باپ سے صادر ہوتا ہے تو وہ میری گواہی دے گا۔ اور تم بھی گواہ ہو کیونکہ شروع سے میرے ساتھ ہو۔‘‘ [4]

عیسیٰ علیہ السلام نے مزید فرمایا:

’’لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمھارے لیے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمھارے پاس نہ آئے گا لیکن اگر جاؤں گا تو اُسے تمھارے پاس بھیج دوں گا۔ ...... مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہے مگر اب تم اُن کی برداشت نہیں کر سکتے۔ لیکن جب وہ یعنی رُوحِ حق آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دِکھائے گا۔ اس لیے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمھیں آیندہ کی خبریں دے گا۔‘‘ [5]

1 ’’مددگار‘‘ یا فارقلیط؟: بائبل کے اُردو ترجمے ’’کلامِ مقدس‘‘ (بائبل سوسائٹی، لاہور) کی مذکورہ آیات میں لفظ ’’مددگار‘‘ ہے۔ انگریزی بائبل (نیو انٹرنیشنل ورژن) میں اس کے لیے لفظ Counselor ہے جس کے معنی آکسفورڈ ڈکشنری میں صلاح کار، مشیر، قانونی مشیر یا سفارتکار کے لکھے ہیں۔ عربی بائبل میں لفظ اَلْمُعَزِّی ہے۔ اس کے معنی ’’تسلی دینے

[1] مسند أحمد: 128/4. [2] کتاب مقدس (یوحنا) 16:14. [3] کتاب مقدس (یوحنا) 26:14. [4] کتاب مقدس (یوحنا) 27,26:15.
[5] کتاب مقدس (یوحنا) 16: 7 - 13.

والے'' اور ''ڈھارس بندھانے والے'' کے ہیں۔ اس کے برعکس ''کلام مقدس'' (شائع کردہ کاتھولک بائبل کمیشن پاکستان) میں ''مددگار'' کے بجائے لفظ ''وکیل'' استعمال ہوا ہے۔ یوں تینوں زبانوں میں الگ الگ مفہوم کے حامل الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ نے ھِدَایَۃُ الْحَیَارٰی میں انجیل یوحنا کے اقتباسات نقل کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہاں اصل لفظ ''بارقلیط'' یا ''فارقلیط'' ہے۔ اُس وقت کی عربی انجیل میں یوحنا باب 14 کی آیت نمبر 16 اس طرح تھی:

وَأَنَا أَطْلُبُ مِنَ الْآبِ أَنْ يُّعْطِيَكُمْ بَارَ قَلِيطًا آخَرَ، يَثْبُتُ مَعَكُمْ إِلَى الْأَبَدِ.

اسی باب کی آیت نمبر 26 اس طرح تھی:

وَالْبَارَ قَلِيطُ، رُوحُ الْحَقِّ الَّذِي يُرْسِلُهُ أَبِي، وَهُوَ يُعَلِّمُكُمْ كُلَّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُذَكِّرُكُمْ كُلَّ مَا قُلْتُ لَكُمْ.

یوحنا باب 16 کی آیات 12 اور 13 اس طرح تھیں:

إِنَّ لِي كَلَامًا كَثِيرًا أُرِيدُ أَنْ أَقُولَهُ لَكُمْ، وَلٰكِنَّكُمْ لَا تَسْتَطِيعُونَ حَمْلَهُ، لٰكِنْ إِذَا جَاءَ رُوحُ الْحَقِّ، ذَاكَ يُرْشِدُكُمْ إِلٰى جَمِيعِ الْحَقِّ، لِأَنَّهُ لَيْسَ يَنْطِقُ مِنْ عِنْدِهِ بَلْ يَتَكَلَّمُ بِمَا يَسْمَعُ وَيُخْبِرُكُمْ بِكُلِّ مَا يَأْتِي، وَيُعَرِّفُكُمْ جَمِيعَ مَا لِلْآبِ.

یوحنا باب 14 کی آیت 30 اس طرح تھی:

قَالَ الْمَسِيحُ: إِنَّ أَرْكُونَ الْعَالَمِ سَيَأْتِي، وَلَيْسَ لِي شَيْءٌ.

''مسیح علیہ السلام نے کہا: بے شک دنیا کا سردار آئے گا، مجھے کوئی اختیار نہیں۔''[1]

لیکن جدید عربی بائبل ''الکتاب المقدس'' میں یہ آیت یوں دی گئی ہے:

لِأَنَّ رَئِيسَ هٰذَا الْعَالَمِ يَأْتِي وَلَيْسَ لَهُ فِيَّ شَيْءٌ.

''کیونکہ اس دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں۔''

''فارقلیط'' اور ''محمد'' ہم معنی ہیں

اس سے واضح ہوجاتا ہے کہ 751ھ/1350ء میں ابن قیم رحمہ اللہ کی وفات کے بعد ان آیات میں صریحاً تحریف

[1] هداية الحيارٰى في أجوبة اليهود و النصارٰى، ص:74.

کی گئی اور لفظ ''بارقلیط'' یا ''فارقلیط'' جس کے معنی ''محمد'' یا ''احمد'' بنتے ہیں، کو بدلنے کے لیے مختلف مفہوم کے الفاظ اختیار کرنے کی کوشش کی گئی۔ لیکن کسی ایک ہی لفظ پر اتفاق نہیں ہو سکا۔ نتیجہ یہ ہے کہ اب تک مختلف زبانوں میں مختلف مطالب و مفاہیم کے حامل الفاظ استعمال کیے جا رہے ہیں۔

اہلِ کتاب چاہے قدیم ہوں یا جدید، ان کی عادت ہے کہ وہ اپنے تراجم میں ناموں کا بھی ترجمہ کرتے ہیں اور اصل ناموں کے بجائے اُن کے معانی بیان کرتے ہیں۔ کبھی کبھی تفسیر کے طور پر اس کلام میں، جو اُن کے نزدیک خدائی کلام ہے، اپنی جانب سے کچھ بڑھا بھی دیتے ہیں اور دونوں طرح کے کلام میں فرق و امتیاز کے لیے کسی طرح کا کوئی اشارہ بھی نہیں کرتے۔ یہ دونوں باتیں ان کی عادت ثانیہ بن گئی ہیں۔ جو شخص اُن مترجمین کے مختلف زبانوں میں پائے جانے والے ترجموں پر غور کرے گا، اُسے ہمارے دعوے کی تصدیق کے بہت سے شواہد مل جائیں گے۔

عیسیٰ علیہ السلام آرامی زبان بولتے تھے، نہ کہ یونانی۔ اس کے بعد اس بات میں کوئی شک نہیں رہتا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے جس شخص کی تشریف آوری کی بشارت دی تھی، مترجمین نے اپنی عادت کے مطابق اس کا یونانی میں ترجمہ کر ڈالا۔ یونانی میں یہ لفظ ''پیر کلوطوس'' تھا جس کے معنی ''محمد'' اور ''احمد'' کے قریب ہیں یا یہ لفظ ''پاراکلی طوس'' تھا۔ اس کے معنی معین و مددگار، کارساز و وکیل کے ہیں۔ دونوں لفظوں میں بہت معمولی سا فرق ہے۔ عربی مترجمین نے اس کو مُعرّب کر کے ''فارقلیط'' یا ''بارقلیط'' بنا دیا۔ یہ لفظ چاہے کتنی ہی ارتقائی منازل سے گزرا ہو، یہ بات بہرحال واضح ہے کہ یسوع نے ایک نبی کی بشارت دی تھی۔ کچھ لوگوں نے ظہور محمدی سے پہلے دعویٰ کیا کہ لفظ ''فارقلیط'' کا مصداق ہم لوگ ہیں، مثلاً: دوسری صدی عیسوی میں مونٹینس (Montanus) نامی ایک عیسائی نے، جو بڑا عبادت گزار اور اپنے زمانے کا سب سے بڑا متقی تھا، ایشیائے کوچک میں 177ء کے قریب دعویٰ کیا کہ جس ''فارقلیط'' کے آنے کا عیسیٰ علیہ السلام وعدہ کر گئے ہیں وہ میں ہی ہوں، چنانچہ بہت سے لوگ اُس کے متبع ہو گئے۔[1]

قدیم مسیحی فرقے ''مونٹینزم'' کے مرکز پیپوزا (نیو یروشلم) کے حجری آثار (ترکی)

واضح رہے کہ پاراکلی طوس کا عبرانی مترادف

[1] إظهار الحق: 4/1187، 1188.

مناحم מְנַחֵם ($m^{ə}na\dot{h}\dot{h}\bar{e}m$) ہے۔ یونانی زبان میں اس کا تلفظ, $\Pi\alpha\rho\acute{\alpha}\kappa\lambda\eta\tau o\varsigma$ (para'klētos) ہے۔ اسے لاطینی میں paracletus اور انگریزی میں paraclete لکھا گیا ہے۔ انگریزی بائبل میں اس کا ترجمہ counselor (صلاح کار)، helper (مددگار) یا comforter (ڈھارس بندھانے والا) کیا گیا ہے۔[1]

2 "ابد تک تمھارے ساتھ رہے": نبی کریم ﷺ خاتم النبیین ہیں اور آپ کی نبوت قیامت تک کے لیے ہے۔

3 "جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے وہ سب تمھیں یاد دلائے گا": نبی کریم ﷺ بار بار اہلِ کتاب کو یاد دلاتے رہے کہ یسوع (عیسیٰ علیہ السلام) کی تعلیمات کی بنیاد بھی عقیدۂ توحید ہی پر تھی۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾

"آپ کہہ دیجیے: اے اہل کتاب! ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمھارے درمیان یکساں ہے، یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو رب نہ بنائے۔"[2]

بائبل میں عقیدۂ توحید

بائبل (عہد نامہ قدیم) میں بھی توحید کی تلقین کی گئی ہے:

- "میں ہی خداوند ہوں، میرے سوا کوئی دوسرا نہیں۔ میں ہی روشنی کا موجد اور تاریکی کا خالق ہوں۔ میں سلامتی کا بانی اور بلا کو پیدا کرنے والا ہوں۔ میں ہی خداوند یہ سب کچھ کرنے والا ہوں۔"[3]
- "سن اے اسرائیل! خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے۔ تو اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری طاقت سے خداوند اپنے خدا سے محبت رکھ۔"[4]

عہد نامہ جدید میں بھی یہی تعلیمات نظر آتی ہیں:

"اے اسرائیل سن۔ خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے۔ اور تو خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری عقل اور اپنی ساری طاقت سے محبت رکھ۔"[5]

"نعمتیں تو طرح طرح کی ہیں مگر روح ایک ہی ہے۔ اور خدمتیں بھی طرح طرح کی ہیں مگر خداوند ایک ہی ہے۔ اور تاثیریں بھی طرح طرح کی ہیں مگر خدا ایک ہی ہے جو سب میں ہر طرح کا اثر پیدا

---

1 وکی پیڈیا انسائیکلوپیڈیا۔ 2 آل عمرٰن 3:64. 3 کتاب مقدس (یسعیاہ) 45:6،7. 4 کتاب مقدس (استثنا) 6:4،5. 5 کتاب مقدس (مرقس) 12:29،30.

6 ''وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا'': قرآن مجید میں بھی نبی کریم ﷺ کی ایک بڑی صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ آپ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے بلکہ وحی الٰہی کے مطابق کلام کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ○﴾

''اور وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتے۔ وہ تو صرف وحی ہے جو نازل کی جاتی ہے۔''[1]

انجیل کی تیسری پیش گوئی

''یسوع نے اُن سے کہا کیا تم نے کتاب مقدس میں کبھی نہیں پڑھا کہ جس پتھر کو معماروں نے رد کیا۔ وہی کونے کے سرے کا پتھر ہو گیا۔ یہ خداوند کی طرف سے ہوا اور ہماری نظر میں عجیب ہے؟''[2]

''کونے کے سرے کا پتھر'': اس سے مراد ختم نبوت ہے۔ کسی دوسرے نبی نے خاتم الانبیاء ہونے کا کبھی دعویٰ نہیں کیا، لہٰذا یہ بات صرف امام الانبیاء نبی آخرالزمان حضرت محمد ﷺ ہی کے لیے کہی گئی ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ○﴾

''محمد (ﷺ) تمھارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، لیکن وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں اور اللہ ہر شے کو خوب جاننے والا ہے۔''[3]

رسول اللہ ﷺ نے آج سے چودہ صدیاں پہلے اپنے بارے میں بعینہٖ یہی مثال دی تھی جو مذکورہ پیش گوئی میں موجود ہے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ مَثَلِي وَمَثَلَ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِي كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنٰى بَيْتًا فَأَحْسَنَهُ وَأَجْمَلَهُ إِلَّا مَوْضِعَ لَبِنَةٍ مِّنْ زَاوِيَةٍ، فَجَعَلَ النَّاسُ يَطُوفُونَ بِهِ وَيَعْجَبُونَ لَهُ وَيَقُولُونَ: هَلَّا وُضِعَتْ هٰذِهِ اللَّبِنَةُ؟ قَالَ: فَأَنَا اللَّبِنَةُ، وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ»

''میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے ایک گھر بنایا اور اس میں ہر طرح کی زینت پیدا کی لیکن ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ باقی رہ گئی۔ اب لوگ آتے ہیں، مکان کو چاروں طرف سے گھوم پھر کر دیکھتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں لیکن وہ یہ بھی کہتے جاتے ہیں کہ یہاں ایک اینٹ

[1] النجم 53:3،4. [2] کتاب مقدس (متی) 21:42. [3] الأحزاب 33:40.

کیوں نہ رکھی گئی؟ تو (سُن لو!) میں ہی وہ اینٹ ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔" [1]

ایک اور حدیث میں نبیِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

«فُضِّلْتُ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ: ...... وَخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّونَ»

"مجھے انبیاء ﷺ پر چھ باتوں کی وجہ سے فضیلت دی گئی:...... (ان میں سے چھٹی بات یہ ہے کہ) میرے بعد نبیوں (کے سلسلے) کو ختم کر دیا گیا۔" [2]

اسی طرح جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

«إِنَّ لِي أَسْمَاءً: أَنَا مُحَمَّدٌ، وَأَنَا أَحْمَدُ، وَأَنَا الْمَاحِي الَّذِي يَمْحُواللّٰهُ بِيَ الْكُفْرَ، وَأَنَا الْحَاشِرُ الَّذِي يُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰى قَدَمَيَّ، وَأَنَا الْعَاقِبُ الَّذِي لَيْسَ بَعْدَهُ أَحَدٌ»

"بے شک میرے کئی نام ہیں: میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں ماحی ہوں جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کفر کو مٹا دے گا، میں حاشر ہوں کہ لوگوں کو میرے قدموں پر جمع کیا جائے گا اور میں عاقب ہوں کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔" [3]

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور رسول اللہ ﷺ نے اپنی سنت متواترہ میں یہ خبر دی ہے کہ آپ کے بعد قیامت تک کوئی نبی نہیں آئے گا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ آپ کے بعد جو بھی نبوت کا دعویٰ کرے، وہ کذاب، افترا پرداز، دجال، خود گمراہ اور دوسروں کو گمراہ کرنے والا ہے، چاہے وہ کیسے ہی خرق عادت امور اور کیسی ہی شعبدہ بازیاں دکھائے اور مختلف انواع و اقسام کے جادو اور طلسمات کا مظاہرہ کرے۔ اہلِ عقل کے نزدیک یہ سب گمراہی کی باتیں ہیں جیسا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے یمن میں نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والے اسود عنسی اور مسیلمہ کذاب کی زبان پر ایسے فاسد احوال اور بے کار اقوال جاری فرما دیے تھے جن سے ہر عقل مند اور صاحب فہم و بصیرت نے یہ معلوم کر لیا تھا کہ نبوت کا دعویٰ کرنے والے یہ دونوں شخص پرلے درجے کے جھوٹے اور گمراہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر لعنت فرمائے، ایسے جھوٹے مدعیانِ نبوت میں سے ہر ایک کے ساتھ اللہ تعالیٰ ایسے امور پیدا فرما دیتا ہے جس سے علماء اور مومن فوراً معلوم کر لیتے ہیں کہ یہ شخص نبوت کا جھوٹا دعوے دار ہے۔ اس کے برعکس حضرات انبیائے کرام ﷺ کے علم و فہم کا مرکز براہِ راست اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی ذات ہوتی ہے، ان کے اقوال و افعال اللہ جل جلالہ کے

[1] صحيح البخاري: 3535. [2] صحيح مسلم: 523. [3] صحيح البخاري: 4896، صحيح مسلم: 2354، واللفظ له.

حکم اور منشا کے مطابق ہوتے ہیں، ان کی زندگی کی ہر ادا اپنے پروردگار کی عبادت میں خلوص سے ممیز ہوتی ہے اور ان کا کردار انتہائی نیکی، راست بازی، رشد و فلاح اور عدل و استقامت پر مبنی ہوتا ہے۔ بہر حال انجیل کی مذکورہ پیش گوئی کے مصداق خاتم الانبیاء سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ ہی کی ذاتِ گرامی ہے، آپ کے سوا اس کا مصداق اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

انجیل کی چوتھی پیش گوئی

''خدا کی بادشاہی'': بائبل میں مذکور انبیاء کی تعلیمات میں ''خدا کی بادشاہی'' یا ''آسمان کی بادشاہی'' کا بار بار ذکر ملتا ہے بلکہ اُن کی دعوت کا بڑا مقصد ہی خدا کی بادشاہی کا اعلان کرنا تھا۔ خدا کی بادشاہی سے مراد نبوت ہے۔ جس کے بارے میں خداوند نے موسیٰ (علیہ السلام) کے ذریعے سے کہا کہ یہ بنی اسرائیل سے لے کر اُن کے بھائیوں بنی اسماعیل کو دے دی جائے گی۔ انجیل میں لکھا ہے:

''اس لیے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہی تم سے لے لی جائے گی اور اُس قوم کو جو اُس کے پھل لائے دے دی جائے گی اور جو اس پتھر پر گرے گا ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا لیکن جس پر وہ گرے گا اُسے پیس ڈالے گا۔'' [1]

''خدا کی بادشاہی تم سے لے لی جائے گی اور اس قوم کو جو اس کے پھل لائے دے دی جائے گی'': یہی بات زبور میں کہی گئی ہے: ''صادق زمین کے وارث ہوں گے۔'' [2]

قرآن مجید بھی اس حقیقت کی تصدیق کرتا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ﴾

''اور بلاشبہ ہم زبور میں نصیحت کے بعد یہ لکھ چکے ہیں کہ بے شک میرے نیک بندے زمین کے وارث ہوں گے۔'' [3]

مفسرین کے ایک قول کے مطابق ﴿الْأَرْضَ﴾ ''زمین'' کے یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ ہم نے کتاب زبور (صحیفۂ داود نبی) میں نصیحت کے بعد یہ لکھ رکھا ہے کہ ''زمین کے مالک میرے نیک بندے ہوں گے......'' اس صورت میں یہ آیت مؤمنین کے حق میں ایک بشارتِ دنیوی نعمت، یعنی زمینی بادشاہت کی ہوگی اور اگر ﴿الْأَرْضَ﴾ سے مراد ارض موعود لی جائے، یعنی ملک شام (جیسا کہ بہت سے اہل تفسیر نے یہ مراد سمجھی ہے)، تب تو یہ پیش گوئی عہدِ صحابہ میں پوری طرح پوری ہو کر رہی۔ [4]

[1] کتاب مقدس (متی) 44,43:21۔ [2] کتاب مقدس (زبور) 29:37۔ [3] الأنبیآء 105:21۔ [4] تفسیر ماجدي، الأنبیآء 105:21۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـــًٔا ۭ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝﴾

”تم میں سے جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، اللہ نے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے کہ وہ انھیں زمین میں ضرور خلافت دے گا، جیسے اس نے ان سے پہلے لوگوں کو خلافت دی تھی اور ان کے لیے ضرور ان کا وہ دین محکم و پائیدار کر دے گا جو اس نے ان کے لیے چنا اور یقیناً وہ ان کی حالتِ خوف بدل کر انھیں ضرور امن دے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے، میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے اور جو کوئی اس کے بعد کفر کرے تو وہی لوگ فاسق ہیں۔“ [1]

علاوہ ازیں خود رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

«إِنَّ اللّٰهَ زَوٰى لِيَ الْأَرْضَ، فَرَأَيْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا، وَ إِنَّ أُمَّتِي سَيَبْلُغُ مُلْكُهَا مَازُوِيَ لِي مِنْهَا، وَأُعْطِيتُ الْكَنْزَيْنِ الْأَحْمَرَ وَالْأَبْيَضَ»

”بے شک اللہ نے میرے لیے زمین کو سمیٹ دیا تو میں نے اس کے مشارق اور مغارب کو دیکھا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ عنقریب میری امت کی بادشاہت وہاں تک پہنچے گی جہاں تک میرے لیے زمین سمیٹی گئی اور مجھے دو خزانے دیے گئے ہیں: سرخ (سونا) اور سفید (چاندی)۔“ [2]

جب عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: «أَتَعْرِفُ الْحِيرَةَ؟» ”کیا تم حیرہ کو جانتے ہو؟“ انھوں نے عرض کی کہ میں اسے جانتا تو نہیں لیکن اس کے بارے میں سن رکھا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

«فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَيُتِمَّنَّ اللّٰهُ هٰذَا الْأَمْرَ حَتّٰى تَخْرُجَ الظَّعِينَةُ مِنَ الْحِيرَةِ حَتّٰى تَطُوفَ بِالْبَيْتِ فِي غَيْرِ جِوَارِ أَحَدٍ وَّلَتُفْتَحَنَّ كُنُوزُ كِسْرَى ابْنِ هُرْمُزَ»

”اس ذاتِ اقدس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اللہ تعالیٰ اس دین کو ضرور مکمل فرمائے گا حتی کہ ہودج میں سوار ایک عورت حیرہ سے سفر کرتی ہوئی آئے گی اور کسی کی پناہ لیے بغیر وہ بیت اللہ کا طواف

[1] النور 24:55. [2] صحیح مسلم: 2889.

کرے گی اور تم کسریٰ بن ہرمز کے خزانے ضرور فتح کر لو گے۔''

میں نے وضاحت چاہی: کسریٰ (خسرو پرویز) بن ہرمز؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں! کسریٰ بن ہرمز! اور مال کی اس قدر فراوانی ہو جائے گی کہ اسے کوئی قبول کرنے والا نہ ہوگا......'' [1]

مختلف انبیاء ''خدا کی بادشاہی'' کی بشارت دیتے رہے:

''شریعت اور انبیاء یوحنا تک رہے۔ اُس وقت سے خدا کی بادشاہی کی خوشخبری دی جاتی ہے اور ہر ایک زور مار کر اُس میں داخل ہوتا ہے۔'' [2]

یحییٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کا اعلان

یوحنا نبی نے یہودیہ کے بیابان میں منادی کی:

''توبہ کرو کیونکہ آسمان کی بادشاہی نزدیک آ گئی ہے۔'' [3]

یہودیہ (یہوداہ) کا پس منظر یہ ہے کہ جب سلیمان بادشاہ (علیہ السلام) کے عہد کے بعد بنی اسرائیل دو سلطنتوں میں بٹ گئے تو عبرانی قبیلے یہوداہ نے بن یمین کے قبیلے سے مل کر جنوبی سلطنت قائم کی جس کا رومی اور یونانی نام یہودیہ (Judaea) ہے۔ رومی فتوحات (63 ق م) کے بعد یہ نام زیادہ وسیع معنوں میں فلسطین بشمول گلیل اور سامریہ کے لیے استعمال ہونے لگا۔ گلیل یا جلیل (Galilee) کے عبرانی معنی ''حلقۃ'' کے ہیں۔ یہ علاقہ فلسطین کے شمال میں اور یردن دریا کے مغرب میں واقع تھا۔ اس پر ہیرودیس انتپاس 4 ق م سے 39ء تک حاکم رہا۔ مسیح (علیہ السلام) کی خدمت (نبوت) کا بیشتر حصہ یہیں گزرا، اس لیے انھیں گلیلی بھی کہا گیا ہے۔ اسی علاقے سے انھوں نے اپنے شاگرد چنے۔ گلیل کی نسبت سے گلیل یا تبریاس کی جھیل مشہور ہے۔ [4] جھیل تبریاس یا طبریہ (Sea of Galilee) کے مغربی کنارے پر طبریہ (Tiberias) نامی شہر آباد ہے۔ [5] یہیں 583ھ/1187ء


جھیل تبریاس کے کنارے آباد طبریہ کا شہر

[1] صحیح البخاري: 3595، مسند أحمد: 4/257، واللفظ له. [2] کتاب مقدس (لوقا) 16:16. [3] کتاب مقدس (متی) 2:3.
[4] قاموس الکتاب، ص 835، 836.
[5] NIV Study bible: Map 2.

میں جنگ حطین (جنگ طبریہ) میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے صلیبیوں کو تاریخی شکست دی جس کے بعد جلد ہی بیت المقدس صلیبیوں سے آزاد کرا لیا گیا۔ ہیرودیس کی یہودیہ کی سلطنت (37 تا 4 ق م) میں تمام فلسطین کا علاقہ اور یردن (دریائے اردن) کے مشرق کے کچھ علاقے بھی شامل تھے۔[1]

یوحنا (یحییٰ علیہ السلام) کی وفات کے بعد بھی یسوع (عیسیٰ علیہ السلام) آسمان کی بادشاہی کے قریب آنے کا اعلان کرتے رہے:

"اُس وقت سے یسوع نے منادی کرنا اور یہ کہنا شروع کیا کہ توبہ کرو کیونکہ آسمان کی بادشاہی نزدیک آ گئی ہے۔"[2]

"اور یسوع تمام گلیل میں پھرتا رہا اور اُن کے عبادت خانوں میں تعلیم دیتا اور بادشاہی کی خوشخبری کی منادی کرتا اور لوگوں کی ہر طرح کی بیماری اور ہر طرح کی کمزوری کو دُور کرتا رہا۔"[3]

"تھوڑے عرصہ کے بعد یوں ہوا کہ وہ منادی کرتا اور خدا کی بادشاہی کی خوشخبری سناتا ہوا شہر شہر اور گاؤں گاؤں پھرنے لگا اور وہ بارہ (حواری) اُس کے ساتھ تھے۔"[4]

"اُس نے اُن سے کہا مجھے اور شہروں میں بھی خدا کی بادشاہی کی خوشخبری سنانا ضرور ہے کیونکہ میں اسی لیے بھیجا گیا ہوں۔"[5]

"غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا۔ بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا۔ اور چلتے چلتے یہ منادی کرنا کہ آسمان کی بادشاہی نزدیک آ گئی ہے۔"[6]

"آسمان کی بادشاہی" کس کے لیے؟

عیسائی علماء "خدا کی بادشاہی" یا "آسمان کی بادشاہی" کی مختلف وضاحتیں کرتے ہیں، مثلاً:

1. عیسائیت کا پھیلنا اور نزول مسیح کے بعد اس کا ساری دُنیا میں پھیل جانا۔
2. کنیسہ (کلیسا) کا ملحدین پر غلبہ۔
3. یسوع کے خون کی وجہ سے نجات۔

عیسائی علماء کا یہ کہنا کہ "آسمان کی بادشاہی" سے مراد "عیسائیت کا پھیلنا اور نزول مسیح کے بعد اس کا ساری دنیا میں پھیل جانا" ہے تو یہ محض ان کا اپنا مفروضہ ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ اپنی اس توجیہ کے حق میں

1 قاموس الکتاب، ص: 1185-1188۔ 2 کتاب مقدس (متی) 17:4۔ 3 کتاب مقدس (متی) 23:4۔ 4 کتاب مقدس (لوقا) 1:8۔
5 کتاب مقدس (لوقا) 43:4۔ 6 کتاب مقدس (متی) 10:5-7۔

دلیل کے پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ اس طرح کی توجیہات باعثِ تعجب ہیں۔ یورپ میں عرصہ دراز تک کلیسا کا غلبہ رہا لیکن ''خدا کی بادشاہی'' کا مقصد حاصل نہ ہو سکا۔ کلیسا تو ملحدین پر غلبہ نہیں پا سکا، البتہ ملحدین نے اسے زندگی کے دھارے سے نکال کر دیوار سے ضرور لگا دیا ہے۔

''یسوع کے خون کی وجہ سے'' ان کے پیروکاروں کی نجات ایسی توجیہ ہے کہ یسوع نے کبھی اس کا اظہار نہیں کیا۔ یسوع کے قریب ترین ساتھی بھی نہیں جانتے تھے کہ ''خدا کی بادشاہی'' سے مراد سولی پر جان دے کر انسانوں کے گناہوں کا کفارہ ادا کرنا ہے۔ وہ تو مسیح کی متوقع موت پر اس لیے غمگین تھے کہ اُن کے لیے مخلصی اور نجات کا موقع باقی نہیں رہا۔[1]

انجیل کی رو سے ''آسمان کی بادشاہی'' سے یسوع کا سولی پر جان دینا مراد نہیں۔[2] صلیب پر چڑھنے کا واقعہ تو بائبل میں بڑے ذلت آمیز طریقے سے بیان کیا گیا ہے:

''مسیح جو ہمارے لیے لعنتی بنا اُس نے ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت سے چھڑایا کیونکہ لکھا ہے کہ جو کوئی لکڑی پر لٹکایا گیا وہ لعنتی ہے۔''[3]

اگر ''آسمان کی بادشاہی'' سے مراد سولی پر چڑھنا ہی ہے تو یسوع کو خوشی خوشی یہ کام کرنا چاہیے تھا مگر وہ تو انجیل کے مطابق بادلِ ناخواستہ بھی اس کے لیے تیار نہیں تھے بلکہ اس پر انتہائی مایوس اور غمگین تھے اور اسے ٹالنے کے آرزومند تھے:

''اُس وقت اس (یسوع) نے اُن سے کہا: میری جان نہایت غمگین ہے۔ یہاں تک کہ مرنے کی نوبت پہنچ گئی ہے۔ تم یہاں ٹھہرو اور میرے ساتھ جاگتے رہو۔ پھر ذرا آگے بڑھا اور منہ کے بل گر کر یوں دعا کی کہ اے میرے باپ! اگر ہو سکے تو یہ پیالہ مجھ سے ٹل جائے۔''[4]

انجیل برناباس کے مطابق یہودا اسخریوطی (چاروں انجیلوں کے مطابق ''یسوع مسیح'') کے صلیب پر چڑھائے جانے کی المناک تفصیلات کسی طرح ''آسمانی بادشاہی'' سے مطابقت نہیں رکھتیں۔ متی (Matthew) نے سولی چڑھانے کے آخری لمحات کی تفصیل یوں رقم کی ہے:

ایلی، ایلی، لما شبقتنی؟

''اور تیسرے پہر کے قریب یسوع نے بڑی آواز سے چلا کر کہا ایلی، ایلی، لَما شَبقتنی؟ یعنی اے میرے

---

1 دیکھیے: کتاب مقدس (لوقا) 24:17-21 و 23:48، 49۔ 2 دیکھیے: کتاب مقدس (لوقا) 21:6-31۔ 3 کتاب مقدس (گلتیوں کے نام......) 3:13۔ 4 کتاب مقدس (متی) 26:38، 39۔



گلگتا (آرامی زبان میں "کھوپڑی") نامی چٹان جس کے پاس عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر چڑھایا گیا

خدا! اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟ جو وہاں کھڑے تھے اُن میں سے بعض نے سن کر کہا یہ ایلیاہ کو پکارتا ہے۔ اور فوراً اُن میں سے ایک شخص دوڑا اور سپنج لے کر سرکہ میں ڈبویا اور سرکنڈے پر رکھ کر اُسے چُسایا۔ مگر باقیوں نے کہا ٹھہر جاؤ۔ دیکھیں تو ایلیاہ اُسے بچانے آتا ہے یا نہیں۔ یسوع نے پھر بڑی آواز سے چلا کر جان دے دی۔"[1]

انجیل کے اس اقتباس سے اندازہ کیجیے کہ یسوع (دراصل یہودا اِسکریوتی) کس قدر بے بسی کی تصویر بنے ہوئے ہیں اور کتنی حسرت سے پکارتے ہیں: "اے میرے خدا! اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا ہے؟" اگر یسوع کے بھیجے جانے کا مقصد ہی اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے بنو آدم کے گناہوں کا کفارہ ادا کرنا تھا تو وہ اتنے مایوس کیوں تھے؟ کسی عظیم مقصد کی خاطر جان دینے والے تو ہنسی خوشی برضا و رغبت جان جان آفریں کے سپرد کر دیتے ہیں اور ان کی حالت یہ ہوتی ہے ؂

[1] کتاب مقدس (متی) 27:46-50.

سب کچھ لٹا کے راہِ صداقت میں اہل دل   یوں خوش ہیں جیسے دولتِ کونین پا گئے

یہودا اسخریوطی کو طرح طرح کے نام دیے گئے ہیں۔ اس کے نام یہوداہ اسکریوتی، یہودہ اسخریوطی، یہودا اسخریوطی اور Judas Iscariot بتائے گئے ہیں۔ قاموس الکتاب میں لکھا ہے: ''یہوداہ اسکریوتی یسوع مسیح کا شاگرد اور شمعون اسکریوتی کا بیٹا تھا۔ عبرانی میں ایش قریتی (اسکریوتی) کے معنی ہیں ''قریت کا آدمی''...... ''قریت'' جنوبی یہوداہ (Judaea) میں ایک مقام تھا۔ بارہ شاگردوں میں سے یہ واحد شاگرد تھا جو گلیلی نہ تھا۔ اس نے تیس روپے (اشرفیاں) لے کر مسیح کو سردار کاہنوں کے حوالے کرا دیا۔ بعد میں جب اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا تو وہ سردار کاہنوں کے پاس گیا اور اقرار کیا کہ ''میں نے ایک بے قصور شخص کو قتل کے لیے پکڑوایا ہے۔'' انھوں نے پیسے واپس لینے سے انکار کیا تو وہ انھیں مَقدِس میں پھینک کر چلا گیا اور جا کر اپنے آپ کو پھانسی دے دی۔''[1] جہاں اناجیل اربعہ یسوع مسیح (علیہ السلام) کو صلیب پر چڑھانے کا قصہ بیان کرتی ہیں، وہاں انجیل برناباس کہتی ہے کہ یسوع کے حواری یہودا نے سونے کے تیس ٹکڑے رشوت لے کر ان کی مخبری کر دی مگر جب رومی گورنر کے حکم پر سپاہی یہودا کے ساتھ اس جگہ کے نزدیک پہنچے جہاں یسوع اور ان کے گیارہ شاگرد سو رہے تھے تو جبریل، میخائیل، رفائیل اور اوریل فرشتے حکم الٰہی سے آئے اور یسوع کو اٹھا کر آسمان پر لے گئے۔ اور جب یہودا کمرے میں داخل ہوا تو وہ بولی (لب و لہجہ) اور چہرے میں بدل کر یسوع کے مشابہ ہو گیا۔ پھر سپاہی اسی کو پکڑ کر اورشلیم (یروشلیم) لے گئے۔ وہ چیختا رہ گیا کہ وہ یہودا اسخریوطی ہے مگر اس کی کسی نے نہیں سُنی۔ آخر کار یہودی فریسیوں اور کاہنوں کے اصرار پر اسے سولی پر چڑھا دیا گیا۔[2] یہ بیان اس قرآنی تصریح کے عین مطابق ہے:

﴿ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ۭ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ﴾

''اور انھوں نے نہ انھیں (عیسیٰ علیہ السلام کو) قتل کیا اور نہ سولی پر چڑھایا بلکہ انھیں شبہے میں ڈال دیا گیا۔ اور بے شک جنھوں نے عیسیٰ کے بارے میں اختلاف کیا، وہ ضرور ان کے متعلق شک میں ہیں۔ ان لوگوں کے پاس ان کے بارے میں کوئی علم نہیں، سوائے گمان کی پیروی کے، اور انھوں نے یقیناً انھیں قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے انھیں اپنی طرف اٹھا لیا۔''[3]

اناجیل کے برعکس ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت میں یہوداہ اسکریوتی کے پاکیزہ کردار پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ اس

[1] قاموس الکتاب، ص: 1186۔ [2] انجیل برناباس، فصل 214 تا 217۔ [3] النسآء 4:157، 158۔

نے ہرگز غداری نہیں کی تھی بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حسبِ خواہش صلیب پر جان دی جبکہ اس کی شکل تبدیل ہوگئی تھی۔ [1]

''خدا کی بادشاہی'' کے اصل مصداق: محمد ﷺ

حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی منادی کے بعد ''خدا کی بادشاہی'' یا ''آسمان کی بادشاہی'' کے متعلق مسیحی علماء کے دعوے جب بے بنیاد ٹھہرتے ہیں تو اس کا ایک ہی نتیجہ نکلتا ہے کہ ''خدا کی بادشاہی'' سے مراد آخری نبی حضرت محمد ﷺ کی نبوت ہے جبکہ بائبل میں واضح طور پر ذکر ہے کہ ''خدا کی بادشاہی'' بنی اسرائیل سے لے کر ایک اور قوم کو دے دی جائے گی۔'' اس کی وضاحت پہلے گزر چکی ہے کہ وہ دوسری قوم بنی اسماعیل ہے جن میں ان پیش گوئیوں کے بعد پیغمبر آخرالزمان محمد ﷺ کا ظہور ہوا۔

انجیل کی پانچویں پیش گوئی

آخری نبی کی آمد کی بشارت: انجیل متی میں آسمان کی بادشاہی کو ایک تاکستان (انگوروں کے باغ) کے مالک سے تشبیہ دی گئی ہے کہ وہ شام کو طے شدہ مزدوری دینے لگا تو اُس نے سارا دن یا آدھا دن کام کرنے والوں اور آخری ایک گھنٹہ کام کرنے والوں کو برابر مزدوری دینا چاہی تو پہلوں نے اعتراض کیا۔ اس پر مالک نے کہا کہ میں اپنے مال سے جو چاہوں سو کروں۔ یہ مثال دے کر انجیل میں کہا گیا ہے:

''اسی طرح آخر اوّل ہو جائیں گے اور اوّل آخر۔'' [2]

اس مثال میں آسمان کی بادشاہی، یعنی نبوت کی طرف یہ کہہ کر اشارہ کیا گیا ہے کہ آخر میں آنے والے نبی کو مرتبے کے لحاظ سے اولیت حاصل ہوگی جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«نَحْنُ الْآخِرُونَ السَّابِقُونَ»

''ہم آخر میں آنے والے، سبقت لے جانے والے ہیں۔'' [3]

رسول اللہ ﷺ کے ایک اور فرمان سے اس کی مزید وضاحت ہوتی ہے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

«إِنَّمَا بَقَاؤُكُمْ فِيمَا سَلَفَ قَبْلَكُمْ مِّنَ الْأُمَمِ كَمَا بَيْنَ صَلَاةِ الْعَصْرِ إِلٰى غُرُوبِ الشَّمْسِ،

[1] تفسير ابن أبي حاتم، النسآء 157:4، تفصیل کے لیے دیکھیے: جلد اول، باب: ''عیسیٰ اور عیسائیت'' [2] دیکھیے: کتاب مقدس (متی) 20:1-16. [3] صحيح البخاري: 238.

أُوتِيَ أَهْلُ التَّوْرَاةِ التَّوْرَاةَ، فَعَمِلُوا بِهَا حَتّٰى إِذَا انْتَصَفَ النَّهَارُ عَجَزُوا، فَأُعْطُوا قِيرَاطًا قِيرَاطًا، ثُمَّ أُوتِيَ أَهْلُ الْإِنْجِيلِ الْإِنْجِيلَ، فَعَمِلُوا إِلٰى صَلَاةِ الْعَصْرِ ثُمَّ عَجَزُوا فَأُعْطُوا قِيرَاطًا قِيرَاطًا، ثُمَّ أُوتِينَا الْقُرْآنَ فَعَمِلْنَا إِلٰى غُرُوبِ الشَّمْسِ فَأُعْطِينَا قِيرَاطَيْنِ قِيرَاطَيْنِ، فَقَالَ أَهْلُ الْكِتَابَيْنِ: أَيْ رَبَّنَا! أَعْطَيْتَ هٰؤُلَاءِ قِيرَاطَيْنِ قِيرَاطَيْنِ وَ أَعْطَيْتَنَا قِيرَاطًا قِيرَاطًا، وَنَحْنُ كُنَّا أَكْثَرَ عَمَلًا، قَالَ اللّٰهُ: هَلْ ظَلَمْتُكُمْ مِّنْ أَجْرِكُمْ مِّنْ شَيْءٍ؟ قَالُوا: لَا، قَالَ: فَهُوَ فَضْلِي أُوتِيهِ مَنْ أَشَاءُ»

’’تم سے پہلی اُمتوں کے مقابلے میں تمھارے لیے باقی ماندہ وقت اتنا ہی ہے جتنا نمازِ عصر سے لے کر غروب آفتاب تک کا درمیانی وقت ہے۔ اہل تورات کو تورات دی گئی، انھوں نے اس پر عمل شروع کیا۔ جب آدھا دن گزر گیا تو وہ عاجز آ گئے۔ اُنھیں ایک ایک قیراط اُجرت دے دی گئی۔ پھر اہل انجیل کو انجیل ملی، اُنھوں نے نصف النہار سے عصر تک عمل کیا، پھر وہ بھی عاجز آ گئے۔ اُنھیں ایک ایک قیراط اُجرت دے دی گئی۔ پھر ہمیں قرآن مجید عطا کیا گیا۔ ہم نے غروب آفتاب تک عمل کیا۔ ہمیں دو دو قیراط اجرت دی گئی۔ اہلِ تورات و انجیل کہنے لگے: اے ہمارے پروردگار! تو نے ان لوگوں کو دو دو قیراط دیے اور ہمیں ایک ایک قیراط دیا، حالانکہ ہم نے زیادہ کام کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ’’کیا میں نے تمھیں اُجرت دینے میں کوئی ظلم کیا ہے؟‘‘ وہ کہنے لگے: ’’نہیں!‘‘ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ’’یہ میرا فضل ہے، میں جسے چاہتا ہوں عطا کرتا ہوں۔‘‘[1]

انجیل کی چھٹی پیش گوئی

’’اُن دنوں میں یوحنا بپتسمہ دینے والا آیا اور یہودیہ کے بیابان میں یہ منادی کرنے لگا کہ توبہ کرو کیونکہ آسمان کی بادشاہی نزدیک آ گئی ہے۔ ...... پس جو درخت اچھا پھل نہیں لاتا وہ کاٹا اور آگ میں ڈالا جاتا ہے۔ میں تو تم کو توبہ کے لیے پانی سے بپتسمہ دیتا ہوں لیکن جو میرے بعد آتا ہے وہ مجھ سے زور آور ہے۔ میں اُس کی جوتیاں اُٹھانے کے لائق نہیں۔ وہ تم کو روح القدس اور آگ سے بپتسمہ دے گا۔ اُس کا چھاج اُس کے ہاتھ میں ہے اور وہ اپنے کھلیہان کو خوب صاف کرے گا اور اپنے گیہوں کو تو کھتے میں جمع کرے گا مگر بھوسی کو اُس آگ میں جلائے گا جو بجھنے کی نہیں۔‘‘[2]

[1] صحیح البخاري: 557. [2] کتاب مقدس (متی) 3:1 - 12.

أُوتِيَ أَهْلُ التَّوْرَاةِ التَّوْرَاةَ، فَعَمِلُوا بِهَا حَتَّى إِذَا انْتَصَفَ النَّهَارُ عَجَزُوا، فَأُعْطُوا قِيرَاطًا قِيرَاطًا، ثُمَّ أُوتِيَ أَهْلُ الْإِنْجِيلِ الْإِنْجِيلَ، فَعَمِلُوا إِلَى صَلَاةِ الْعَصْرِ ثُمَّ عَجَزُوا فَأُعْطُوا قِيرَاطًا قِيرَاطًا، ثُمَّ أُوتِينَا الْقُرْآنَ فَعَمِلْنَا إِلَى غُرُوبِ الشَّمْسِ فَأُعْطِينَا قِيرَاطَيْنِ قِيرَاطَيْنِ، فَقَالَ أَهْلُ الْكِتَابَيْنِ: أَيْ رَبَّنَا! أَعْطَيْتَ هٰؤُلَاءِ قِيرَاطَيْنِ قِيرَاطَيْنِ وَ أَعْطَيْتَنَا قِيرَاطًا قِيرَاطًا، وَنَحْنُ كُنَّا أَكْثَرَ عَمَلًا، قَالَ اللّٰهُ: هَلْ ظَلَمْتُكُمْ مِّنْ أَجْرِكُمْ مِّنْ شَيْءٍ؟ قَالُوا: لَا، قَالَ: فَهُوَ فَضْلِي أُوتِيهِ مَنْ أَشَاءُ»

’’تم سے پہلی اُمتوں کے مقابلے میں تمھارے لیے باقی ماندہ وقت اتنا ہی ہے جتنا نمازِ عصر سے لے کر غروب آفتاب تک کا درمیانی وقت ہے۔ اہل تورات کو تورات دی گئی، انھوں نے اس پر عمل شروع کیا۔ جب آدھا دن گزر گیا تو وہ عاجز آ گئے۔ اُنھیں ایک ایک قیراط اُجرت دے دی گئی۔ پھر اہل انجیل کو انجیل ملی، اُنھوں نے نصف النہار سے عصر تک عمل کیا، پھر وہ بھی عاجز آ گئے۔ اُنھیں ایک ایک قیراط اُجرت دے دی گئی۔ پھر ہمیں قرآن مجید عطا کیا گیا۔ ہم نے غروب آفتاب تک عمل کیا۔ ہمیں دو دو قیراط اجرت دی گئی۔ اہل تورات و انجیل کہنے لگے: اے ہمارے پروردگار! تو نے ان لوگوں کو دو دو قیراط دیے اور ہمیں ایک ایک قیراط دیا، حالانکہ ہم نے زیادہ کام کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ’’کیا میں نے تمھیں اُجرت دینے میں کوئی ظلم کیا ہے؟‘‘ وہ کہنے لگے: ’’نہیں!‘‘ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ’’یہ میرا فضل ہے، میں جسے چاہتا ہوں عطا کرتا ہوں۔‘‘ [1]

انجیل کی چھٹی پیش گوئی

’’اُن دنوں میں یوحنا بپتسمہ دینے والا آیا اور یہودیہ کے بیابان میں یہ منادی کرنے لگا کہ توبہ کرو کیونکہ آسمان کی بادشاہی نزدیک آ گئی ہے۔ ...... پس جو درخت اچھا پھل نہیں لاتا وہ کاٹا اور آگ میں ڈالا جاتا ہے۔ میں تو تم کو توبہ کے لیے پانی سے بپتسمہ دیتا ہوں لیکن جو میرے بعد آتا ہے وہ مجھ سے زور آور ہے۔ میں اُس کی جوتیاں اُٹھانے کے لائق نہیں۔ وہ تم کو روح القدس اور آگ سے بپتسمہ دے گا۔ اُس کا چھاج اُس کے ہاتھ میں ہے اور وہ اپنے کھلیہان کو خوب صاف کرے گا اور اپنے گیہوں کو تو کھتے میں جمع کرے گا مگر بھوسی کو اُس آگ میں جلائے گا جو بجھنے کی نہیں۔‘‘ [2]

[1] صحيح البخاري: 557. [2] کتاب مقدس (متی) 3:1 - 12.

أُوتِيَ أَهْلُ التَّوْرَاةِ التَّوْرَاةَ، فَعَمِلُوا بِهَا حَتّٰى إِذَا انْتَصَفَ النَّهَارُ عَجَزُوا، فَأُعْطُوا قِيرَاطًا قِيرَاطًا، ثُمَّ أُوتِيَ أَهْلُ الْإِنْجِيلِ الْإِنْجِيلَ، فَعَمِلُوا إِلٰى صَلَاةِ الْعَصْرِ ثُمَّ عَجَزُوا فَأُعْطُوا قِيرَاطًا قِيرَاطًا، ثُمَّ أُوتِينَا الْقُرْآنَ فَعَمِلْنَا إِلٰى غُرُوبِ الشَّمْسِ فَأُعْطِينَا قِيرَاطَيْنِ قِيرَاطَيْنِ، فَقَالَ أَهْلُ الْكِتَابَيْنِ: أَيْ رَبَّنَا! أَعْطَيْتَ هٰؤُلَاءِ قِيرَاطَيْنِ قِيرَاطَيْنِ وَ أَعْطَيْتَنَا قِيرَاطًا قِيرَاطًا، وَنَحْنُ كُنَّا أَكْثَرَ عَمَلًا، قَالَ اللّٰهُ: هَلْ ظَلَمْتُكُمْ مِّنْ أَجْرِكُمْ مِّنْ شَيْءٍ؟ قَالُوا: لَا، قَالَ: فَهُوَ فَضْلِي أُوتِيهِ مَنْ أَشَاءُ»

''تم سے پہلی اُمتوں کے مقابلے میں تمھارے لیے باقی ماندہ وقت اتنا ہی ہے جتنا نمازِ عصر سے لے کر غروب آفتاب تک کا درمیانی وقت ہے۔ اہل تورات کو تورات دی گئی، انھوں نے اس پر عمل شروع کیا۔ جب آدھا دن گزر گیا تو وہ عاجز آ گئے۔ اُنھیں ایک ایک قیراط اُجرت دے دی گئی۔ پھر اہل انجیل کو انجیل ملی، اُنھوں نے نصف النہار سے عصر تک عمل کیا، پھر وہ بھی عاجز آ گئے۔ اُنھیں ایک ایک قیراط اُجرت دے دی گئی۔ پھر ہمیں قرآن مجید عطا کیا گیا۔ ہم نے غروب آفتاب تک عمل کیا۔ ہمیں دو دو قیراط اجرت دی گئی۔ اہل تورات و انجیل کہنے لگے: اے ہمارے پروردگار! تو نے ان لوگوں کو دو دو قیراط دیے اور ہمیں ایک ایک قیراط دیا، حالانکہ ہم نے زیادہ کام کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''کیا میں نے تمھیں اُجرت دینے میں کوئی ظلم کیا ہے؟'' وہ کہنے لگے: ''نہیں!'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''یہ میرا فضل ہے، میں جسے چاہتا ہوں عطا کرتا ہوں۔''[1]

انجیل کی چھٹی پیش گوئی

''اُن دنوں میں یوحنا بپتسمہ دینے والا آیا اور یہودیہ کے بیابان میں یہ منادی کرنے لگا کہ توبہ کرو کیونکہ آسمان کی بادشاہی نزدیک آ گئی ہے۔ ...... پس جو درخت اچھا پھل نہیں لاتا وہ کاٹا اور آگ میں ڈالا جاتا ہے۔ میں تو تم کو توبہ کے لیے پانی سے بپتسمہ دیتا ہوں لیکن جو میرے بعد آتا ہے وہ مجھ سے زور آور ہے۔ میں اُس کی جوتیاں اُٹھانے کے لائق نہیں۔ وہ تم کو روح القدس اور آگ سے بپتسمہ دے گا۔ اُس کا چھاج اُس کے ہاتھ میں ہے اور وہ اپنے کھلیہان کو خوب صاف کرے گا اور اپنے گیہوں کو تو کھتے میں جمع کرے گا مگر بھوسی کو اُس آگ میں جلائے گا جو بجھنے کی نہیں۔''[2]

[1] صحيح البخاري: 557. [2] کتاب مقدس (متی)3:1 - 12.

یوحنا اصطباغی (John the Baptist) (یحییٰ علیہ السلام) کے باپ زکریاہ (علیہ السلام) کاہنوں کے خاندان سے تھے۔ ان کی ماں ہارون (علیہ السلام) کے خاندان سے تھی۔ وہ اپنے پیروکاروں کو پانی کا جو بپتسمہ (اصطباغ) دیتے تھے، وہ گناہ سے علیحدگی اور صفائی کو ظاہر کرتا تھا۔ انھوں نے یسوع مسیح کی خواہش پر ان کو بھی بپتسمہ دیا۔ انھوں نے اپنے شاگردوں کو دعائیں سکھائیں اور اکثر روزے رکھنے کو کہا۔ یوحنا اصطباغی مسیح (علیہ السلام) کی پیدائش سے چھ ماہ پہلے جنوبی یہودیہ میں پیدا ہوئے۔ 26ء یا 27ء کا واقعہ ہے جب یوحنا نے اپنی خدمت (نبوت) یہودیہ اور یردن (اردن) کی وادی سے شروع کی۔ مسیح یسوع (علیہ السلام) نے اپنی کھلی خدمت (تبلیغ) یوحنا کے قید میں ڈالے جانے کے بعد شروع کی۔ اناجیل، یوحنا (یحییٰ علیہ السلام) کی موت کا سبب ہیرودیاس (ہیرودیس اعظم کی بدکار پوتی) کی کینہ وری بتاتی ہیں کیونکہ وہ ہیرودیس انتپاس کی غیر منکوحہ بیوی تھی اور یوحنا (علیہ السلام) نے اس کی مذمت کی تھی۔ یوحنا اصطباغی کے قتل کے بعد ان کے شاگردوں نے احترام سے انھیں دفن کیا حتی کہ 20 سال بعد بھی افسس میں ان کے شاگرد پائے جاتے تھے جن میں اپلوس جیسا یہودی عالم بھی شامل تھا۔ [1] حضرت یحییٰ علیہ السلام کے متعلق مزید معلومات اطلس القرآن اردو (ص: 199 تا 203) میں ملاحظہ کیجیے۔

1 **"جو درخت اچھا پھل نہیں لاتا وہ کاٹا اور آگ میں ڈالا جاتا ہے":** انجیل کی تصریح کے مطابق اچھا پھل نہ لانے والا درخت کاٹ دیا جاتا ہے، چنانچہ یہودی اپنی نافرمانیوں اور بداعمالیوں کی وجہ سے اللہ کے غیظ و غضب کا شکار ہوئے۔ وہ حق کو جھٹلانے کی وجہ سے اللہ کی رحمت و برکت سے محروم ہو گئے تھے، لہٰذا آسمان کی بادشاہی، یعنی نبوت بنواسماعیل کو دے دی گئی۔

2 **"وہ اپنے کھلیہان کو خوب صاف کرے گا":** آخری نبی حضرت محمد ﷺ نے عرب کے جاہلی معاشرے کی تربیت اور تزکیہ کر کے اسے دنیا کی امامت کے لیے تیار کر دیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْأُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝﴾

"وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں انھی میں سے ایک رسول بھیجا۔ وہ اس کی آیات انھیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور اس سے پہلے تو وہ کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔" [2]

[1] قاموس الکتاب، ص: 1161، 1162. [2] الجمعۃ 62:2.

رسول اللہ ﷺ نے جس طرح ''گیہوں'' کو ''بھوسے'' سے الگ اور حق کو باطل سے علیحدہ کر کے اس کے غلبے کی بنیاد رکھی، اس کی انسانی معاشروں میں کوئی مثال نہیں ملتی اور یہ ایسی حقیقت ہے جس کا مشرق و مغرب کے بڑے بڑے اہل علم نے اعتراف کیا ہے۔ ایک ہندو شاعر نبی ﷺ کی شان میں کہتا ہے ؎

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے   کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا

انجیل کی ساتویں پیش گوئی

متی کی انجیل میں ''آسمان کی بادشاہی'' کو چھپے خزانے اور ایک نیا بیش قیمت موتی ملنے سے تشبیہ دی گئی ہے:

''آسمان کی بادشاہی کھیت میں چھپے خزانہ کی مانند ہے جسے کسی آدمی نے پا کر چھپا دیا اور خوشی کے مارے جا کر جو کچھ اُس کا تھا بیچ ڈالا اور اُس کھیت کو مول لے لیا۔ پھر آسمان کی بادشاہی اُس سوداگر کی مانند ہے جو عمدہ موتیوں کی تلاش میں تھا۔ جب اُسے ایک بیش قیمت موتی ملا تو اُس نے جا کر جو کچھ اُس کا تھا سب بیچ ڈالا اور اُسے مول لے لیا۔'' [1]

1 ''**بیش قیمت موتی ملا تو ...... اسے مول لے لیا**'': چھپا خزانہ اور نیا بیش قیمت موتی ملنے سے پہلی شریعتوں کی تنسیخ اور نئی شریعت کے نفاذ کا اشارہ ملتا ہے اور یہ شرف صرف اسلام اور شریعت محمدی ہی کو حاصل ہے۔ نبی کریم ﷺ کے ذریعے سے دین کی تکمیل ہوگئی اور پرانی شریعتوں کی جو باتیں اور حکمتیں اللہ تعالیٰ کو باقی رکھنا تھیں، وہ اس شریعت میں شامل کر دی گئیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَ مُهَيْمِنًا عَلَيْهِ ﴾

''اور (اے نبی!) ہم نے آپ پر یہ کتاب حق کے ساتھ نازل کی، یہ تصدیق کرنے والی ہے اس کتاب کی جو اس سے پہلے تھی اور اس پر نگہبان ہے۔'' [2]

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ﴾

''آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین کامل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمھارے لیے اسلام کو دین کی حیثیت سے پسند کر لیا۔'' [3]

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ایک یہودی نے کہا:

''اے امیر المؤمنین! آپ کی کتاب (قرآن مجید) میں ایک ایسی آیت ہے جسے آپ پڑھتے رہتے ہیں۔

1 کتاب مقدس (متی) 13:44-46. 2 المآئدة 5:48. 3 المآئدة 5:3.

اگر وہ آیت ہم یہودیوں کی جماعت پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید کا دن بنا لیتے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''وہ کون سی آیت ہے؟'' یہودی نے کہا کہ یہ آیت:

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ﴾

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم اس دن اور اس مقام کو جانتے ہیں جس میں یہ آیت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ یہ آیت جمعے کے دن اُس وقت اتری جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم عرفات میں کھڑے تھے۔[1]

بائبل کی رو سے عیسیٰ علیہ السلام اس پیش گوئی کے مصداق نہیں کیونکہ اُن کی شریعت پہلی شریعتوں کی ناسخ نہیں تھی جیسا کہ یسوع (علیہ السلام) نے فرمایا ہے:

''یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں۔ منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں۔''[2]

[1] صحيح البخاري: 45. [2] کتاب مقدس (متی) 17:5.

خاتم النبیین ﷺ کی بعثت وصداقت قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ

مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ

ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ

قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ إِصْرِي

قَالُوا أَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ

اور (یاد کرو) جب اللہ نے تمام نبیوں سے عہد لیا تھا کہ جب میں تمھیں کتاب اور حکمت عطا کروں، پھر تمھارے پاس کوئی رسول آئے جو اس (کتاب) کی تصدیق کرتا ہو جو تمھارے پاس ہے تو تمھیں اس پر ایمان لانا ہوگا اور اس کی مدد کرنی ہوگی۔ اللہ نے فرمایا: کیا تم اقرار کرتے ہو اور اس پر میرا عہد قبول کرتے ہو؟ انھوں نے کہا: ہم نے اقرار کیا۔ اللہ نے فرمایا: تو تم گواہ رہنا اور میں بھی تمھارے ساتھ گواہ ہوں۔"

(آل عمرٰن 3:81)

خاتم النبیین ﷺ کی بعثت وصداقت قرآن کی مذکورہ آیت کی صداقت بائبل سے ہوتی ہے:

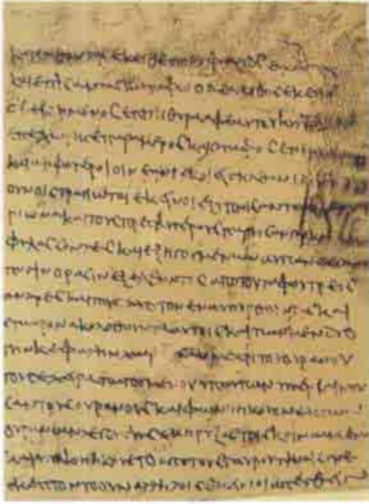
وَيُرْسِلَ يَسُوعَ ٱلْمَسِيحَ ٱلْمُبَشَّرَ بِهِ لَكُمْ قَبْلُ. ٱلَّذِي يَنْبَغِي
أَنَّ ٱلسَّمَاءَ تَقْبَلُهُ إِلَى أَزْمِنَةِ رَدِّ كُلِّ شَيْءٍ ٱلَّتِي تَكَلَّمَ عَنْهَا ٱللهُ
بِفَمِ جَمِيعِ أَنْبِيَائِهِ ٱلْقِدِّيسِينَ مُنْذُ ٱلدَّهْرِ.

''اور وہ اُس مسیح کو جو تمھارے واسطے مقرر ہوا ہے یعنی یسوع کو بھیجے۔ ضرور ہے کہ وہ آسمان میں اُس وقت تک رہے جب تک کہ وہ سب چیزیں بحال نہ کی جائیں جن کا ذکر خدا نے اپنے پاک نبیوں کی زبانی کیا ہے جو دُنیا کے شروع سے ہوتے آئے ہیں۔''

کتاب مقدس (اعمال) 21,20:3

پطرس کی بشارت

عہد نامہ جدید میں مسیحی جماعتوں کے نام پطرس کے دو خطوط شامل ہیں۔ پطرس (Peter) حواری اندریاس کا بھائی اور مسیح (علیہ السلام) کا سب سے مشہور شاگرد تھا۔ اس کا اصل نام شمعون تھا۔ وہ بیت صیدا نزد گلیل کا ماہی گیر تھا۔ اس کے باپ کا نام یوحنا (غالباً ''یوناہ'' کا مخفف) تھا۔ مسیح (علیہ السلام) نے اس کا نام کیفا (بمعنی ''پتھر'') رکھا جبکہ انجیل نویس یوحنا نے آرامی لفظ ''کیفا'' کا ترجمہ یونانی میں ''پطرس'' (Petros) کیا۔ اس سے پہلے پطرس اپنے بھائی اندریاس کی طرح یوحنا اصطباغی کی منادی سُن کر اس کا شاگرد بن گیا تھا۔ 44ء میں جب اگرپا اول نے کلیسیا (مسیحی برادری) کو ستانا شروع کیا تو پطرس قید سے معجزانہ رہائی پا کر بچ گیا۔ اس نے اپنی بیوی کے ساتھ یہودیوں میں منادی (تبلیغ) کرنے کے لیے بہت سفر کیا۔ آخر کار وہ رومہ گیا اور وہیں نیرو کے عہد میں اسے شہید کر دیا گیا۔[1]



کتاب پطرس (عہد نامہ جدید)

پطرس نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

''پس توبہ کرو اور رجوع لاؤ تا کہ تمھارے گناہ مٹائے جائیں اور اس طرح خداوند کے حضور سے تازگی کے دن آئیں۔ اور وہ اُس مسیح کو جو تمھارے واسطے مقرر ہوا ہے یعنی یسوع کو بھیجے۔ ضرور ہے کہ وہ آسمان میں اُس وقت تک رہے جب تک کہ وہ سب چیزیں بحال نہ کی جائیں جن کا ذکر خدا نے اپنے پاک نبیوں کی زبانی کیا ہے جو دُنیا کے شروع سے ہوتے آئے ہیں۔ چنانچہ موسیٰ نے کہا کہ خداوند خدا تمھارے بھائیوں میں سے تمھارے لیے مجھ سا ایک نبی پیدا کرے گا۔ جو کچھ وہ تم سے کہے اُس کی سننا۔ اور یوں ہوگا کہ جو شخص اُس نبی کی نہ سنے گا وہ اُمت میں سے نیست و نابود کر دیا جائے گا۔ بلکہ

[1] قاموس الکتاب، ص: 190-193.

سموئیل سے لے کر پچھلوں تک جتنے نبیوں نے کلام کیا اُن سب نے اِن دنوں کی خبر دی ہے۔ تم نبیوں کی اولاد اور اُس عہد کے شریک ہو جو خدا نے تمھارے باپ دادا سے باندھا جب ابرہام سے کہا کہ تیری اولاد سے دنیا کے سب گھرانے برکت پائیں گے۔'' [1]

پطرس کے خطاب سے ماخوذ امور

پطرس کے مندرجہ بالا خطاب میں چند امور کی طرف اشارہ ہے:

(ا) یہ پیش گوئی یسوع (عیسیٰ علیہ السلام) کے سوا کسی اور نبی کے لیے ہے۔ اُس نبی کے ظہور کے وقت تک عیسیٰ علیہ السلام آسمان میں قیام پذیر رہیں گے۔

(ب) اس کا تعلق بنی اسرائیل سے نہیں بلکہ اُن کے بھائیوں بنی اسماعیل سے ہوگا۔

(ج) اُس نبی اور موسیٰ علیہ السلام میں بہت سی باتوں میں مشابہت ہوگی۔

یہ ساری باتیں جو تورات کی پہلی پیش گوئی میں گزر چکی ہیں، صرف نبی کریم ﷺ ہی کی ذات بابرکات میں پائی جاتی ہیں۔

(د) ''جو شخص اُس نبی کی نہ سنے گا وہ اُمت میں سے نیست و نابود کر دیا جائے گا۔''

رسول اللہ ﷺ نے بھی یہی بات فرمائی ہے:

«وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ! لَا يَسْمَعُ بِي أَحَدٌ مِّنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ يَهُودِيٌّ وَّلَا نَصْرَانِيٌّ، ثُمَّ يَمُوتُ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِالَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ، إِلَّا كَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ»

''اُس ذات کی قسم جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے! اس اُمت کا کوئی بھی یہودی یا عیسائی فرد میرے بارے میں سنتا ہے، پھر جو کچھ مجھے دے کر مبعوث کیا گیا ہے، اُس پر ایمان لائے بغیر مر جاتا ہے تو وہ جہنمیوں میں سے ہوگا۔'' [2]

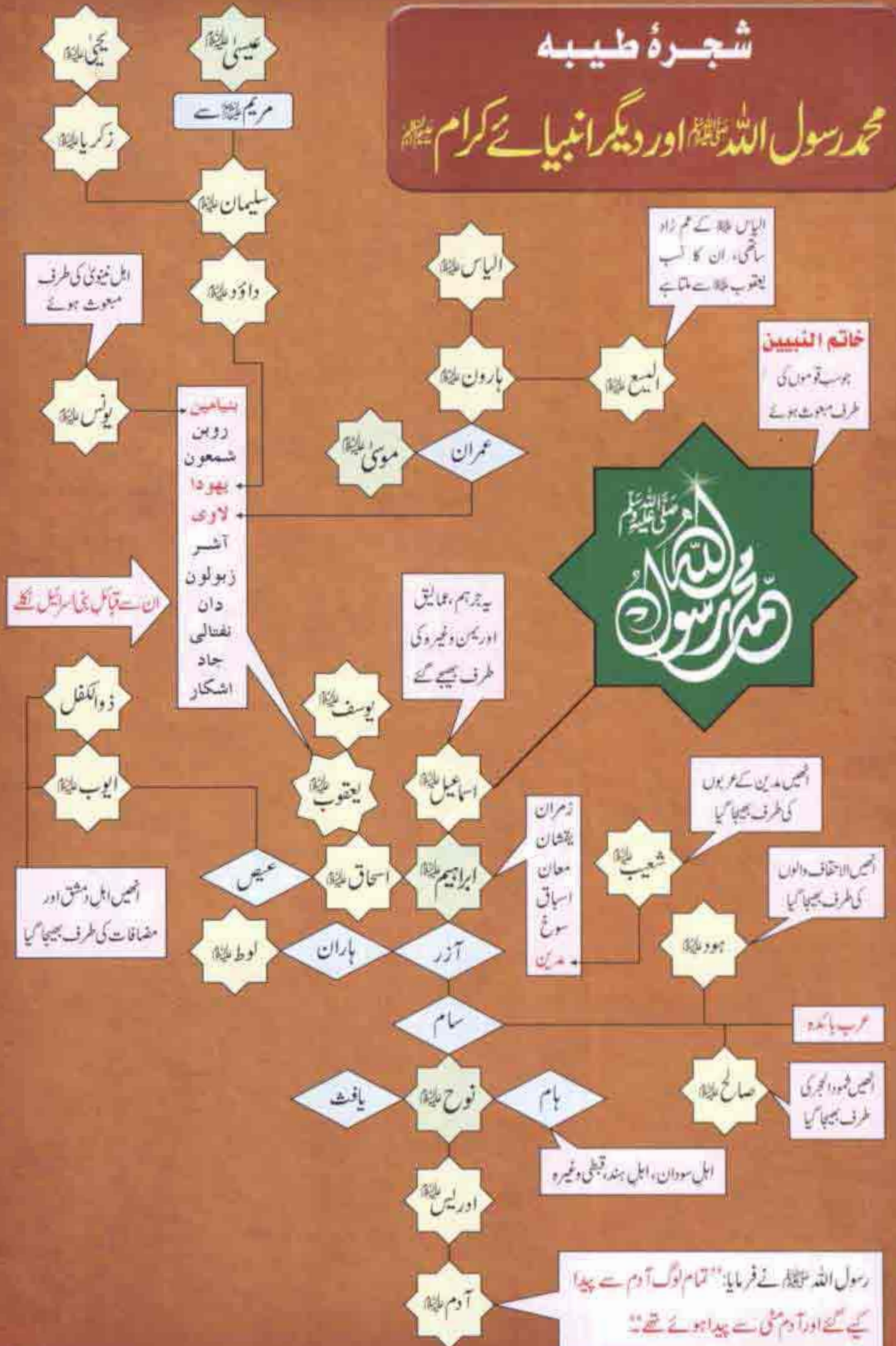
گویا فرمان نبوی یہ ہے کہ جو لوگ اس وقت میرے زمانے میں موجود ہیں یا قیامت تک اس دنیا میں آئیں گے، ان سب کے لیے مجھ پر ایمان لانا اور میری اطاعت و فرماں برداری اختیار کرنا واجب ہے۔ یہود و نصاریٰ کا بطور خاص اس لیے ذکر کیا کہ وہ اہل کتاب ہیں۔ اگر ان کے لیے ایمان لانا اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت و فرماں برداری اختیار کرنا واجب ہے تو دوسروں کے لیے یہ بالاولیٰ واجب ہوگا اور جو شخص ایسا نہیں کرے گا، وہ

[1] کتاب مقدس (اعمال) 3:19-25. [2] صحیح مسلم: 153.

بلاشبہ جہنم رسید ہوگا۔

(۴) اس پیش گوئی کے مطابق سموئیل (شمویل علیہ السلام) سے لے کر پچھلوں تک تمام نبیوں نے آنے والے نبی کی خبر دی تھی۔

اس پیش گوئی کے مصداق نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں جن کی آمد کی پیش گوئی حضرت موسیٰ، حضرت شمویل، حضرت عیسیٰ اور دیگر انبیاء علیہم السلام نے کی تھی۔



شجرۂ طیبہ
محمد رسول اللہ ﷺ اور دیگر انبیائے کرام
عیسیٰ
یحییٰ
مریم سے
زکریا
سلیمان
داؤد
اہل نینوی کی طرف مبعوث ہوئے
یونس
الیاس
الیاس کے عم زاد ساتھی، ان کا نسب یعقوب سے ملتا ہے
الیسع
ہارون
خاتم النبیین
جو سب قوموں کی طرف مبعوث ہوئے
موسیٰ
عمران
بنیامین
روبن
شمعون
یہودا
لاوی
آشر
زبولون
دان
نفتالی
جاد
اشکار
ان سے قبائل بنی اسرائیل نکلے
محمد رسول اللہ ﷺ
یہ جرہم، عمالیق اور یمن وغیرہ کی طرف بھیجے گئے
ذوالکفل
یوسف
ایوب
یعقوب
اسماعیل
انھیں مدین کے عربوں کی طرف بھیجا گیا
زمران
یقشان
معان
اسباق
سوخ
مدین
شعیب
عیص
اسحاق
ابراہیم
انھیں الاحقاف والوں کی طرف بھیجا گیا
انھیں اہل دمشق اور مضافات کی طرف بھیجا گیا
ہود
لوط
ہاران
آزر
سام
عرب بائدہ
صالح
انھیں ثمود الحجر کی طرف بھیجا گیا
یافث
نوح
حام
اہل سوڈان، اہل ہند، قبطی وغیرہ
ادریس
آدم
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تمام لوگ آدم سے پیدا کیے گئے اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے تھے۔“

خاتم النبیین ﷺ کی بعثت و صداقت قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَإِنْ جَآءُوكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ وَإِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَضُرُّوكَ شَيْئًا وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ

’’پھر اگر وہ آپ کے پاس آئیں تو آپ (کو اختیار ہے کہ) ان کے درمیان فیصلہ کر دیں یا ان سے اعراض کریں اور اگر آپ ان سے منہ موڑ لیں گے تب بھی وہ آپ کو قطعاً کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ اور اگر آپ ان کے مابین کوئی فیصلہ کریں تو انصاف کے ساتھ کریں۔‘‘ (المائدۃ 5:42)

خاتم النبیین ﷺ کی بعثت وصداقت قرآن کی مذکورہ آیت کی صداقت بائبل سے ہوتی ہے:

ثُمَّ رَأَيْتُ السَّمَاءَ مَفْتُوحَةً وَإِذَا فَرَسٌ
أَبْيَضُ وَالْجَالِسُ عَلَيْهِ يُدْعَى أَمِينًا
وَصَادِقًا وَبِالْعَدْلِ يَحْكُمُ وَيُحَارِبُ

''پھر میں نے آسمان کو کھلا ہوا دیکھا اور کیا دیکھتا ہوں کہ ایک سفید گھوڑا ہے اور اس پر ایک سوار ہے جو سچا اور برحق کہلاتا ہے اور وہ راستی کے ساتھ انصاف کرتا ہے۔''

کتاب مقدس (مکاشفہ یوحنا) 11:19

مکاشفہ یوحنا کی بشارات

یوحنا کی پہلی پیش گوئی

عہد نامہ جدید کی آخری کتاب میں لکھا ہے کہ یوحنا عارف نے بتایا:

''پھر میں نے آسمان کو کھلا ہوا دیکھا اور کیا دیکھتا ہوں کہ ایک سفید گھوڑا ہے اور اُس پر ایک سوار ہے جو سچا اور برحق کہلاتا ہے اور وہ راستی کے ساتھ انصاف اور لڑائی کرتا ہے۔ اور اُس کی آنکھیں آگ کے شعلے ہیں اور اُس کے سر پر بہت سے تاج ہیں اور اُس کا ایک نام لکھا ہوا ہے جسے اُس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ اور وہ خون کی چھڑکی ہوئی پوشاک پہنے ہوئے ہے اور اُس کا نام کلام خدا کہلاتا ہے۔ اور آسمان کی فوجیں سفید گھوڑوں پر سوار اور سفید اور صاف مہین کتانی کپڑے پہنے ہوئے اُس کے پیچھے پیچھے ہیں۔ اور قوموں کے مارنے کے لیے اُس کے منہ سے ایک تیز تلوار نکلتی ہے اور وہ لوہے کے عصا سے اُن پر حکومت کرے گا۔'' [1]



کتاب یوحنا (عہد نامہ جدید)

بائبل کے شارحین کا خیال ہے کہ یوحنا عارف کا متذکرہ بالا مکاشفہ یسوع علیہ السلام کے لیے ہے۔ لیکن یسوع علیہ السلام اس کی ایک شق پر بھی پورے نہیں اُترتے۔ یہ خواب یقیناً کئی وجوہ کی بنا پر پیغمبر آخر الزمان محمد ﷺ ہی کے بارے میں ہے۔

1 ''جو سچا اور برحق کہلاتا ہے'': رسول اللہ ﷺ نبوت سے پہلے بھی صادق و امین کے لقب سے معروف تھے اور نبوت کے بعد بھی یہ القاب آپ کے لیے مستعمل رہے۔

2 ''وہ راستی کے ساتھ انصاف اور لڑائی کرتا ہے'': نبی کریم ﷺ کا انصاف اتنا دوٹوک، بے لاگ، معروف اور

[1] کتاب مقدس (یوحنا عارف کا مکاشفہ) 19:11-15.

مسلمہ تھا کہ مسلمانوں کے بدترین دشمن یہودی بھی اپنے فیصلے رسول اللہ ﷺ سے کرایا کرتے تھے۔ سچائی اور عدل آپ ﷺ کی شخصیت کی پہچان تھی۔ آپ نے انھی اوصاف کی تعلیم دی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فَإِنْ جَآءُوكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ ۖ وَإِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَضُرُّوكَ شَيْـًٔا ۖ وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ﴾

''پھر اگر وہ آپ کے پاس آئیں تو آپ (کو اختیار ہے کہ) ان کے مابین فیصلہ کر دیں یا ان سے اعراض کریں اور اگر آپ ان سے منہ موڑ لیں گے تب بھی وہ آپ کو قطعاً کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ اور اگر آپ ان کے مابین کوئی فیصلہ کریں تو انصاف کے ساتھ کریں۔'' [1]

مزید فرمایا:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمٰنٰتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا ۙ وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ﴾

''بے شک اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے حقداروں کو واپس کردو۔ اور جب تم لوگوں کے مابین فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔'' [2]

دشمنوں سے برتاؤ کی اسلامی اقدار

نبی کریم ﷺ کے جہادی معرکوں میں بھی رحم و کرم اور انتہائی عدل کی شان ہوتی تھی۔ سیدنا شداد بن اوس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ الْإِحْسَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ، فَإِذَا قَتَلْتُمْ فَأَحْسِنُوا الْقِتْلَةَ وَ إِذَا ذَبَحْتُمْ فَأَحْسِنُوا الذَّبْحَ......»

''بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر شے پر احسان لکھ دیا ہے۔ جب تم قتل کرو تو اچھے طریقے سے قتل کرو اور جب تم ذبح کرو تو اچھے طریقے سے ذبح کرو۔'' [3]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک غزوے میں رسول اللہ ﷺ نے کسی عورت کی لاش دیکھی تو آپ ﷺ نے سخت ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور جنگ میں عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرما دیا۔ [4]

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی کو کسی لشکر یا سَرِیّے کا امیر بناتے تو اسے بالخصوص اپنی ذات کے بارے میں اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے اور اپنے ساتھیوں کے بارے میں بھلائی اور خیر خواہی کی

[1] المآئدة5:42. [2] النسآء4:58. [3] صحيح مسلم:1955. [4] صحيح البخاري:3015,3014.

وصیت کرتے، پھر فرماتے:

«اُغْزُوا بِاسْمِ اللّٰهِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، قَاتِلُوا مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ، اُغْزُوا فَلَا تَغُلُّوا وَلَا تَغْدِرُوا وَلَا تَمْثُلُوا وَلَا تَقْتُلُوا وَلِيدًا ......»

''اللہ کے نام سے اللہ کی راہ میں نکلو۔ ان سے لڑو جنھوں نے اللہ کا انکار کیا۔ جہاد کرو، (مالِ غنیمت میں) خیانت نہ کرو، دھوکہ نہ دو، لاشوں کا مثلہ نہ کرو اور کسی بچے کو قتل مت کرو......۔'' [1]

نبیِ کریم ﷺ معاہدوں کی سختی سے پابندی کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی معاہدے پورے کرنے کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ﴾

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! معاہدے پورے کیا کرو۔'' [2]

اسی طرح مسلمانوں کو معاہدۂ امن کی پابندی کا بھی حکم دیا گیا:

﴿ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ﴾

''پس جب تک وہ تمھارے ساتھ سیدھے رہیں، تم بھی ان کے ساتھ سیدھے رہو۔'' [3]

مسلمانوں کو دشمنوں کے معاملے میں بھی یہ تعلیم دی گئی ہے کہ ان سے جتنی تکلیف پہنچی ہو، اس سے زیادہ بدلہ لینے کی اجازت نہیں:

﴿ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ؕ وَلَىِٕنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ○ ﴾

''اور اگر تم بدلہ لو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنی تمھیں تکلیف دی گئی ہو اور اگر تم صبر کرو تو وہ صابرین کے لیے بہت بہتر ہے۔'' [4]

عین لڑائی کی حالت میں بھی اس سے بڑھ کر راستبازی کی راہ اور کیا ہو سکتی ہے؟

3 **''اور اُس کی آنکھیں آگ کے شعلے ہیں'':** نبیِ کریم ﷺ کی آنکھوں میں سرخی تھی اور یہ سرخی ہمیشہ برقرار رہتی تھی۔ [5] اس کی تائید ابن اسحاق کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ شام کے شہر بُصریٰ پہنچ کر مقامی بازار میں واقع ایک راہب کے گرجے کے پاس درخت کے سائے میں تشریف فرما ہوئے۔ اس راہب کا نام نسطورا یا بعض روایات کے مطابق نسطور تھا۔ نسطورا کی سیدہ خدیجہ کے غلام میسرہ سے پہلے ہی جان پہچان تھی۔

[1] صحيح مسلم: 1731. [2] المآئدة 5:1. [3] التوبة 9:7. [4] النحل 16:126. [5] مسند أحمد: 1/89.

یہ راہب محمد ﷺ کو دیکھ کر چونک پڑا۔ اُس نے پوچھا: ''میسرہ! اس درخت کے نیچے جو صاحب تشریف فرما ہیں، وہ کون ہیں؟'' میسرہ نے جواب دیا: ''یہ صاحب قریش کے ایک فرد اور اہل حرم سے ہیں۔''

نسطورا کہنے لگا: ''اس درخت کے نیچے تو نبی کے سوا کبھی کوئی فرد نہیں ٹھہرا۔'' پھر پوچھنے لگا: ''کیا ان کی آنکھوں میں سرخ ڈورے ہیں؟'' میسرہ بولا: ''جی ہاں! سرخ ڈورے تو ان کی آنکھوں میں ہر وقت جلوہ نما رہتے ہیں۔'' نسطورا کہنے لگا: ''یہ وہی ہیں، یہ اس امت کے آخری نبی ہوں گے۔'' [1]

4 ''اُس کے سر پر بہت سے تاج ہیں'': نبی کریم ﷺ کے پیروکاروں نے قیصر روم، کسرائے فارس اور دوسرے بہت سے بادشاہوں کو شکست دی۔ اُن کے تاج اور خزانے مسلمانوں کے قبضے میں آئے۔ دوسرے مجازی معنوں میں لیں تو نبی کریم ﷺ کے سر پر نبوت، عدالت اور حکومت کے کئی تاج جگمگا رہے تھے۔

قیصر روم کا مطلب ہے روم کا بادشاہ۔ قیصر دراصل سلطنتِ روم کے بادشاہوں کا لقب ہے۔ نبیِ کریم ﷺ کے ہم عصر قیصر کا نام ہرَقل (Hercules) تھا۔ تاریخ میں یہ ہرقل اول (610ء-641ء) کہلایا۔ اس کا تعلق یونانی خاندان سے تھا، چنانچہ اس سے قسطنطنیہ (استنبول) میں یونانی بادشاہت کا دور شروع ہوا جسے عموماً بازنطینی سلطنت کہا جاتا ہے۔ [2]

5 ''آسمان کی فوجیں سفید گھوڑوں پر سوار...... اُس کے پیچھے پیچھے ہیں'': جنگِ بدر اور دوسری کئی جنگوں میں نبی کریم ﷺ کی نصرت کے لیے آسمان سے فرشتے اُترتے رہے۔ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ۝﴾

''(یاد کرو) جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے تو اس نے تمھاری فریاد قبول کر لی (اور کہا) کہ بے شک میں ایک دوسرے کے پیچھے آنے والے ایک ہزار فرشتوں سے تمھاری مدد کروں گا۔'' [3]

علی بن ابی طلحہ نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اور مومنوں کی ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ مدد فرمائی جن میں سے پانچ سو فرشتوں کی قیادت حضرت جبریل علیہ السلام کر رہے تھے اور پانچ سو کی قیادت حضرت میکائیل علیہ السلام کے پاس تھی۔ [4]

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ ایک مسلمان ایک مشرک کا تعاقب کر رہا تھا کہ اس

---

1 السيرة لابن إسحاق: 129,128/1، دلائل النبوة لأبي نعيم: 173/1. 2 فتح الباري: 46/1، تاج العروس، مادة: قصر، انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم: 174,173/2. 3 الأنفال 9:8. 4 تفسير الطبري: 259/9.



نے فضا میں اپنے اوپر کوڑے کی ضرب اور ایک شہسوار کی آواز سنی، وہ اپنے گھوڑے سے کہہ رہا تھا: حَیْزُوم آگے بڑھو، پھر اچانک اس نے دیکھا کہ وہ مشرک چاروں شانے چت ہو کر گر پڑا، اس کی ناک اور اس کا چہرہ زخموں سے اس طرح چور چور تھا جیسے اس پر کوڑے برسائے گئے ہوں حتی کہ اس کے سارے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ اس انصاری مسلمان نے یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کو سنایا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«صَدَقْتَ، ذٰلِكَ مِنْ مَدَدِ السَّمَاءِ الثَّالِثَةِ»

''تم سچ کہتے ہو، یہ تیسرے آسمان سے مدد تھی۔''[1]

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿ إِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ أَلَنْ يَكْفِيَكُمْ أَنْ يُمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلَاثَةِ آلَافٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُنْزَلِينَ ۝ بَلَىٰ ۚ إِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا وَيَأْتُوكُمْ مِنْ فَوْرِهِمْ هَٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ آلَافٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ ۝ ﴾

[1] صحيح مسلم: 1763.

"(اے نبی!) جب آپ مومنوں سے کہہ رہے تھے: کیا تمھارے لیے کافی نہ ہوگا کہ تمھارا رب (آسمان سے) تین ہزار فرشتے اتار کر تمھاری مدد کرے؟ ہاں! اگر تم ثابت قدم رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور دشمن تم پر آدھمکے تو اسی لمحے تمھارا رب پانچ ہزار فرشتوں سے تمھاری مدد فرمائے گا جو اپنے خاص نشان لگائے ہوئے ہوں گے۔" [1]

یوحنا کی دوسری پیش گوئی

یوحنا عارف نے اپنے مکاشفے میں بتایا:

"جو غالب آئے اور جو میرے کاموں کے موافق آخر تک عمل کرے میں اُسے قوموں پر اختیار دوں گا۔ اور وہ لوہے کے عصا سے اُن پر حکومت کرے گا۔" [2]

1 "وہ لوہے کے عصا سے اُن پر حکومت کرے گا": بائبل کے شارحین اس پیش گوئی کا مصداق عیسیٰ علیہ السلام کو قرار دیتے ہیں لیکن یہ بات محل نظر ہے۔ اس پیش گوئی میں ہے کہ وہ غالب آکر لوہے کے عصا سے اُن پر حکومت کرے گا جبکہ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بائبل میں مذکور ہے:

"یسوع نے جواب دیا کہ میری بادشاہی اس دنیا کی نہیں۔ اگر میری بادشاہی دنیا کی ہوتی تو میرے خادم لڑتے تاکہ میں یہودیوں کے حوالے نہ کیا جاتا۔ مگر اب میری بادشاہی یہاں کی نہیں۔" [3]

بلکہ یسوع تو اس سے بھاگتے پھرتے تھے:

"پس یسوع یہ معلوم کر کے کہ وہ آکر مجھے بادشاہ بنانے کے لیے پکڑا چاہتے ہیں پھر پہاڑ پر اکیلا چلا گیا۔" [4]

جبکہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں فرمایا:

﴿ وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ۝ ﴾

"اور (تاکہ) اللہ آپ کی مدد کرے، زبردست مدد۔" [5]

نبی کریم ﷺ کو نبوت کے ساتھ ساتھ حکومت بھی عطا کی گئی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝ ﴾

1 آل عمران 3:124، 125۔ 2 کتاب مقدس (مکاشفہ) 2:26، 27۔ 3 کتاب مقدس (یوحنا) 18:36۔ 4 کتاب مقدس (یوحنا) 6:15۔
5 الفتح 48:3۔

''چنانچہ (اے نبی!) آپ کے رب کی قسم! وہ مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے باہمی اختلاف میں آپ کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر آپ کے کیے ہوئے فیصلے پر ان کے دلوں میں کوئی تنگی نہ آنے پائے اور وہ اسے دل و جان سے مان لیں۔'' [1]



رسول اللہ ﷺ کی حکومت نہایت مضبوط بنیادوں پر استوار تھی اور آپ کے دور میں جزیرہ نمائے عرب کے دس لاکھ مربع میل پر اسلامی حکومت قائم ہو چکی تھی۔ یوں مکاشفہ یوحنا کی یہ پیش گوئی آخری نبی حضرت محمد ﷺ کی بعثت کے بارے میں ہے۔

یوحنا کی تیسری پیش گوئی

یوحنا عارف نے اپنے مکاشفے میں بتایا:

[1] النسآء 65:4.

''پھر میں نے نگاہ کی تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ برّہ صیُّون کے پہاڑ پر کھڑا ہے اور اُس کے ساتھ ایک لاکھ چوالیس ہزار شخص ہیں جن کے ماتھے پر اُس کا اور اُس کے باپ کا نام لکھا ہوا ہے۔ اور مجھے آسمان پر سے ایک ایسی آواز سنائی دی جو زور کے پانی اور بڑی گرج کی سی آواز تھی اور جو آواز میں نے سنی وہ ایسی تھی جیسے بربط نواز بربط بجاتے ہوں۔ وہ تخت کے سامنے اور چاروں جانداروں اور بزرگوں کے آگے گویا ایک نیا گیت گا رہے تھے اور اُن ایک لاکھ چوالیس ہزار شخصوں کے سوا جو دنیا میں سے خرید لیے گئے تھے کوئی اُس گیت کو نہ سیکھ سکا۔ یہ وہ ہیں جو عورتوں کے ساتھ آلودہ نہیں ہوئے بلکہ کنوارے ہیں۔ یہ وہ ہیں جو برّہ کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں۔ جہاں کہیں وہ جاتا ہے۔ یہ خدا اور برّہ کے لیے پہلے پھل ہونے کے واسطے آدمیوں میں سے خرید لیے گئے ہیں۔ اور اُن کے منہ سے کبھی جھوٹ نہ نکلا تھا۔ وہ بے عیب ہیں۔'' [1]

1 ''وہ برّہ صیُّون کے پہاڑ پر کھڑا ہے اور اُس کے ساتھ ایک لاکھ چوالیس ہزار شخص ہیں'': بائبل کے شارحین کہتے ہیں کہ یہ پیش گوئی عیسیٰ علیہ السلام کے لیے ہے اور برّہ سے مراد یسوع (عیسیٰ علیہ السلام) ہیں۔ [2] لیکن اگر اس پیش گوئی کا جائزہ لیا جائے تو یسوع اس کی ایک بات پر بھی پورے نہیں اُترتے۔

مکاشفات کی اصطلاح میں برّہ سے مراد وہ برگزیدہ ہستی ہے جو رب کے بعد سب سے برتر ہو۔ بائبل کے شارحین کے نزدیک صیُّون (صہیون) سے مقدس پہاڑ یا مقام مراد ہوتا ہے۔ اس بشارت سے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حجۃ الوداع کے موقع پر صحابہ کی کثیر تعداد کی طرف اشارہ ہے۔ نبی کریم ﷺ کے ساتھ حجۃ الوداع کے موقع پر ایک لاکھ سے زائد جاں نثار صحابہ موجود تھے جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو متبعین کی اتنی کثیر تعداد میسر نہ تھی، لہٰذا اس پیش گوئی سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں ہو سکتے، اس کا مصداق نبیِ آخر الزماں ہی ہیں جن کے کوہ فاران (مکہ مکرمہ) سے جلوہ گر ہونے کی خبر تورات کی کتاب استثناء (2,1:33) میں دی گئی تھی مگر تحریف کرنے والوں نے فاران کی جائے وقوع فلسطین میں جا پہنچائی اور یوحنا عارف کے مکاشفے میں کوہ فاران کے بجائے صہیون کا پہاڑ بنا دیا گیا۔

یاد رہے فاران مکہ مکرمہ ہی کے ایک پہاڑ کا نام ہے (جیسا کہ صحیفۂ حبقوق کی بشارت کے ضمن میں بیان کیا جا چکا ہے) اور فتح مکہ کے دن دس ہزار قدسی صفت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے۔

2 ''جن کے ماتھے پر اُس کا اور اُس کے باپ کا نام لکھا ہوا ہے'': بائبل کی اصطلاح میں باپ سے مراد رب ہوتا

[1] کتاب مقدس (مکاشفہ) 14:1-5.

[2] Life Application Study Bible, P: 2058

ہے جیسا کہ بائبل کی عبارت ہے:

''مبارک ہیں وہ جو صلح کراتے ہیں کیونکہ وہ خدا کے بیٹے کہلائیں گے۔''[1]

''پس تم اِس طرح دعا کیا کرو کہ اے ہمارے باپ تو جو آسمان پر ہے تیرا نام پاک مانا جائے۔ تیری بادشاہی آئے۔''[2]

ماتھے پر اُس کا اور باپ کا نام ہونے سے مراد اللہ اور رسول کی فرمانبرداری ہے جو اُن کے چہروں سے جھلک رہی ہوگی۔ اسی انداز میں ان کی صفات قرآن مجید میں بھی بیان کی گئی ہیں۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ﴾

''ان کی خصوصی پہچان ان کے چہروں پر سجدوں کا نشان ہے۔ ان کی یہ مثال تورات میں ہے۔''[3]

3 ''ایک ایسی آواز سنائی دی جو زور کے پانی اور بڑی گرج کی سی آواز تھی جیسے بربط نواز بربط بجاتے ہوں...... گویا ایک نیا گیت گا رہے تھے'': اس سے تلبیہ اور تکبیر و تہلیل مراد ہے جسے بربط نواز کے بربط بجانے سے تشبیہ دی گئی

1 کتاب مقدس (متی) 9:5. 2 کتاب مقدس (متی) 10,9:6. 3 الفتح 29:48.


میدان عرفات میں حجاج تلبیہ پڑھتے ہوئے

ہے۔ بنی اسرائیل بربط اور باجے کے ساتھ دعائیں پڑھا کرتے ہیں۔ اس پیش گوئی میں بیان کردہ لوگ بربط کے ساتھ دعائیں نہیں پڑھتے بلکہ اُن کی آوازوں کا حسن ہی ان میں بربط جیسی دلکشی پیدا کر دیتا ہے۔

حج کے موقع پر کہے جانے والے تلبیہ کے مسنون الفاظ یہ ہیں:

«لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ، لَا شَرِيكَ لَكَ»

''میں بار بار حاضر ہوں اے اللہ! میں بار بار حاضر ہوں، میں بار بار حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں بار بار حاضر ہوں، بلاشبہ ہر طرح کی حمد و ثنا تیرے ہی لائق ہے اور سب نعمتیں تیری طرف سے ہیں اور بادشاہت تیری ہے، تیرا کوئی شریک نہیں۔'' [1]

4 ''اُن ایک لاکھ چوالیس ہزار شخصوں کے سوا جو دنیا میں سے خرید لیے گئے تھے کوئی اُس گیت کو نہ سیکھ سکا'': حجۃ الوداع کے موقع پر تاریخی روایات کے مطابق ایک لاکھ سے زائد افراد تھے۔ یہ سب لوگ تسبیح و تہلیل اور تلبیہ پڑھتے ہوئے فریضۂ حج ادا کر رہے تھے۔

یہ بات ہمیشہ یاد رہنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کی جانیں جنت کے عوض خرید چکا ہے۔ یہ سودا دوامی ہے جو ہمیشہ کے لیے انجام پا چکا ہے۔ مومنوں کی جانیں خریدنے کا ذکر قرآن مجید میں یوں آیا ہے:

﴿ إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۭ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۣ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ۭ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ ﴾

''بے شک اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے اموال خرید لیے ہیں، اس کے بدلے کہ یقیناً ان کے لیے جنت ہے۔ وہ اللہ کے راستے میں لڑتے ہیں۔ پس وہ قتل کرتے ہیں اور قتل کیے جاتے ہیں۔ یہ تورات، انجیل اور قرآن میں اس کے ذمے پکا وعدہ ہے اور اللہ سے زیادہ اپنا وعدہ پورا کرنے والا کون ہے؟'' [2]

تحریف کے باوجود تورات میں بھی اس مضمون کی بہت سی آیات ابھی تک موجود ہیں، مثلاً:

''سن اے اسرائیل خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے۔ تو اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری طاقت سے خداوند اپنے خدا سے محبت رکھ۔'' [3]

[1] صحيح البخاري: 1549، صحيح مسلم: 1218. [2] التوبة 9:111. [3] کتاب مقدس (استثنا) 6:4، 5.

''اور خداوند تیرا خدا تیرے اور تیری اولاد کے دل کا ختنہ کرے گا تا کہ تو خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان سے محبت رکھے۔'' [1]

اور انجیل میں بھی ہے:

''اور جس کسی نے گھروں یا بھائیوں یا بہنوں یا باپ یا ماں یا بچوں یا کھیتوں کو میرے نام کی خاطر چھوڑ دیا ہے اس کو سو گنا ملے گا اور ہمیشہ کی زندگی کا وارث ہوگا۔'' [2]

5 ''یہ وہ ہیں جو عورتوں کے ساتھ آلودہ نہیں ہوئے بلکہ کنوارے ہیں'': عورتوں کے ساتھ آلودہ نہ ہونے سے مراد اُن کا پاک دامن ہونا ہے۔ قرآن مجید نے بھی کامیاب مومنین کے متعلق یہی گواہی دی ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ○ ﴾

''اور (کامیاب مومن) وہی ہیں جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔'' [3]

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو عفت و پاکدامنی اختیار کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ○ ﴾

''مومن مردوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کیا کریں۔ یہ ان کے لیے بڑی پاکیزگی کی بات ہے اور جو کام یہ کرتے ہیں، اللہ ان سے خبردار ہے۔'' [4]

انجیل کی مذکورہ عبارت میں ''کنوارے ہیں'' بعد کی تحریف ہے جو پادریوں اور ننوں کے ''کنوارے'' رہنے کے عقیدے کی تائید کے لیے کی گئی ہے اور اس کی کوئی دلیل نہیں دی گئی۔

6 ''یہ وہ ہیں جو برّہ کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں۔ جہاں کہیں وہ جاتا ہے'': یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوبی ہے جو قرآن مجید میں اس طرح بیان کی گئی ہے:

﴿ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ﴾

''وہ جو اس رسول کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں جو امی نبی ہے، جسے وہ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔'' [5]

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اتباع رسول کے واقعات سے سیرت کی کتابیں بھری پڑی ہیں اور غیروں نے بھی اس کی

[1] کتاب مقدس (استثنا) 6:30. [2] کتاب مقدس (متی) 29:19. [3] المؤمنون 5:23. [4] النور 30:24. [5] الأعراف 157:7.

گواہی دی ہے۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر انھوں نے اتباع رسول کے جس جذبے کا مظاہرہ کیا، اس کی تاریخ عالم میں مثال نہیں ملتی اور اللہ تعالیٰ کی محبت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اتباع کی جائے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾

''آپ کہہ دیجیے: اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمھارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔'' [1]

7 ''یہ خُدا اور برّہ کے لیے پہلے پھل ہونے کے واسطے آدمیوں میں سے خرید لیے گئے ہیں'': قرآن مجید مومنین کی یہ صفت ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾

''اور مہاجرین اور انصار میں سے (قبولِ اسلام میں) سبقت کرنے والے اور وہ لوگ جنھوں نے احسان کے ساتھ ان کی پیروی کی، اللہ ان سے راضی ہوگیا اور وہ اللہ سے راضی ہوگئے۔'' [2]

قرآن کریم میں ایک اور مقام پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا تذکرہ اس طرح کیا گیا ہے:

﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝﴾

''(اے نبی!) آپ (ایسی) کوئی قوم نہیں پائیں گے جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتی ہو، کہ وہ دوستی رکھے اُن سے جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہوں، اگرچہ وہ ان کے باپ یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کا کنبہ قبیلہ ہوں۔ یہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان لکھ دیا ہے اور اپنی طرف سے ایک خصوصی فیضان سے ان کی تائید کی ہے اور وہ انھیں ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن میں نہریں جاری ہوں گی، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اس سے راضی ہیں، یہی لوگ اللہ کا گروہ ہیں، جان لو! بے شک (جو) اللہ کا گروہ ہے، وہی فلاح پانے والا ہے۔'' [3]

[1] آل عمرٰن 3:31. [2] التوبة 9:100. [3] المجادلة 58:22.

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اصحابِ محمد کی صفات ان الفاظ میں بیان کی ہیں:

أُولٰئِكَ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ ﷺ، كَانُوا أَفْضَلَ هٰذِهِ الْأُمَّةِ: أَبَرَّهَا قُلُوبًا، وَأَعْمَقَهَا عِلْمًا، وَ أَقَلَّهَا تَكَلُّفًا، اِخْتَارَهُمُ اللّٰهُ لِصُحْبَةِ نَبِيِّهِ وَ لِإِقَامَةِ دِينِهِ.

''اصحاب محمد (ﷺ) اس اُمت کے سب سے افضل لوگ ہیں۔ دلوں کے اعتبار سے سب سے پاکیزہ، علم میں سب سے زیادہ گہرائی والے اور سب سے کم تکلفات میں پڑنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنے نبی کی صحبت اور اقامتِ دین کے لیے چن لیا ہے۔'' [1]

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی سادگی، پاکیزگی، بے غرضی اور دنیاوی تکلفات اور تعیشات سے بے رغبتی کا بے مثال نمونہ تھی۔

8 **''اُن کے منہ سے کبھی جھوٹ نہ نکلا تھا۔ وہ بے عیب ہیں'':** قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی سچائی کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿أُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝﴾

''یہی لوگ سچے ہیں۔'' [2]

اللہ تعالیٰ نے تمام اہل ایمان کو سچے لوگوں ہی کی رفاقت اختیار کرنے کا حکم دیا ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ۝﴾

''اے اہل ایمان! اللہ سے ڈرتے رہو اور راست بازوں کے ساتھ رہو۔'' [3]

یعنی سچ بولو اور سچ کو اختیار کرو تاکہ تم بھی اہل صدق میں سے ہو جاؤ۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ، فَإِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِي إِلَى الْبِرِّ وَ إِنَّ الْبِرَّ يَهْدِي إِلَى الْجَنَّةِ، وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَصْدُقُ وَ يَتَحَرَّى الصِّدْقَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ صِدِّيقًا، وَ إِيَّاكُمْ وَالْكَذِبَ، فَإِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِي إِلَى الْفُجُورِ، وَ إِنَّ الْفُجُورَ يَهْدِي إِلَى النَّارِ، وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَكْذِبُ وَ يَتَحَرَّى الْكَذِبَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ كَذَّابًا»

1 جامع الأصول: 199/1. 2 الحجرٰت 15:49، الحشر 8:59. 3 التوبة 119:9.

''سچ کو اختیار کرو، بے شک سچ نیکی کی راہ دکھاتا ہے اور بے شک نیکی جنت کی راہ دکھاتی ہے اور آدمی ہمیشہ سچ بولتا اور سچ تلاش کرتا رہتا ہے حتی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ عالی میں بہت سچا انسان لکھا جاتا ہے اور جھوٹ سے بچو کیونکہ جھوٹ بدی کی راہ دکھاتا ہے اور بے شک بدی جہنم کی راہ دکھاتی ہے اور آدمی ہمیشہ جھوٹ بولتا اور جھوٹ کی تلاش میں رہتا ہے حتی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا جھوٹا شخص لکھ دیا جاتا ہے۔''[1]

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے اس طرح کے ارشادات پر عمل پیرا ہو کر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ہمیشہ سچ اختیار کیا۔ وہ بڑے سچے اور راستباز لوگ تھے۔ ان کے منہ سے کبھی جھوٹ نہ نکلا تھا۔

تاریخ اسلام صحابہ کی راست بازی اور تقویٰ کی مثالوں سے بھری پڑی ہے اور اُمت کا صحابہ کے عادل اور سچے ہونے پر اجماع ہے۔[2]

[1] صحيح البخاري: 6094، صحيح مسلم: (105)-2607، مسند أحمد: 384/1، واللفظ له. [2] الاستيعاب، ص: 46، تدريب الراوي: 190/2، الإصابة: 162/1.

خاتم النبیین ﷺ کی بعثت وصداقت قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَٰكِن شُبِّهَ لَهُمْ ۚ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ ۚ مَا لَهُم بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ۝ بَل رَّفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا

''اور (ان پر لعنت کی گئی) ان کے یہ کہنے کی وجہ سے کہ ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم اللہ کے رسول کو قتل کیا، حالانکہ انھوں نے نہ انھیں قتل کیا اور نہ انھیں سولی پر چڑھایا بلکہ انھیں شبہے میں ڈال دیا گیا۔ اور بے شک جنھوں نے عیسیٰ کے بارے میں اختلاف کیا، وہ ضرور ان کے متعلق شک میں ہیں۔ ان لوگوں کے پاس ان کے بارے میں کوئی علم نہیں سوائے گمان کی پیروی کے، اور انھوں نے یقیناً انھیں قتل نہیں کیا، بلکہ اللہ نے انھیں اپنی طرف اٹھالیا، اور اللہ بڑا زبردست، بہت حکمت والا ہے۔''

(النسآء 4:157، 158)

خاتم النبیین ﷺ کی بعثت وصداقت قرآن کی مذکورہ آیت کی صداقت بائبل سے ہوتی ہے:

وعليه فاني على يقين من أن من يبيعني يقتل باسمي، لان الله سيصعدني من الارض وسيغير منظر الخائن حتى يظنه كل أحد اياي، ومع ذلك فانه لما يموت شرميتة أمكث في ذلك العار زمنا طويلا في العالم، ولكن متى جاء محمد رسول الله المقدس تزال عني هذه الوصمة.

''جس پر مجھے یقین ہے کہ جو مجھے بیچے گا وہ میرے نام سے مارا جائے گا، کیونکہ خدا مجھے زمین سے اٹھا لے گا، اور اُس غدّار کی شکل بدل دے گا کہ ہر کوئی اُسے سمجھے گا کہ میں ہوں؛ پھر بھی، جب وہ بری موت مرے گا تو میں دنیا میں لمبی مدت تک اسی ذلت میں رہوں گا۔ پر جب محمد، خدا کا مقدس رسول، آئے گا تو یہ بدنامی دور ہو جائے گی۔''

(برناباس کی انجیل: 112)

نبی آخرالزماں ﷺ کا ذکر مبارک انجیل برناباس میں

اناجیل اربعہ اور انجیل برناباس

قرآن مجید حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں گواہی دیتا ہے کہ وہ صاحبِ کتاب پیغمبر تھے مگر عیسائیوں کی اپنی روایات حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا ان کے حواریوں کے پاس کسی الگ کتاب کا کوئی ذکر نہیں کرتیں۔ کولیئرز انسائیکلوپیڈیا (Collier's Encyclopedia) کے مطابق ''یہودی نوشتے ہی ابتدائی کلیسا کی بائبل بن گئے۔''[1] تاہم بعض محققین کہتے ہیں کہ اناجیل اربعہ سے پہلے کچھ اناجیل اور دستاویزات موجود تھیں جو ضائع ہو گئیں۔[2] اور یہ بات ناممکن نہیں کہ ان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ملنے والی اصل انجیل بھی موجود ہو۔ انجیل برناباس انھی ''ضائع شدہ اناجیل'' میں شمار ہوتی ہے۔



اقوالِ مسیح (Logia) کا قدیم نسخہ

30 عیسوی کے لگ بھگ مسیح علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد گزرنے والے ابتدائی برسوں میں ان کی زندگی اور تعلیمات کا کوئی تحریری ریکارڈ تیار نہیں کیا گیا تھا کیونکہ ان کے پیروکار ان کی آسمان سے آمد ثانی کے منتظر رہتے تھے، جب آمدِ ثانی سے مایوسی ہوتی گئی تو لوگوں نے اپنے طور پر فرموداتِ مسیح کے کچھ مجموعے مرتب کر لیے جنھیں اقوال (Logia) کہا جاتا تھا، پھر انھی زبانی روایات اور مجموعاتِ کلام کو سامنے رکھ کر انجیل نگاروں نے اپنے اپنے مذاق کے مطابق اناجیل لکھیں جن میں مرقس کی انجیل اولین تھی (گو عہد نامہ جدید میں شامل پولس کے خطوط پہلے لکھے جا چکے تھے) اور یہ انجیل بھی 65ء سے پہلے نہیں لکھی گئی۔ اس انجیل کے کم از کم آخری حصے کا محرف ہونا ثابت ہو چکا ہے۔ اسی طرح انجیل متی حواری متی کی تالیف نہیں بلکہ

[1] Collier's Encyclopedia: 3/395. [2] Irene Allen, The Early Church and the new Testament, London 1951, pp: 133,134. H.A. Guy, A Cirtical Introduction to the Gospels, London 1973, P: 54.

کولیئرز انسائیکلو پیڈیا کے مطابق ''اس میں زیادہ سے زیادہ متی سے منسوب و مروی فرموداتِ مسیح کے لیے کسی غیر مستند مجموعے کو استعمال کیا گیا ہے اور مختلف ذرائع سے اکٹھی ہونے والی یہ انجیل 85ء سے پہلے مرتب نہیں ہوئی تھی۔'' [1]

یہی 75ء سے 85ء تک مرتب ہونے والی انجیل لوقا کا معاملہ ہے۔ کم از کم سات مختلف افراد ہیں جن پر لوقا صاحبِ انجیل ہونے کا لیبل چسپاں کیا گیا ہے۔ چوتھی انجیل یوحنا ہے۔ اس کا معاملہ یہ ہے کہ انیسویں صدی اور بعد کے غیر جانبدار نقادوں نے اس کے یوحنا کی تصنیف ہونے سے انکار کیا ہے۔ اس میں یونانی افکار کی بھر مار ہے اور یہ باقی تمام اناجیل سے بہت نمایاں اختلافات اور تضادات رکھتی ہے۔ [2]

رومی عقائد پر مبنی عیسائیت میں انجیل برناباس پر پابندی

پہلا رومی حکمران جس نے عیسائیت قبول کی، وہ قسطنطین اعظم تھا۔ اس کے زیر اہتمام نیقیہ کی کونسل منعقدہ 325ء میں سرکاری طور پر تمام دوسرے عقائد غیر مسیحی قرار پائے اور عیسائیت کا رومی عقائد پر مشتمل ایک ایڈیشن (Romanized Edition) تیار ہوا جس میں رومیوں کے عقائد تثلیث، عقیدۂ کفارہ اور سورج دیوتا کی پیدائش کے جشن کو عیسائیت کا حصہ بنا دیا گیا۔



قیصر قسطنطین اول کے دور کا بائبل کا نسخہ

بُت پرست رومیوں میں 25 دسمبر سورج کی پیدائش کا دن تصور کیا جاتا تھا۔ [3] اس دن کو قیصر قسطنطین (Constantinus) نے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی پیدائش کا دن قرار دیا اور سورج دیوتا کی پیدائش کے جشن کو ''کرسمس'' کے نام سے موسوم کیا۔ موسم سرما کے اس رومن جشن کو، عیسائیت سے پہلے، فیسٹیول آف دی سیٹرنابیا (Festival of the Saturnabia) کہا جاتا تھا۔ [4]

قیصر قسطنطین (280-337ء) قسطنطین اول (Coustantine I) قیصر قسطنتیوس کلورس (6-305ء) کی محبوبہ ہیلینا کے بطن سے پیدا ہوا۔ دقلد یانوس (Diocletian) (284ء-305ء)

[1] قاموس الکتاب، ص:902. [2] عیسائیت از پروفیسر ساجد میر، دارالسلام، ص:242-248.

[3] Earnest Barker; Legacy of Rome: 'The Conception of Empire' P: 77. [4] Cyril Bailey; Legacy of Rome, Early Religion and Philosophy.

کے دربار میں تربیت حاصل کی۔ پھر وہ اپنے والد کے پاس یارک (برطانیہ) چلا گیا۔ والد کی وفات (306ء) پر قسطنطین کے بادشاہ (Emperor) ہونے کا اعلان ہوا مگر اس نے لقب قیصر ہی پر اکتفا کیا حتی کہ قسطنطین اور لیکینوس نے 312ء میں روم کے دروازے پر اپنے حریفوں مکسنتیوس اور مکسمین کو شکست دی۔ قسطنطین مشرقی سلطنت کا اور لیکینوس مغربی سلطنت کا حکمران بنا۔ 324ء کے تنازع میں لیکینوس مارا گیا اور قسطنطین پوری رومی سلطنت کا حکمران بن گیا۔ قسطنطین اور لیکینوس نے 313ء میں سلطنتِ روم میں عیسائیوں کو آزادی دے دی تھی اور ان کے قیدی رہا کر دیے تھے۔ 325ء میں قسطنطین نے نیقیہ (ترکی) کی کونسل منعقد کی جس میں عیسائیت کا موجودہ ایڈیشن تیار ہوا۔ وہ پہلا رومی حکمران تھا جس نے عیسائیت قبول کی۔ تاریخ میں یہی قسطنطین اعظم کہلاتا ہے۔ اس نے 324ء میں بیزنطیم کے مقام پر قسطنطنیہ کی بنیاد رکھی جو 330ء سے اگلی گیارہ صدیوں تک سلطنت روم کا دارالحکومت رہا۔ قسطنطین کے عہد میں عیسائیت سلطنت روم کا سرکاری مذہب قرار پائی۔ اس کی ماں ہیلینا نے یروشلیم میں قبر مسیح پر کنیسۃ القیامہ (Holy Sepulhre) تعمیر کرایا۔ مسیحیت کا اس قدر حامی ہونے کے باوجود اس نے بستر مرگ پر بپتسمہ لیا۔[1]

جب عیسائیوں میں عقیدۂ تثلیث، عقیدۂ کفارہ اور سورج دیوتا کا جشنِ پیدائش یعنی کرسمس رائج ہو گئے تو 496ء میں وہ وقت بھی آیا جب پاپائے روم گلاسیس اول نے ایک فتوے کے ذریعے سے بہت سی دیگر کتابوں کی طرح ''انجیل برناباس'' کو بھی گمراہ کن قرار دے دیا اور عیسائیوں کا اسے اپنے پاس رکھنا جرم ٹھہرا۔

حواری برناباس کا درجہ

انجیل برناباس کو پاپائی حکم سے مسیحی مذہبی کتب سے خارج کر دینے کا اقدام اس لیے حیرت انگیز ہے کہ برناباس یسوع کے شاگردوں کے ہاں بڑا اہم مقام رکھتا تھا جیسا کہ ''رسولوں کے اعمال'' میں لکھا ہے:

''اور یوسف نام ایک لاوی (عالم) تھا جس کا لقب رسولوں نے برنباس یعنی نصیحت کا بیٹا رکھا تھا اور جس کی پیدائش کُپْرُس (قبرص) کی تھی۔ اُس کا ایک کھیت تھا جسے اُس نے بیچا اور قیمت لاکر رسولوں کے پاؤں میں رکھ دی۔''[2]

اس دور کے سب لوگ برنباس کی نیکی و تقویٰ کے قائل تھے:

''اُن لوگوں کی خبر یروشلیم کی کلیسیا کے کانوں تک پہنچی اور اُنھوں نے برنباس کو انطاکیہ تک بھیجا۔ وہ پہنچ کر

[1] المنجد في الأعلام، ص: 438، الموسوعة العربية الميسرة: 2/80-1379، 1380، وکی پیڈیا انسائیکلو پیڈیا، Encyclopedia of World Religions, p: 95. [2] کتاب مقدس (اعمال) 4:36، 37.

اور خدا کا فضل دیکھ کر خوش ہوا اور اُن سب کو نصیحت کی کہ دلی ارادہ سے خداوند سے لپٹے رہو۔ کیونکہ وہ نیک مرد اور روح القدس اور ایمان سے معمور تھا اور بہت سے لوگ خداوند کی کلیسیا میں آ ملے۔'' [1]

بلکہ بائبل کی رو سے روح القدس نے برناباس کو اپنے لیے مخصوص کرلیا تھا:

''جب وہ خداوند کی عبادت کر رہے اور روزے رکھ رہے تھے تو روح القدس نے کہا میرے لیے برناباس اور ساؤل کو اُس کام کے واسطے مخصوص کردو جس کے واسطے میں نے اُن کو بلایا ہے۔'' [2]

برناباس وہ شخص ہے جس کی تعلیم وتبلیغ کو نہ ماننے والے کو ابلیس کا فرزند، مکار، شرارت سے بھرا ہوا، نیکی کا دشمن، خداوند کی سیدھی راہوں کو بگاڑنے والا، خدا کا مغضوب اور اندھا قرار دیا گیا۔ [3]


پولس کی مہر

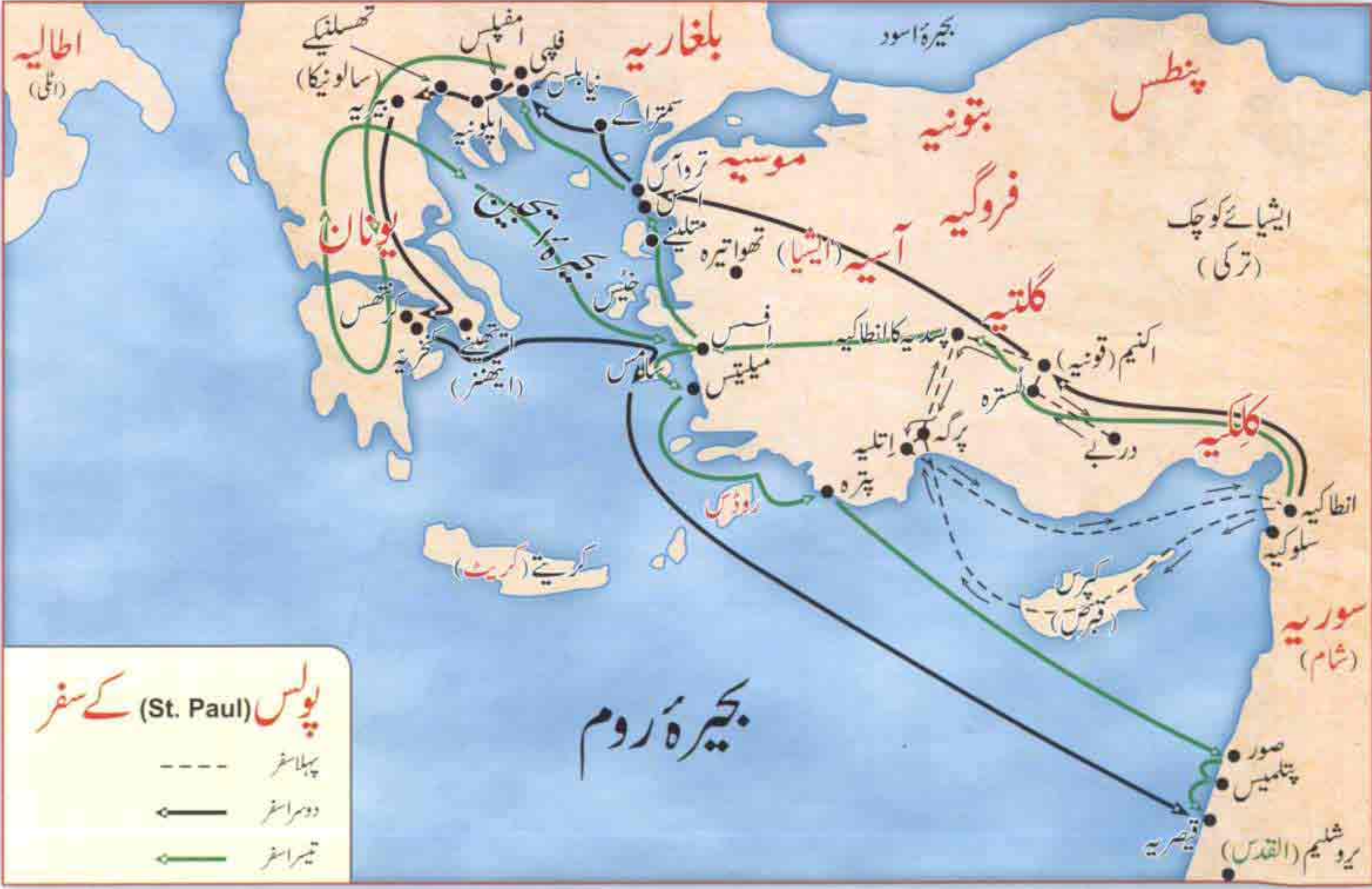
ساؤل یا شاؤل [1] شمویل نبی سے بنی اسرائیل کی درخواست پر اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ساؤل (طالوت) کو بادشاہ مقرر کیا تھا جس نے جالوت کے لشکر کو شکست دی اور جالوت حضرت داود علیہ السلام کے ہاتھوں مارا گیا (البقرۃ 2:246-251)۔ [2] یہاں مذکور ساؤل یا شاؤل پولس رسول (St. Paul) کا عبرانی نام ہے۔ ''ساؤل'' کے معنی ہیں ''مانگا ہُوا۔'' اس کے یونانی الاصل رومی نام پولوس (Paulus) کے معنی ہیں ''چھوٹا۔'' شاید یہ نام اسے قبرص کے گورنر پولوس (Paulus) کو کامیاب تبلیغ کے باعث دیا گیا ہو۔ [4] پولس ترسُس (طرسوس، ترکی) میں پیدا ہوا۔ وہ خالص یہودی نسل کا تھا اور اس بات کا قائل تھا کہ مسیحی بدعتی اور کافر ہیں۔ سینٹ سٹیفن کی شہادت اور


دمشق کا ''باب کسان'' جہاں سے پولس فرار ہوئے

کلیسا پر ایذا رسانی کا جو سیلاب ٹوٹا اس میں پولس ملوث تھا، تاہم دمشق شہر کی طرف جاتے ہوئے ایک ''معجزانہ واقعے'' نے اسے مسیح کا رسول بنا دیا۔ پھر وہ دمشق کے عبادت خانوں میں یسوع کی الوہیت اور ان کے مسیح ہونے کا اعلان کرنے لگا۔ گلتیوں کے خط (1:17) میں اس کے عرب جانے کا بھی ذکر ہے۔ یہودیوں کی مخالفت کے باعث اسے پہلے دمشق اور پھر یروشلیم چھوڑنا پڑا۔ پھر اس نے کئی سال ترسُس (Tarsus) میں گزارے۔ پھر برناباس نے اسے انطاکیہ بلالیا جہاں غیر قوم کی پہلی مسیحی کلیسیا

---

[1] کتاب مقدس (اعمال) 11:22-24. [2] کتاب مقدس (اعمال) 13:2. [3] دیکھیے: کتاب مقدس (اعمال) 13:7-12.
[4] NIV Study Bible, P: 1710.


پولس (St. Paul) کے سفر
پہلا سفر
دوسرا سفر
تیسرا سفر
بحیرۂ روم
اطالیہ (اٹلی)
بلغاریہ
بحیرۂ اسود
پنطس
بتونیہ
موسیہ
فروگیہ
آسیہ (ایشیا)
ایشیائے کوچک (ترکی)
گلتیہ
کلکیہ
سوریہ (شام)
یونان
بحیرۂ ایجین
تھسلنیکے (سالونیکا)
امفپلس
فلپی
نیاپلس
سمتراکے
بیریہ
اپلونیہ
تروآس
اسس
متلینے
تھواتیرہ
خیُس
افسس
میلیتس
ساموس
کرنتھس
کنخریہ
اتھینے (ایتھنز)
پسدیہ کا انطاکیہ
اکنیم (قونیہ)
لسترہ
دربے
پرگہ
اتلیہ
پترہ
روڈس
کریتے (کریٹ)
کپرس (قبرص)
انطاکیہ
سلوکیہ
صور
پتلمیس
قیصریہ
یروشلیم (القدس)



پولس کا رومہ (روم) کا سفر
بحیرۂ اسود
بلغاریہ
مکدنیہ (مقدونیہ)
فلپی
تھسلنیکے (سالونیکا)
بحیرۂ ایڈریاٹک
رومہ (روم)
اپئیس کا چوک
تین سرائے
پتیلی
اطالیہ (اٹلی)
ریگیم
سسلی (صقلیہ)
سرکوسہ (سائراکیوز)
ملتے (مالٹا)
یونان
کرنتھس (کورنتھ)
بحیرۂ ایجین
اورمتیم
آسیہ (ایشیا)
گلتیہ
افسس (افسوس)
کلسے
ایشیائے کوچک (ترکی)
کلکیہ
پمفولیہ
کندس
مورہ
انطاکیہ
کریتے (کریٹ)
سلمونے
حسین بندر
کپرس (قبرص)
سوریہ (شام)
بحیرۂ روم
صیدا
قیصریہ (قیساریہ)
یروشلیم (بیت المقدس)
لیبیا

قائم ہوئی۔ اسی جگہ پہلے پہل ''شاگرد'' مسیحی کہلائے۔ یہیں سے پولس اور برناباس بشارتی سفر پر روانہ ہوئے۔ کُپرس (قبرص) کا رومی گورنر سرگیس پولس اس کے خوشخبری سنانے پر ایمان لے آیا۔ پسدیہ کے انطاکیہ (ترکی) میں یہودیوں نے پولس رسول کو سنگسار کیا، تاہم اس کی جان بچ گئی۔ دوسرے بشارتی سفر میں پولس نے یونان کے شہروں فلپی، تھسلنیکے (سالونیکا)، ایتھنز اور کرنتھس کا دورہ کیا اور پھر اِفُسس کے راستے یروشلیم چلا آیا۔ وہاں اسے گرفتار کرلیا گیا اور وہ دو سال قیصریہ (قیساریہ) میں قید رہا۔ 60ء میں اسے قیصر کے سامنے پیش کرنے کے لیے رومہ (Rome) روانہ کیا گیا۔ لوقا بھی اس کے ہمراہ تھا۔ بحری طوفان سے ان کا جہاز تباہ ہوگیا تو انھیں تین ماہ جزیرہ ملتے (مالٹا) میں گزارنے پڑے۔ رومہ میں پولس کو قید خانے کے بجائے ایک مکان میں نظر بند کردیا گیا۔ اسی جگہ سے اس نے کلسیوں، فلیمون، افسیوں اور فلپیوں کے نام خطوط لکھے۔ 63ء میں اسے رہا کردیا گیا تو وہ اِفُسس، مکدنیہ (Macedonia) اور یونان میں تبلیغ کرتا رہا حتیٰ کہ قیصر نیرو کے حکم پر اسے گرفتار کرکے 66ء یا 67ء میں رومہ میں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔[1]

رومیوں کو لکھے گئے پولس کے خط کا عکس

انجیل برناباس تاریخِ عیسائیت میں

پاپائے روم گلاسیس اول کے فتوے کے بعد جب انجیل برناباس کو پاس رکھنا جرم ٹھہرا تو رفتہ رفتہ یہ کتاب ایسی غائب ہوئی کہ عام عیسائی دنیا اس سے بالکل بے خبر ہوگئی لیکن گم شدہ کتابوں میں اس کا ذکر آیا کرتا تھا۔ 1709ء میں پروشیا (جرمنی) کے بادشاہ کے ایک مشیر کو، جس کا نام کریمر تھا، ایمسٹرڈم (ہالینڈ) کے مقام پر کسی کتاب خانے سے یہ کتاب ہاتھ لگی جو اطالوی زبان میں تھی۔

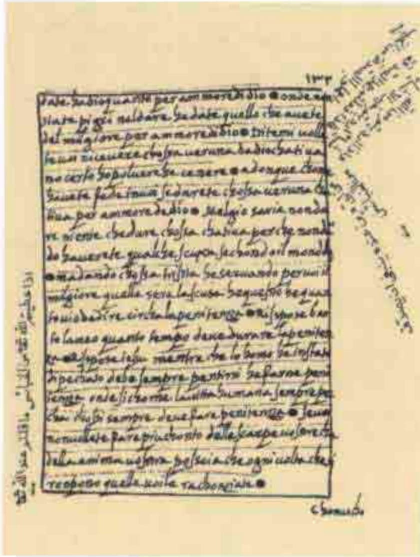
اس پر لکھا ہوا تھا کہ یہ برناباس کی انجیل ہے۔ اس کتاب میں حضرت مسیح علیہ السلام کے حالات درج تھے۔ کریمر نے یہ نسخہ یوجین سافوی کو تحفے کے طور پر دے دیا۔ اس کے بعد 1738ء میں یہ آسٹریا کے پایہ تخت وی آنا کے شاہی کتب خانے میں منتقل ہوگیا اور اب تک وہیں ہے۔

پروشیا (Prussia) جرمنی کی ایک سابق بادشاہت تھی جس کا آغاز بحیرۂ بالٹک کے جنوب مشرقی ساحل پر ایک

[1] قاموس الکتاب، ص: 199-208، NIV Study Bible, p.1710

چھوٹی سی ریاست سے ہوا تھا جو بتدریج شمال مشرقی جرمنی اور پولینڈ کے بیشتر حصے پر محیط ہوگئی۔1701ء میں سلطنت پروشیا کا دارالحکومت برلن قرار پایا اور اس صدی میں فریڈرک اعظم نے اسے ایک بڑی یورپی طاقت بنا دیا۔ 71-1870ء کی فرانکو پروشین جنگ میں فرانس کی شکست کے بعد پروشیا شاہ ولیم اول اور چانسلر (وزیراعظم) بسمارک کے زیرِ قیادت نئی جرمن سلطنت میں ڈھل گیا۔ پہلی جنگ عظیم میں جرمنی کی شکست پر پروشین سلطنت کا خاتمہ ہوگیا۔[1] پروشیا (Prussia) اور پرشیا (Persia) یعنی فارس یا ایران میں فرق ملحوظ رہنا چاہیے۔

اس کے بعد اُنیسویں صدی کے اوائل میں ہڈلی کے مقام پر ڈاکٹر ہلمن کو انجیل برناباس کا ایک اور نسخہ دستیاب ہوا جو ہسپانوی زبان میں تھا۔ یہی نسخہ مشہور مستشرق جارج سیل کو ملا تھا۔ اس نے اپنے ترجمۂ قرآن میں اس کے مختلف اقتباسات نقل کیے ہیں۔ جارج سیل نے اس ہسپانوی نسخے پر جو نوٹ لکھا ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ درحقیقت یہ اطالوی نسخے کا ہسپانوی ترجمہ ہے جو مصطفیٰ عرندی نامی شخص نے کیا ہے۔ مصطفیٰ عرندی نے اس کے شروع میں ایک دیباچہ بھی لکھا ہے جس میں اطالوی نسخے کی دریافت کا پورا حال درج ہے۔



برناباس کے اطالوی نسخے کا ایک ورق

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ سولھویں صدی کے اختتام پر ایک لاطینی راہب فرامرینو کو آریوس بشپ کے کچھ خطوط دستیاب ہوئے۔ ان خطوط میں سے ایک خط میں آریوس نے پولس (ساؤل یا سینٹ پال) کی خوب قلعی کھولی تھی اور یہ بھی لکھا تھا کہ انجیل برناباس میں پولس کی حقیقت پوری طرح واضح کی گئی ہے۔ اس وقت سے فرامرینو انجیل برناباس کی تلاش میں تھا۔ اتفاق سے اسے اس زمانے میں پوپ سکسٹس پنجم کا تقرب حاصل ہوگیا۔ ایک دن وہ پوپ کے ساتھ اُس کے کتب خانے میں تھا۔ پوپ کچھ دیر بعد سوگیا۔ اس دوران میں فرامرینو نے وقت گزاری کے لیے کتابیں دیکھنی شروع کر دیں۔ حسنِ اتفاق سے انجیل برناباس کا اطالوی نسخہ اُس کے ہاتھ لگ گیا۔ فرامرینو اسے پا کر بہت خوش ہوا اور آستین میں چھپا کر لے آیا۔

یہ ہسپانوی نسخہ جارج سیل کے پاس تھا۔ اب گم ہوچکا ہے، البتہ اتنا معلوم ہے کہ سیل کے پاس سے یہ نسخہ 1784ء

[1] Oxford English Reference Dic, p: 1164.

میں ڈاکٹر ہیوٹ کے پاس آ گیا تھا۔ اس نے اپنے لیکچروں میں بتایا ہے کہ دو جگہ معمولی اختلاف کے علاوہ اطالوی اور ہسپانوی نسخوں میں کوئی فرق نہیں۔ خلاصہ یہ کہ اب دنیا میں صرف قدیم اطالوی نسخہ موجود ہے۔ ڈاکٹر منکہوس نے اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔ پھر مصر کے ایک مسیحی عالم ڈاکٹر خلیل سعادت نے اس کا عربی میں ترجمہ کیا جسے علامہ رشید رضا مصری نے 1908ء میں اپنے ایک مقدمے کے ساتھ شائع کر دیا۔ یہ عربی ترجمہ ہندوستان پہنچا تو مولوی محمد حلیم انصاری رحمہ اللہ نے اس کا اردو میں ترجمہ کیا جو 1916ء میں لاہور سے شائع ہوا۔

انجیل برناباس پر اعتراضات اور ان کا جواب

مسیحی لٹریچر میں اس انجیل کا جہاں کہیں ذکر آتا ہے، اسے یہ کہہ کر رد کر دیا جاتا ہے کہ یہ ایک جعلی انجیل ہے جسے شاید کسی مسلمان نے تصنیف کر کے برناباس کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ یہ سفید جھوٹ ہے اور صرف اس لیے بولا گیا ہے کہ اس میں جگہ جگہ نبی ﷺ کے بارے میں بڑی واضح پیش گوئیاں ملتی ہیں۔

اول تو اس انجیل کو پڑھتے ہی صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ کسی مسلمان کی تصنیف کردہ نہیں ہو سکتی۔ دوسرے، اگر یہ کسی مسلمان نے لکھی ہوتی تو یقیناً یہ مسلمانوں میں عام پائی جاتی اور علمائے اسلام کی تصنیفات میں اس کا ذکر پایا جاتا۔ مگر صورت حال یہ ہے کہ جارج سیل کے انگریزی مقدمۂ ترجمۂ قرآن سے پہلے مسلمانوں کو اس کا مطلق علم نہ تھا۔ امام طبری، یعقوبی، مسعودی، امام ابن تیمیہ، ابن القیم، البیرونی، ابن حزم اور دوسرے مصنفین جو مسلمانوں میں مسیحی لٹریچر پر گہری نظر رکھتے تھے، ان میں سے کسی کے ہاں بھی مسیحی مذہب پر بحث کرتے ہوئے انجیل برناباس کی طرف کوئی اشارہ تک نہیں ملتا۔ دنیائے اسلام کے کتب خانوں میں جو کتابیں پائی جاتی تھیں، اُن کی بہترین فہرستیں ابن الندیم کی ''الفہرست'' اور حاجی خلیفہ کی ''کشف الظنون'' ہیں۔ وہ بھی اس کے ذکر سے خالی ہیں۔ اُنیسویں صدی سے پہلے کسی مسلمان عالم نے انجیل برناباس کا نام تک نہیں لیا۔

اس بات کے جھوٹ ہونے کی تیسری اور سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ کی پیدائش سے بھی 75 سال پہلے پوپ گلاسیس اول (Gelasius) کے زمانے میں بدعقیدہ اور گمراہ کن کتابوں کی جو فہرست مرتب کی گئی تھی اور ایک پاپائی فتوے کے ذریعے سے جن کا پڑھنا ممنوع قرار دیا گیا تھا، اُن میں انجیل برناباس بھی شامل تھی۔

ان کے علاوہ دو اور ثبوت اس قدر ٹھوس اور واضح ہیں جن کی رو سے پوری طرح یقین آ جاتا ہے کہ اس کتاب کے لکھنے والے کو قرآن کا مطلق علم نہ تھا۔ یہ ثبوت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے وہ معجزے ہیں جن کا ذکر قرآن مجید کرتا ہے مگر برناباس اور باقی چاروں انجیلیں ان کے ذکر سے خالی ہیں۔

1 حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابھی گہوارے ہی میں تھے کہ آپ نے اپنے نبی ہونے کا اعلان کیا اور ہزاروں لوگ اس کے گواہ تھے۔فرمانِ باری ہے:

﴿ فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ؕ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْـًٔا فَرِيًّا ○ يٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا ۖۚ فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ؕ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ○ قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ ؕ اٰتٰىنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا ○ وَّجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ ۪ وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ۖ ○ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَتِيْ ۫ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا ○ وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا ○ ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ○ ﴾

''پھر وہ (مریم) اس (بچے، یعنی عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے بعد اس) کو اٹھا کر اپنی قوم کے پاس آئی تو وہ (قوم کے لوگ) کہنے لگے: اے مریم! یقیناً تو نے بہت برا کام کیا ہے۔ اے ہارون کی بہن! نہ تو تیرا باپ برا آدمی تھا اور نہ تیری ماں بدکار تھی۔ چنانچہ اس (مریم) نے اس (بچے) کی طرف اشارہ کیا تو وہ کہنے لگے: جو بچہ گود میں ہے، ہم اس سے کیسے کلام کریں؟ وہ (بچہ) بول اُٹھا: بلاشبہ میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب دی اور مجھے نبی بنایا ہے۔ اور اس نے مجھے برکت والا بنایا جہاں بھی میں ہوں اور مجھے نماز اور زکاۃ کی پابندی کا حکم دیا ہے جب تک میں زندہ رہوں۔ اور اپنی والدہ سے نیکی کرنے والا بنایا ہے اور اس نے مجھے سرکش (اور) بدبخت نہیں بنایا۔ اور سلام ہے مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں گا اور جس دن میں زندہ (کرکے) اٹھایا جاؤں گا۔ یہ عیسیٰ ابن مریم ہے، (یہی ہے) حق کی بات جس میں وہ لوگ شک کرتے ہیں۔''[1]

2 عیسیٰ علیہ السلام مٹی کا پرندہ بنا کر اُس پر پھونک مارتے تھے اور وہ اللہ کے حکم سے جیتا جاگتا پرندہ بن جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ روزِ قیامت ان سے کہے گا:

﴿ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًۢا بِاِذْنِيْ ﴾

''اور (اے عیسیٰ!) جب تو میرے حکم سے گارے سے پرندے کی سی مورت بناتا تھا، پھر تو اس میں پھونک مارتا تھا تو وہ میرے حکم سے پرندہ بن جاتا تھا۔''[2]

1 مریم 19:27-34. 2 المآئدة 5:110.

خاتم النبیین ﷺ کی بعثت وصداقت قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

محمد رسول اللہ

"محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔"

(الفتح 29:48)

خاتم النبیین ﷺ کی بعثت وصداقت قران کی مذکورہ آیت کی صداقت بائبل سے ہوتی ہے:

أجاب التلاميذ: يا معلم من عسى ان يكون ذلك الرجل الذي تتكلم عنه الذي سيأتي الى العالم؟ أجاب يسوع بابتهاج قلب: انه محمد رسول الله.

''شاگردوں نے جواب میں کہا اے معلم! وہ آدمی کون ہوگا۔ جس کی نسبت تو یہ باتیں کہہ رہا ہے اور جو کہ دنیا میں عنقریب آئے گا؟ یسوع نے دلی خوشی کے ساتھ جواب دیا۔ بے شک وہ محمد رسول اللہ ہے۔''

(انجیل برناباس 8,7:163)

انجیل برناباس کی واضح بشارات

حوارِیِ مسیح برناباس کی انجیل میں خاتم النبیین محمد ﷺ کے بارے میں جگہ جگہ بشارات ملتی ہیں حتی کہ آپ کا نام نامی ''محمد'' (ﷺ) ''رسول اللہ'' کے منصب کے ساتھ مذکور ہوا ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

1 ''بے شک وہ محمد رسول اللہ (ﷺ) ہے۔''

''شاگردوں نے جواب میں کہا اے معلم! وہ آدمی کون ہوگا۔ جس کی نسبت تو یہ باتیں کہہ رہا ہے اور جو کہ دنیا میں عنقریب آئے گا؟ یسوع نے دلی خوشی کے ساتھ جواب دیا۔ بے شک وہ محمد رسول اللہ (ﷺ) ہے۔'' [1]

2 ''میں تیری جوتی کا تسمہ کھولوں''

''اور جبکہ میں نے اس کو دیکھا میں تسلی سے بھر کر کہنے لگا: اے محمد اللہ تیرے ساتھ ہو۔ اور مجھ کو اس قابل بنائے کہ میں تیری جوتی کا تسمہ کھولوں۔ کیونکہ اگر میں یہ (شرف) حاصل کرلوں تو بڑا نبی اور اللہ کا قدوس ہوجاؤں گا۔ اور جبکہ یسوع نے اس بات کو کہا اس نے اللہ کا شکر ادا کیا۔'' [2]

3 ''تمام نبیوں اور پاک آدمیوں کی روشنی''

''لیکن عنقریب میرے بعد تمام نبیوں اور پاک آدمیوں کی روشنی آئے گا تب وہ تمام نبیوں کے اقوال کی تاریکی پرنور چمکائے گا۔ کیونکہ وہ اللہ کا رسول ہے۔'' [3]

4 ''وہ بہت جلد کلام حق کے ساتھ آئے گا''

''یسوع نے جواب دیا...... میں اس کے لائق بھی نہیں ہوں کہ اس رسول اللہ کے جوتے کے بند یا نعلین کے تسمے کھولوں جس کو تم مَسِیّا کہتے ہو۔ وہ جو کہ میرے پہلے پیدا کیا گیا اور اب میرے بعد آئے

[1] انجیل برناباس 163:8,7۔ [2] انجیل برناباس 44:30-32۔ [3] انجیل برناباس 17:22,23۔

گا۔ اور وہ بہت جلد کلام حق کے ساتھ آئے گا اور اس کے دین کی کوئی انتہا نہ ہوگی۔" [1]

"وہ جو کہ میرے پہلے پیدا کیا گیا اور اب میرے بعد آئے گا" کی وضاحت بھی رسول اللہ ﷺ نے فرمادی ہے:

«إِنِّي عَبْدُ اللّٰهِ فِي أُمِّ الْكِتَابِ لَخَاتَمُ النَّبِيِّينَ وَإِنَّ آدَمَ لَمُنْجَدِلٌ فِي طِينَتِهِ، وَسَأُنَبِّئُكُمْ بِتَأْوِيلِ ذٰلِكَ، دَعْوَةُ أَبِي إِبْرَاهِيمَ، وَبِشَارَةُ عِيسٰى قَوْمَهُ، وَرُؤْيَا أُمِّي الَّتِي رَأَتْ أَنَّهُ خَرَجَ مِنْهَا نُورٌ أَضَاءَتْ لَهُ قُصُورُ الشَّامِ، وَكَذٰلِكَ تَرٰى أُمَّهَاتُ النَّبِيِّينَ صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ»

"میں اللہ کا بندہ ہوں۔ آدم علیہ السلام جب مٹی کے ڈھانچے تھے، اُسی وقت اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں مجھے خاتم النبیین لکھ دیا تھا۔ میں تمھیں اس کی تفسیر بتاتا ہوں۔ میں اپنے والد ابراہیم علیہ السلام کی دُعا، عیسیٰ علیہ السلام کی اپنی قوم کو بشارت اور اپنی ماں کے خواب کی تعبیر ہوں۔ میری والدہ نے خواب میں دیکھا کہ ان کے وجود سے ایک نور نکلا ہے جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے۔ انبیاء علیہم السلام کی مائیں اسی طرح کے خواب دیکھا کرتی تھیں۔" [2]

5 "وہ زمین کی ان تمام قوموں کے لیے خلاص اور رحمت لائے گا۔"

"میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ ہر ایک نبی جب وہ آتا ہے تو وہ فقط ایک ہی قوم کے لیے اللہ کی رحمت کی نشانی اٹھا کر لاتا ہے۔ اور اسی وجہ سے ان انبیاء کا کلام اس قوم سے آگے نہیں بڑھا۔ جس کی جانب وہ بھیجے گئے تھے۔ لیکن رسول اللہ جب آئے گا اللہ اس کو وہ چیز عطا کرے گا جو کہ اس کے ہاتھ کی انگشتری کی مانند ہے۔ پس وہ زمین کی ان تمام قوموں کے لیے خلاص (نجات) اور رحمت لائے گا۔ جو کہ اس کی تعلیم کو قبول کریں گی۔ اور عنقریب وہ ظالموں پر ایک زور کے ساتھ آئے گا۔ اور بتوں کی عبادت کو مٹا دے گا کہ شیطان ذلیل وخوار ہوگا۔ کیونکہ اللہ نے ابراہیم (علیہ السلام) سے ایسا ہی وعدہ کیا ہے اور کہا ہے: "تو دیکھ کہ میں تیری نسل سے تمام زمین کے قبیلوں کو برکت دوں گا اور جس طرح کہ تو نے اے ابراہیم بتوں کو توڑ کر پارہ پارہ کر دیا ہے ویسے ہی تیری نسل کرے گی۔"

یعقوب نے جواب دیا: "اے استاد! ہم کو بتا کہ یہ عہد کس سے کیا گیا ہے؟" اس لیے کہ یہود کہتے ہیں کہ (یہ عہد) اسحاق سے ہوا ہے۔ اور اسمٰعیلی کہتے ہیں کہ اسمٰعیل سے۔" یسوع نے جواب دیا: ......تم

---

[1] انجیل برناباس 42:11-15۔ [2] مسند أحمد: 128/4۔ شیخ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آخری جملے کے علاوہ یہ روایت صحیح ہے۔ (السلسلة الضعيفة: 104/5)

مجھے سچا مانو کیونکہ میں تم سے کہتا ہوں کہ "تحقیق عہد اسماعیل کے ساتھ کیا گیا ہے، نہ کہ اسحٰق (اضحاق) کے ساتھ۔" [1]

اس پر شاگردوں نے کہا: "اے اُستاد، موسیٰ کی کتاب میں یوں لکھا ہے کہ یہ وعدہ اضحاق میں کیا گیا تھا۔" یسوع نے کراہ کر جواب دیا: "ایسا ہی لکھا ہے، مگر موسیٰ نے نہیں لکھا، نہ یشوع [2] نے لکھا، بلکہ ہمارے ربّیوں نے، جو خدا سے نہیں ڈرتے۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اگر تم فرشتے جبرئیل کے الفاظ پر غور کرو تو تم ہمارے فقیہوں اور عالموں کا بغض جان لو گے۔" ......

تب خدا نے ابرہام سے فرمایا: "اپنا بیٹا، اپنا پہلوٹھا، اسمٰعیل لے، اور پہاڑ پر آ کر اُس کی قربانی دے۔ سو اضحاق پہلوٹھا کیونکر ہوا، کہ جب اضحاق پیدا ہوا تو اسمٰعیل سات سال کا تھا؟ تب شاگردوں نے کہا: "ہمارے عالموں کا فریب ظاہر ہے۔" [3]

مندرجہ بالا اقتباس میں یسوع کے شاگرد یعقوب کا تذکرہ ہوا ہے۔ یعقوب (حواریِ مسیح) غالبًا زبدی کا بیٹا تھا جو اپنے بھائی یوحنا (عارف) اور پطرس کے ساتھ مسیح (علیہ السلام) کے تین خاص شاگردوں میں شمار ہوتا ہے۔ وہ یائیر کی بیٹی کو زندہ کرنے کے وقت موجود تھا (اسے مسیح علیہ السلام نے زندہ کیا تھا)۔ ہیرودیس اگرپا اول نے 44ء میں اسے تلوار سے قتل کیا۔ [4] سیدنا اسحٰق علیہ السلام کے بارے میں قاموس الکتاب میں یوں بیان کیا گیا ہے: اسحٰق (اضحاق) علیہ السلام کے عبرانی میں معنی "ہنسی، خوشی" کے ہیں۔ یہ ابرہام (ابراہیم علیہ السلام) اور سارہ کے اکلوتے بیٹے تھے جو ان کے ہاں بڑی عمر میں غالبًا بئرسبع میں پیدا ہوئے۔ خدا نے ان کا وعدہ ابرہام اور سارہ سے کیا تھا۔ اضحاق (علیہ السلام) نے چالیس سال کی عمر میں اپنی رشتہ دار ربقہ سے شادی کی۔ ان کے دو بیٹے تھے: عیسو اور یعقوب (علیہ السلام)۔ اضحاق (علیہ السلام) 80 سال کے ہو کر فوت ہوئے اور قریت اربع (حبرون) میں دفن ہوئے۔ [5]

6 "بت پرستی کو نیست کر دے گا۔"

یسوع نے جواب دیا: "......رہا میں، تو میں اب دنیا میں خدا کے رسول کے لیے راہ تیار کرنے آیا ہوں، جو دُنیا کے لیے نجات لائے گا۔ پر خبردار، دھوکا نہ کھانا، کیونکہ بہت سے جھوٹے نبی آئیں گے جو میرا کلام لیں گے اور میری انجیل کو ناپاک کریں گے۔"

1 انجیل برناباس 43:13-23 و 31. 2 یشوع سے مراد موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ یوشع بن نون ہیں۔ عَلَيْهِ وَعَلٰى نَبِيِّنَا الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ.
3 برناباس کی انجیل: 44. 4 قاموس الکتاب، ص: 1150. 5 قاموس الکتاب، ص: 65.

تب اندریاس نے کہا: ''استاد، ہمیں کوئی نشان بتا، کہ ہم اُسے جان لیں۔'' یسوع نے جواب دیا: ''وہ تمھارے وقت میں نہ آئے گا، بلکہ تمھارے چند سال بعد آئے گا، جب میری انجیل کالعدم کر دی جائے گی، یہاں تک کہ بمشکل تیس ایمان دار رہ جائیں گے۔ اُس وقت خدا دنیا پر رحم فرمائے گا، سو وہ اپنا رسول بھیجے گا، جس کے سر کے اُوپر ایک سفید بادل چھایا رہے گا، جس سے وہ خدا کا برگزیدہ جان لیا جائے گا...... وہ بے دینوں پر بڑی طاقت کے ساتھ آئے گا، اور زمین پر بت پرستی کو نیست کر دے گا۔ اور اس سے مجھے مسرت ہے، کیونکہ اُسی کے ذریعے ہمارے خدا کی معرفت اور تمجید ہوگی، اور میرا سچا ہونا معلوم ہوگا؛ اور وہ اُن سے انتقام لے گا جو مجھے بشر سے کچھ بڑھ کر بتائیں گے...... سو جب بت پرستی خاک میں ملتی نظر آئے اور مجھے دوسرے انسانوں کی طرح انسان مانا جائے، تب میں تم سے سچ کہتا ہوں، خدا کا رسول آ گیا ہوگا۔'' [1]

قاموس الکتاب کے مطابق یونانی میں اندریاس کے معنی ''جوانمرد اور بہادر'' ہیں۔ یہ شمعون پطرس کا سگا بھائی تھا۔ یہ شمعون ہی کی طرح کفرنحوم کا رہنے والا ماہی گیر تھا۔ یہی شمعون کو مسیح (علیہ السلام) کے پاس لایا تھا۔ اس سے پہلے یہ یوحنا (یحییٰ علیہ السلام) کا شاگرد تھا۔ مسیح (علیہ السلام) نے دونوں بھائیوں کو ماہی گیری چھوڑنے اور آدم گیری، یعنی شاگرد بنانے کے کام کے لیے مستقل طور پر بلا لیا۔ بعد ازاں انھیں ''رسول'' مقرر کیا۔ کلیسیا اندریاس کو اولین مشنری (مبلغ) کا خطاب دیتی ہے۔ وہی یونانیوں کو مسیح کے پاس لایا۔ [2]

7 ''جو دھن سے طاقت کے ساتھ آئے گا۔''

''جب خدا مجھے دنیا سے اُٹھا لے گا تو ابلیس ناپرہیز گاروں کو یہ یقین دلا کر، کہ میں خدا اور خدا کا بیٹا ہوں، پھر یہ ملعون فتنہ اُٹھائے گا، جس سے میرا کلام اور میری تعلیم ناپاک ہو جائے گی، یہاں تک کہ بمشکل تیس ایک صاحب ایمان رہ جائیں گے: جس پر خدا دنیا پر رحم فرمائے گا، اور اپنا رسول بھیجے گا...... جو دھن سے طاقت کے ساتھ آئے گا، اور بتوں کو بت پرستوں سمیت برباد کر دے گا؛ جو ابلیس سے وہ غلبہ چھین لے گا جو اُسے انسانوں پر ہے۔ وہ اپنے ساتھ خدا کی رحمت اُن کی نجات کے لیے لائے گا جو اُس پر ایمان لائیں گے، اور مبارک ہے وہ جو اُس کے کلام پر ایمان لائے گا۔'' [3]

1 برناباس کی انجیل: 72. 2 قاموس الکتاب، ص: 94,93. 3 برناباس کی انجیل: 96.

8 ''رسولِ نجات بنا کر بھیجوں گا''

کاہن (Priest) نے جواب میں کہا: ''کیا خدا کے رسول کے آنے کے بعد اور نبی آئیں گے؟'' یسوع نے جواب دیا: ''اُس کے بعد خدا کے بھیجے ہوئے سچے نبی نہ آئیں گے، مگر جھوٹے نبیوں کی بڑی تعداد آئے گی، ...... ''اُس مسیح کا نام قابل تعریف ہے، کیونکہ خود خدا نے اُس کا یہ نام رکھا جب اُس نے اُس کی روح پیدا کی، اور اُسے ملکوتی شان میں رکھا۔ خدا نے کہا: ''محمدؐ'' انتظار کر...... یہاں تک کہ جو تجھے مبارک کہے گا مبارک ہوگا، اور جو تجھے کوسے گا لعنتی ہوگا۔ جب میں تجھے دنیا میں بھیجوں گا تو اپنا رسولِ نجات بنا کر بھیجوں گا، اور تیرا کلام سچا ہوگا، یہاں تک کہ آسمان اور زمین ٹل جائیں گے، پر تیرا دین نہ ٹلے گا، سواُس کا پاک نام محمد ہے۔''

تب بھیڑ نے اپنی آوازیں بلند کر کے کہا: ''اے خدا، ہمیں (ہم میں) اپنا رسول بھیج؛ اے محمد، دنیا کی نجات کے لیے جلد آ۔'' [1]

9 بعثتِ محمد سے سولی چڑھائے جانے کی بدنامی دور ہوگی

''اے برناباس، جان لے کہ اس کی بدولت میں بڑی اذیت میں مبتلا ہوں گا، اور اپنے ایک شاگرد کے ہاتھوں تیس روپوں کے عوض بیچا جاؤں گا۔ جس پر مجھے یقین ہے کہ جو مجھے بیچے گا وہ میرے نام سے مارا جائے گا، کیونکہ خدا مجھے زمین سے اُٹھا لے گا، اور اُس غدار کی شکل بدل دے گا کہ ہر کوئی اُسے سمجھے گا کہ میں ہوں؟ پھر بھی، جب وہ بری موت مرے گا تو میں دنیا میں لمبی مدت تک اسی ذلت میں رہوں گا۔ پر جب محمدؐ خدا کا مقدس رسول آئے گا تو یہ بدنامی دور ہوجائے گی۔ اور خدا یہ کرے گا، کیوں کہ میں نے مسیح کی سچائی کا اقرار کیا ہے؛ جو مجھے یہ انعام دے گا کہ مجھے زندہ، اور بدنامی کی موت سے اجنبی، جان لیا جائے گا۔'' [2]

عیسائی دنیا سمجھتی رہی کہ یسوع نے انتہائی بے بسی کے عالم میں سولی پر جان دی۔ نبیِ کریم ﷺ نے اُن کی یہ غلط فہمی دور کی۔ اس بارے میں آپ پر نازل ہونے والی آیات درج ذیل ہیں:

﴿ وَّ قَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۚ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ۚ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝

[1] برناباس کی انجیل: 97. [2] برناباس کی انجیل: 112.

﴿بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ○﴾

"اور ان کے یہ کہنے کی وجہ سے کہ ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم اللہ کے رسول کو قتل کیا (ہم نے ان پر لعنت کی)، حالانکہ انھوں نے نہ انھیں قتل کیا اور نہ انھیں سولی پر چڑھایا بلکہ انھیں شبہے میں ڈال دیا گیا۔ اور بے شک جنھوں نے عیسیٰ کے بارے میں اختلاف کیا، وہ ضرور ان کے متعلق شک میں ہیں۔ ان لوگوں کے پاس ان کے بارے میں کوئی علم نہیں سوائے گمان کی پیروی کے، اور انھوں نے یقیناً انھیں قتل نہیں کیا۔ بلکہ اللہ نے انھیں اپنی طرف اٹھالیا، اور اللہ بڑا زبردست بہت حکمت والا ہے۔"[1]

10 خدا کا رسول انجیل کی ناپاکی (تحریف) دور کرے گا۔

"میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اگر موسیٰ کی کتاب سے سچائی نہ مٹادی گئی ہوتی تو خدا داوٗد ہمارے باپ کو دوسری کتاب نہ دیتا۔ اور اگر داوٗد کی کتاب آلودہ نہ کردی گئی ہوتی تو خدا مجھے انجیل نہ عطا کرتا؛ کیونکہ خداوند ہمارا خدا غیر متبدل ہے، اور تمام انسانوں کو ایک ہی پیغام دیتا آیا ہے۔ سو جب خدا کا رسول آئے گا تو وہ سب پاک کرنے آئے گا جس سے بدکاروں نے میری کتاب ناپاک کردی ہوگی۔"[2]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیش گوئی کے مطابق پیغمبر آخرالزمان محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں اور عیسائیوں کی تحریفات کا پردہ چاک کیا اور عیسیٰ علیہ السلام کی اصل تعلیمات کے متعلق لوگوں کو آگاہ کیا۔

11 "نبیوں کے سرتاج"

"مبارک ہو خدا کا پاک نام جس نے تمام قُدّوسوں (قدوسیوں) اور نبیوں کے سرتاج کو تمام مخلوق سے پہلے پیدا فرمایا تا کہ اُسے دنیا کی نجات کے لیے بھیجے۔"[3]

12 نبیوں اور قدوسوں کا سرتاج پردے کی باتوں کو واضح کرے گا۔

"یسوع نے جواب دیا: "نبیوں کے ہاں بہت سی تمثیلیں لکھی ہیں، سو تو لفظ پر نہ جا بلکہ مفہوم پر دھیان کر۔ کیونکہ تمام نبیوں نے، جو ایک لاکھ چوالیس ہزار ہوئے ہیں، جنھیں خدا نے دنیا میں بھیجا، پردے میں بات کی ہے۔ مگر میرے بعد تمام نبیوں اور قُدّوسوں (قدوسیوں) کا سرتاج آئے گا اور تمام پردے کی باتوں کو، جو نبیوں نے کہیں، واضح کرے گا، کیونکہ وہ خدا کا رسول ہے۔"[4]

[1] النسآء 4:157، 158۔ [2] برناباس کی انجیل: 124۔ [3] برناباس کی انجیل: 12۔ [4] برناباس کی انجیل: 17۔



یہی بات قرآن مجید میں بھی رسول اللہ ﷺ سے کہی گئی ہے:

﴿ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝ ﴾

''اور ہم نے آپ کی طرف یہ نصیحت اتاری تاکہ آپ لوگوں کے لیے اسے کھول کر بیان کر دیں جو کچھ ان کی طرف اتارا گیا ہے تاکہ وہ غور وفکر کریں۔'' [1]

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر جو کچھ نازل فرمایا تھا، آپ اس کے معنی خوب جانتے تھے، وحیِ الٰہی کے مشتاق تھے اور اس کا اتباع کرنے والے بھی، اور اللہ تعالیٰ کو یہ بھی معلوم تھا کہ آپ اس کی ساری مخلوق میں سب سے افضل اور تمام اولادِ آدم کے سردار ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ پر قرآن مجید نازل فرمایا اور حکم دیا کہ آپ قرآن مجید کے اجمال کی تفصیل اور قرآن مجید کے مشکل مقامات کی شرح وتفسیر بیان فرما دیں تاکہ لوگ غور کریں، اپنا جائزہ لیں، ہدایت اختیار کریں اور دنیا وآخرت میں نجات حاصل کر کے کامیاب ہو جائیں۔ [2]

13 ''میں خدا کا خادم ہوں اور خدا کے رسول کی ..... خدمت کرنے کا خواہاں ہوں۔''

''جب دن نکلا تو یسوع لوگوں کی ایک بڑی بھیڑ کے ساتھ ہیکل کو گیا۔ جس پر سردار کاہن نے نزدیک آ کر کہا: ''اے یسوع، بتا، کیا تو وہ سب بھول گیا جس کا تو نے اقرار کیا تھا، کہ تو نہ خدا ہے، نہ خدا کا بیٹا، اور نہ مسیح؟'' یسوع نے جواب دیا: ''ہرگز نہیں، میں نہیں بھولا؛ یہ تو میرا وہ اقرار ہے جو میں عدالت کے دن خدا کے تخت عدالت کے روبرو لے جاؤں گا۔ کیونکہ جو کچھ بھی موسیٰ کی کتاب میں لکھا ہے بالکل سچ ہے، یعنی خدا ہمارا خالق ہی تنہا (خدا) ہے۔ اور میں خدا کا خادم ہوں، اور خدا کے رسول کی، جسے تم مسیح کہتے ہو، خدمت کرنے کا خواہاں ہوں۔'' [3]

اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام کو قیامت سے پہلے دوبارہ اس دنیا میں بھیجے گا۔ اُس وقت وہ نبیِ کریم ﷺ کی شریعت کے پیروکار اور داعی ہوں گے۔ اس طرح ان کی متذکرہ بالا خواہش پوری ہو جائے گی۔

[1] النحل 16:44. [2] تفسیر ابن کثیر، النحل 16:44. [3] برناباس کی انجیل 206.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«وَاللّٰهِ! لَيَنْزِلَنَّ ابْنُ مَرْيَمَ حَكَمًا عَادِلًا فَلَيَكْسِرَنَّ الصَّلِيبَ وَلَيَقْتُلَنَّ الْخِنْزِيرَ وَلَيَضَعَنَّ الْجِزْيَةَ وَلَيَتْرُكَنَّ الْقِلَاصُ فَلَا يُسْعٰى عَلَيْهَا وَلَتَذْهَبَنَّ الشَّحْنَاءُ وَالتَّبَاغُضُ وَالتَّحَاسُدُ وَلَيَدْعُوَنَّ إِلَى الْمَالِ فَلَا يَقْبَلُهُ أَحَدٌ»

''اللہ کی قسم! یہ ہو کے رہے گا کہ عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام (آسمان سے) عادل حکمران بن کر اتریں گے۔ وہ صلیب کو توڑ دیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے۔ جزیہ ختم کردیں گے۔ جوان اونٹنیاں بے کار چھوڑ دی جائیں گی، پس انھیں حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی جائے گی۔ (لوگوں کے دلوں سے) کینہ، بغض اور حسد جاتا رہے گا۔ لوگوں کو مال دینے کے لیے بلایا جائے گا لیکن کوئی بھی مال لینے کے لیے تیار نہیں ہوگا۔'' [1]

14 ''دنیا پر رحم فرما اور اپنا رسول جلد بھیج۔''

''خداوند خدا، جو اپنے فضل سے اپنی قوم اسرائیل کو تمام ضروری چیزوں سے نوازتا ہے، زمین کے تمام قبیلوں کا خیال رکھیو، جنھیں تو نے اپنے اُس رسول کی معرفت برکت دینے کا وعدہ فرمایا ہے...... دنیا پر رحم فرما اور اپنا رسول جلد بھیج تاکہ ابلیس، تیرے دشمن، کی سلطنت چھن جائے۔'' اور یہ کہہ کر یسوع نے تین بار کہا: ''ایسا ہی ہو، خداوند عظیم ورحیم!'' [2]

حضرت مسیح علیہ السلام کی یہ دعا پونے چھ سو برس بعد سرزمین حجاز میں پوری ہوئی جہاں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام ابنائے آدم کی رہبری کے لیے مبعوث ہوئے اور آپ کے دین اسلام کو غلبہ ملا تو اللہ کے دشمنوں کی سلطنتیں نیست و نابود ہوگئیں۔

[1] صحیح مسلم: (243)-155. [2] برناباس کی انجیل: 212.



طاق کسریٰ کے کھنڈر

نبیِ کریم ﷺ کی نبوت پر علمائے اہلِ کتاب کی شہادتیں

رسول اللہ ﷺ کے عہد میں اہلِ کتاب کے کئی علماء نے اپنی کتابوں میں بیان کی گئی پیش گوئیوں کے ذریعے سے آپ کی ذاتِ عالی میں نبوت کی واضح علامات کو پہچانا اور اُن میں سے کئی حضرات اسلام کی سعادت سے بہرہ مند بھی ہوئے۔ قرآن مجید کا بیان ہے:

﴿وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ۭ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ۝﴾

''اور کافر کہتے ہیں: تم رسول نہیں ہو۔ آپ کہہ دیجیے: میرے اور تمھارے درمیان اللہ ہی گواہ کافی ہے اور وہ شخص (بھی) جس کے پاس کتاب کا علم ہے۔''[1]

یہ آیت کریمہ ان علمائے اہلِ کتاب کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو انبیائے کرام علیہم السلام کی بشارتوں کی روشنی میں سابقہ آسمانی کتابوں میں حضرت محمد ﷺ کے اوصاف حمیدہ کا تذکرہ پاتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۭ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ﴾

''اور میری رحمت ہر چیز پر محیط ہے، چنانچہ جلد ہی میں اس کو ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو پرہیزگاری کرتے اور زکاۃ دیتے اور ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں، وہ جو (محمد) رسول (اللہ) کی، جو نبی امی ہیں، پیروی کرتے ہیں، جن (کے اوصاف) کو وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔''[2]

اور فرمایا:

﴿اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰۗؤُا بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ۝﴾

''کیا ان کے لیے (یہ) ایک نشانی کافی نہیں کہ علمائے بنی اسرائیل اس (قرآن یا صاحبِ قرآن) کو

[1] الرّعد 43:13. [2] الأعراف 157,156:7.

جانتے ہیں۔'' [1]

اس مفہوم کی اور بھی کئی آیات کریمہ ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ علمائے بنی اسرائیل اپنی آسمانی کتابوں کی روشنی میں یہ جانتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ہیں۔

یہ علامات اس قدر روشن اور واضح تھیں کہ وہ نبیِ کریم ﷺ کو اسی طرح پہچانتے تھے جس طرح وہ اپنی اولاد کو پہچانتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ﴾

''جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی، وہ اس (رسول) کو ایسے پہچانتے ہیں جیسے وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔'' [2]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا آپ حضرت محمد ﷺ کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹے کو؟ انھوں نے کہا: بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ آسمان سے ایک امین (جبریل) زمین کے ایک امین حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا اور اس نے آپ ﷺ کی شان بتلائی جس کی وجہ سے میں نے آپ ﷺ کو پہچان لیا، حالانکہ آپ کی والدہ کے بارے میں مجھے کوئی علم نہیں۔ [3]

پھر اسی آیت میں اللہ تعالیٰ نے آگے یہ بھی فرمایا ہے کہ ان کی کتابوں میں نبی اکرم ﷺ کی جو صفات لکھی ہوئی ہیں، وہ صفات ان میں سے کچھ لوگ چھپاتے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اور اپنے اہل ایمان بندوں کو ثابت قدم رکھنے کے لیے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ جس دین و شریعت کو لائے ہیں: ''وہ بلاشک وشبہ حق اور سچ ہے، لہٰذا تم ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہونا۔'' [4]

ذیل میں چند علمائے اہلِ کتاب کا تذکرہ کیا جاتا ہے جنھوں نے تورات وانجیل میں نبی اکرم ﷺ کے بارے میں پائی جانے والی مختلف صفات سے آپ کو پہچانا، پھر بعض نے اسلام قبول کر لیا اور بعض نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

یہودی عالم زید بن سُعنہ کی تصدیق

عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے زید بن سعنہ کو ہدایت دینے کا ارادہ کیا تو انھوں نے اپنے دل میں کہا: ''میں نے نبی کریم ﷺ کی نبوت کی ساری نشانیاں اُسی وقت پہچان لی تھیں جب میں نے آپ ﷺ کا چہرہ مبارک دیکھا تھا۔ مگر دو نشانیاں ایسی ہیں جن کی پہچان کا موقع ابھی تک نہیں ملا۔ پہلی یہ کہ کیا آپ ﷺ کا حلم آپ کے غضب سے بڑھا ہوا ہے؟ دوم یہ کہ کیا دوسروں کا انتہائی جاہلانہ رویہ آپ کے حلم اور

[1] الشعرآء 197:26. [2] البقرة 146:2. [3] تفسير القرطبي، البقرة 146:2. [4] البقرة 147:2.

بردباری میں مزید اضافے کا باعث بنتا ہے؟

زید بن سعنہ رضی اللہ عنہ نے بتایا: میں محمد (ﷺ) سے بڑی نرمی سے پیش آتا تھا تاکہ میں آپ سے میل جول رکھ کر آپ کے حلم اور غصے کو جانچ پرکھ لوں۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ گھر سے نکلے۔ آپ کے ساتھ علی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ایک بدو نما آدمی اپنی سواری پر آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا: ''اے اللہ کے رسول! بنوفلاں کی بستی کے لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہوگئے ہیں۔ میں نے اُنھیں بتایا تھا کہ اگر تم اسلام قبول کرلو تو اللہ تعالیٰ تمھیں وافر رزق عطا فرمائے گا۔ اب وہ قحط، سختی اور خشک سالی کی زد میں ہیں۔ اللہ کے رسول! مجھے ڈر ہے مبادا وہ لالچ کرتے ہوئے اسلام سے اسی طرح نکل جائیں جس طرح وہ طمع کے مارے اس میں داخل ہوئے تھے۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو ان کی امداد کی خاطر ان لوگوں کو کوئی چیز بھیجیں (یہ اقدام بہتر ہوگا۔)'' رسول اللہ ﷺ نے (سوالیہ نظروں سے) ایک شخص (علی رضی اللہ عنہ) کی طرف دیکھا تو انھوں نے کہا: ''اے اللہ کے رسول! اس (مال) میں سے کچھ باقی نہیں بچا۔''

زید بن سعنہ کہتے ہیں: (میں تو موقع کی تاک میں بیٹھا تھا) میں کھسک کر آپ ﷺ کے قریب ہوگیا اور کہا: ''اے محمد! کیا آپ میرے ہاتھ اتنی اتنی مدت کے لیے بنوفلاں کے باغ میں سے معلوم مقدار میں کھجوریں فروخت کرنا چاہتے ہیں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا، يَا يَهُودِيُّ! وَلٰكِنْ أَبِيعُكَ تَمْرًا مَّعْلُومًا إِلٰى أَجَلِ كَذَا وَكَذَا وَلَا أُسَمِّي حَائِطَ بَنِي فُلَانٍ»

''اے یہودی! نہیں، البتہ میں تیرے ہاتھ اتنی اتنی مدت تک کے لیے معلومہ کھجوریں بیچوں گا اور بنوفلاں کے باغ کا نام نہیں لوں گا۔''

میں نے کہا: ''ٹھیک ہے۔'' آپ نے میرے ساتھ سودا طے کرلیا۔ میں نے اپنی تھیلی کھولی اور طے شدہ مدت تک کے لیے معلومہ کھجوروں کے بدلے میں سونے کے اَسّی (80) مثقال[1] دیے۔ نبی کریم ﷺ نے وہ مثقال اُس شخص کو دے دیے اور فرمایا:

«أَعْجِلْ عَلَيْهِمْ وَأَغِثْهُمْ بِهَا»

''یہ رقم جلدی سے انھیں پہنچا دو اور اس کے ذریعے سے ان کی مدد کرو۔''

[1] مثقال وزن کا ایک پیمانہ ہے۔ مثقال کی مقدار $1\frac{3}{7}$ درہم ہے۔ سونا تولنے کا مثقال 72 جو کے دانے یا 4.24 گرام کے برابر ہے۔ باقی اشیاء تولنے کا مثقال 80 جو کے دانے یا 4.5 گرام کے برابر ہے۔ (تاج العروس، مادۃ: ثقل، المعجم الوسیط، مادۃ: ثقل، معجم لغۃ الفقہاء، ص: 449)

زید بن سعنہ کہتے ہیں کہ ابھی معینہ مدت کے ختم ہونے میں دو تین دن کی مہلت باقی تھی۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ کسی انصاری کے جنازے میں تشریف لے گئے۔ آپ کے ساتھ ابوبکر، عمر، عثمان اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ آپ نے نماز جنازہ ادا کر لی اور ایک دیوار کے سہارے بیٹھنے کے لیے اس کے قریب ہوئے تو میں نے ایک دم آپ کا گریبان پکڑ لیا، غصے سے آپ کی طرف دیکھا اور کہا: ''اے محمد! کیا آپ میرا حق ادا نہیں کریں گے؟ اللہ کی قسم! اے بنوعبدالمطلب! مجھے تو تم لوگ ٹال مٹول کرنے والے معلوم ہوتے ہو۔ مجھے تمھارے لین دین کا پہلے ہی علم تھا۔'' اس موقع پر عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) نے شدید غصے سے مجھے گھورا اور کہا: ''اے اللہ کے دشمن! تم رسول اللہ ﷺ سے یہ کیا بات کہہ رہے ہو جو میں سن رہا ہوں اور ان سے یہ کیا برتاؤ کر رہے ہو جو میں دیکھ رہا ہوں؟ اُس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے! اگر مجھے اپنے وار کے خطا ہو جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں اپنی تلوار سے تمھارا سر قلم کر دیتا۔''

اس وقت رسول اللہ ﷺ انتہائی اطمینان و سکون سے تشریف فرما تھے اور عمر رضی اللہ عنہ کی طرف مسکرا کر دیکھ رہے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَنَا وَهُوَ كُنَّا أَحْوَجَ إِلٰى غَيْرِ هٰذَا مِنْكَ يَا عُمَرُ! أَنْ تَأْمُرَنِي بِحُسْنِ الْأَدَاءِ وَ تَأْمُرَهُ بِحُسْنِ التِّبَاعَةِ، اِذْهَبْ بِهِ يَا عُمَرُ! فَاقْضِهِ حَقَّهُ وَزِدْهُ عِشْرِينَ صَاعًا مَّكَانَ مَا رُعْتَهُ»

''اے عمر! میں اور یہ شخص، دونوں تمھاری طرف سے اس سے مختلف ردعمل کے مستحق تھے، یعنی تم مجھے حسنِ ادا کی تلقین کرتے اور اسے طریقۂ طلب کا بہتر انداز اختیار کرنے کا حکم دیتے۔ اے عمر! جاؤ، اسے اس کا حق ادا کرو اور اپنی طرف سے اسے ڈرانے (دھمکانے) کی تلافی کے طور پر بیس صاع[1] زیادہ ادا کرو۔''

زید بن سعنہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ عمر (رضی اللہ عنہ) مجھے اپنے ساتھ لے گئے اور میرا حق ادا کر دیا۔ مزید برآں اُنھوں نے مجھے بیس صاع اضافی کھجوریں بھی دیں۔ میں نے پوچھا: ''یہ اضافہ کس لیے ہے؟'' وہ کہنے لگے: ''اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں نے جو تمھیں ڈرایا دھمکایا ہے، اس کے بدلے میں تمھیں بیس صاع اضافی کھجوریں بھی دوں۔''

میں نے پوچھا: ''اے عمر! کیا تم مجھے پہچانتے ہو؟'' وہ بولے: ''نہیں، میں نہیں جانتا کہ تم کون ہو؟'' میں نے بتایا:

[1] صاع 4 مد کے برابر ہے جبکہ ایک مد 5.33 رطل کا ہے۔ ایک رطل 12 اوقیہ کا ہے جبکہ ایک اوقیہ 40 درہم کا ہوتا ہے۔ اس حساب سے ایک صاع کے 2173.36 گرام بنتے ہیں۔ (معجم لغة الفقهاء، ص: 270 و 450،449)

''میں زید بن سعنہ ہوں۔'' انھوں نے پوچھا: ''یہودیوں کا عالم؟'' میں نے کہا: ''جی ہاں!'' عمر رضی اللہ عنہ نے جھٹ پوچھا: ''پھر تمھیں کس چیز نے اکسایا کہ تم رسول اللہ ﷺ سے وہ کہو جو تم نے کہا اور ان کے ساتھ وہ جارحانہ برتاؤ کرو جو تم نے کیا؟'' میں نے کہا: ''اے عمر! جب میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تھا تو آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک میں نبوت کی ساری علامتیں پہچان لی تھیں مگر میں ابھی تک دو نشانیوں کا کھوج نہیں لگا سکا تھا، یعنی آپ کا حلم آپ کے غضب سے بڑھا ہوا ہے اور دوسروں کا انتہائی گھٹیا جاہلانہ رویہ آپ کے حلم میں مزید اضافہ کر دیتا ہے۔ اب میں نے یہ دونوں نشانیاں بھی خوب اچھی طرح جانچ پرکھ کر دیکھ لی ہیں۔ اے عمر! میں تمھیں گواہ بناتا ہوں اور اعلان کرتا ہوں:

قَدْ رَضِيتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَّبِمُحَمَّدٍ نَّبِيًّا.

''میں اللہ کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے اور محمد ﷺ کے نبی ہونے پر راضی ہو گیا۔''

میں اپنے علاقے میں سب سے زیادہ مالدار ہوں۔ میں تمھیں گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میرا آدھا مال اُمت محمد کے لیے صدقہ ہے۔'' عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ''تمھارا مال سب کے لیے کفایت نہیں کرے گا۔ اس لیے یہ کہو کہ میرا مال اُمت کے بعض افراد کے لیے صدقہ ہے۔'' میں نے کہا: ''ٹھیک ہے۔'' پھر حضرت عمر اور زید بن سعنہ رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ زید نے وہاں پہنچتے ہی اعلان کیا:

أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ.

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی برحق معبود نہیں اور یقیناً محمد (ﷺ) اُس کے بندے اور رسول ہیں۔''

زید بن سعنہ رضی اللہ عنہ آپ پر ایمان لے آئے، انھوں نے آپ کی تصدیق اور پیروی کی اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بہت سے غزوات میں شریک ہوئے۔[1]

یہودی عالم مُخَیْرِیق کا ایثار

مُخَیْرِیق یہودیوں کے بہت بڑے عالم اور بہت مالدار آدمی تھے۔ اُن کے کھجوروں کے بہت سے باغات تھے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کو آپ کی ان صفات کے ذریعے سے پہچانتے تھے جو ان کے علم میں تھیں مگر ان پر اپنے دین کی محبت غالب آ گئی۔ وہ یہودیت ہی پر قائم رہے یہاں تک کہ جب اُحد کا دن آیا تو یہ سبت (ہفتہ) کا دن تھا۔

[1] دلائل النبوة لأبي نعيم: 1/91-93.


مدینہ میں یہودی عالم مخیریق کا باغ

وہ (یہودیوں سے مخاطب ہو کر) کہنے لگے: ''اے یہودیوں کی جماعت! تم جانتے ہو کہ محمد (ﷺ) کی مدد کرنا تم پر لازم ہے۔'' یہودی کہنے لگے: ''آج تو یوم سبت (ہفتہ) ہے۔'' مُخَیْرِیق نے کہا: ''آج کے بعد کوئی سبت نہیں۔'' پھر اُنھوں نے اپنے ہتھیار اُٹھائے اور نکل پڑے یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کے پاس میدان احد میں آ گئے۔

مُخَیْرِیق نے اپنے پیچھے موجود اپنی قوم کے لوگوں کو یہ وصیت کی: ''اگر میں اس دن قتل ہو جاؤں تو میرا مال محمد (ﷺ) کے لیے ہوگا، وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اسے جس طرح چاہیں خرچ کریں۔'' لڑائی شروع ہوئی تو مُخَیْرِیق نے بھی لڑائی میں بھرپور شرکت کی، بالآخر قتل ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے: «مُخَيْرِيقٌ خَيْرُ يَهُودَ» ''مُخَیْرِیق یہودیوں میں سے بہترین آدمی تھا۔'' پھر آپ نے (ان کی آرزو کے مطابق) اُن کا مال اپنی نگرانی میں لے لیا۔ مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کے عام صدقات و خیرات اسی مال سے ادا ہوتے تھے۔[1]

سردارِ یہود حُیَیّ بن اَخطب کی تصدیق اور حسد

ام المؤمنین صفیہ رضی اللہ عنہا کا تعلق یہودیوں کے نامور قبیلے بنونضیر سے تھا۔ وہ قبیلے کے سردار حُیَی کی صاحب زادی تھیں۔ آپ بیان کرتی ہیں کہ میں اپنے والد کی بڑی لاڈلی اور چچا ابو یاسر کی بہت چہیتی تھی۔ میں جب بھی اپنے والد اور اپنے چچا کے بچوں کے ساتھ ان سے ملتی تو وہ سب بچوں کو چھوڑ کر مجھی کو گود میں اٹھا لیتے تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے اور قباء میں بنوعمرو بن عوف کے ہاں ٹھہرے تو میرے والد حیی بن اخطب اور چچا ابو یاسر بن اخطب صبح سویرے ہی ان کی خدمت میں چلے گئے۔ وہ غروب آفتاب کے وقت واپس آئے۔ صفیہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ وہ تھکے ماندے تھے۔ دائیں بائیں ڈول رہے تھے، گرتے پڑتے آ رہے تھے۔ آہستہ آہستہ قدم اُٹھا رہے تھے۔ میں معمول کے مطابق خوشی خوشی لپک کر اُن کے پاس گئی جس طرح پہلے جایا کرتی تھی۔ اللہ کی قسم! وہ جس صدمے سے دوچار تھے، اُس کی وجہ سے ان میں سے کسی نے میری طرف توجہ ہی نہیں دی۔ میں نے اپنے

[1] دلائل النبوة لأبي نعيم:1/79,78.


مدینہ میں قبیلہ بنونضیر کے آثار

چچا ابو یاسر کو اپنے والد سے یہ کہتے ہوئے سنا: ''کیا یہ وہی ہیں؟'' وہ کہنے لگے: ''ہاں، اللہ کی قسم! (یہ وہی ہیں)۔'' چچا نے پوچھا: ''کیا تم اُنھیں (اُن کی علامات سے) پہچانتے ہو اور اُن کی تصدیق کرتے ہو؟'' میرے والد نے کہا: ''ہاں!'' چچا نے پھر پوچھا: ''اُن کے متعلق تمھارے دل میں کیا بات آتی ہے؟'' میرے والد نے جواب دیا: ''اللہ کی قسم! جب تک میں زندہ ہوں، میرے دل میں اُن کے لیے دشمنی ہی رہے گی۔'' [1]

ابونملہ عمار بن معاذ انصاری اوسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بنوقریظہ کے یہودی اپنی کتابوں میں رسول اللہ ﷺ کا تذکرہ پڑھا کرتے تھے۔ وہ اپنے بچوں کو آپ کی صفات، نام اور مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کے بارے میں بتایا کرتے تھے۔ جب آپ ﷺ کا ظہور ہوا تو وہ حسد میں مبتلا ہوگئے۔ اُنھوں نے بغاوت کی اور آپ (کی رسالت) کا انکار کر دیا۔ [2]

جیسا کہ پہلے ذکر ہوا، یہودی مشرکینِ عرب کے خلاف محمد ﷺ کی آمد کا واسطہ دے کر فتح کی دعا مانگتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ اے اللہ! اس نبی کو اب مبعوث فرما دے جن کے بارے میں ہم اپنے ہاں لکھا ہوا پاتے ہیں تاکہ وہ مشرکوں کو (ان کی حرکات کا) مزہ چکھائیں اور انھیں قتل کر دیں، مگر جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا اور یہودیوں نے دیکھا کہ آپ کا تعلق ان کے طبقے سے نہیں ہے تو انھوں نے عربوں سے حسد کرتے ہوئے آپ کے ساتھ کفر کیا، حالانکہ وہ جانتے تھے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اسی کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۡ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝﴾

''پھر جب ان کے پاس (وہ ہستی) آ پہنچی جسے انھوں نے پہچان لیا تو انھوں نے اس کا انکار کر دیا، لہٰذا

[1] دلائل النبوة لأبي نعيم: 78,77/1. [2] دلائل النبوة لأبي نعيم: 79/1.

کافروں پر اللہ کی لعنت ہے۔"[1]

شام کے یہودی عالم ابن الہَیَّبان کی وصیت

ابوعمر عاصم بن عمرو بن قتادہ بن نعمان مدنی رحمہ اللہ بنوقریظہ کے ایک شیخ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: "کیا آپ کو پتا ہے ثعلبہ بن سُعنہ، اُسید بن سعنہ اور اسد بن عبید کیسے مسلمان ہوئے؟ یہ بنوذہل کے لوگ تھے (ذہل کا نام وائل بن مزیقیا قحطانی تھا یہ لوگ نجران میں رہتے تھے۔ بنوذہل، بنوقریظہ اور بنونضیر سے نہیں تھے۔) یہ بنوقریظہ کے پاس (یثرب) آئے اور ان کے زمانۂ جاہلیت میں اُن کے ساتھ تھے، پھر اسلام قبول کرنے کے بعد اُن کے سردار بن گئے تھے۔"

راوی عاصم کہتے ہیں کہ میں نے ان سے کہا: جی نہیں۔ میں ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ تب وہ شیخ کہنے لگے کہ اہلِ شام کے یہودیوں میں سے ابن الہَیَّبان نامی ایک شخص دعوتِ اسلام سے کئی سال پہلے ہمارے پاس آیا اور ہمارے پاس رہنے لگا۔ اللہ کی قسم! ہم نے کبھی ایسا شخص نہیں دیکھا جو پانچ وقت کی نماز اس سے اچھی پڑھتا ہو۔ جب بھی خشک سالی ہوتی، ہم اُس کے پاس جاتے اور درخواست کرتے: "ابن الہَیَّبان! اٹھو اور ہمارے لیے بارش کی دُعا کرو۔" یہ سُن کر وہ ہم سے کہتا: "اللہ کی قسم! جب تک تم دعا کے لیے نکلنے سے پہلے صدقہ نہیں کرو گے، میں دُعا نہیں کروں گا۔" لوگ پوچھتے: کتنا صدقہ کریں؟ وہ کہتا: ہر انسان کی طرف سے ایک صاع کھجور اور ایک مد جو۔

چنانچہ ہم صدقہ کرتے، پھر وہ ہمیں لے کر حرّہ کی طرف نکل جاتا اور بارش کے لیے دُعا مانگتا۔ اللہ کی قسم! ابھی وہ اپنی نشست سے نہیں ہٹتا تھا کہ ایک تیز بادل تیرتا ہوا گزرتا اور اس کی دعا کے ذریعے سے ہم پر بارش برسنے لگتی تھی۔ ایسا کئی مرتبہ ہوا۔ پھر اس کی وفات کا وقت آ گیا، وہ جان گیا کہ اب وہ مرنے والا ہے تو اس نے کہا: "اے یہودیوں کی جماعت! کیا تمھیں معلوم ہے میں شراب اور خمیری روٹی والی سرزمین (شام کا علاقہ) چھوڑ کر یہاں بھوک اور تنگ دستی والی زمین (یثرب) میں کیوں آیا ہوں؟" ہم نے کہا: "اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔" وہ کہنے لگا: "سنو! میں اس شہر میں اس لیے آیا ہوں تاکہ اُس نبی کے ظہور کا انتظار کروں جس کا زمانہ قریب آ گیا ہے۔ یہ شہر اس کی ہجرت گاہ ہے۔ میں امید رکھتا تھا کہ وہ مبعوث ہوگا تو میں اس کی پیروی کروں گا۔ اُس کا زمانہ تمھارے قریب آ گیا ہے۔ اے یہودیو! اُس پر ایمان لانے میں جلدی کرنا مبادا کوئی تم سے سبقت لے جائے۔ وہ اپنے مخالفین کا خون بہانے اور ان کے بچوں اور عورتوں کو قیدی بنانے کا حکم لے کر مبعوث ہوگا، لہٰذا یہ بات تمھیں اُس کا ساتھ دینے

[1] البقرۃ 89:2.

مسجد بنو قریظہ جس جگہ پر قبیلہ بنو قریظہ کے محاصرے کے دوران نبی ﷺ نے نماز ادا کی

سے نہ روک نہ پائے۔‘‘

جب رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے اور (ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے اور 5 ہجری میں) بنو قریظہ (کی بدعہدی کی بنا پر ان) کا محاصرہ کیا تو ان نوخیز نوجوانوں نے کہا: ’’اے بنو قریظہ! اللہ کی قسم! یہ وہی نبی ہیں جن کے بارے میں ابن الھَیَّبان نے تمھیں وصیت کی تھی۔‘‘ بنو قریظہ کے لوگ کہنے لگے: ’’یہ وہ نبی نہیں۔‘‘ وہ کہنے لگے: ’’کیوں نہیں اللہ کی قسم! یہ اپنی صفات کے اعتبار سے وہی ہیں۔‘‘ چنانچہ وہ لوگ قلعوں سے نیچے اُتر آئے اور مسلمان ہو گئے۔ یوں وہ اپنی جان، مال اور اہل و عیال سمیت محفوظ ہو گئے۔[1]

یہودی عالم عبداللہ بن صوریا کی تصدیق

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ مدینہ میں یہودیوں کے بیت المدراس (Synagogue) میں گئے۔ آپ نے فرمایا: «أَخْرِجُوا إِلَيَّ أَعْلَمَكُمْ» ’’تم اپنے سب سے بڑے عالم کو میرے پاس لاؤ۔‘‘ وہ کہنے لگے: ’’ہمارے سب سے بڑے عالم عبداللہ بن صوریا ہیں۔‘‘ رسول اللہ ﷺ اُس سے تنہائی میں ملے۔ آپ نے اس کے دین کا اور جو اللہ تعالیٰ نے ان (یہودیوں) پر انعامات کیے، انھیں من و سلویٰ کھلایا اور ان پر بادلوں کا سایہ کیا، ان کا حوالہ دے کر پوچھا:

«أَتَعْلَمُ أَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ؟»

’’کیا تم جانتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟‘‘

[1] دلائل النبوة لأبي نعيم: 82,81/1.

وہ کہنے لگا: ''جی ہاں! اللہ گواہ ہے۔ اور اس میں ہرگز کوئی شک نہیں کہ جو میں پہچانتا ہوں، اسے باقی یہودی بھی پہچانتے ہیں۔ بلاشبہ تورات میں آپ کی صفات اور علامات بہت واضح طور پر موجود ہیں۔ لیکن انھوں نے آپ سے حسد کیا ہے (اسی لیے یہ لوگ آپ کو رسول تسلیم نہیں کر رہے۔)'' نبی کریم ﷺ نے پوچھا:

«فَمَا یَمْنَعُكَ أَنْتَ؟»

''پھر تمھارے لیے (قبولِ حق میں) کیا رکاوٹ ہے؟''

وہ کہنے لگا: ''میں اپنی قوم کی مخالفت سے ڈرتا ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ یہ لوگ آپ کی پیروی کرتے ہوئے مسلمان ہو جائیں، پھر میں بھی مسلمان ہو جاؤں گا۔''[1]

عبداللہ بن صوریا کا مسلمان ہونا مختلف فیہ ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا رجحان یہی ہے کہ وہ مسلمان ہونے کے بعد مرتد ہوگیا تھا، البتہ اُس کی طرف سے نبی کریم ﷺ کی تصدیق کرنے کا ذکر صراحت سے موجود ہے۔[2]

عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی گواہی

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو رسول کریم ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کی خبر ملی تو وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: ''میں آپ سے تین چیزوں کے بارے میں پوچھوں گا کیونکہ انھیں نبی کے سوا اور کوئی نہیں جانتا:

1 قیامت کی سب سے پہلی علامت کیا ہے؟

2 وہ کون سا کھانا ہے جو جنتیوں کو سب سے پہلے پیش کیا جائے گا؟

3 کس چیز کی وجہ سے بچہ اپنے باپ کے مشابہ ہوتا ہے اور کس چیز کی وجہ سے وہ اپنے ماموؤں کے مشابہ ہوتا ہے؟''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «خَبَّرَنِي بِهِنَّ آنِفًا جِبْرِيلُ» ''مجھے جبریل نے ان کے بارے میں ابھی ابھی خبر دی ہے۔'' یہ ارشاد مبارک سُن کر عبداللہ بن سلام کہنے لگے: ''فرشتوں میں سے جبریل تو یہودیوں کے دشمن ہیں۔'' رسول اللہ ﷺ نے (گفتگو جاری رکھی اور) فرمایا:

«أَمَّا أَوَّلُ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ، فَنَارٌ تَحْشُرُ النَّاسَ مِنَ الْمَشْرِقِ إِلَى الْمَغْرِبِ، وَ أَمَّا أَوَّلُ طَعَامٍ يَأْكُلُهُ أَهْلُ الْجَنَّةِ فَزِيَادَةُ كَبِدِحُوتٍ، وَأَمَّا الشَّبَهُ فِي الْوَلَدِ، فَإِنَّ الرَّجُلَ إِذَا غَشِيَ الْمَرْأَةَ

1 البداية والنهاية: 300/2. 2 دیکھیے: فتح الباري: 209/12، الإصابة: 116،115/4.

فَسَبَقَهَا مَاؤُهُ كَانَ الشَّبَهُ لَهُ، وَإِذَا سَبَقَ مَاؤُهَا كَانَ الشَّبَهُ لَهَا»

1 ''قیامت کی سب سے پہلی علامت ایک آگ (کی صورت میں ظاہر) ہوگی جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف اکٹھا کرے گی۔

2 سب سے پہلا کھانا جو اہلِ جنت کی ضیافت کے لیے پیش کیا جائے گا، وہ مچھلی کی کلیجی سے لگا اضافی ٹکڑا ہوگا۔

3 جہاں تک بچے کی مشابہت کا تعلق ہے، جب مرد عورت سے صحبت کرتا ہے، اس وقت مرد کا پانی (جوہرِ حیات) عورت سے سبقت لے جائے تو مرد کے ساتھ بچے کی مشابہت ہوتی ہے اور جب عورت کا پانی سبقت لے جائے تو بچے کی مشابہت عورت کے ساتھ ہوتی ہے۔''

(یہ سن کر) عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فوراً بول اٹھے: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔'' پھر انھوں نے عرض کی: ''اے اللہ کے رسول! یہودی انتہائی بہتان طراز قوم ہے۔ اگر آپ کے پوچھنے سے پہلے ہی انھیں میرے بارے میں یہ پتا چل گیا کہ میں نے اسلام قبول کر لیا ہے تو وہ آپ کے سامنے ہی مجھ پر طرح طرح کی تہمتیں دھرنی شروع کر دیں گے۔'' چنانچہ کچھ یہودی آئے تو حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ (ان کی نظروں سے بچنے کے لیے) گھر میں داخل ہو کر چھپ گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں سے دریافت فرمایا:

«أَيُّ رَجُلٍ فِيكُمْ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ؟»

''تم لوگوں میں عبداللہ بن سلام کیسے آدمی ہیں؟''

یہودی کہنے لگے: ''وہ ہم میں سب سے بڑے عالم ہیں اور سب سے بڑے عالم کے بیٹے ہیں۔ وہ ہم میں سب سے بہتر ہیں اور سب سے بہتر کے صاحبزادے ہیں۔'' رسول اللہ ﷺ نے پوچھا:

«أَفَرَأَيْتُمْ إِنْ أَسْلَمَ عَبْدُ اللّٰهِ؟»

''مجھے بتاؤ اگر عبداللہ بن سلام مسلمان ہو جائیں (تو کیا تم مسلمان ہو جاؤ گے)؟''

وہ کہنے لگے: ''اللہ تعالیٰ انھیں اس سے محفوظ رکھے۔'' اتنے میں عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ باہر تشریف لے آئے اور کہا: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی برحق معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔'' یہ سُن کر وہ سب ان کے بارے میں کہنے لگے کہ یہ ہم میں سے بدترین آدمی ہے اور سب سے بدتر شخص کا بیٹا ہے، پھر وہ ان کی برائی کرنے لگے۔[1]

[1] صحيح البخاري:3329.

قیصرِ روم ہرقل کی تصدیق


قیصر روم کا سکہ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ابو سفیان بن حرب رضی اللہ عنہ نے اُنھیں بتایا کہ وہ قریش کے ایک تجارتی قافلے کے ساتھ شام گئے ہوئے تھے۔ یہ وہ مدت تھی جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان اور کفارِ قریش سے وقتی عہد کیا ہوا تھا۔ (یہ صلح حدیبیہ سن 6 ہجری کے بعد کا واقعہ ہے)۔ ہرقل نے اُنھیں ان کے ساتھیوں سمیت اپنے دربار میں طلب کیا۔ یہ لوگ بیت المقدس میں اُس کے پاس حاضر ہوئے۔ اس وقت اس کے آس پاس روم کے رؤساء بیٹھے ہوئے تھے۔ پس اس نے انھیں اور اپنے ترجمان کو بلایا، پھر پوچھا: ''جس شخص نے نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہے، اُس کا سب سے قریبی رشتہ دار کون ہے؟'' ابوسفیان نے کہا: ''میں اُس کا سب سے قریب النسب ہوں۔'' ہرقل نے کہا: ''اسے اور اس کے ساتھیوں کو میرے قریب کرو، پھر اس شخص کے ساتھیوں کو اس کے پیچھے بٹھا دو۔''

اس کے بعد ہرقل نے اپنے ترجمان سے کہا: ''ابوسفیان کے ساتھیوں سے کہو کہ میں ابوسفیان سے اُس نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں سوالات کروں گا، اگر یہ غلط بیانی کرے تو تم لوگ اسے جھٹلا دینا۔'' ابوسفیان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''اللہ کی قسم! اگر جھوٹ بولنے سے بدنامی کا خوف نہ ہوتا تو میں ہرقل سے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں یقیناً جھوٹ بولتا۔''

ابوسفیان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد ہرقل نے مجھ سے پہلا سوال یہ کیا: ''تم لوگوں میں اُس کا نسب کیسا ہے؟'' میں نے کہا: ''وہ ہم میں سب سے اعلیٰ نسب والا ہے۔'' پھر ہرقل نے پوچھا: ''کیا کبھی دعوائے نبوت کی بات اس سے پہلے بھی تم میں سے کسی نے کہی ہے؟'' میں نے کہا: ''نہیں!'' اُس نے پوچھا: ''(اچھا بتاؤ) کیا اس کے بزرگوں میں کوئی بادشاہ گزرا ہے؟'' میں نے کہا: ''نہیں!'' اُس نے پوچھا: ''(اچھا یہ بتاؤ کہ) کیا بڑے بڑے امیر لوگوں نے اُس کی پیروی کی ہے یا کمزور لوگوں نے؟'' میں نے کہا: ''کمزور لوگوں نے۔'' پھر اُس نے پوچھا: ''اس کے پیروکار بڑھ رہے ہیں یا گھٹ رہے ہیں؟'' میں نے کہا: ''ان کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔'' پھر اُس نے پوچھا: ''کیا یہ دین قبول کرنے کے بعد کوئی شخص اس دین سے منحرف ہو کر مرتد بھی ہوا ہے؟'' میں نے کہا: ''نہیں!'' پھر اُس نے پوچھا: ''کیا اُس کے دعوائے نبوت سے پہلے تم نے کبھی اُس پر جھوٹ کی تہمت بھی لگائی ہے؟'' میں نے کہا: ''نہیں!'' پھر اُس نے پوچھا: ''کیا وہ کبھی بدعہدی کرتا ہے؟'' میں نے کہا: ''نہیں! البتہ ہم لوگ اس

وقت اس کے ساتھ صلح کی ایک مدت گزار رہے ہیں، معلوم نہیں اس دوران وہ کیا کرے گا۔'' ابوسفیان کہتے ہیں کہ اس فقرے کے سوا مجھے اپنے جوابات میں اپنی طرف سے کوئی بات جوڑ دینے کا موقع ہی نہیں ملا، پھر ہرقل نے پوچھا: ''کیا تم لوگوں نے کبھی اُس سے جنگ لڑی ہے؟'' میں نے کہا: ''جی ہاں!'' اُس نے پوچھا: ''تمھاری اور اس کی جنگ کیسی رہی؟'' میں نے کہا: ''جنگ ہم دونوں فریقوں کے مابین برابر کی چوٹ ہے۔ کبھی وہ ہمیں زک پہنچاتا ہے، کبھی ہم اُسے نقصان سے دوچار کر دیتے ہیں۔'' پھر اُس نے دریافت کیا: ''وہ تمھیں کن باتوں کا حکم دیتا ہے؟'' میں نے کہا: ''وہ کہتا ہے: صرف ایک اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، جن (بتوں) کی تمھارے باپ دادا عبادت کرتے تھے، اُنھیں چھوڑ دو۔ وہ ہمیں نماز قائم کرنے، سچ بولنے، پاکدامنی اختیار کرنے اور قرابت داروں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیتا ہے۔''

اس کے بعد ہرقل نے اپنے ترجمان سے کہا: ''ان لوگوں کو بتادو: میں نے تم سے اُس شخص (نبی ﷺ) کے نسب کے متعلق پوچھا تو تم نے بتایا کہ وہ تم میں اعلیٰ نسب والا ہے، چنانچہ دستور یہی ہے کہ انبیاء (ﷺ) قوم کے اونچے نسب ہی میں سے بھیجے جاتے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ کیا تم میں سے کسی نے پہلے بھی نبوت کا دعویٰ کیا؟ تم نے جواب دیا: نہیں۔ اگر یہ بات اس سے پہلے کسی اور نے کہی ہوتی تو میں سمجھتا کہ یہ شخص ایک ایسی بات کی نقالی کر رہا ہے جو اس سے پہلے بھی کہی جا چکی ہے۔ میں نے پوچھا کہ کیا اُس کے آباء واجداد میں سے کوئی بادشاہ گزرا ہے؟ تم نے کہا: نہیں۔ اگر اُس کے آباء واجداد میں کوئی بادشاہ گزرا ہوتا تو میں کہتا کہ وہ اپنی آبائی بادشاہت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ پھر میں نے تم سے پوچھا: کیا تم نے اس کے دعوائے نبوت سے پہلے کبھی اُس پر جھوٹ بولنے کا الزام بھی لگایا ہے؟ تم نے اعتراف کیا کہ نہیں۔ پس میں خوب جانتا ہوں کہ جو لوگوں کے بارے میں جھوٹ نہیں بولتا، بھلا وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں کیسے جھوٹ بولے گا؟ پھر میں نے پوچھا کہ قوم کے بڑے بڑے لوگ اُس کی پیروی کر رہے ہیں یا کمزور لوگ تو تم نے بتایا: کمزور لوگ اس کی پیروی کرتے ہیں۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ اسی قسم کے لوگ انبیاء (ﷺ) کے پیروکار ہوتے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ وہ بڑھ رہے ہیں یا گھٹ رہے ہیں؟ تم نے بتایا کہ اُن کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ درحقیقت ایمان کی یہی رفتار ہوتی ہے یہاں تک کہ وہ پایۂ تکمیل کو پہنچ جاتا ہے، پھر میں نے پوچھا کہ کیا دین میں داخل ہونے کے بعد کوئی شخص منحرف ہو کر مرتد بھی ہوا ہے؟ تم نے کہا: نہیں۔ ایمان کا یہی حال ہے، جب اس کی چاشنی دل میں اُتر جاتی ہے تو پھر نہیں نکلتی۔ پھر میں نے پوچھا: کیا وہ دھوکا دیتا ہے؟ تم نے بتایا: وہ دھوکا نہیں دیتا۔ رسول ایسے ہی ہوتے ہیں، وہ کبھی دھوکا نہیں دیتے۔ پھر میں نے

پوچھا کہ وہ تمھیں کس چیز کا حکم دیتا ہے؟ تم نے بتایا: وہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ ایک اللہ کی عبادت کرو، کسی چیز کو اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ، وہ تمھیں بت پرستی سے منع کرتا ہے اور تمھیں نماز پڑھنے، سچ بولنے، صلہ رحمی کرنے اور پاک دامن رہنے کا حکم دیتا ہے۔ جو کچھ تم نے بتایا ہے اگر وہ صحیح ہے تو (جان لو) یہ شخص بہت جلد اس جگہ کا مالک ہوگا جہاں اس وقت میرے یہ دونوں قدم ہیں۔ میں پہلے ہی جانتا تھا کہ یہ نبی آنے والا ہے لیکن مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ وہ تم میں سے ہوگا۔ اگر مجھے یقین ہوتا کہ میں اس کے پاس پہنچ سکوں گا تو اس سے ملاقات کے لیے ضرور جاتا۔ اگر میں اُس کے پاس ہوتا تو اُس کے قدم دھوتا۔''

اس کے بعد ہرقل نے رسول اللہ ﷺ کا وہ نامۂ مبارک منگوایا جو آپ نے دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ حاکم بُصریٰ کے پاس بھیجا تھا اور انھوں نے وہ خط ہرقل کو پہنچا دیا تھا۔ ہرقل نے اسے پڑھا، اس میں لکھا تھا:

«بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ. مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ إِلٰى هِرَقْلَ عَظِيمِ الرُّومِ، سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى، أَمَّا بَعْدُ: فَإِنِّي أَدْعُوكَ بِدِعَايَةِ الْإِسْلَامِ، أَسْلِمْ تَسْلَمْ يُؤْتِكَ اللّٰهُ أَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ، فَإِنْ تَوَلَّيْتَ فَإِنَّ عَلَيْكَ إِثْمَ الْأَرِيسِيِّينَ، وَ ﴿ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝ ﴾» (آل عمرٰن 3:64)

''اللہ کے نام کے ساتھ جو بڑا مہربان، نہایت رحم کرنے والا ہے۔

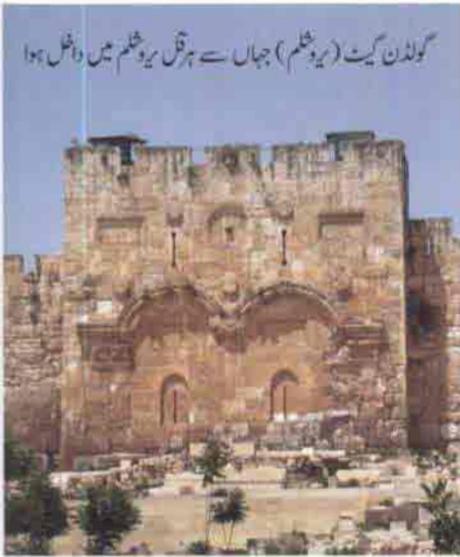
اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمد ﷺ کی طرف سے قیصر روم ہرقل کے نام۔ اُس شخص پر سلامتی ہو جو ہدایت کی پیروی کرے۔ میں تمھیں اسلام کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ مسلمان ہو جاؤ، سلامتی نصیب ہوگی۔ اللہ تعالیٰ تمھیں دگنا اجر دے گا۔ اگر تم یہ بات نہیں مانو گے تو تم پر تمھاری رعایا کا گناہ بھی ہوگا اور ''اے اہل کتاب! ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمھارے درمیان یکساں ہے۔ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ یہ کہ ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو رب نہ بنائے۔ پھر اگر وہ منہ موڑیں تو تم کہہ دو: اس بات کے گواہ رہو کہ بے شک ہم (اللہ کے) فرمانبردار ہیں۔''

ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے کہا: ''ہرقل جو کہنا چاہتا تھا، کہہ چکا اور خط پڑھ کر فارغ ہوا تو معاً وہاں بہت سی آوازیں بلند ہوئیں، شور مچ گیا اور ہمیں دربار سے باہر نکال دیا گیا۔ میں نے باہر آکر اپنے ساتھیوں سے کہا: ابوکبشہ کے بیٹے (محمد ﷺ) کا معاملہ بہت زور پکڑ گیا ہے۔ اُس سے تو رومیوں کا بادشاہ بھی ڈر رہا ہے۔ اس دن کے بعد مجھے برابر

یقین رہا کہ رسول اللہ ﷺ کا دین غالب آ کر رہے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی مشرف بہ اسلام کر دیا۔‘‘

ختنہ کرنے والوں کے بادشاہ کے ظہور کا اعلان

ابن ناطور بیت المقدس کا گورنر، ہرقل کا مصاحب اور شام کے عیسائیوں کا پادری تھا۔ وہ بیان کرتا ہے: ’’ہرقل جب بیت المقدس آیا تو ایک صبح وہ انتہائی رنجیدہ حالت میں بیدار ہوا۔ اس کے کچھ مصاحب اُس سے کہنے لگے: ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کی طبیعت کچھ بجھی بجھی سی ہے۔‘‘ ابن ناطور کہتا ہے کہ ہرقل ماہر نجومی اور ستارہ شناس بھی تھا۔ اس نے اپنے مصاحبوں کے سوال کے جواب میں بتایا: ’’گزشتہ رات میں نے ستاروں کی چال کا جائزہ لیا تو مجھے پتا چلا کہ ختنہ کرنے والوں کے بادشاہ کا ظہور ہو چکا ہے۔ ذرا بتاؤ تو سہی کہ اس زمانے میں کون لوگ ختنہ کرتے ہیں؟‘‘ انھوں نے جواب دیا: ’’صرف یہودی ختنہ کرتے ہیں لیکن ان سے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ بس آپ یہ کریں کہ اپنی مملکت کے شہروں میں یہ حکم لکھ بھیجیں کہ وہاں جتنے بھی یہودی آباد ہیں، انھیں قتل کر دیا جائے۔‘‘


گولڈن گیٹ (یروشلم) جہاں سے ہرقل یروشلم میں داخل ہوا

اس گفتگو کے دوران ہرقل کے سامنے ایک شخص پیش کیا گیا۔ اُسے شاہ غسان (حارث بن ابی شمر) نے بھیجا تھا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کا حال بیان کرتا تھا۔ ہرقل نے اس سے مطلوبہ معلومات حاصل کر لیں۔ پھر حکم دیا: ’’اسے لے جاؤ اور دیکھو کہ اس کا ختنہ ہوا ہے یا نہیں؟‘‘ لوگوں نے اسے دیکھا اور ہرقل کو بتایا کہ یہ ختنہ کیا ہوا آدمی ہے۔ ہرقل نے اس سے پوچھا: ’’کیا عرب کے لوگ ختنہ کرتے ہیں؟‘‘ وہ بولا: ’’ہاں، وہ ختنہ کرتے ہیں۔‘‘ ہرقل نے کہا: ’’یہی (محمد ﷺ) اس امت کے بادشاہ ہیں۔ اُن کا ظہور ہو چکا ہے۔‘‘

پھر ہرقل نے رومیہ (قسطنطنیہ) میں اپنے دوست (ضغاطر بن ابی کبشہ الرومی) کو ایک خط لکھا اور خود حمص روانہ ہوگیا۔ ہرقل کا دوست بھی علمی لحاظ سے اس کا ہم پلہ تھا۔ ابھی وہ حمص نہیں پہنچا تھا کہ اُس کے دوست کا جواب موصول ہوگیا۔ اس کی رائے بھی رسول اللہ ﷺ کے ظہور کے سلسلے میں ہرقل کے مطابق تھی۔ اُس نے صاف لکھا کہ محمد ﷺ ہی نبی برحق ہیں۔

حمص پہنچ کر ہرقل نے روم کے رُؤساء کو اپنے محل میں دعوت دی۔ وہ آ گئے تو اُس نے حکم دیا کہ دروازے بند

کر دیے جائیں، پھر وہ بالا خانے پر گیا۔ انھیں دیکھا اور کہنے لگا: ''اے اہل روم! اگر تم اپنی کامیابی اور بھلائی چاہتے ہو اور اپنی بادشاہت کو باقی رکھنے کے آرزومند ہو تو اس نبی (محمد ﷺ) کی بیعت کرلو۔'' ہرقل کی یہ بات سن کر وہ لوگ جنگلی گدھوں کی طرح بدکے اور دروازوں کی طرف لپکے مگر انھیں بند پایا۔ ہرقل نے جب امراء و رؤساء کی یہ بیزاری دیکھی تو وہ ان کے ایمان سے مایوس ہوگیا۔ کہنے لگا: ''ان لوگوں کو میرے پاس لاؤ۔'' (جب وہ دوبارہ آئے تو) اس نے کہا: ''میں نے ابھی جو بات کہی تھی، وہ تمھاری اپنے دین پر پختگی کی آزمائش کے لیے تھی، سو وہ میں دیکھ چکا۔'' حاضرین یہ سن کر اس کے سامنے سجدے میں گر پڑے اور اُس سے راضی ہوگئے۔ ہرقل کا آخری معاملہ یہی تھا۔ وہ ایمان نہیں لایا۔[1]

یہودی کا نیک بخت بیٹا

خادم رسول سیدنا اُنس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک یہودی لڑکا نبیِ کریم ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا۔ وہ بیمار ہوگیا۔ رسول اللہ ﷺ اُس کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ وہ موت و حیات کی کشمکش میں تھا۔ آپ نے اُس سے فرمایا: ''اسلام قبول کرلو۔'' لڑکے نے (سوالیہ نظروں سے) اپنے باپ کی طرف دیکھا جو اس وقت اس کے پاس ہی تھا۔ اُس کا باپ کہنے لگا: ''ابوالقاسم (ﷺ) کی بات مان لو۔'' لڑکا مسلمان ہوگیا۔ پھر (تھوڑی دیر بعد ہی) وہ فوت ہوگیا۔ رسول اللہ ﷺ جب باہر نکلے تو آپ فرما رہے تھے:

«اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِي أَنْقَذَہٗ بِي مِنَ النَّارِ»

''سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے اسے میرے ذریعے سے آگ سے بچالیا۔''[2]

ستر ہزار اُمتی بغیر حساب جنتی

عاصم بن کلیب اپنے والد کلیب بن شہاب جرمی سے روایت کرتے ہیں، وہ اپنے ماموں فلتان بن عاصم رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ فلتان رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نبیِ کریم ﷺ کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک آپ ﷺ کی نگاہ ایک یہودی پر پڑی۔ اُس نے شلوار قمیص پہن رکھی تھی۔ اُس کے پاؤں میں جوتے بھی تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اُس سے گفتگو شروع کر دی۔ وہ گفتگو کے دوران آپ کو ''اے اللہ کے رسول!'' کہہ کر مخاطب کر رہا تھا۔ نبیِ کریم ﷺ نے پوچھا:

[1] صحیح البخاري: 7. [2] صحیح البخاري: 1356 و 5657، مسند أحمد: 280/3، واللفظ له.

«أَتَشْهَدُ أَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ؟»

''کیا تم گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟''

اُس نے جواب دیا: ''نہیں!'' آپ نے پوچھا:

«أَتَقْرَأُ التَّوْرَاةَ؟»

''کیا تم تورات پڑھتے ہو؟'' اُس نے جواب دیا: ''ہاں!'' پھر آپ نے پوچھا:

«أَتَقْرَأُ الْإِنْجِيلَ؟»

''کیا انجیل پڑھتے ہو؟''

اُس نے جواب دیا: ''جی ہاں!'' آپ نے پوچھا:

«وَالْقُرْآنَ؟»

''کیا قرآن بھی پڑھتے ہو؟''

وہ کہنے لگا: ''پڑھتا تو نہیں لیکن اگر آپ چاہیں تو پڑھ لوں گا۔'' نبی کریم ﷺ نے پوچھا:

«فَبِمَ تَقْرَأُ التَّوْرَاةَ وَ الْإِنْجِيلَ! أَتَجِدُنِي نَبِيًّا؟»

''تمھیں تورات اور انجیل پڑھنے کی قسم! کیا تم مجھے (ان میں) نبی پاتے ہو؟''

وہ کہنے لگا: ''اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم آپ کی صفات اور بعثت (کا تذکرہ) پاتے ہیں۔ جب آپ (ﷺ) کا ظہور ہوا تو ہمیں اُمید تھی کہ آپ ہم میں سے ہوں گے۔ لیکن جب ہم نے آپ کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ آپ وہ نہیں۔''

رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا:

«وَلِمَ يَايَهُودِيُّ؟»

''اے یہودی! کیوں؟''

وہ کہنے لگا: ''اُس نبی کے متعلق ہم یہ لکھا ہوا پاتے ہیں کہ اُس کی اُمت کے ستر ہزار لوگ بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے لیکن ہم آپ کے ساتھ تھوڑے سے لوگ دیکھتے ہیں۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ أُمَّتِي لَأَكْثَرُ مِنْ سَبْعِينَ أَلْفًا وَ سَبْعِينَ أَلْفًا»

''بلاشبہ میری اُمت ستر ہزار اور مزید ستر ہزار سے بھی بہت زیادہ ہوگی۔''[1]

اس کی تائید رسول اللہ ﷺ کے ایک اور فرمان سے بھی ہوتی ہے۔ صحیح بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«عُرِضَتْ عَلَيَّ الْأُمَمُ، فَجَعَلَ النَّبِيُّ وَالنَّبِيَّانِ يَمُرُّونَ مَعَهُمُ الرَّهْطُ، وَالنَّبِيُّ لَيْسَ مَعَهُ أَحَدٌ، حَتّٰى وَقَعَ فِي سَوَادٍ عَظِيمٍ، قُلْتُ: مَا هٰذَا؟ أُمَّتِي هٰذِهِ؟ قِيلَ: بَلْ هٰذَا مُوسٰى وَقَوْمُهُ، قِيلَ: اُنْظُرْ إِلَى الْأُفُقِ، فَإِذَا سَوَادٌ يَمْلَأُ الْأُفُقَ، ثُمَّ قِيلَ لِي: اُنْظُرْ هَاهُنَا وَهَاهُنَا ـ فِي آفَاقِ السَّمَاءِ ـ فَإِذَا سَوَادٌ قَدْ مَلَأَ الْأُفُقَ، قِيلَ: هٰذِهِ أُمَّتُكَ، وَيَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ هٰؤُلَاءِ سَبْعُونَ أَلْفًا بِغَيْرِ حِسَابٍ»

''میرے سامنے تمام امتیں پیش کی گئیں۔ ایک ایک دو دو نبی اور ان کے ساتھ ان کے ماننے والے (میرے رو برو) گزرتے رہے۔ بعض نبی ایسے بھی تھے کہ ان کے ساتھ ایک فرد بھی نہیں تھا۔ آخر میرے سامنے ایک بہت بڑی جماعت آئی۔ میں نے پوچھا: ''یہ کون ہیں؟ کیا یہ میری اُمت کے لوگ ہیں؟'' کہا گیا کہ یہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم ہے، (پھر مجھ سے) کہا گیا کہ آسمان کے کنارے کی طرف دیکھو۔ میں نے دیکھا، ایک بہت ہی بڑی جماعت ہے جس سے سارا کنارا بھرا ہوا تھا۔ پھر مجھ سے کہا گیا کہ اِدھر اور اُدھر آسمان کے مختلف کناروں کی طرف دیکھو۔ میں نے دیکھا کہ ایک بہت بڑی جماعت ہے جو تمام اُفق پر چھائی ہوئی ہے۔ کہا گیا کہ یہ آپ کی اُمت ہے۔ انھی لوگوں میں سے ستر ہزار افراد بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے۔''

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ (اپنے حجرے میں) تشریف لے گئے اور لوگوں کے سامنے کوئی تفصیل بیان نہیں فرمائی، پس لوگ (ان جنتیوں کے بارے میں) بحث کرنے لگے اور کہنے لگے کہ ہم ہی ہیں جو اللہ پر ایمان لائے اور اس کے رسول کی پیروی کی، اس لیے ہم (صحابہ) ہی وہ لوگ ہیں، یا (اس سے) ہماری وہ اولاد (مراد) ہے جو (زمانۂ) اسلام میں پیدا ہوئی، اس لیے کہ ہم تو (زمانۂ) جاہلیت میں پیدا ہوئے تھے۔ یہ باتیں رسول اللہ ﷺ تک پہنچیں تو آپ باہر تشریف لائے اور فرمایا:

«هُمُ الَّذِينَ لَا يَسْتَرْقُونَ وَلَا يَتَطَيَّرُونَ وَلَا يَكْتَوُونَ وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ»

[1] المعجم الكبير للطبراني: 334,333/18، المطالب العالية: 655/15، البداية والنهاية: 300/2، صحيح السيرة النبوية للألباني، ص: 75,74.

''یہ وہ لوگ ہیں جو جھاڑ پھونک نہیں کراتے، بدشگونی نہیں لیتے اور داغ کر علاج نہیں کرتے اور اپنے رب ہی پر بھروسا کرتے ہیں۔''

اس پر عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''اے اللہ کے رسول! کیا میں بھی ان میں سے ہوں؟'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں!'' اس کے بعد دوسرے صحابی کھڑے ہوئے اور عرض کی: ''اے اللہ کے رسول! کیا میں بھی ان میں سے ہوں؟'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «سَبَقَكَ بِهَا عُكَّاشَةُ» ''عکاشہ تجھ پر بازی لے گیا۔''[1]

قیصر روم کے پاس انبیاء علیہم السلام کی تصویریں



ہرقل کا سکہ

ہشام بن عاص اُموی بیان کرتے ہیں کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مجھے ایک سریے (لشکر) کے ساتھ ہرقل کو دعوتِ اسلام دینے کے لیے بھیجا۔ قیصر روم نے ہمیں کپڑے کے ٹکڑے پر بنی ہوئی آدم علیہ السلام سے لے کر نبی کریم ﷺ تک انبیاء علیہم السلام کی تصویریں دکھائیں۔ یہ اُن صفات اور شکلوں کے مطابق تھیں جن پر وہ تھے۔ جب اُس نے رسول اللہ ﷺ کی تصویر نکالی تو وہ فوراً تعظیم کے لیے کھڑا ہوگیا، پھر بیٹھ کر اُس کی طرف دیکھنے اور غور کرنے لگا۔ ہم نے پوچھا: ''یہ تصاویر آپ کو کہاں سے ملیں؟'' ہرقل نے جواب دیا: ''آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ مجھے میری اولاد میں سے انبیاء دکھائے جائیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان پر ان کی صورتیں اُتار دیں، پھر یہ سورج کے غروب ہونے کی جگہ کے پاس آدم علیہ السلام کے خزانے میں موجود تھیں، پھر ذوالقرنین نے یہ تصویریں نکالیں اور دانیال نبی کو دے دیں۔'' پھر قیصرِ روم کہنے لگا: ''اللہ کی قسم! میرا دل بادشاہت چھوڑنے پر راضی ہوگیا ہے۔ ہر چند میں ایسا آدمی ہوں جو مرتے دم تک اپنی بادشاہت چھوڑنا پسند نہیں کرتا۔''

قیصر نے ہمیں خوب تحفے تحائف دے کر اچھے طریقے سے رخصت کیا۔ جب ہم ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس واپس آئے تو جو کچھ ہم نے دیکھا اور جو اس نے ہمیں تحفے تحائف دیے اور ہم سے کہا سنا، وہ سب کچھ ہم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے عرض کر دیا۔ وہ ہماری باتیں سن کر رو پڑے۔ فرمانے لگے: وہ مسکین آدمی ہے، اگر اللہ نے اس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کیا ہوتا تو وہ ایسا کر لیتا۔ پھر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں بتایا کہ یہ عیسائی اور یہودی اپنی کتابوں میں واضح طور پر محمد ﷺ کی علامات اور صفات کا ذکر لکھا پاتے ہیں۔[2]

[1] صحیح البخاري: 5705۔ [2] البدایة والنهایة: 304/2، نیز دیکھیے: تفسیر ابن کثیر، الأعراف 157:7، دلائل النبوة للبیهقي: 1/386-390، مطولاً.

یمنی یہودی عالم کی تصدیق اور کداء سے گھوڑوں کی آمد کی بشارت

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک تجارتی قافلے کے ساتھ یمن کی طرف نکلا۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ بھی اس قافلے میں شامل تھے۔ میں یمن میں داخل ہوگیا۔ (ہمارا معمول یہ تھا کہ) ایک دن میں کھانا پکا کر ابوسفیان اور قافلے کے دیگر افراد کے پاس لے جاتا اور اُنھیں کھانا کھلاتا تھا اور ایک دن ابوسفیان کھانا پکاتے اور ساتھیوں کو کھلاتے تھے۔ یوں ہم باری باری یہ ذمہ داری نبھاتے تھے۔

جس دن میں کھانا تیار کر رہا تھا، اس دن ابوسفیان نے مجھ سے کہا: ''ابوالفضل! کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ آپ میرے ڈیرے پر تشریف لائیں اور کھانا بھی وہیں بھیج دیں؟'' میں نے کہا: ''ٹھیک ہے۔'' چنانچہ میں اپنے دیگر ساتھیوں کے ساتھ ابوسفیان کے ڈیرے پر پہنچا اور کھانے پینے کا سامان بھی انھیں وہیں دے دیا۔

جب سب لوگوں نے کھانا کھا لیا تو وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ ابوسفیان نے مجھے اپنے پاس ہی روک لیا اور کہنے لگے: ''اے ابوالفضل! کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ کا بھتیجا دعویٰ کرتا ہے کہ وہ اللہ کا رسول ہے؟'' میں نے پوچھا: ''کون سا بھتیجا؟'' ابوسفیان نے کہا: ''آپ مجھ سے بات چھپا رہے ہیں۔ بھلا آپ کے ایک بھتیجے کے سوا یہ بات کون کہہ سکتا ہے؟'' میں نے پوچھا: ''کون سے بھتیجے نے دعویٰ کیا ہے۔ نشاندہی تو کریں؟'' ابوسفیان نے کہا کہ وہ (آپ کے بھائی) عبداللہ کا بیٹا محمد (ﷺ) ہے۔ میں نے پوچھا: ''کیا اُس نے ایسا (اعلان) کیا ہے؟'' ابوسفیان کہنے لگے: ''ہاں، اُس نے نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔'' پھر ابوسفیان نے اپنے نام اپنے بیٹے حنظلہ کا بھیجا ہوا خط مجھے نکال کر دکھایا جس کا مضمون یہ تھا:

''میں آپ کو خبر دیتا ہوں کہ محمد نے (مکہ کی) وادیِ ابطح میں کھڑے ہو کر اعلان کیا: ''أَنَا رَسُولٌ أَدْعُوكُمْ



وادیِ ابطح

إِلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ» ''میں اللہ کا رسول ہوں اور تمھیں اللہ عزوجل کی طرف بلاتا ہوں۔''

میں نے کہا: ''اے ابو حنظلہ! میں اسے سچا پاتا ہوں۔'' ابوسفیان (جلدی سے) بولے: ''ٹھہریے ابوالفضل! اللہ کی قسم! میں پسند نہیں کرتا کہ آپ ایسی بات کہیں۔ بلاشبہ مجھے اس بات کی وجہ سے کسی نقصان کا اندیشہ نہیں۔ اے بنوعبدالمطلب! اللہ کی قسم! قریش ابھی تک یہ سمجھتے آ رہے ہیں کہ تمھیں سختیوں اور بڑے بڑے معاملات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اے ابوالفضل! میں آپ کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، کیا آپ نے یہ بات سنی ہے؟'' میں نے کہا: ''ہاں، سنی تو ہے۔'' ابوسفیان نے کہا: ''اللہ کی قسم! یہ تمھاری نحوست ہے۔'' میں نے کہا: ''ممکن ہے ہماری برکت ہو۔''

اس کے بعد چند راتیں ہی گزری تھیں کہ حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ یہ خبر لے کر یمن پہنچ گئے (کہ واقعی محمد ﷺ نے مکہ میں نبوت کا اعلان کیا ہے) جبکہ وہ خود بھی ایمان لا چکے تھے۔ پھر تو یمن کی مجلسوں میں اس خبر کا چرچا ہو گیا۔

ابوسفیان یمن میں ایک مجلس میں بیٹھا کرتے تھے۔ اس میں یہودیوں کے علماء میں سے ایک عالم گفتگو کرتا تھا۔ اس یہودی نے ان سے پوچھا: ''یہ کیا خبر ہے؟ مجھے پتہ چلا ہے کہ جس آدمی نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے، اُس کا چچا تم میں موجود ہے۔'' ابوسفیان نے کہا: ''لوگ سچ کہتے ہیں۔ میں اُس کا چچا ہوں۔'' یہودی نے پوچھا: ''کیا تم اُس کے باپ کے بھائی ہو؟'' ابوسفیان نے کہا: ''ہاں!'' یہودی عالم نے کہا: ''مجھے اُس کے حالات سے آگاہ کرو۔'' ابوسفیان نے کہا: ''یہ سوال آپ مجھ سے نہ کریں۔ میں پسند نہیں کرتا کہ وہ کبھی نبوت کا دعویٰ کرے لیکن مجھے اس کی عیب جوئی بھی گوارا نہیں جبکہ اس کے علاوہ دوسرے اُس سے بہتر ہیں۔'' یہودی عالم نے جب یہ دیکھا کہ ابوسفیان اُس کے بارے میں چشم پوشی بھی نہیں کر رہے اور اُس کی عیب جوئی بھی پسند نہیں کر رہے تو وہ کہنے لگا: ''اس سے یہودیت اور تورات کو کوئی خطرہ نہیں۔''

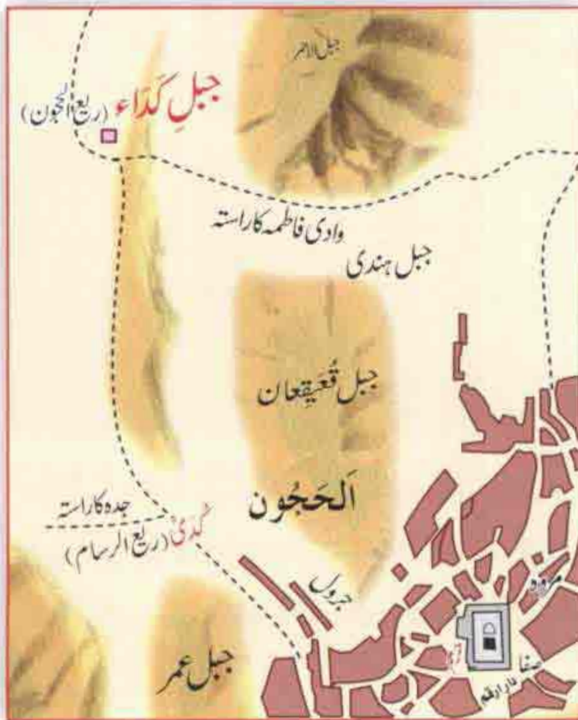
سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''یہودی عالم کے طلب کرنے پر اگلے دن میں اُس کی مجلس میں گیا۔ وہاں ابوسفیان اور یہودی عالم دونوں موجود تھے۔ میں نے یہودی عالم سے کہا: ''مجھے خبر ملی ہے کہ آپ نے میرے چچا زاد سے مدعیِ نبوت کے بارے میں پوچھا تو اس نے آپ سے کہا کہ میں اُس کا چچا ہوں جبکہ وہ اُس کے چچا نہیں بلکہ چچا زاد ہیں، البتہ میں ضرور اُس کا چچا اور اُس کے والد کا بھائی ہوں۔'' یہودی عالم نے دوبارہ پوچھا: ''کیا واقعی آپ مدعی نبوت کے والد کے بھائی ہیں؟'' میں نے کہا: ''جی ہاں! میں اُس کے والد کا بھائی ہوں۔'' پھر وہ تصدیق کے لیے ابوسفیان کی طرف متوجہ ہوا اور ان سے پوچھا: کیا انھوں نے سچ بولا ہے؟ ابوسفیان نے کہا: ''ہاں، یہ سچ کہہ رہے ہیں۔''

پھر میں نے کہا: ''آپ مجھ سے میرے بھتیجے کے متعلق (جو کچھ پوچھنا چاہتے ہیں) پوچھیں۔ اگر میں اس کے بارے میں کچھ جھوٹ بولوں تو یہ (ابوسفیان) میری گرفت کریں۔'' اب یہودی عالم میری طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا: ''میں آپ کو اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں، کیا آپ کا بھتیجا بچوں کی سی حرکتیں کرتا تھا یا نادان تھا؟'' میں نے کہا: ''عبدالمطلب کے الٰہ کی قسم! کبھی نہیں، اُس نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ نہ کبھی خیانت کی ہے۔ قریش کے لوگ اُسے امین کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔'' پھر اُس نے پوچھا: ''کبھی اس نے اپنے ہاتھ سے کوئی چیز لکھی ہے؟'' حضرت عباس ﷜ کہتے ہیں: ''میں نے اپنے دل میں سوچا کہ میں کہہ دوں ہاں وہ اپنے ہاتھ سے لکھتے ہیں، لیکن مجھے ابوسفیان کی موجودگی یاد آگئی کہ (اگر میں جھوٹ بولوں گا تو) وہ فوراً مجھے جھٹلا دیں گے اور میری تردید کریں گے، چنانچہ میں نے جواب دیا: ''(نہیں) اُسے لکھنا نہیں آتا۔'' یہ سننا تھا کہ یہودی عالم ایک دم اُٹھ کھڑا ہوا، اس نے اپنی چادر جھٹک دی اور کہنے لگا:

ذُبِحَتْ يَهُودُ، وَ قُتِلَتْ يَهُودُ.

''یہود ذبح کر دیے گئے۔ یہود قتل کر دیے گئے۔''

حضرت عباس ﷜ کہتے ہیں کہ جب ہم اپنے ڈیرے پر واپس آئے تو ابوسفیان نے کہا: ''اے ابوالفضل! یہود آپ کے بھتیجے سے خوفزدہ ہو رہے ہیں۔'' میں نے کہا: ''آپ نے یہ سب کچھ دیکھ لیا ہے تو اے ابوسفیان! کیا آپ کو اس پر ایمان لانے کی رغبت ہے؟ اگر وہ برحق نبی ہوا تو آپ سبقت کرنے والوں میں سے ہوں گے۔ اگر وہ برحق نہیں ہوا تو آپ کے ہم پلہ لوگ بھی آپ کے ساتھ ہوں گے۔'' ابوسفیان نے کہا: ''میں اس وقت تک اس پر ایمان نہیں لاؤں گا جب تک کہ میں گھڑ سوار لشکر کو کداء (پہاڑ) میں نہ دیکھ لوں۔'' میں نے کہا: ''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟'' ابوسفیان بولا: ''یہ ایک کلمہ ہے جو برسبیل تذکرہ یکایک میری زبان



پر آ گیا ہے۔ میں نے قصداً ایسا نہیں کہا۔ البتہ مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ گھڑ سوار لشکر کو کداء سے نہیں آنے دے گا۔“

کداء لغوی لحاظ سے پتھریلی اور سنگلاخ زمین کو کہتے ہیں۔ یہ مکہ مکرمہ میں محصب کے قریب ایک پہاڑی علاقہ ہے جو معلاۃ کے دونوں قبرستانوں کے درمیان العتیبیہ اور جرول تک ہے۔[1]

عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ فتح کیا اور ہم نے گھوڑوں کو کداء سے آتے ہوئے دیکھا تو میں نے (ابوسفیان سے) کہا: ”اے ابوسفیان! کیا آپ کو وہ کلمہ یاد ہے (جو آپ نے مجھ سے کہا تھا؟)“ ابوسفیان نے کہا: ”ہاں، اللہ کی قسم! مجھے وہ کلمہ خوب یاد ہے۔ سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے اسلام کی ہدایت دی۔“[2]

شام کے مسیحی عالم کی طرف سے ظہور مبارک کی پیش گوئی

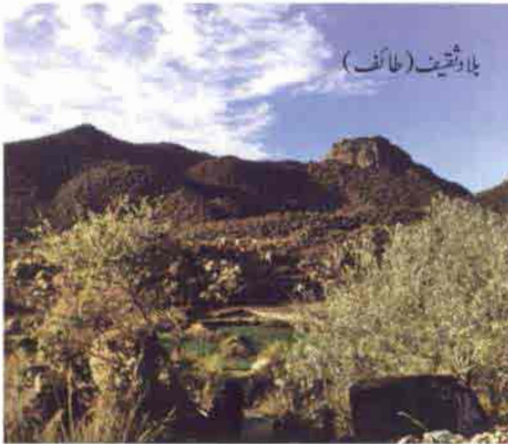
ابوسفیان بن حرب بیان کرتے ہیں کہ میں اور اُمیہ بن ابی الصلت ایک مرتبہ شام گئے۔ ہم شام کی بستیوں میں سے ایک بستی سے گزرے۔ وہاں عیسائی رہتے تھے۔ اُن لوگوں نے اُمیہ کو دیکھا تو انتہائی عزت و احترام سے پیش آئے۔ وہ چاہتے تھے کہ اُمیہ اُن کے ساتھ چلے۔ اُمیہ مجھ سے کہنے لگا: ”ابوسفیان! میرے ساتھ چلو، ہم عیسائیوں کے سب سے بڑے عالم سے مل کر آتے ہیں۔“ میں نے کہا: ”میں تمھارے ساتھ نہیں جاؤں گا۔“ اُمیہ نے پوچھا: ”کیوں؟“ میں نے کہا: ”مجھے ڈر ہے مبادا وہ کوئی ایسی چیز بیان کر دے جس سے میرے دل میں بگاڑ پیدا ہو جائے۔“ اُمیہ اُن (عیسائیوں) کے ساتھ چلا گیا۔ پھر واپس آیا۔ اُس نے اپنا لباس اُتارا، دو سیاہ کپڑے پہن لیے اور پھر چلا گیا۔ اللہ کی قسم! وہ میرے پاس نہیں آیا یہاں تک کہ رات کا کچھ حصہ گزر گیا، پھر وہ واپس آیا۔ (وہ انتہائی بے قرار تھا۔ اُس کا سکون برباد ہو گیا تھا۔) وہ (رات بھر) بستر پر انگڑائیاں لیتا رہا، سویا نہیں حتی کہ صبح ہو گئی۔ اس نے کہا: کیا تم ہمارے ساتھ نہیں چلو گے؟ اس سے پوچھا گیا: کیا تم روانہ ہونا چاہتے ہو؟ وہ بولا: ہاں۔ چنانچہ ہم روانہ ہو گئے۔

وہ مجھ سے کہنے لگا: ”قافلے سے ذرا آگے نکل آؤ (میں تم سے ایک بات کرنا چاہتا ہوں۔)“ ہم قافلے سے آگے نکل آئے تو اُمیہ نے مجھ سے کہا: ”اے صخر!“ میں نے کہا: ”اے ابوعثمان! (جو کچھ کہنا ہے بلا تکلف کھل کر) کہو۔“ وہ پوچھنے لگا: ”اہلِ مکہ میں سب سے معزز آدمی کون ہے؟“ میں نے کہا: ”عتبہ بن ربیعہ۔“ پھر وہ پوچھنے لگا: ”اہلِ مکہ میں سب سے مالدار اور عمر رسیدہ کون ہے؟“ میں نے کہا: ”عتبہ بن ربیعہ۔“ پھر اس نے سوال کیا: ”کیا مال

[1] معجم البلدان، مادة: كداء، الإسلام ويب سائٹ. [2] البداية والنهاية: 2/295، 296.

اور شرف نے اس میں کوئی عیب بھی پیدا کیا ہے؟'' میں نے کہا: ''ہرگز نہیں، اللہ کی قسم! بلکہ اسے شرف میں اور زیادہ بڑھا دیا ہے۔'' پھر وہ کہنے لگا: ''جو بات میں تمھیں بتاؤں، کیا تم اسے میری خاطر چھپاؤ گے؟'' میں نے کہا: ''ضرور (ایسا ہی ہوگا)۔'' پھر اُس نے بتایا: ''عیسائیوں کے سب سے بڑے عالم نے مجھے بتایا ہے کہ ایک نبی مبعوث ہونے والا ہے۔ میرا خیال تھا کہ وہ نبی میں ہی ہوں۔ لیکن اُس (مسیحی عالم) نے (میری تردید کی اور) کہا کہ وہ تم میں سے نہیں (بلکہ) وہ اہلِ مکہ میں سے ہے۔'' میں نے کہا: ''اُس کا نسب بتاؤ۔'' اُس نے بتایا کہ وہ اپنی قوم کے لوگوں میں افضل ہوگا۔ بس میں اس نبوت سے محروم ہونے کی وجہ سے شدید صدمے سے دوچار ہوں۔ اُس (مسیحی عالم) نے مجھ سے کہا کہ اس کی نشانی یہ ہے کہ شام میں عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے بعد 80 مرتبہ زلزلہ آیا ہے۔ اب صرف ایک دفعہ زلزلہ آنا باقی ہے جس کی وجہ سے شام میں بڑی تباہی ہوگی۔

جب ہم (مدینہ منورہ میں جبل سلع کی مشرقی جانب ایک چوٹی) ثنیۃ الوداع کے قریب پہنچے تو ہمیں ایک سوار نظر آیا۔ ہم نے پوچھا: ''کہاں سے آرہے ہو؟'' اُس نے جواب دیا کہ میں شام سے آرہا ہوں۔ ہم نے پوچھا: ''کوئی نئی خبر؟'' اُس نے بتایا: ہاں، شام میں شدید زلزلہ آیا ہے جس کی وجہ سے اہلِ شام بڑی مصیبت اور تباہی کا شکار ہوگئے ہیں۔[1]



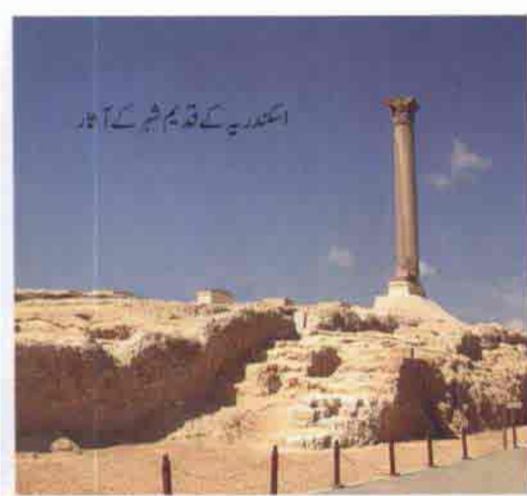
امیہ بن ابی الصلت طائف کا رہنے والا تھا۔ اُس کا تعلق بنو ثقیف سے تھا۔ اس کا شمار عہد جاہلیت کے شعراء اور داناؤں میں ہوتا ہے۔ وہ ان لوگوں میں سے تھا جنھوں نے جاہلیت ہی میں شراب نوشی کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا اور بتوں کی عبادت ترک کر دی تھی۔ وہ بحرین چلا گیا۔ آٹھ سال وہاں رہا۔ اس دوران میں اسلام کا ظہور ہوگیا۔ وہ طائف لوٹا۔ اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی خبر کے بارے میں دریافت کیا تو اسے بتایا گیا کہ وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ نبی ہیں۔ وہ نکلا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مکہ آگیا، آپ سے قرآن مجید کی آیات سنیں اور قریش کے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے برحق ہونے کی گواہی دی لیکن آپ کی پیروی کو مؤخر کر دیا۔ اس کے بعد شام چلا گیا۔ پھر اسلام قبول کرنے کی نیت سے واپس آیا مگر جب اسے اہلِ بدر کے قتل ہونے کا پتہ چلا جن میں اس کے دو ماموں زاد بھی تھے تو وہ قبولِ اسلام

[1] دلائل النبوۃ للبیھقی: 2/116،117.

سے رک گیا اور اپنی وفات تک طائف میں مقیم رہا۔ اسی نے سب سے پہلے خطوط میں بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ لکھنا شروع کیا جس کی پیروی قریش نے کی۔ وہ اپنے اشعار میں اکثر آخرت کا ذکر کرتا تھا۔ [1] اسی کے متعلق نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تھا: ''قریب تھا کہ اُمیہ بن ابی صَلْت مسلمان ہو جاتا۔'' [2]

مُقَوقِس والیِ مصر کی تصدیق اور مغیرہ بن شعبہ کا اسلام

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بنو مالک کے چند لوگوں کے ساتھ مُقَوقِس کے پاس (اسکندریہ) گئے۔ مقوقس پوچھنے لگا: ''ہمارے اور تمھارے درمیان تو محمد (ﷺ) اور اُس کے ساتھی حائل ہیں، پھر تم اپنے طلب گاروں سے بچ کر یہاں کیسے پہنچ گئے؟'' مغیرہ رضی اللہ عنہ نے بتایا: ''ہم ساحل سمندر کی جانب سے آئے ہیں۔ ہمیں اسی چیز کا خوف تھا۔'' مقوقس نے پوچھا: ''تم نے محمد (ﷺ) کی دعوتِ اسلام پر کیا ردعمل ظاہر کیا؟'' انھوں نے جواب دیا: ''ہم میں سے کسی آدمی نے اُس کی پیروی نہیں کی۔'' وہ پوچھنے لگا: ''کیوں؟'' ہم نے جواب دیا: ''وہ ہمارے پاس ایک نیا دین لایا ہے، اس دین پر نہ تو ہمارے آباء واجداد عمل پیرا تھے نہ ہمارے حکمران۔ ہم



تو اسی راہ پر ہیں جس پر ہمارے باپ دادا تھے۔'' مقوقس نے پوچھا: ''اُس کی قوم نے کیا ردعمل ظاہر کیا ہے؟'' ہم نے بتایا: ''قوم کے چند نوجوان اُس کے پیروکار بن گئے ہیں اور اس کی مخالفت کرنے والے اس کی قوم کے لوگوں اور عرب کے دوسرے قبائل نے مختلف محاذوں پر اس سے جنگ کی ہے۔ کبھی محمد (ﷺ) اور اُس کے ساتھی اُنھیں شکست دے دیتے ہیں اور کبھی مخالفین انھیں ہرا دیتے ہیں۔''

مقوقس نے پھر پوچھا: ''مجھے سچ سچ بتانا وہ کس بات کی دعوت دیتا ہے؟'' ہم نے بتایا: ''وہ یہ دعوت دیتا ہے کہ ہم ایک اللہ کی عبادت کریں جس کا کوئی شریک نہیں اور جن بتوں کی ہمارے آباء واجداد پوجا کرتے تھے، اُنھیں چھوڑ دیں۔ وہ نماز اور زکاۃ کی طرف بلاتا ہے۔'' مقوقس نے پوچھا: ''نماز اور زکاۃ کیا ہے؟ کیا ان دونوں کا کوئی معروف وقت اور ایسی تعداد ہے جو ختم ہو جائے؟'' ہم نے بتایا: ''وہ دن اور رات میں پانچ نمازیں پڑھتے ہیں۔ ہر نماز کا

[1] الأعلام: 23/2. [2] صحيح البخاري: 3841.

وقت اور رکعات کی تعداد مقرر ہے۔ (ہر نماز کا جُدا جُدا نام بھی ہے۔) وہ ہر مال سے جو بیس مثقال تک پہنچ جائے، ایک مثقال ادا کرتے ہیں اور پانچ اُونٹوں میں سے ایک بکری دیتے ہیں (حدیث کے مطابق بیس مثقال میں سے آدھا مثقال دیا جاتا ہے۔)'' اسی طرح انھوں نے اسے تمام قسم کے اموال کی زکاۃ کا نصاب بتایا۔ مقوقس نے پوچھا: ''یہ بتاؤ کہ وہ یہ مال لے کر کہاں خرچ کرتے ہیں؟'' ہم نے جواب دیا: ''وہ اسے (امیروں سے لے کر) اُنھی کے غریبوں کو دے دیتے ہیں۔ وہ صلہ رحمی اور وعدے پورے کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ سود، زنا اور شراب کو حرام قرار دیتے ہیں اور غیر اللہ کے نام پر ذبح کیے ہوئے جانور کا گوشت نہیں کھاتے۔''

مقوقس یہ سن کر کہنے لگا: ''محمد (ﷺ) تمام لوگوں کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ اگر قبطی اور رومی حق بجانب ہوں تو (ضرور) اُن کی اتباع کریں۔ عیسیٰ علیہ السلام نے بھی انھیں محمد (ﷺ) کی پیروی کا حکم دیا ہے۔ یہ جو تم ان کے بارے میں بیان کر رہے تھے، ان سے پہلے انبیاء بھی ایسی ہی خصوصیات کے ساتھ مبعوث ہوئے۔ مستقبل اُسی کا ہے۔ اُس کے ساتھ کوئی جھگڑنے والا باقی نہیں بچے گا۔ جہاں تک اُونٹ اور گھوڑے جا سکتے ہیں اور جہاں سمندر ختم ہوتے ہیں، وہاں تک اُس کا دین غالب آکر رہے گا۔ اُس کے ماننے والے ساحلِ سمندر تک پہنچیں گے۔ عنقریب اُس کی قوم بھی نیزے لے کر اُس کے دفاع کے لیے اُٹھ کھڑی ہوگی۔'' ہم نے کہا: ''اگر سارے کے سارے لوگ بھی اس کے دین میں داخل ہو جائیں تب بھی ہم داخل نہیں ہوں گے۔'' مقوقس نے تعجب سے سر ہلایا اور کہنے لگا: ''تم تو کھیل کود کے مُوڈ میں ہو۔ بچوں جیسا طرزِ عمل اختیار کر کے ضد کر رہے ہو۔''

پھر مقوقس نے پوچھا: ''اپنی قوم میں اُس کا نسب کیسا ہے؟'' ہم نے بتایا کہ وہ نسب کے اعتبار سے ان میں سب سے افضل ہے۔ مقوقس کہنے لگا: ''عیسیٰ (علیہ السلام) اور دیگر انبیاء (علیہم السلام) بھی اسی طرح اپنی قوم کے اعلیٰ نسب میں مبعوث ہوئے تھے۔'' مقوقس نے پوچھا: ''گفتگو میں اس کی سچائی کیسی ہے؟'' ہم نے بتایا کہ لوگ ان (محمد ﷺ) کی سچائی (اور امانت) کی وجہ سے انھیں امین قرار دیتے ہیں۔ وہ کہنے لگا: ''تم اپنے معاملے پر غور کر لو، کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ اس بارے میں جو تمھارے اور اس کے مابین ہے، سچ بولے گا اور اللہ پر جھوٹ بولے گا؟''

پھر مقوقس نے پوچھا: ''اُس کے پیروکار کون ہیں؟'' ہم نے بتایا کہ نوجوان لوگ ہیں۔ وہ کہنے لگا: ''عیسیٰ کی قسم! اُن سے پہلے انبیاء کے پیروکار بھی نوجوان ہی تھے۔'' پھر پوچھا: ''یثرب کے یہودیوں نے اسلام کے بارے میں کیا ردعمل ظاہر کیا؟ وہ تو اہلِ تورات ہیں۔'' ہم نے بتایا کہ اُنھوں نے مخالفت کی ہے، چنانچہ اس نے ان کے ساتھ سخت جنگ کی، انھیں قتل کیا اور قیدی بنایا اور وہ ہر طرف بکھر گئے۔ مقوقس کہنے لگا: ''یہودی انتہائی حاسد ہیں۔

انھوں نے اس سے حسد کیا۔ حالانکہ جس طرح ہم محمد (ﷺ) کی نبوت کو پہچانتے ہیں، یہ لوگ بھی پہچانتے ہیں۔''

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ''پس ہم اس کے پاس سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ہم نے ایسی گفتگو سنی تھی جس سے ہمارے دل میں محمد ﷺ کے لیے نرم گوشہ پیدا ہوگیا۔ ہم نے آپس میں کہا: عجمی بادشاہ کی ان سے کوئی رشتے داری نہیں ہے۔ اس کے باوجود یہ ان کی تصدیق کر رہے اور ان سے ڈر رہے ہیں جبکہ ہم ان کے قریبی عزیز ہیں۔ پڑوسی ہیں۔ پھر بھی ان کے ساتھ شامل نہیں ہوئے! آپ ﷺ تو ہمیں دعوت دینے کے لیے ہمارے ڈیروں پر بھی تشریف لائے تھے۔'' مغیرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''میں اسکندریہ میں رہا۔ تمام گرجوں میں گیا۔ وہاں کے قبطی اور رومی پادریوں سے نبی کریم ﷺ کی وہ صفات پوچھتا رہا جو وہ (اپنی کتابوں میں لکھی) پاتے تھے۔

ایک قبطی پادری تھا۔ ابوغنی کے گرجے کا سربراہ تھا۔ لوگ اس کے پاس اپنے بیماروں کو لے جاتے تھے۔ وہ اُن کے لیے دُعا کرتا تھا۔ میں نے کبھی ایسا شخص نہیں دیکھا جو پانچ نمازیں پڑھنے میں اس سے زیادہ محنت کرتا ہو، چنانچہ میں نے اُس سے پوچھا: ''مجھے بتائیے کہ کیا انبیاء میں سے کوئی نبی باقی ہے؟'' اُس نے جواب دیا: ''ہاں، وہ آخری نبی ہے۔ عیسیٰ ابن مریم اور اُس کے مابین کوئی اور نبی نہیں۔ وہ ایسا نبی ہے جس کی پیروی کرنے کا حکم ہمیں عیسیٰ نے دیا ہے۔ وہ اُمی عربی نبی ہے، اُس کا نام احمد ہے۔ وہ زیادہ لمبا ہے نہ چھوٹا۔ اُس کی آنکھوں میں سرخی ہے۔ نہ وہ خالص سفید ہے نہ گندمی۔ اُس کے بال لمبے ہوں گے۔ وہ سادہ لباس پہنے گا۔ جو کھانا ملے گا، اُسی پر اکتفا کرے گا۔ اُس کی تلوار اُس کے کندھے پر ہوگی۔ اُسے اپنے حریفوں کی کوئی پروا نہیں ہوگی۔ وہ خود اور اُس کے ساتھی لڑائی میں حصہ لیں گے۔ اُس کے صحابہ اُس کے لیے جان تک قربان کرنے کو تیار ہوں گے۔ وہ اُس سے اپنی اولاد اور باپ دادا سے زیادہ محبت رکھیں گے۔ قَرَظ (کیکر کے مشابہ درخت) کی سرزمین سے اُس کا ظہور ہوگا۔ وہ ایک حرم سے دوسرے حرم کی طرف پہنچے گا۔ وہ شوریلی اور کھجور کے درختوں والی زمین کی طرف ہجرت کرے گا۔ وہ دین ابراہیمی پر عمل پیرا ہوگا۔''


مدینہ منورہ میں کھجوروں کے باغ

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا: ''اُس کی کچھ اور صفات بتائیے۔'' وہ بولا: ''وہ اپنے (بدن کے) درمیانے حصے پر تہبند باندھے گا۔ اعضائے بدن کو دھوئے گا۔ اُسے کچھ ایسی خصوصیات عطا کی گئی ہیں جو اُس سے پہلے انبیاء کو نہیں دی گئیں۔ پہلے انبیاء صرف اپنی قوموں کی طرف بھیجے جاتے تھے۔ اس نبی کو تمام انسانوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے۔ اس کے لیے ساری زمین کو مسجد اور طہارت کا ذریعہ بنایا گیا ہے۔ جہاں بھی نماز کا وقت ہو جائے اور پانی میسر نہیں ہو تو وہ تیمم کر کے نماز ادا کر سکتا ہے۔ جو اس سے پہلے تھے، ان پر سختی کی گئی تھی۔ وہ صرف گرجوں اور معبد خانوں ہی میں نماز پڑھتے تھے۔'' مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''میں نے اس پادری کی اور دوسرے عالموں کی یہ ساری باتیں اچھی طرح یاد کر لیں، پھر میں نے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ مقوقس بادشاہ اور روم اور قبط کے بڑے بڑے پادریوں کی ساری باتیں، جن سے میں سوال کرتا اور ان کا جواب سنتا تھا، وہ سب کچھ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش گزار کر دیا۔ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ باتیں بہت اچھی لگیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ یہ باتیں اپنے صحابہ کو بھی سنائیں، چنانچہ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش پر) میں یہ واقعات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے دو تین دن تک بیان کرتا رہا۔'' [1]

خیبر کے یہودیوں کے نام مکتوب گرامی

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے یہودیوں کے نام ایک خط تحریر کرایا:

«بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللّٰهِ صَاحِبِ مُوسٰى، وَأَخِيهِ، وَ الْمُصَدِّقِ بِمَا جَاءَ بِهِ مُوسٰى، أَلَا إِنَّ اللّٰهَ قَالَ لَكُمْ: يَامَعْشَرَ يَهُودَ وَ أَهْلَ التَّوْرَاةِ! إِنَّكُمْ تَجِدُونَ ذٰلِكَ فِي كِتَابِكُمْ: إِنَّ مُحَمَّدًا ﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا ؗ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۚۛ وَ مَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚ۫ۛ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا۠ ﴾ وَ إِنِّي أَنْشُدُكُمْ بِاللّٰهِ وَ بِالَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ وَ أَنْشُدُكُمْ بِالَّذِي أَطْعَمَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ مِّنْ أَسْلَافِكُمْ وَ أَسْبَاطِكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى، وَ أَنْشُدُكُمْ بِالَّذِي أَيْبَسَ الْبَحْرَ لِآبَائِكُمْ حَتّٰى أَنْجَاكُمْ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهِ إِلَّا أَخْبَرْتُمُونَا هَلْ

[1] دلائل النبوة لأبي نعيم:1/85-89.

تَجِدُونَ فِيمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ أَنْ تُؤْمِنُوا بِمُحَمَّدٍ؟ فَإِنْ كُنْتُمْ لَا تَجِدُونَ ذٰلِكَ فِي كِتَابِكُمْ فَلَا كُرْهَ عَلَيْكُمْ، قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ. وَ أَدْعُوكُمْ إِلَى اللّٰهِ وَ إِلٰى نَبِيِّهِ ﷺ»

''اللہ کے نام کے ساتھ جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی، بھائی اور جو کچھ وہ لائے، اس کی تصدیق کرنے والے محمد رسول اللہ ﷺ کی جانب سے (خیبر کے یہودیوں کے نام:)

اے یہودیوں کی جماعت اور اہل تورات! خبردار! اللہ نے تم سے فرمایا ہے کہ بے شک تم اپنی کتابوں میں یہ (لکھا ہوا) پاتے ہو کہ محمد (ﷺ) ''اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں، وہ کافروں پر بہت سخت ہیں، آپس میں نہایت مہربان ہیں، آپ انھیں رکوع و سجود کرتے دیکھیں گے، وہ اللہ کا فضل اور (اس کی) رضامندی تلاش کرتے ہیں۔ ان کی خصوصی پہچان ان کے چہروں پر سجدوں کا نشان ہے۔ ان کی یہ صفت تورات میں ہے اور انجیل میں ان کی صفت اس کھیتی کے مانند ہے جس نے اپنی کونپل نکالی، پھر اسے مضبوط کیا اور وہ (پودا) موٹا ہوگیا، پھر اپنے تنے پر سیدھا کھڑا ہوگیا، یہ کسانوں کو خوش کرتا ہے، (اللہ نے یہ اس لیے کیا) تاکہ ان (صحابۂ کرام) کی وجہ سے کفار کو خوب غصہ دلائے۔ اللہ نے ان لوگوں سے جو ان میں سے ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، مغفرت اور بہت بڑے اجر کا وعدہ کیا ہے۔''

میں تمھیں اللہ تعالیٰ کا اور جو اُس نے تم پر نازل کیا، اس کا واسطہ دیتا ہوں اور جس ذات نے تمھارے اسلاف اور اسباط (نسلوں) کو، جو تم سے پہلے تھے، من و سلویٰ کھلایا، اس کا واسطہ دیتا ہوں اور جس ذات نے تمھارے آباء و اجداد کے لیے سمندر کو خشک کیا حتی کہ تمھیں فرعون اور اُس کے ظلم و ستم سے نجات دی، اُس ذات کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تم پر نازل کیا، کیا تم اُس میں یہ حکم پاتے ہو کہ محمد پر ایمان لاؤ؟ اگر تم اپنی کتاب میں یہ حکم نہیں پاتے تو تم پر کوئی جبر نہیں۔ ہدایت گمراہی سے الگ ہوکر نمایاں ہوگئی ہے۔ میں تمھیں اللہ تعالیٰ اور اُس کے نبی (ﷺ) کی طرف دعوت دیتا ہوں۔''[1]

نبی ﷺ کے مذکورہ بالا مکتوب گرامی میں درج آیت کریمہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جو صفات بیان کی گئی ہیں، ہزاروں تحریفات کے باوجود موجودہ تورات و انجیل میں بھی بالکل اُسی طرح کی کچھ چیزیں موجود ہیں جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے، مثلاً: تورات میں ہے:

''وہ کوہِ فاران سے جلوہ گر ہوا۔ اور لاکھوں قدسیوں میں سے آیا۔''[2]

[1] البداية والنهاية: 301/2. [2] کتاب مقدس (استثنا) 2:33.

''اس کے داہنے ہاتھ پر ان کے لیے آتشی شریعت تھی۔''[1]

''وہ بے شک قوموں سے محبت رکھتا ہے۔''[2]

''اس کے سب مقدس لوگ تیرے ہاتھ میں ہیں اور وہ تیرے قدموں میں بیٹھے ایک ایک تیری باتوں سے مستفیض ہوگا۔''[3]

اسی طرح انجیل میں ہے:

''آسمان کی بادشاہی اس رائی کے دانے کی مانند ہے جسے کسی آدمی نے لے کر اپنے کھیت میں بو دیا۔ وہ سب بیجوں سے چھوٹا تو ہے مگر جب بڑھتا ہے تو سب ترکاریوں سے بڑا اور ایسا درخت ہو جاتا ہے کہ ہوا کے پرندے آکر اس کی ڈالیوں پر بسیرا کرتے ہیں۔''[4]

''پھر اسی نے کہا کہ ہم خدا کی بادشاہی کو کس سے تشبیہ دیں اور کس تمثیل میں اسے بیان کریں؟ وہ رائی کے دانے کی مانند ہے کہ جب زمین میں بویا جاتا ہے تو زمین کے سب بیجوں سے چھوٹا ہوتا ہے مگر جب بو دیا گیا تو اگ کر سب ترکاریوں سے بڑا ہو جاتا ہے اور ایسی بڑی ڈالیاں نکالتا ہے کہ ہوا کے پرندے اس کے سائے میں بسیرا کر سکتے ہیں۔''[5]

اور انجیل کی یہ عبارت تو قرآن مجید کے الفاظ کے بہت ہی قریب ہے:

''اور اس نے کہا کہ خدا کی بادشاہی ایسی ہے جیسے کوئی آدمی زمین میں بیج ڈالے اور رات کو سوئے اور دن کو جاگے اور وہ بیج اس طرح اُگے اور بڑھے کہ وہ نہ جانے۔ زمین آپ سے آپ پھل لاتی ہے پہلے پتی۔ پھر بالیں پھر بالوں میں تیار دانے۔ پھر جب اناج پک چکا تو وہ فی الفور درانتی لگاتا ہے کیونکہ کاٹنے کا وقت آپہنچا۔''[6]

یاد رہے ''خدا کی بادشاہی'' سے مراد خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی نبوت ہے جیسا کہ انجیل کے متعدد مقامات سے واضح ہے۔

یہودیوں کا انکارِ حق

1 سلمہ بن سلامہ انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ''نبی کریم ﷺ کی بعثت سے کچھ عرصہ پہلے کی بات ہے۔ بنو عبدالاشہل

[1] کتاب مقدس (استثنا) 2:33۔ [2] کتاب مقدس (استثنا) 3:33۔ [3] کتاب مقدس (استثنا) 3:33۔ [4] کتاب مقدس (متی) 32,31:13۔
[5] کتاب مقدس (مرقس) 32-30:4، کتاب مقدس (لوقا) 19,18:13۔ [6] کتاب مقدس (مرقس) 29-26:4۔

کے علاقے میں ہمارا پڑوسی ایک یہودی تھا۔ ایک دن وہ اپنے گھر سے نکلا۔ ہمارے پاس بنوعبدالاشہل کی مجلس میں آیا۔ میں اُس وقت وہاں موجود لوگوں میں نو عمر تھا۔ اپنے گھر کے صحن میں چادر اوڑھے لیٹا ہوا تھا۔ اُس یہودی نے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے، قیامت، حساب، میزان، جنت اور دوزخ کا ذکر کیا۔ وہ یہ باتیں ایسے لوگوں کے سامنے بیان کر رہا تھا جو مشرک اور بتوں کے پُجاری تھے اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے کے منکر تھے۔ وہ کہنے لگے: ''ارے! تیرا ستیاناس! بھلا کیا آخرت کا گھر ہوگا؟ کیا وہاں جنت اور دوزخ ہوگی؟ جس میں لوگوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا؟'' اُس نے جواب دیا: ''ہاں! ایسا ہی ہوگا'' پھر اُس نے کہا: ''میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں آخرت کی آگ سے بچنے کے لیے اس امر کا خواہشمند ہوں کہ تم لوگ اپنے گھر میں بہت بڑا تنور روشن کرو۔ اسے خوب تپاؤ، پھر مجھے اس میں پھینک دو۔ پھر مجھے اس میں بند کر کے تنور پر ڈھکنا رکھو، پھر خوب گارا مل کر ڈھکنا بھی بند کردو۔ اگر میں اس طرح کل آخرت کی آگ سے بچ جاؤں تو یہ میرے لیے بڑے نفع کی بات ہوگی۔''

لوگوں نے پھر کہا: ''ارے! تیرا ستیاناس! تو جو کچھ کہہ رہا ہے، ذرا ہمیں اُس کی سچائی کی نشانی تو بتا؟'' اُس نے مکہ اور یمن کی طرف اشارہ کر کے کہا: ''ان شہروں میں سے کسی ایک شہر میں ایک نبی کا ظہور ہوگا۔'' لوگوں نے پوچھا: ''اُس کا ظہور کب ہوگا؟'' اُس نے میری طرف دیکھ کر کہا: ''اگر یہ لڑکا اپنی عمر کی پختگی تک پہنچ گیا تو یہ اسے پالے گا۔''

سلمہ بن سلامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''اللہ کی قسم! رات اور دن کی گردش ختم نہیں ہوئی حتی کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو مبعوث فرما دیا۔ اس وقت وہ یہودی ہمارے درمیان زندہ تھا۔ ہم نبی کریم ﷺ پر ایمان لے آئے۔ مگر اُس نے سرکشی کی اور حسد کرتے ہوئے ان کا انکار کیا (اور آپ ﷺ کی رسالت پر ایمان نہیں لایا۔) ہم نے اُس سے کہا: ''ارے! تیرا ستیاناس! کیا تو وہی نہیں ہے جس نے ہمیں یہ بات بتائی تھی؟'' وہ بولا: ''بتائی تو تھی لیکن یہ وہ نبی نہیں۔'' اُس یہودی کا نام یوشع تھا۔''[1]

2 حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی بعثت سے پہلے مدینہ کے یہودی قبائل اوس اور خزرج پر نبی کریم ﷺ کے وسیلے سے فتح کی دُعا مانگا کرتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو عربوں میں مبعوث فرما دیا تو یہودیوں نے آپ کو نہ مانا۔ وہ آپ ﷺ کے بارے میں اپنی سابقہ باتوں سے مکر گئے اور آپ ﷺ کا انکار کرنا شروع کر دیا۔

3 معاذ بن جبل، بشر بن براء بن معرور اور داود بن سلمہ رضی اللہ عنہم نے یہود سے کہا: ''اے یہودیوں کی جماعت! اللہ سے

[1] مسند أحمد: 467/3، المستدرك للحاكم: 418,417/3، دلائل النبوة لأبي نعيم: 75,74/1

ڈرو اور مسلمان ہو جاؤ۔ ہم جب مشرک تھے تو تم محمد ﷺ کے وسیلے سے ہم پر فتح مانگا کرتے تھے اور ہمیں بتایا کرتے تھے کہ وہ نبی مبعوث ہونے والا ہے۔ تم ہمیں اُس کی صفات بھی بتایا کرتے تھے۔'' سلام بن مشکم کہنے لگا: ''یہ وہ نبی نہیں جس کا ہم تم سے تذکرہ کرتے تھے، نہ یہ ہمارے پاس ایسی کوئی چیز لایا ہے جسے ہم پہچانتے ہوں۔''

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی اس بات کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۡ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ○﴾ (البقرة 89:2)

''اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے وہ کتاب آگئی جو اس (کتاب) کی تصدیق کرتی ہے جو ان کے پاس ہے اور اس سے پہلے وہ ان لوگوں کے خلاف فتح مانگتے تھے جنھوں نے کفر کیا تھا، پھر جب ان کے پاس وہ (حق) آگیا جسے انھوں نے پہچان لیا تو انھوں نے اس کا انکار کر دیا، لہٰذا کافروں پر اللہ کی لعنت ہے۔''[1]

4 رسول اللہ ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو وہاں ابو عامر عبد عمرو بن صیفی بن نعمان بن ضُبَیعہ بن زید نے رہبانیت اختیار کر لی۔ وہ ٹاٹ کا لباس پہنتا تھا۔ اسے راہب کہا جاتا تھا۔ اس نے نبیِ اکرم ﷺ کا زمانہ پایا اور آپ ﷺ کی گفتگو بھی سنی۔ عمرو بن محمد کی روایت میں ہے کہ اوس اور خزرج میں کوئی بھی اس سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کے اوصاف نہیں جانتا تھا۔ یہ یہودیوں سے بڑا مانوس تھا اور اُن سے ان کے دین کے بارے میں معلومات حاصل کرتا تھا۔ یہودی اسے رسول اللہ ﷺ کی صفات کے بارے میں بتاتے تھے، پھر یہ شام چلا گیا۔ وہاں عیسائیوں سے نبیِ کریم ﷺ کے بارے میں باتیں دریافت کرتا رہا۔ اُنھوں نے بھی اسے نبیِ کریم ﷺ کی صفات سے آگاہ کیا۔ ابو عامر یہ کہتا ہوا واپس آگیا کہ میں ابراہیمی حنیفیت والے دین پر ہوں۔ وہ راہب بنا رہا۔ اُس کا دعویٰ تھا کہ میں آنے والے نبی کے ظہور کا منتظر ہوں۔ جب مکہ میں رسول اللہ ﷺ کا ظہور ہو گیا تو یہ شخص بدستور اپنی حالت پر قائم رہا۔ نبیِ کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر نہیں ہوا۔

جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو یہ نبیِ کریم ﷺ سے ملا اور پوچھنے لگا: ''یہ کون سا دین ہے جو آپ لائے ہیں؟'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں دینِ ابراہیمی لایا ہوں۔''

ابو عامر کہنے لگا: ''میں بھی دینِ ابراہیمی کا پیروکار ہوں۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم دینِ ابراہیمی پر عمل پیرا نہیں ہو۔'' وہ بولا: ''کیوں نہیں! آپ نے تو دینِ ابراہیمی میں ایسی باتیں داخل کر دی ہیں جو اس میں نہیں تھیں۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے ایسا نہیں کیا بلکہ میں روشن اور خالص دینِ ابراہیمی لے کر آیا ہوں۔'' ابو عامر

[1] دلائل النبوة لأبي نعيم: 83,82/1.

کہنے لگا: ''ہم میں سے جو بھی جھوٹا ہو، وہ دھتکارا ہوا، پردیس میں تنہائی اور کسمپرسی کے عالم میں ہلاک ہو (اس کا اشارہ رسول اللہ ﷺ کی طرف تھا)، آپ اسی طرح آئے ہیں؟'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں، جس نے جھوٹ بولا، اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ یہی سلوک کرے۔'' پس اللہ کا یہ دشمن مکہ چلا گیا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ فتح کر لیا تو طائف بھاگ گیا۔ جب اہلِ طائف مسلمان ہو گئے تو یہ شام چلا گیا۔ وہاں یہ پردیس میں دھتکاری ہوئی حالت میں اس طرح تنہا مر گیا کہ اس کا کوئی پرسانِ حال نہ تھا۔ [1]

بد بخت یہودی کا سعادت مند بیٹا

ایک دیہی تاجر بیان کرتا ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں سامانِ تجارت لے کر مدینہ منورہ آیا۔ جب میں خرید و فروخت سے فارغ ہوا تو میں نے کہا کہ میں اس شخص (محمد ﷺ) سے ملوں گا اور ان کی بات ضرور سنوں گا، پس میری نبی کریم ﷺ سے اس وقت ملاقات ہوئی جب آپ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے ہمراہ کہیں تشریف لے جا رہے تھے۔ میں ان کے پیچھے پیچھے ہو لیا یہاں تک کہ یہ حضرات ایک یہودی کے پاس پہنچ گئے۔ وہ یہودی اس وقت تورات پڑھ رہا تھا اور اس کے ذریعے سے اپنے آپ کو اپنے بیٹے کے بارے میں، تسلی دے رہا تھا جو موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا تھا۔ وہ لڑکا انتہائی حسین و جمیل تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے یہودی سے فرمایا:

«أَنْشُدُكَ بِالَّذِي أَنْزَلَ التَّوْرَاةَ، هَلْ تَجِدُ فِي كِتَابِكَ ذَا صِفَتِي وَمَخْرَجِي؟»

''میں تمھیں اُس ذات کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں جس نے تورات اُتاری ہے، کیا تم تورات میں میری صفات اور بعثت کا ذکر پاتے ہو؟''

یہودی نے انکار میں سر ہلا دیا لیکن اُس کا بیٹا معاً بول پڑا۔ کہنے لگا: ''کیوں نہیں! اُس ذات کی قسم جس نے تورات اُتاری! بلاشبہ ہم اپنی کتاب میں آپ کی صفات اور بعثت کا (واضح) تذکرہ پاتے ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی برحق معبود نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔'' پھر وہ لڑکا فوت ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَقِيمُوا الْيَهُودَ عَنْ أَخِيكُمْ»

''یہودیوں کو اپنے (مسلمان) بھائی کے پاس سے اُٹھا دو۔''

پھر آپ ﷺ نے اس کے کفن دفن اور اُس کی نماز جنازہ کا خود اہتمام فرمایا۔ [2]

[1] دلائل النبوة لأبي نعيم: 81,80/1. [2] مسند أحمد: 411/5، صحيح السيرة النبوية للألباني، ص: 73.

ہندوؤں کی مذہبی کتابوں میں حضرت محمد ﷺ کا تذکرہ

ہندومت کا تعارف

ہندومت ہندوستان کا قدیم ترین مذہب ہے۔ یہ 2000 اور 1500 ق م کے مابین ہندوستان میں آریاؤں کی آمد کے ساتھ رائج ہوا۔ ہندوؤں کا عقیدہ یہ ہے کہ مخصوص دیوتاؤں کو ازلی اور ابدی اقتدار حاصل ہے۔ جو کچھ ہوتا ہے، انھی کے ارادے سے ہوتا ہے۔ اسی لیے ہندو دیوتاؤں کو پوجتے ہیں۔ ذات پات کے نہایت شدت سے قائل ہیں۔ برہمن، کھشتری، ویش اور شودر ان کی چار مشہور ذاتیں ہیں۔ شودروں کو اچھوت سمجھا جاتا ہے۔ مہابھارت اور رامائن ان کی مقدس کتابیں ہیں۔ برہمنوں کے نزدیک پُران یا پوران بہت مقدس ہیں۔ یہ منظوم کتابیں ہیں۔ ان کی تعداد 18 ہے۔ بہت سے پرانوں کو بیاس جی نے لکھا یا جمع کیا۔ ان میں 3,83,100 اشلوک، یعنی شعر ہیں۔ [1] ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ بعض اوقات خدا انسان یا حیوان کی صورت میں جنم لیتا ہے۔ ہندو ایسے فرد کو اوتار کہتے ہیں، چنانچہ



ہندومت کی علامت

وہ لوگ فرقہ وِشنو کے چوبیس اوتار مانتے ہیں جن میں سے یہ دس نہایت مشہور ہیں: مچھ، کچھ، باراہ، نرسنگھ، بونا یا بامن، پرسرام، رام، کرشن، بُدھ، نس کلنک۔ [2] وہ زمانے کو ''جگ'' کہتے ہیں۔ ان کے نزدیک زمانے کی چار قسمیں ہیں۔ ست جگ، ترتیا جگ، دوآپر جگ اور کل جگ۔ چوتھے جگ، یعنی کل جگ کو وہ دنگے فساد کے نام سے موسوم کرتے ہیں جو چار لاکھ بیس ہزار برس کا ہے۔ [3] ہندو عقیدے کی ''تری مورتی'' یا تثلیث ویشنو، شیو اور برہما پر مشتمل ہے۔ ان میں ویشنو سلامتی اور تحفظ کی علامت ہے۔ شیو تباہی کا دیوتا ہے جبکہ برہما کائنات کا خالق ہے، تاہم برہما کی شاذ و نادر ہی پوجا ہوتی ہے اور عملاً ہندو ویشنو اور شیو کے علاوہ دُرگا دیوی کے پجاری ہیں۔ گویا تری مورتی میں دُرگا برہما کی جگہ لے

[1] فرہنگ آصفیہ: 511/1. [2] فرہنگ آصفیہ: 308/1. [3] فرہنگ آصفیہ: 541/3.

لیتی ہے۔ ویشنو کے متعلق ہندوؤں کا تصور یہ ہے کہ تمام مخلوقات اس کے تین قدموں (تری وکرموں) میں بستی ہیں، وہ کائنات کا ستون ہے۔ جب دھرم (مذہب) خطرے میں ہو تو وہ اپنے بہشت ''بیکنٹھ'' سے باہر آتا ہے اور کوئی زمینی روپ دھار کر امن قائم کر دیتا ہے۔ ہندو کرشن اور رام کو ویشنو کے اوتار (روپ) خیال کر کے ان کی پوجا کرتے ہیں۔[1] ہندو روح کو مانتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ تناسخ کے عقیدے پر گہرا یقین رکھتے ہیں۔

کلکی اوتار

ہندو کتب میں ایک کلکی اوتار (رسول) کی آمد کی پیش گوئی موجود ہے۔ یہ ہندوؤں کے نزدیک ایک عظیم الشان پیش گوئی ہے جو تواتر کی حد تک پہنچی ہوئی ہے۔ ہندو اس کلکی اوتار کا اب تک انتظار کر رہے ہیں۔

ہندو کہتے ہیں کہ پہلے تین دور گزر چکے ہیں۔ اب ہم چوتھے اور آخری جگ، یعنی کل جگ سے گزر رہے ہیں۔ یہ دور طوفانِ نوح سے شروع ہوا ہے اور قیامت پر ختم ہوگا۔ چونکہ مذکورہ بالا رسول اسی دور میں آئے گا اور اس دور کا سب سے بڑا اور آخری رسول ہوگا، اس لیے اسے کلکی اوتار کہا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں ہندوؤں کی بعض کتابوں میں یہ وضاحت بھی موجود ہے کہ تیئیس بڑے بڑے رسول گزر چکے ہیں اور اب صرف اسی آخری رسول کلکی اوتار کی آمد باقی ہے۔

کلکی اوتار نام رکھنے کی ایک وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ جس وقت یہ رسول آئے گا، اُس وقت ہر طرف گمراہی، ظلم اور فساد کے غلبے کی وجہ سے فضا تاریک ہوگی۔ یہ رسول انسان کو تاریکیوں سے نکال کر اجالے میں لے آئے گا اور فضا میں چھائی ہوئی سیاہی (کالک) کو دھو کر انسانی معاشرے کو پاک اور روشن کر دے گا۔

کلکی اوتار کا تعارف اور خصوصیات

پُران یا پوران ہندو دھرم کی مشہور کتابیں ہیں۔ ان میں سے ایک کتاب بھوشیا پُران ہے۔ بھوشیا کے معنی پیش گوئی کے ہیں۔ چونکہ اس میں آیندہ پیش آنے والی باتوں کا ذکر ہے، اس لیے اس کا نام بھوشیا پُران ہے۔

کلکی اوتار: ''سروانما'' یا ''محمد''

مذکورہ بھوشیا پران کی ایک فصل کا عنوان پرتی سرگ ہے۔ اس فصل میں بتایا گیا ہے کہ جو رسول ''کل جگ'' میں پیدا ہوگا، اس کا نام ''سروانما'' ہوگا۔ ''انما'' اس شخص کو کہتے ہیں جس کی تعریف کی جائے اور ''سرو'' کے معنی ہیں سب سے زیادہ۔ لہٰذا ''سروانما'' کے معنی ہیں: وہ انسان جس کی سب سے زیادہ تعریف کی جائے۔ عربی کے لفظ مُحَمَّد کے بھی ٹھیک یہی معنی ہیں۔

[1] Encyclopedia of World Religions, pp: 437,446.

سومتی (آمنہ) اور وشنوویش (عبداللہ)

کتاب کلکی پوران ادھیائے 2، اشلوک 11 میں یہ عبارت درج ہے:

'सुमत्यां विष्णुयशसा गर्भमाधत्त वैष्णवम्' ।

—कल्कि पुराण, अध्याय २, श्लोक ११

''کلکی اوتار ''سومتی'' سے پیدا ہوگا اور اس کے باپ کا نام ''وشنوویش'' ہوگا۔'' ''سومتی'' کا لفظی ترجمہ وہی ہے جو ''آمنہ'' کا ہے (امن پانے والی)۔ ''وشنوویش'' کے معنی ہیں: اللہ کا بندہ (عبداللہ)۔

''وشنو'' اصلاً اللہ کا نام ہے۔ جب ہندوؤں میں شرک کی وبا پھیلی تو اُنھوں نے اس نام کا ایک دیوتا بھی بنا لیا۔ کلکی پوران ادھیائے 2، اشلوک 4 میں اور بھاگوت پوران، سرگ 12، ادھیائے 2، اشلوک 18 میں بھی آپ ﷺ کے والد کا نام ''وشنوویش'' (عبداللہ) بتایا گیا ہے۔

''شنبل گرام'' یا بلد الامین

بھاگوت پُران، اسکنڈ 12، ادھیائے 2، اشلوک[1] 18 اور کلکی پوران ادھیائے 2، اشلوک 4 بالترتیب یہ ہیں:

'शम्भलग्राममुख्यस्य ब्राह्मणस्य महात्मनः ।
भवने विष्णुयशसः कल्किः प्रादुर्भविष्यति ॥'

—भागवत पु० १२. २. १८,

'शम्भले विष्णुयशसो गृहे प्रादुर्भवाम्यहम्' ।

—कल्कि० अध्याय २, श्लोक ४

''کلکی اوتار ''شنبل گرام'' میں ''وشنوویش'' کے ہاں ان کے برہمن مہنت (دینی پیشوا) کے گھر پیدا ہوگا۔''

اب ان اشلوکوں کے الفاظ پر غور کیجیے، ''شنبل'' کے معنی ہیں: امن والا اور ''گرام'' کے معنی ہیں: شہر یا گاؤں۔ اس طرح ''شنبل گرام'' کے معنی ہیں: امن والا شہر۔ اور دنیا بھر میں یہ نام اور صفت صرف مکہ ہی کی ہے۔ قرآن مجید میں اسے ﴿الْبَلَدِ الْأَمِينِ﴾ یعنی امن والا شہر کہا گیا ہے۔

کلکی اوتار (آخری رسول) کی تاریخ پیدائش

کلکی پوران ادھیائے 2، اشلوک 15 میں ہے:

[1] زبان زدِ عوام و خواص اشلوک، شلوک یا شَلوک ہے۔ اس کے معنی نظم، شعر، بیت، فرد، شبد، قول، بچن وغیرہ ہیں۔ (فرہنگ آصفیہ: 174/1)

द्वादश्यां शुक्लपक्षस्य माधवे माधवे मासि माधवम् : ।
जातो ददृशतु: पुत्रं पितरौ हृष्टमानसौ ।।'
—कल्कि पुराण, द्वितीय अध्याय, १५वां श्लोक ।

''کلکی اوتار بیساکھ مہینے کی 12 تاریخ کو پیدا ہوگا۔'' بیساکھ ہندی کا مشہور مہینہ ہے جواب بھی ہندی کیلنڈروں میں اسی نام سے لکھا جاتا ہے۔ ہندی کیلنڈر کے مطابق نبی ﷺ 12 بیساکھ 628 بکرمی کو پیدا ہوئے۔ اس دن عربی کیلنڈر کے حساب سے ماہ ربیع الاول سال عام الفیل (1) کا دوسرا سوموار تھا اور ہندو کیلنڈر اور عقیدے کے مطابق یہ نہایت مقدس دن تھا۔

کلکی اوتار کے والد اور والدہ کی وفات

کلکی پوران اور بھاگوت پُران اسکنڈ 12 میں مذکور ہے کہ کلکی اوتار کے والد اس کی پیدائش سے پہلے ہی انتقال کر جائیں گے اور والدہ اس کی پیدائش کے تھوڑے عرصہ بعد وفات پا جائیں گی۔

یہ دونوں باتیں محمد رسول اللہ ﷺ پر پوری طرح صادق آتی ہیں۔ آپ کے والد آپ کی پیدائش سے پہلے فوت ہوگئے اور والدہ آپ کی پیدائش کے چھ سال بعد وفات پا گئیں۔

''سالمل دیپ'' کی سیدہ سے شادی

مذکورہ دونوں کتابوں میں بتایا گیا ہے:

''کلکی اوتار ''سالمل دیپ'' کی سیدہ سے شادی کرے گا اور شادی کا یہ کام اس کے چچا اور تین بھائی انجام دیں گے۔''

قدیم ہندوؤں کے نزدیک ''سالمل دیپ'' جزیرہ نمائے عرب اور سرزمین کنعان (فلسطین) کا نام تھا۔ سرزمین کنعان میں کلکی اوتار کی صفات والا کوئی انسان کبھی نہیں پایا گیا، اس لیے لامحالہ اس سے جزیرہ نمائے عرب ہی مراد ہے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا قریش کی سیدہ تھیں۔ پھر آپ ﷺ کی شادی کا کام آپ کے چچا ابوطالب نے انجام دیا اور ان کے تینوں بیٹوں جعفر، طالب اور عقیل نے تقریب عروسی کے انتظامات کیے اور یہ تینوں محمد ﷺ کے چچیرے بھائی تھے۔

پہاڑی غار میں ''پرشورام'' (روح القدس) کی آمد

کلکی پوران یہ بھی بتاتا ہے:

''کلکی اوتار ایک پہاڑ کی گھپا (غار) میں جائے گا اور وہاں پرشورام سے علم حاصل کرے گا۔''

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ محمد ﷺ غار حراء میں تشریف لے جاتے تھے اور عبادت میں مصروف رہتے تھے۔ یہی غار حراء تھا جہاں ایک رات جبریل علیہ السلام وحی لے کر آئے تھے۔

پرشورام، ہندوؤں کے نزدیک ایک فرشتے کا نام ہے جس کا ایک خاص کام یہ ہے کہ وہ دین کے دشمن کفار و ملحدین پر عذاب لاتا ہے۔ یہ بات محتاجِ وضاحت نہیں کہ یہود و نصاریٰ اور مسلمانوں کی زبان میں بعینہ اس فرشتے کو جبریل کہا جاتا ہے۔ جبریل علیہ السلام کا ایک نام روح القدس بھی ہے اور سنسکرت کے الفاظ پرشورام کے معنی بھی یہی ہیں۔

''شنبل گرام'' میں دعوت، ہجرت اور فتح

اس کے بعد کلکی پوران میں بتایا گیا ہے کہ کلکی اوتار اپنے دین کی دعوت اپنے شہر ''شنبل گرام'' (شہر امن، یعنی مکہ) میں شروع کرے گا جو سالمل دیپ (جزیرہ نمائے عرب) میں واقع ہے۔ مگر اس شہر کے لوگ اس کی مخالفت کریں گے اور اسے تکالیف پہنچائیں گے، چنانچہ وہ یہ شہر چھوڑ کر شمال کی طرف ایک دوسرے شہر کی طرف، جو چٹانوں اور پہاڑوں سے گھرا ہوگا، ہجرت کر جائے گا۔ پھر ایک عرصے کے بعد تلوار لیے ہوئے اپنے شہر کو واپس آئے گا اور اسے فتح کرے گا اور اس کے بعد سارا ملک فتح ہو جائے گا۔ چٹانوں اور پہاڑوں سے گھرا شہر مدینہ منورہ ہے۔


پہاڑوں کے دامن میں شہر مدینہ

اُڑن گھوڑا (براق) اور معراج

بھاگوت پوران اسکنڈ 12، ادھیائے 2، اشلوک 20،19 اور دوسرے اشلوکوں میں بتایا گیا ہے:

''کلکی اوتار کو ایک اڑنے والا گھوڑا دیا جائے گا جو بجلی سے بھی تیز ہوگا۔ اور یہ اس پر سوار ہو کر زمین اور ساتوں آسمانوں کی سیر کرے گا۔''

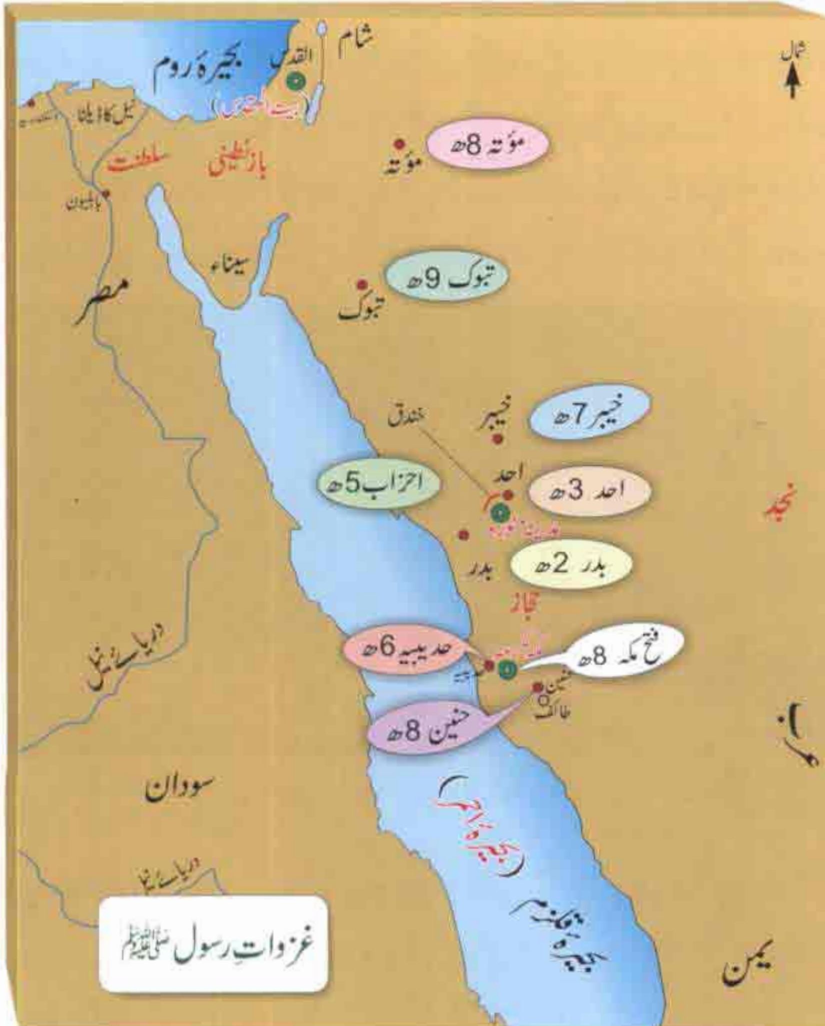
یہ جُملہ محتاجِ وضاحت نہیں۔ صاف ظاہر ہے اس سے نبی ﷺ کا اسراء و معراج مراد ہے۔

دین کے دشمنوں کے خلاف جہاد

بھاگوت پوران کے اسی مقام پر مذکور ہے:

"کلکی اوتار دین کے دشمنوں سے تلوار کے ذریعے جنگ کرے گا اور بادشاہوں اور حکمرانوں کے بھیس میں چھپے ہوئے شریروں اور بدمعاشوں کو کچلے گا۔"

یہ سعادت بھی محمد ﷺ ہی کو نصیب ہوئی۔



فرشتوں کے ذریعے کلکی اوتار کی مدد

کلکی پوران ادھیائے 2، اشلوک 7 میں ہے:

यात यूयं भुवं देवा: स्वांशावतरणे रत: ।

—कल्कि पुराण, अध्याय २ श्लोक ७।

''جنگ کے اندر فرشتوں کے ذریعے کلکی اوتار کی مدد کی جائے گی۔''

یہ بات بھی محمد ﷺ ہی کے لیے معروف ہے جس پر قرآن گواہ ہے۔ قرآن کریم بتاتا ہے کہ غزوۂ بدر میں فرشتوں کی جماعت نے آکر مسلمانوں کی مدد کی۔ [1]



مقام بدر میں مسجد العریش جہاں رسول اللہ ﷺ نے اللہ سے مدد مانگی اور اللہ تعالیٰ نے دس ہزار فرشتوں سے مسلمانوں کی نصرت فرمائی

چار خلفاء سے تائید

کلکی پوران، ادھیائے 2، اشلوک 5 میں ہے:

'चतुर्भिर्भ्रातृभिर्देव करिष्यामि कलिक्षयम् ।

—कल्कि पुराण, अध्याय २, श्लोक ५ ।

''کلکی اوتار اپنے چاروں مددگاروں کے ذریعے شیطانوں کو کچلے گا۔''

یہ بات واضح ہے کہ محمد ﷺ نے دعوت و جہاد کا جو کام کیا، اس میں آپ کے چاروں خلفائے راشدین آپ کے مددگار رہے اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد انھوں نے دعوتِ دین کے فروغ اور باطل کے خلاف جہاد کا سلسلہ

[1] آل عمرٰن 3:124، 125۔

جاری رکھا۔

''جگت پتی'' یا دنیا کا سردار

بھاگوت پوران، اسکنڈ 12، ادھیائے 2، اشلوک 19 میں کلکی اوتار کو جگت پتی کہا گیا ہے جس کے معنی ہیں: ''دنیا کا سردار'' ساری دنیا کا سردار ہونے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اسے (محمد ﷺ کو) ساری دنیا کے لیے پیغمبر بنا کر بھیجا گیا۔

کلکی اوتار پر نبوت کا خاتمہ

بھاگوت پوران، پرتھم اسکنڈ، ادھیائے 3، اشلوک 25 میں ہے:

''بڑے بڑے پیغمبر چوبیس ہیں۔ کلکی اوتار آخری پیغمبر ہوگا جو سارے پیغمبروں کا خاتم ہوگا۔''

پیغمبرِ اسلام حضرت محمد ﷺ کے سوا کوئی نبی ایسا نہیں جس کے بارے میں یہ کہا گیا ہو کہ وہ خاتم النبیین ہے۔

حسن و جمال کی اعلیٰ مثال

بھاگوت پوران، اسکنڈ 12، ادھیائے 2، اشلوک 20 میں ہے:

''وہ ایسا خوبصورت ہوگا کہ اُس کے حسن و جمال کی مثال نہ ہوگی۔''

یہ حضرت محمد ﷺ کے شخصی شمائل کا بڑا معروف اور نمایاں پہلو ہے۔

مہکتا ہوا (معطر) رسول

بھاگوت پوران، اسکنڈ 12، ادھیائے 2، اشلوک 21 میں ہے:

'अथ तेषां भविष्यन्ति मनांसि विशदानि वै ।
वासुदेवाङ्गरागातिपुण्यगन्धानिलस्पृशाम् ।'
भागवतपुराण, द्वादश स्कन्ध, द्वितीय अध्याय, २१ वां श्लोक ।

''کلکی اوتار کے جسم سے نہایت عمدہ خوشبو پھوٹتی ہوگی جو فضا کو معطر کرے گی۔ اور طبیعتوں میں انتہائی فرحت لائے گی۔''

صحیح احادیث میں ہے کہ محمد ﷺ کے جسمِ اطہر اور پسینے سے نہایت فرحت بخش اور دلنواز خوشبو آتی تھی۔ جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھی، پھر آپ اپنے گھر کی طرف تشریف لے گئے۔ میں بھی آپ کے ساتھ نکلا تو بچوں نے آپ کا استقبال کیا۔ آپ نہایت شفقت اور پیار سے ہر بچے کے رخساروں پر ہاتھ

پھیرنے لگے۔ اسی دوران آپ ﷺ نے میرے بھی رخساروں پر ہاتھ پھیرا۔ میں نے آپ کے دست مبارک میں ایسی ٹھنڈک اور خوشبو محسوس کی جیسے آپ نے اپنا ہاتھ ابھی عطر دان سے نکالا ہے۔[1]

اسی طرح سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبیِ اکرم ﷺ ہمارے گھر تشریف لائے اور ہمارے ہاں ہی قیلولہ کیا۔ آپ ﷺ کو پسینہ آیا، میری والدہ (ام سلیم رضی اللہ عنہا) ایک شیشی لائیں اور آپ ﷺ کے بدنِ اقدس سے پسینہ پونچھ پونچھ کر اس میں ڈالنے لگیں۔ نبیِ اکرم ﷺ بیدار ہو گئے اور دریافت فرمایا:

«يَا أُمَّ سُلَيْمٍ! مَا هٰذَا الَّذِي تَصْنَعِينَ؟»

''ام سلیم! یہ کیا کر رہی ہو؟''

انھوں نے عرض کیا: یہ آپ ﷺ کا (مبارک) پسینہ ہے۔ یہ بہترین خوشبو ہے۔ ہم اسے اپنی خوشبو میں ڈالیں گے۔[2]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کی دس سال خدمت کی، اس عرصے میں آپ نے مجھے کبھی اف تک نہ کہا۔ میں نے اگر کوئی کام کیا تو آپ نے یہ نہ فرمایا کہ تو نے یہ کام کیوں کیا اور اگر میں نے کوئی کام چھوڑ دیا تو آپ نے یہ بھی نہیں پوچھا کہ تو نے یہ کام کیوں چھوڑا ہے:

وَكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مِنْ أَحْسَنِ النَّاسِ خُلُقًا، وَلَا مَسِسْتُ خَزًّا قَطُّ وَلَا حَرِيرًا وَّلَا شَيْئًا كَانَ أَلْيَنَ مِنْ كَفِّ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، وَلَا شَمَمْتُ مِسْكًا قَطُّ وَلَا عِطْرًا كَانَ أَطْيَبَ مِنْ عَرَقِ النَّبِيِّ ﷺ.

''رسول اللہ ﷺ حسن اخلاق میں سب لوگوں سے بڑھ کر تھے، میں نے اون، ریشم یا ایسی کسی چیز کو کبھی نہیں چھوا جو رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک سے زیادہ ملائم ہو۔ نہ میں نے کبھی کوئی ایسی کستوری یا عطر سونگھا جو نبی اکرم ﷺ کے پسینے سے زیادہ معطر ہو۔''[3]

جن گلیوں اور بازاروں سے نبی ﷺ کا گزر ہوتا، وہ آپ ﷺ کی بوئے عطر بیز سے مہک اٹھتے تھے۔

کلکی اوتار کی آٹھ ربانی صفات

کلکی اوتار کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اُس میں آٹھ مقدس ربانی صفات پائی جاتی ہیں۔ یہ صفات ''مہابھارت''

[1] صحيح مسلم :2329. [2] صحيح مسلم :2331. [3] صحيح البخاري :3561، صحيح مسلم :2330، جامع الترمذي: 2015.

نامی کتاب میں اس طرح آئی ہیں:

'अष्टौ गुणा: पुरुषं दीपयन्ति
प्रज्ञा च कौल्यं च दम: श्रुतं च।
पराक्रमश्चबहुभाषिता च'
दानं यथाशक्ति कृतज्ञता च' ॥

—महाभारत

1 پرگیا: غیب کی باتوں کی اطلاع پانا اور ان کی خبر دینا۔
2 کلینتا: عالی نسب ہونا۔
3 اندریا دمن: اپنے نفس پر قابو رکھنا۔
4 رشوتگیان: وحی و نبوت پانا۔
5 پراکرام: طاقتور جسم کا حامل ہونا۔
6 بھوبھاشتا: کم بولنا۔
7 دان: جود و سخاوت والا ہونا۔
8 کرتگتا: صاحبِ حکمت اور دور اندیش ہونا۔

ہندو عقیدے کے مطابق یہ آٹھوں ربانی صفات کلکی اوتار میں اکٹھی موجود ہوں گی۔ سیرتِ مقدسہ سے ادنیٰ سی واقفیت رکھنے والا شخص بھی جانتا ہے کہ نبیِ کریم ﷺ میں یہ صفات بدرجۂ اتم پائی جاتی تھیں۔

اتھروید اور رگ وید میں محمد (ﷺ) کا نام

ہندو دھرم کی سب سے زیادہ مشہور کتابیں وید ہیں۔ وید چار ہیں: 1 رگ وید 2 یجر وید 3 سام وید 4 اتھروید۔ ان ویدوں بالخصوص رگ وید کا انداز یہ ہے کہ کسی مقدس اور منتخب شخصیت کا ذکر کبھی بہت لمبا اور منتروں کے پورے مجموعے پر مشتمل ہوتا ہے اور کبھی اتنا مختصر کہ ایک دو منتر پر ختم ہو جاتا ہے۔ نراشنس (Narashansa) کا ذکر چاروں ویدوں میں ہے۔ لیکن اس کا تفصیلی ذکر اتھروید میں ہے۔

इदं जना उप श्रुत नराशंस स्तविष्यते ।
षष्टिं सहस्रा नवतिं च कौरम आ रुशमेषु दद्महे ॥ १ ॥
उष्ट्रा यस्य प्रवाहिणो वधूमन्तो द्विर्दश ।
वर्ष्मा रथस्य नि जिहीडते दिव ईषमाणा उपस्पृशः ॥ २ ॥
एष इषाय मामहे शतं निष्कान् दश स्रजः ।
त्रीणि शतान्यर्वतां सहस्रा दश गोनाम् ॥ ३ ॥
वच्यस्व रेभ वच्यस्व वृक्षे न पक्वे शकुनः ।
नष्टे जिह्वा चर्चरीति क्षुरो न भुरिजोरिव ॥ ४ ॥
प्र रेभासो मनीषा वृषा गाव इवेरते ।
अमोत पुत्रका एषाममोत गा इवासते ॥ ५ ॥
प्र रेभ धियं भरस्व गोविदं वसुविदम् ।
देवत्रेमां वाचं कृणुषेषुं न वीरो अस्ता ॥ ६ ॥
राज्ञो विश्वजनीनस्य यो देवोऽमर्त्यां अति ।
वैश्वानरस्य सुष्टुतिमा सुनोता परिक्षितः ॥ ७ ॥
परिक्षिन्नः क्षेममकरोत्तम आसनमाचरन् ।
कुलायं कृण्वन् कौरव्यः पतिर्वदति जायया ॥ ८ ॥
कतरत त आ हराणि दधि मन्थां परिस्रुतम् ।
जाया पतिं वि पृच्छति राष्ट्रे राज्ञः परिक्षितः ॥ ९ ॥
अभीव स्वः प्रजिहीते यवः पक्वः पथो बिलम् ।
जनः स भद्रमेधति राष्ट्रे राज्ञः परिक्षितः ॥ १० ॥
इन्द्रः कारुमबूबुधदुत्तिष्ठ वि चरा जनम् ।

ममेद्‌ुग्रस्य चर्कृधि सर्व इत ते परिणादरि: ॥.११ ॥

इह गाव: प्रजायध्वमिहाश्वा इह पूरुषा: ।

इहो सहस्रदक्षिणोपि पूषा नि षीदति ॥ १२.॥

یہ کل چودہ منتر ہیں جو اتھروید، کانڈ 20، سوکت 127، منتر 1 تا 14 پر مشتمل ہیں۔ یہاں ضروری وضاحت کے ساتھ ان کا ترجمہ نمبروار دیا جا رہا ہے:

1 لوگو! احترام سے سنو! نراشنس کی تعریف کی جائے گی۔ ہم اس مہاجر یا امن کے علمبردار کو ساٹھ ہزار نوے دشمنوں کے درمیان محفوظ رکھیں گے۔

ا: ''نراشنس'' کا مطلب ہے وہ شخص جس کی کثرت سے تعریف کی جائے، لہٰذا نراشنس کے ٹھیک وہی معنی ہیں جو لفظ ''محمد(ﷺ)'' کے ہیں۔ اس منتر کے دوسرے مصرع میں نراشنس کو ''کورم'' کہا گیا ہے۔ لفظ ''کورم'' کے دو معنی ہیں: ایک ''مہاجر'' اور دوسرا ''امن کا علمبردار۔'' یہ دونوں اوصاف نبیِ کریم ﷺ کی معروف صفات ہیں۔

ب: ''ساٹھ ہزار نوے دشمن'' دشمنوں سے مراد وہ آمادۂ قتال لوگ ہیں جو تلوار لے کر آپ کے مقابل آئے یا جنھوں نے خفیہ طریقے سے آپ کو قتل کرنے کی مذموم کوشش کی۔ انھی سے آپ کی جان کو خطرہ تھا اور انھی کے حربوں سے آپ ﷺ کو محفوظ رکھا گیا۔ رسولِ اکرم ﷺ کے اس طرح کے دشمنوں کی کل تعداد ساٹھ ہزار نوے کے لگ بھگ تھی۔

2 اس کی سواری اونٹ ہوگا اور اس کی بارہ بیویاں ہوں گی۔ اس کا درجہ اتنا بلند اور اس کی سواری اتنی تیز ہوگی کہ وہ آسمان کو چھوئے گی اور پھر اُتر آئے گی۔

یہ منتر اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہے۔ نبی ﷺ کی بارہ ازواج تھیں اور آپ معراج پر تشریف لے گئے۔

3 اللہ نے ''مامح'' [1] رشی کو سو اشرفیاں، دس ہار، تین سو گھوڑے اور دس ہزار گائیں عطا کیں۔

ا: اس منتر کے مطابق اللہ نے مامح ''رشی'' یعنی پیغمبر کو سونشک (اشرفیاں) عطا کیں۔ شت پتھ براہمن، کانڈ 12، پاٹھک 9، برہمن میں ہے کہ سونا انسان کی روحانی قوت کا استعارہ ہے، لہٰذا اس سے پیغمبر کے ایسے سو ساتھی مراد

[1] مامح کی معنویت کے بارے میں دو امکان ہیں: 1 یہ عربی زبان کے لفظ ''محمد'' (ﷺ) کا سنسکرت تلفظ ہوسکتا ہے۔ 2 ممکن ہے یہ خالص سنسکرت کا لفظ ہو۔ ایسی صورت میں یہ ''ما'' اور ''مح'' دو لفظوں کا مجموعہ ہوگا۔ ''ما'' اپنے بعد والے لفظ کے معنی کی بڑائی اور کثرت کو ظاہر کرتا ہے۔ یوں ''مامح'' کے معنی ہوں گے ''وہ شخص جس کی خوب تعریف کی جائے۔'' بعینہٖ یہی معنی لفظ ''محمد'' کے بھی ہیں۔ (محمد ﷺ: ہندو کتابوں میں، ابن اکبر الاعظمی، ص:30)

ہیں جو آزمائش کی آگ میں تپ کر بالکل کھرے ثابت ہوئے۔ یہ کیسی عجیب مطابقت ہے کہ مہاجرینِ حبشہ کی کل تعداد ایک سو ایک تھی جن میں سے ایک شخص عبیداللہ بن جحش حبشہ پہنچنے کے بعد مرتد ہوگیا۔ باقی سو افراد دین اسلام پر مرتے دم تک نہایت پختگی سے قائم رہے۔

ب: اُس کو دس ہار عطا کیے۔ اس میں یہ اشارہ موجود ہے کہ اس رسول کو دس ایسے ساتھی عطا کیے جائیں گے جو اپنی خوبیوں میں سب سے ممتاز اور خود رسول کی نظر میں سب سے اچھے اور محبوب ہوں گے۔ اس سے عشرہ مبشرہ، یعنی دس صحابہ جن کے جنتی ہونے کی بشارت اسی دنیا میں دی گئی، مراد ہیں۔ ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

1 ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ
2 عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ
3 عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ
4 علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ
5 طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ
6 زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ
7 سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ
8 سعید بن زید رضی اللہ عنہ
9 عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ
10 ابوعبیدہ عامر بن جراح رضی اللہ عنہ

ج: اللہ نے اس رسول کو تین سو تیز رو گھوڑے عطا کیے۔ گھوڑوں کے لیے لفظ ''اروَن'' استعمال کیا گیا ہے۔ ''اروَن'' ان تیز رفتار گھوڑوں کو کہا جاتا ہے جنھیں آریہ نہیں بلکہ دوسری قومیں بالخصوص عرب استعمال کرتے ہیں۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہاں جس پیغمبر کی پیش گوئی کا تذکرہ جاری ہے، وہ ہندوستان میں نہیں عرب میں ہوگا۔

بہر حال گھوڑے کا لفظ بہادری اور جوانمردی کی ترجمانی کرتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ اس پیغمبر کو تین سو جوانمرد عطا کیے جائیں گے جو میدان جنگ میں لڑائی اور دفاع میں ایک امتیازی شان کے حامل ہوں گے۔ یوں جنگِ بدر میں شریک ہونے والوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

د: آخری بات اس منتر میں یہ کہی گئی ہے کہ اس پیغمبر کو دس ہزار گائیں عطا کی گئیں۔ ایسا جملہ سیدھے سادے، نہایت شریف، بھلے مانس اور ہر طرح کی چلتر بازیوں سے محفوظ لوگوں کے لیے بولا جاتا ہے۔ اس لیے ''دس ہزار گائیں'' سے مراد ایسے پاکیزہ صفات انسان ہیں جو ہر طرح کی ہیرا پھیری سے پاک تھے۔ ایسے قدسی صفت صحابہ فتح مکہ کے موقع پر دس ہزار کی تعداد میں آپ کے ساتھ موجود تھے۔

4 تبلیغ کر اے ریبھ (احمد)! تبلیغ کر جیسے چڑیاں پکے ہوئے پھل والے درخت پر چہچہاتی ہیں۔ تیری زبان اور تیرے دونوں ہونٹ قینچی کے دونوں پھلوں کی طرح چلتے ہیں۔

سنسکرت میں ریبھ کے بالکل وہی معنی ہیں جو عربی میں احمد کے ہیں، یعنی بہت کثرت سے یا سب سے بڑھ کر

اللہ کی حمد وثنا کرنے والا۔

5 حمد کرنے والے اپنی حمدوں کے ساتھ یا نمازی اپنی نمازوں کے ساتھ طاقتور سانڈ کی طرح جنگ میں جاتے ہیں اور ان کی اولاد اپنے گھروں میں یوں مامون رہتی ہے جیسے گائے اپنے ٹھکانوں میں۔

6 اے احمد! اس کلام حکیم کو مضبوطی سے پکڑ کہ یہ گایوں اور اموال کی اساس ہے اور اسے متقیوں تک پہنچا جیسے بہادر نشانے پر تیر مارتا ہے۔

7 وہ دنیا کا سردار جو دیوتا ہے، سب سے افضل انسان ہے۔ سب لوگوں کا رہنما ہے اور تمام قوموں میں معروف ہے۔ اس کی اعلیٰ ترین تعریف کرو۔

8 اس شہرت یافتہ شخص نے گھر کی تعمیر کے دوران حکومت یا عدالت ہاتھ میں لیتے ہی ہر جانب امن اور شانتی قائم کر دی۔ یہ بات ہر شوہر اپنی بیوی کو بتا رہا تھا۔

9 اس شہرت یافتہ شخص کی حکومت میں ایک بیوی اپنے شوہر سے پوچھتی ہے کہ میں آپ کے لیے کیا لاؤں؟ دہی، لسی یا کوئی اور نشاط انگیز مشروب؟

یہ اشارہ ہے کہ اس شخص کی حکومت میں ضروریاتِ زندگی کی فراوانی ہوگی اور واقعی محمد ﷺ نے جو حکومتِ الٰہیہ قائم کی، وہ ٹھیک ٹھیک اسی حالت کی آئینہ دار تھی۔ کہاں عرب کا یہ حال تھا کہ لوگ فقر و فاقہ کے خوف سے اپنے بچوں تک کو مار ڈالتے تھے اور کہاں یہ حال ہوا کہ صدی بھی نہ گزرنے پائی تھی کہ آدمی سونے کی خیرات لے کر نکلتا مگر اُسے کوئی قبول کرنے والا نہ ملتا۔

10 ایک پکا ہوا جو (barley) گڑھے سے نکل کر آسمان تک جاتا ہے۔ اس شہرت یافتہ شخص کی حکومت میں انسان تقویٰ اور خیر کے اعتبار سے ترقی کرتا ہے۔

بالکل یہی بات قرآن مجید میں بھی بیان فرمائی گئی:

﴿ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ۝ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۭ بِاِذْنِ رَبِّهَا ۗ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ ﴾

”(اے نبی!) کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ اللہ نے کلمہ طیبہ (اسلام) کی کیسی مثال بیان کی کہ وہ ایک پاکیزہ درخت کی طرح ہے، اس کی جڑ مضبوط ہے اور شاخیں آسمان میں ہیں۔ وہ ہر وقت اپنے رب کے حکم سے اپنا پھل لاتا ہے۔ اور اللہ لوگوں کے لیے مثالیں بیان کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت پکڑیں۔“ [1]

[1] إبرٰهيم 14:24،25.

یعنی مومن کی مثال ایک درخت کی سی ہے جو گرمی ہو یا سردی، رات ہو یا دن ہر وقت پھل لاتا رہتا ہے، اسی طرح مومن کے اعمال صالحہ بھی ہر وقت دن رات آسمانوں کی طرف اُٹھائے جاتے ہیں۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَآيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّأُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقٰكُمْ ۚ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ﴾

''اے لوگو! بلاشبہ ہم نے تمھیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور ہم نے تمھارے خاندان اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ بلاشبہ اللہ کے ہاں تم میں سے زیادہ عزت والا (وہ ہے جو) تم میں سے زیادہ متقی ہے۔ بلاشبہ اللہ بہت علم والا، خوب باخبر ہے۔'' [1]

اسی طرح نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«يَا أَيُّهَا النَّاسُ! أَلَا إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ، وَ إِنَّ أَبَاكُمْ وَاحِدٌ، أَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى عَجَمِيٍّ، وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلٰى عَرَبِيٍّ، وَلَا لِأَحْمَرَ عَلٰى أَسْوَدَ، وَلَا لِأَسْوَدَ عَلٰى أَحْمَرَ إِلَّا بِالتَّقْوٰى»

''اے لوگو! آگاہ ہو جاؤ! بے شک تمھارا رب ایک ہے اور تمھارا باپ (آدم علیہ السلام) ایک ہے۔ خبردار! کسی عربی کو عجمی پر، کسی عجمی کو عربی پر، کسی سرخ کو سیاہ پر اور کسی سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت حاصل نہیں مگر تقویٰ کے ساتھ۔'' [2]

یعنی آپ ﷺ کا ارشاد گرامی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمھیں فضیلت تقویٰ کی بنیاد پر حاصل ہے، حسب و نسب کی بنیاد پر نہیں جیسا کہ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کی اور بھی بہت سی احادیث مبارکہ موجود ہیں، مثلاً: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ معزز کون ہے۔ آپ نے فرمایا:

«أَكْرَمُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاهُمْ»

''اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہے۔''

صحابہ نے عرض کی: ہم نے آپ ﷺ سے یہ بات نہیں پوچھی۔ آپ نے فرمایا:

«فَأَكْرَمُ النَّاسِ يُوْسُفُ نَبِيُّ اللّٰهِ ابْنُ نَبِيِّ اللّٰهِ ابْنِ نَبِيِّ اللّٰهِ ابْنِ خَلِيْلِ اللّٰهِ»

[1] الحجرٰت 13:49۔ [2] مسند أحمد: 411/5۔

''لوگوں میں سب سے زیادہ عزت والے یوسف (علیہ السلام) ہیں جو اللہ کے نبی ہیں، اللہ کے نبی (یعقوب علیہ السلام) کے بیٹے ہیں اور وہ اللہ کے نبی (اسحاق علیہ السلام) کے بیٹے ہیں اور وہ اللہ کے خلیل (ابراہیم علیہ السلام) کے صاحبزادے ہیں۔''

صحابہ نے عرض کی: ہم نے آپ ﷺ سے یہ بات بھی نہیں پوچھی۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا:

«فَعَنْ مَّعَادِنِ الْعَرَبِ تَسْأَلُونِّي؟»

''کیا تم مجھ سے قبائل عرب کے بارے میں پوچھتے ہو؟''

صحابہ نے عرض کی: جی ہاں، آپ نے فرمایا:

«فَخِيَارُكُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُكُمْ فِي الْإِسْلَامِ إِذَا فَقُهُوا»

''تم میں سے جو لوگ جاہلیت میں اچھے تھے، وہ اسلام میں بھی اچھے ہیں، بشرطیکہ وہ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرلیں۔''[1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ إِلٰى صُوَرِكُمْ وَ أَمْوَالِكُمْ وَلٰكِنْ يَنْظُرُ إِلٰى قُلُوبِكُمْ وَ أَعْمَالِكُمْ»

''بے شک اللہ تمھاری صورتیں اور تمھارے مال نہیں دیکھتا بلکہ وہ تو تمھارے دل اور تمھارے کام دیکھتا ہے۔''[2]

11 اللہ نے احمد کو جگایا کہ اٹھ! اور یہاں وہاں لوگوں کے پاس جا اور میری بڑائی کر، یقیناً میں ہی غالب ہوں۔ میں تجھے ساری نعمتیں دوں گا۔

12 یہاں اے گایو! یہاں اے گھوڑو! یہاں اے انسانو! ترقی کرو اور بڑھو کیونکہ فقیروں کا سہارا اور ہزاروں کی خیرات کرنے والا یہاں بیٹھا ہے۔

13 ایسا نہ ہو، اے غالب رب، کہ ان کے دشمن اور ڈاکو ان پر غلبہ پائیں۔

14 ہم تعریفی کلمات اور نہایت عمدہ کلام سے بڑے ادب کے ساتھ ایک بہادر کے گن گاتے ہیں۔ تو خوشی سے ہمارے گیت قبول فرما تاکہ ہم کبھی ہلاکت یا خسارے میں نہ رہیں۔

یہ سارے منتروں کا حُسنِ خاتمہ ہے۔ اس میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ آپ کو ماننے اور آپ ہی کے گن گانے میں کامیابی اور نجات ہے۔ بصورت دیگر ناکامی اور گھاٹا ہے۔ یہی بات اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ارشاد فرمائی ہے:

[1] صحيح البخاري: 3383,3374,3353. [2] صحيح مسلم: (34)-2564.

﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلٰمِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾

''اور جو شخص اسلام کے علاوہ کوئی اور دین تلاش کرے گا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔''[1]

ہندو اتھروید کے ان چودہ منتروں کا بہت اہتمام کرتے ہیں۔ مذہبی اجتماعات اور تقریبات کے موقعوں پر 17 سادھومل کر اسے دیر تک پڑھتے اور دہراتے رہتے ہیں۔ انھیں حکم ہے کہ ان منتروں کو اچھی طرح یاد رکھیں اور ان سے کبھی غافل نہ ہوں۔

میٹھی زبان اور قربانیوں والا محبوب

رگ وید، منڈل ایک، سوکت 13، منتر 3 میں لکھا ہے:

'नराशंसमिहप्रियमस्मिन्यज्ञ उप ह्वये ।
मधुजिह्व हविष्कृतम् ॥' —ऋग्वेदसंहिता १।१३।३॥

''اے محبوب نراشنس! میٹھی زبان اور قربانیوں والے! میں تیری قربانیوں کا وسیلہ پکڑتا ہوں۔''

یہ منتر ہندوؤں کے نزدیک بہت اہم منتروں میں سے ہے۔ اسے وہ پوجا کے دوران پڑھتے ہیں۔ ان میں نراشنس کی جو دو خصوصیات بیان کی گئی ہیں، محمد ﷺ میں یہ دونوں خصوصیات بدرجۂ اکمل موجود تھیں۔

''نراشنس'': بہت بڑا رہنما

رگ وید، منڈل ایک، سوکت 106، منتر 5 میں ہے:

'नराशंसं वाजिनं वाजयन्निह क्षयद्वीरं पूषणं सुम्नैरीमहे ।
रथं न दुर्गाद् वसवः सुदानवो विश्वस्मान्नो अंहसो निष्पिपर्तन ॥'
—ऋग्वेद १।१०६।४

''ہم عظیم نراشنس کی، جو بہت بڑا رہنما ہے، تعریف کرتے ہیں۔ اے کرم والے! تو ظاہر ہوتا کہ ہمیں گناہوں سے پاک کرے۔ اور کٹھن راستے سے ہمارا رتھ پار کردے۔''

''سورچی'' یا ''صاحب جمال''

رگ وید، منڈل 2، سوکت 3، منتر 2 میں ہے:

[1] آل عمرٰن 85:3۔

'नराशंसः प्रतिधामान्यञ्जन् तिस्रो दिवः प्रति मह्ना स्वर्चिः ।'

—ऋग्वेद संहित, २।३।२।

اس میں نراشنس کو ''سورچی'' کہا گیا ہے۔ سورچی دو لفظوں کا مجموعہ ہے۔ ایک ''سو'' جس کے معنی حسن و جمال کے ہیں۔ دوسرا ''ارچی'' جس کا مطلب ہے ایسا خوبصورت صاحبِ جمال جس کے چہرے سے نور کی شعاعیں پھوٹتی ہوں۔ محمد ﷺ کی بے مثل خوبصورتی کا یہی حال تھا۔ آپ ﷺ سب سے زیادہ خوبصورت انسان تھے۔ آپ کے چہرے سے نور کی کرنیں پھوٹتی تھیں۔

سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے چاندنی رات میں نبیِ اکرم ﷺ کو دیکھا، آپ ﷺ نے سُرخ جوڑا زیبِ تن فرما رکھا تھا۔ میں کبھی رسول اللہ ﷺ کے رُخِ زیبا کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی چاند کی طرف۔ مجھے آپ ﷺ چاند سے بھی زیادہ حسین نظر آ رہے تھے۔[1]

''کوی'' یا ''صاحبِ علم و معرفت''

رگ وید، منڈل 5، سوکت 5، منتر 2 میں ہے:

'नराशंसः सुषूदतीमं यज्ञमदाभ्यः ।
कविर्हि मधुहस्त्यः ।।' —ऋग्वेद संहिता ५।५।२।।

اس منتر میں نراشنس کو ''کوی'' کہا گیا ہے۔ کوی دو لفظوں کا مجموعہ ہے۔ ایک ''ک'' جو اللہ تعالیٰ کے لیے بولا جاتا ہے۔ دوسرا ''وی'' جو خصوصی رابطہ و تعلق کی نشاندہی کرتا ہے، لہٰذا ''کوی'' کے اشتقاقی معنی ہوں گے: ''ایسا شخص جس کا اللہ تعالیٰ سے خاص تعلق ہو۔'' یعنی وہ اللہ کا خصوصی اور مقرب بندہ ہو۔ لیکن لغت اور ویدک محاورے میں یہ لفظ حسبِ ذیل لوگوں کے لیے بولا جاتا ہے:

1 جسے اللہ تعالیٰ کی بھرپور معرفت حاصل ہو۔

2 جسے اللہ تعالیٰ نے غیب کی باتیں بتائی ہوں اور اس نے وہ باتیں لوگوں کو بتائی ہوں۔

3 جسے اللہ نے ایسا علم دیا ہو کہ وہ سب پر یہاں تک کہ فرشتوں پر بھی فوقیت لے گیا ہو۔ گویا وہ روحانی دنیا کا بادشاہ ہو۔

نبی کریم ﷺ کی سیرتِ مقدسہ میں یہ صفات اپنے کامل معنوں میں جس طرح جگمگاتی ہیں، اُس کی مثال عالمِ انسانیت میں کبھی نظر نہیں آئی۔

[1] جامع الترمذي: 2811.

دس ہزار دشمنوں کی لڑائی کے بغیر شکست

اتھروید، کانڈ 20، سوکت 21، منتر 7،6 اور 9 میں ہے:

ते त्वा मदा अमदन् तानि वृष्ण्या ते सोमासो वृत्रहत्येषु सत्पते ।
यत कारवे दश वृत्राण्यप्रति बर्हिष्मते नि सहस्राणि बर्हयः ॥ ६ ॥
युधा युधमुप घेदेषि धृष्णुया पुरा पुरं समिदं हंस्योजसा ।
नम्या यदिन्द्र सख्या परावति निबर्हयो नमुचिं नाम मायिनम् ॥ ७ ॥
त्वमेताञ्जनराज्ञो द्विर्दशाबन्धुना सुश्रवसोपजग्मुषः । षष्टिं सहस्रा
नवतिं नव श्रुतो नि चक्रेण रथ्या दुष्पदावृणक् ॥ ९ ॥
अथर्व वेद काण्ड २० । २१ । ६-७, ९

''اے سچوں کے رب! دشمن کی جنگ میں بہادروں نے اپنی بہادری اور والہانہ نغموں سے تجھے خوش کر دیا۔ جب تو نے اپنے بندے احمد کے لیے دس ہزار دشمنوں کو لڑائی کے بغیر شکست دے دی۔''

''تو ایک جنگ سے دوسری جنگ کی طرف بہادری سے جاتا ہے اور بزور قوت قلعوں پر قلعے فتح کرتا ہے۔ تو نے اے غالب وقوی! اپنے رکوع کرنے والے حبیب کے ساتھ دھتکارے ہوئے، دھوکہ باز اور عہد شکن دشمن کو جو نموچی کے نام سے مشہور ہے قتل کیا۔''

''تو نے اے غالب وقوی! محمد (ﷺ) کے نام سے معروف یتیم کے ساتھ اپنے ناقابل شکست جنگی رتھ کے ذریعے بیس سرداروں اور ساٹھ ہزار ننانوے دشمنوں کو جھنجھوڑ کر اور الٹ پلٹ کر رکھ دیا۔''

یہ آخری منتر رگ وید، منڈل ایک، سوکت 53، منتر 9 میں بھی آیا ہے۔ ان تینوں منتروں میں غزوۂ احزاب کا ذکر ہے جس میں 10 ہزار کفار نے لڑائی کے بغیر شکست کھائی۔ ''ایک جنگ سے دوسری جنگ کی طرف'' سے بنوقریظہ



مدینہ منورہ میں وہ جگہ جہاں سے غزوۂ احزاب کے موقع پر خندق کھودی گئی

کے خلاف لڑائی مراد ہے۔ اس میں دشمن کی صفات بھی بتا دی گئی ہیں ...... دھوکہ باز، عہد شکن اور نمو چی۔ ''نمو چی'' کنجوس اور بخیل کو کہتے ہیں۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ یہود دغا باز اور عہد شکن ہیں اور دنیا بھر کے بخیلوں کے امام ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے:

﴿ اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ۝ اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَاۤ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ۝ ﴾

''کیا (وہ سمجھتے ہیں کہ) انھیں بادشاہی کا کچھ حصہ ملا ہے؟ پھر تو وہ اس میں سے لوگوں کو تل برابر بھی نہیں دیں گے۔ کیا وہ اس پر لوگوں سے حسد کرتے ہیں جو اللہ نے انھیں اپنے فضل سے دیا ہے، چنانچہ ہم نے آل ابراہیم کو کتاب اور حکمت دی اور بہت بڑی بادشاہی عطا کی۔''[1]

دس ہزار جانباز صحابیوں کے ساتھ ممتاز

رگ وید، کانڈ 5، منڈل 27، منتر 1 اس طرح ہے:

अनस्वन्ता सत्पतिर्मामहे मे गावा चेतिष्ठो असुरो मघोनः ।
त्रैवृष्णो अग्ने दशभिः सहस्रैर्वैश्वानरः त्र्यरुणश्चिकेत ॥
ऋग्वेदः म० ५ । सू० २७ । १ ॥

''عظمت اور حق والے باحکمت، طاقتور اور دریا دل ''مامح'' (محمد ﷺ) نے مجھے اپنے کلام سے مشرف کیا۔ یہ رحمۃ للعالمین (ﷺ) اپنے دس ہزار جانباز اور خوبیوں والے ساتھیوں کے ساتھ ممتاز ہوا۔''

یہ فتح مکہ کی طرف اشارہ ہے۔

عرب کا عظیم مقدس شخص اور راجہ بھوج

ہندوؤں کی کتاب بھوشیا پوران کی تیسری قسم کے تیسرے کانڈ کی تیسری سرگ میں، جسے پرتی سرگ کہتے ہیں، نبی ﷺ کے بارے میں بہت صاف اور صریح پیش گوئیاں ہیں جو ویدوں کے مصنف مہارشی ویاس کے ایک مکاشفے پر مبنی ہیں۔ اس مکاشفے میں انھوں نے کچھ دیکھا اور کچھ ہندو عقیدے کے مطابق فرشتوں سے بھی سنا۔ اس سرگ کے منتر 5 تا 8 یہ ہیں:

[1] النسآء 4:53، 54۔

एतस्मिन्नन्तरे म्लेच्छ आचार्येण समन्वितः ।
महामद इति ख्यातः शिष्यशाखासमन्वितः ॥ ५ ॥
नृपश्चैव महादेवं मरुस्थलनिवासिनम् ।
गङ्गाजलैश्च संस्नाप्य पञ्चगव्यसमन्वितैः ।
चंदनादिभिरभ्यर्च्य तुष्टाव मनसा हरम् ॥ ६ ॥
भोजराज उवाच—नमस्ते गिरिजानाथ मरुस्थलनिवासिने ।
त्रिपुरासुरनाशाय बहुमायाप्रवर्तिने ॥ ७ ॥
म्लेच्छैर्गुप्ताय शुद्धाय सच्चिदानन्दरूपिणे ।
त्वं मां हि किङ्करं विद्धि शरणार्थमुपागतम् ॥ ८ ॥

''اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ ایک غیر آریہ روحانی معلم جو محامد (محمد ﷺ) کے نام سے معروف ہے، اپنے ساتھیوں کے ساتھ آیا۔''

''اس عرب کے رہنے والے عظیم مقدس شخص کی صمیم دل سے تعظیم کے لیے راجہ بھوج اٹھا اور گنگا کے پانی اور پانچوں پاک کرنے والی چیزوں سے اسے غسل دیا۔ اور اس کے آگے صندل وغیرہ کے ہدیے پیش کیے۔''

''اور اس سے راجہ بھوج نے کہا: آپ پر سلام، اے نسلِ انسانی کے فخر، اے سرزمینِ عرب کے رہنے والے اور اے شیطانوں کو مارنے کے لیے زبردست قوت دینے والے۔''

ان منتروں میں محمد ﷺ کے بارے میں بڑی روشن بشارت ہے۔ اس روحانی معلم کے ساتھ راجہ بھوج کا قصہ اس مکاشفے کے عجائبات میں سے ہے۔ بھوج ایک ہندوستانی راجہ کا نام ہے جس کے نام سے آج بھی کچھ (گجرات) کے علاقے میں بھوج نام کا ایک شہر موجود ہے۔ راجہ بھوج بھوشیا پوران کی تالیف کے صدیوں بعد حضرت محمد ﷺ کے زمانے میں ہوا۔ اس کا قصہ یہ بتایا جاتا ہے کہ وہ گجرات کے ساحلی علاقے کچھ کا حکمران تھا۔ ایک رات وہ کیا دیکھتا ہے کہ یکایک چاند کے دو ٹکڑے ہوگئے۔ اسے بڑی حیرت ہوئی۔ پنڈتوں سے پوچھا تو انھوں نے ویدوں اور پورانوں کو دیکھ کر بتایا کہ یہ آخری پیغمبر کا معجزہ ہے۔ اس نے پیغمبر کی نشانیاں پوچھیں تو انھوں نے بتایا کہ وہ ''امن والے شہر'' کی ایک گھاٹی میں دینی پیشوا کے گھر پیدا ہوگا۔ اس کا نام نراشنس (محمد) ہوگا۔ اس کے چار خلفاء اور بارہ بیویاں ہوں گی۔ اب اس نے نراشنس کا کھوج لگانا شروع کیا۔ بالآخر معلوم ہوا کہ وہ مکہ و مدینہ میں ظاہر ہوا ہے۔ وہ گھر پہنچا اور اعلان کیا کہ اس نے نراشنس (محمد) کا دین اختیار کرلیا ہے۔ گھر والے سخت ناراض ہوئے۔ انھوں نے اُسے راج پاٹ سے بے دخل کر کے اس کی رانی سمیت بن باس کر دیا۔ راجہ نے اِسی حال میں نراشنس کو

یاد کرتے ہوئے اس کے رب کی پوجا کرتے کرتے پوری زندگی بتا دی۔ [1]

کافر دشمنوں کی ہدایت اور فلاح میں مشغول شخصیت

بھوشیا پوران کے مذکورہ بالا سرگ کے 10 سے 13 منتروں میں صاحبِ مکاشفہ نے ذکر کیا ہے:

म्लेच्छैस्सुदूषिता भूमिर्वाहीका नाम विश्रुता ।
आर्यधर्मो हि नैवात्र वाहीके देशदारुणे ॥ १० ॥
बभूवात्र महामायी योऽसौ दग्धो मया पुरा ।
त्रिपुरो बलिदैत्येन प्रेषितः पुनरागतः ॥ ११ ॥
अयोनिः स वरो मत्तः प्राप्तवान्दैत्यवर्द्धनः ।
महामद इति ख्यातः पैशाचकृतितत्परः ॥ १२ ॥
नागन्तव्यं त्वया भूप पैशाचे देशधूर्तके ।
मत्प्रसादेन भूपाल तव शुद्धि प्रजायते ॥ १३ ॥

"ناپاکوں نے عرب نامی زمین میں فساد برپا کر رکھا تھا۔ وہاں آریوں کا دھرم نہ تھا۔"

"وہاں پہلے بھی ایک گمراہ کرنے والا شیطان تھا جسے میں نے ہلاک کر دیا تھا۔ لیکن اس طاقتور دشمن کا نمایندہ پھر آدھمکا۔"

"مجھ سے جس نے برہما کا لقب حاصل کیا اور محمد (ﷺ) کے نام سے مشہور ہوا، وہ ان کافر دشمنوں کی اصلاح وہدایت اور فلاح میں مشغول ہے۔"

"اے بادشاہ! احمق کافروں کے ملک نہ جا۔ میری بدولت تو یہیں پاک صاف کر دیا جائے گا۔"

محمد (ﷺ) کے بغیر کسی کی نجات نہیں ہوگی

ایک بہت بڑے ہندو گیانی (عالم) تلسی داس کی کتاب "رامائن" بہت مشہور ہے جس میں اصلاً رام کہانی درج کی گئی ہے اور ضمناً اور بھی بہت کچھ بتایا گیا ہے۔ رامائن تو بہت سی لکھی گئیں لیکن بالمیکی کی رامائن (300 ق م) شہرت پا گئی۔ اس کی زبان ناقابل فہم تھی، لہٰذا تلسی داس (1532ء تا 1623ء) نے اسے اپنے دور کی ہندی زبان میں منتقل کر دیا اور ہندوؤں کی دوسری دھارمک کتابوں سے اس میں مفید اضافے کیے۔ ان کی کتاب کا اصلی نام "رام چرت مانس" ہے مگر وہ رامائن کے نام سے مشہور ہے۔

[1] کل جگ کے انتم رشی، ڈاکٹر کانت تیواری، ص:5۔ انتم ایشوردوت، پنڈت دھرم ویداپادھیائے، ص:97 مطبوعہ دریا گنج دہلی 1927ء۔

اس میں انھوں نے ''سنگرام پوران'' کے کھنڈ 12، ادھیائے 6 کی ایک پیش گوئی کا تذکرہ اور تجزیہ کیا ہے۔ یاد رہے کہ سنگرام پوران ویدوں کے مصنف ویدویاس کی تالیف بتائی جاتی ہے۔ تلسی داس، بالمیکی کو نقل کرتے ہوئے لکھتا ہے:

यहाँ न पक्षपात कछु राखहुँ ।
वेद पुराण संत मत भाखहूँ ॥

संवत् विक्रम दोउ अनङ्गा ।
महाँकोक नस चतुर्पतङ्गा ॥
राजनीति भव प्रीति दिखावै
आपन मत सबका समझावै

सुरन चतुसुदर शतचारी
तिनको वंश भयो अतिभारी
तब तक सुंदरमाद्दिकोया
विना महामद पारन होए ।

तबसे मानहु जन्तु भिखारी
समरथ नाम एहि व्रत धारी

हर सुंदर निर्माण क होई
तुल्सी वचन सत्थ सच सोई

''یہاں میں کسی کی پاسداری نہ کروں گا، ویدوں اور پُرانوں کی روشنی میں سادھوؤں، سنتوں نے جو کچھ کہا ہے، وہی کہوں گا۔''

''وہ ساتویں صدی بکرمی میں پیدا ہوگا اور گھپ اندھیرے میں اپنے چار سورجوں کی روشنی کے ساتھ ظاہر ہوگا۔''

''اور ہر ایک کو حکمت اور سیاست سے اپنے دین کی تبلیغ کرے گا، وہ حالات کے مطابق خوشخبری بھی دے گا اور ڈرائے گا بھی۔''

''اس کے چار مقدس خلیفہ ہوں گے۔ اور ان کی تائید و مدد سے اس پر ایمان لانے والوں کی تعداد بہت ہو جائے گی۔''

’’اور جب سے اس کا دین اور اس کی بات ظاہر ہوگی تب سے محمد (ﷺ) کے بغیر کسی کی نجات نہ ہوگی۔‘‘

’’پھر اس جیسا بے مثل انسان کبھی پیدا نہ ہوگا۔ تلسی داس جو کہہ رہا ہے، وہ حق ہے اور سچ ہے۔‘‘

بعض نسخوں میں تین مزید اشعار بھی درج ہیں:

वर्ष सहस्त्र दस सुन्द्रम होई ।
तेह् के बाद न पाये कोई ।।
देश अरब में भरकता सुहाई ।
सो थल भूमि गत् सुनो खकराई ।
शम्भु समत ताकर होई ।
सुन्द्रम देश थमंत सोई ।।

’’دس ہزار سال تک رسالت کا مرتبہ پورا ہو جائے گا، پھر یہ رسالت کسی کو نہیں ملے گی۔‘‘

’’ملک عرب میں ایک ستارہ چمکے گا اور اس سرزمین کی شان قابل رشک ہوگی۔‘‘

’’اس سے خرق عادت چیزیں اور معجزے ظاہر ہوں گے اور اسے اللہ کا دوست کہا جائے گا۔‘‘

ہم غیروں کی ان دلنشین گواہیوں کو اپنے قادر مطلق پروردگار کے اس حرف آخر پر ختم کرتے ہیں:

﴿ يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شٰهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ۝ ﴾

’’اے نبی! بلاشبہ ہم نے آپ کو گواہی دینے والا، بشارت دینے والا اور ڈرانے والا (بنا کر) بھیجا ہے۔ اور اللہ کے حکم سے اس کی طرف دعوت دینے والا اور روشن چراغ (بنا کر بھیجا ہے)۔‘‘[1]

مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو:

1 Muhammad In the Hindu Scriptures, Dr. Ved Prakash Upadday.

2 Prophet Muhammad in Hindu Scriptures, Dr.Z. Haq.

3 محمد ﷺ ہندو کتابوں میں، ابن اکبر الاعظمی (الشیخ صفی الرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ)۔

4 Sacred Books of the East.

5 Muhammad ﷺ In Hindu's Sacred Books, Anwar Husain & Waqar Azeem An-Nadvi.

6 محمد رشی، مولانا ابو الوفاء ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ۔

[1] الأحزاب 33:45، 46.

پارسیوں کے صحیفے میں محمد ﷺ کا تذکرہ

پارسی مذہب دنیا کے قدیم ترین مذاہب میں سے ایک ہے۔ اس کے دو مقدس صحیفے ہیں: (1) دساتیر (2) ژند اوستا۔

دساتیر میں سے 14 ویں دستور میں نبی کریم ﷺ کے بارے میں ایک واضح پیش گوئی ہے۔ یہ دستور ساسائل (Sasanil) کے نام سے موسوم ہے:

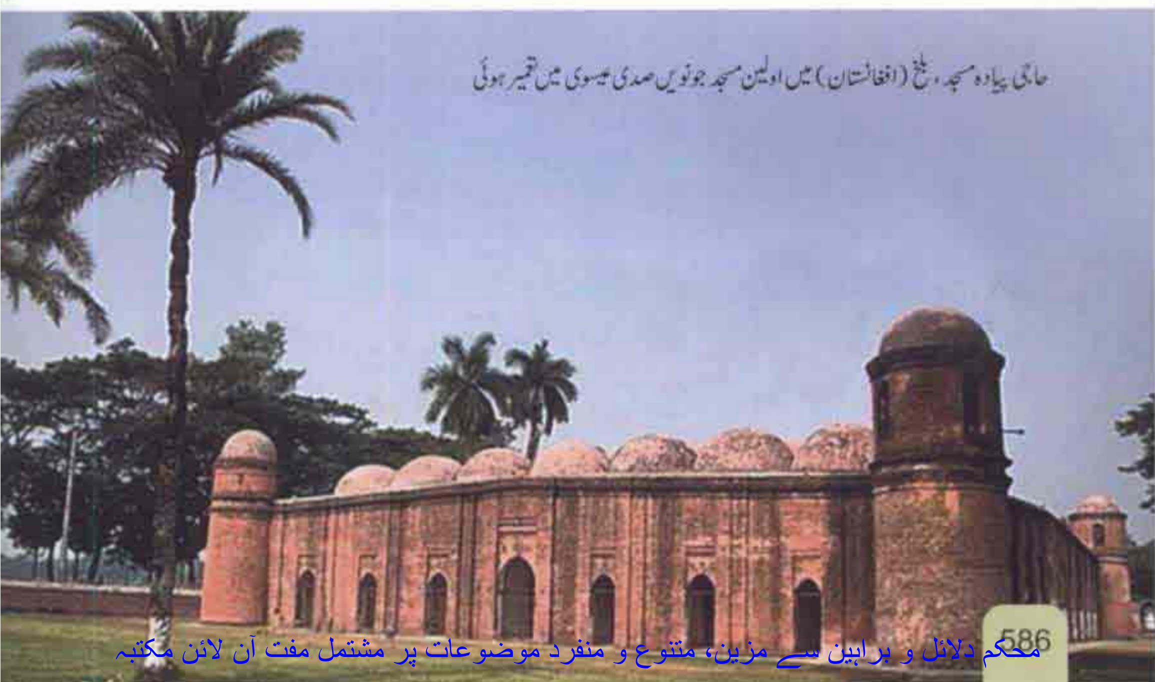
(۵۴) چم چیم کا جام کند ہز توا۔ جیام ور تاہ ہتیال ہود
❁ چون چنین کارہا کنند از تازیان مردی پیدا شود (۵۵) یو ہزار
تساہام ہو ہیرتاک و نیرتاک وسمیراکت و امیراکت
سرویم ارتد ❁ کہ از پیروان او دیہیم وتخت وکشور وآئین ہمہ
راوتد (۵۶) وہوند ہرورکتام تیودام ❁ دشوندہ
کسان زیر دستان (۵۷) بیرن فرشای نیمار وسیمارکسوار
آبادلی جوار ہدہ نیوستا ❁ بینند بجای پیکرگاہ آذر
کدہ جاہ آباد پیکر شدہ نماز برون سو ❁ خانہ کردہ تازیان آن
را یک ابا ورزان ساختہ آباد است ودران پیکرہای اختران بودہ گویند سوی
خانہ نماز برون سو بردارندہ از و پیکرہا (۵۸) وہورد ہوش یا
ششنشور ❁ وفراآب شود (۵۹) وتدرابند شای
سیمارام مدیر داتورام ہام ونیخود دنیواک و شایام
شمناد ❁ ویارستانند جای آتشکدہ ہای مداین وگردہای آن
وتوس بلخ وجاہای بزرگ (۶۰) وہاییم ہار ہتیام درتاہ یامد

مرتال وسمین ہودم ہن بلزیدہ ﷺ وآبین گرایسان مردے
باشد سخور وسخن اوذرہم جیبدہ (۶۱)

"When the Persians should sink so low in morality, a man will be born in Arabia whose followers will upset their throne, religion and everything. The mighty stiff-necked ones of Persia will be overpowered. The house of the Arabs which was built in desert and in which many idols have been placed will be purged of idols, and people will say their prayers facing toward it. His followers will capture the towns of the Parsis, Tus and Balkh and other big places round about. People will embroil with one another. The wise men of Persia and others will join his followers.

''جب اہلِ فارس کی اخلاقی حالت انتہائی پست ہوجائے گی، تب عرب میں ایک شخص کا ظہور ہوگا، جس کے پیروکار پارسیوں کے تخت، مذہب بلکہ ہر چیز کو تہ و بالا کردیں گے۔ پارس کے اکڑی گردنوں والے متکبر لوگ مغلوب ہوجائیں گے۔ وہ گھر جس میں بہت سے بت رکھ دیے گئے ہیں، اُسے بتوں سے پاک کردیا جائے گا۔ لوگ اُس کی طرف منہ کرکے نماز ادا کریں گے۔ اُس کے پیروکار پارسیوں کے شہروں طوس، بلخ اور دیگر بڑے مقامات کو اپنے قبضے میں لے لیں گے۔ لوگ ایک دوسرے سے اختلاف کریں گے۔ فارس کے عقلمند اور دوسرے لوگ اُس کے پیروکاروں کے ساتھ مل جائیں گے۔''[1]

[1] The Religion of All Prophtets, Begum Aisha Bowany WAQF, Karachi (Pakistan).



حاجی پیادہ مسجد، بلخ (افغانستان) میں اولین مسجد جو نویں صدی عیسوی میں تعمیر ہوئی

ایرانی پیش گوئی اور دستورِ اعظم کا خواب

مولانا ظفر علی خان علامہ مسعودی کی التنبیہ والإشراف کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''سن 226ء میں جب ساسانی سلطنت کی بنیاد رکھی گئی تو یہ پیش گوئی زبان زدِ خلائق تھی کہ زردشت سے ایک ہزار سال بعد دینِ زردشتی (مجوسیت) فنا ہو جائے گا اور اس کے ساتھ سلطنتِ ایران بھی مٹ جائے گی۔ اردشیر بابکان



اصطخر (فارس) میں اردشیر بابکان کے محل کے کھنڈر

نے یہ دیکھ کر کہ پیش گوئی کی میعاد پوری ہونے میں کم و بیش ڈیڑھ سو سال باقی رہ گئے ہیں، اصلی مُدّت میں سے تین صدیاں گھٹا دیں۔ یوں ظاہر بینوں کو نظر آنے لگا کہ زردشت کو گزرے 566 سال ہی ہوئے ہیں اور اردشیر نے یہ سمجھ کر دل خوش کر لیا کہ اس کے خاندان کی مدت حیات بقدر تین صدی کے بڑھ جائے گی۔ عجیب بات ہے کہ اردشیر کا یہ داؤ چل گیا اور حکومت اس کے خاندان میں 434 (دراصل 425) سال رہ کر بعہد خلافتِ عثمانی 652ء میں آخری ساسانی تاجدار یزدگرد [1] کے قتل پر ختم ہوگئی۔ [2]

حقائق غیبیہ کے مغربی منکرین تاریخی پیشین گوئیوں کو پورا ہوتے دیکھ کر ان کی ناقابلِ انکار ملہمانہ صداقتوں کی تاویل اپنی اس گھسی پٹی فلسفیانہ دلیل سے کرنے کے خوگر ہیں کہ ہر پیشین گوئی کے اندر، خواہ وہ کیسی ہی مہمل اور لغو کیوں نہ ہو، اپنی تکمیل کی طبعی استعداد موجود ہوتی ہے، اس لیے کہ خوش اعتقاد لوگ اپنی متفقہ مساعی سے اس کی

[1] یزدگرد 31ھ/651ء میں قتل ہوا جبکہ اس کی عمر اننالیس سال تھی۔ (اٹلس فتوحات اسلامیہ، ص:464) [2] دیکھیے جلد1، سلطنتِ ایران۔

تصدیق کے سامان خود پیدا کر دیتے ہیں لیکن جو لوگ معاملاتِ انسانی میں تصرفاتِ یزدانی کے قائل ہیں، خوب جانتے ہیں کہ خاصانِ خدا کی بشارتیں از قبیلِ مقدرات ہیں جو کسی طرح ٹل نہیں سکتیں۔ کار فرمایانِ قضا و قدر انسانی جدوجہد کو ان کی تکمیل کا ذریعہ ضرور قرار دیتے ہیں لیکن یہ جدوجہد اپنی نوعیت کے اعتبار سے اضطراری ہوتی ہے اور صرف اسی حالت میں بروئے کار آتی ہے جبکہ پیشین گوئی الہامی الاصل ہو۔

''جس پیش گوئی کا حوالہ مسعودی نے دیا ہے، اس کی تاریخی اور الہامی حیثیت کے آگے ہمیں بے اختیار سرِ تسلیم جھکانا پڑتا ہے۔ اس کے تاریخی الاصل ہونے پر خود اردشیر کی تحریف گواہ ہے۔ رہا اس کے مآخذ کا الہامی ہونا، سو اس کا ثبوت اس کی حیرت انگیز تکمیل میں موجود ہے۔ سوال صرف اتنا رہ جاتا ہے کہ اس کی تصدیق کو اردشیر کے تصرف کی احتیاج کیوں ہوئی؟ اس کا جواب اس آسمانی فقرے میں موجود ہے:

﴿ وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۖ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝ ﴾

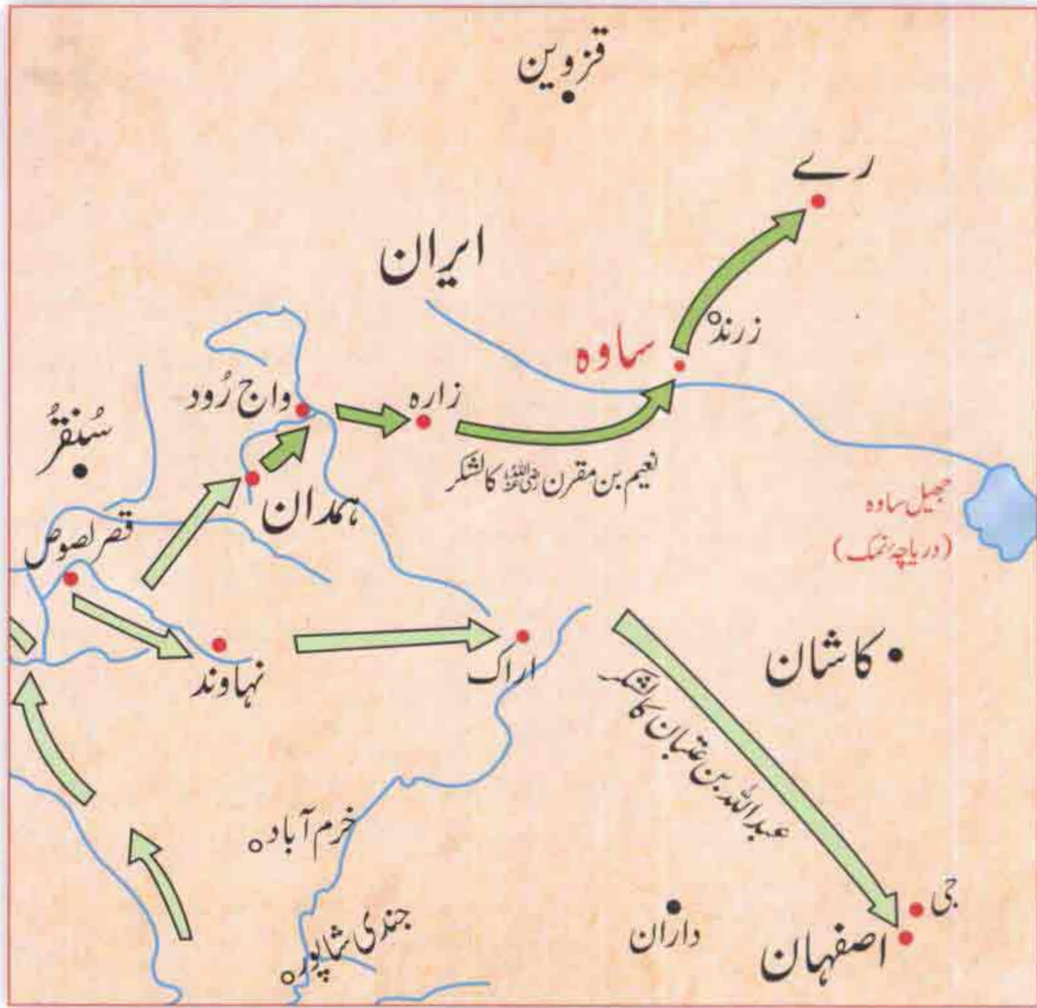
''اور انھوں نے خفیہ تدبیر کی اور اللہ نے بھی خفیہ تدبیر کی اور اللہ سب تدبیر کرنے والوں سے بہتر ہے۔''[1]

ضرور ہے کہ اصل پیشین گوئی کا زمانہ ہزار سال کے بجائے وہی رہا ہو جس کے پورا ہونے پر اس کی تصدیق ہوئی لیکن مرورِ زمان سے لوگوں کی زبان پر آسانی کے خیال سے ہزار کا لفظ رہ گیا ہو اور اردشیر نے اس مدت میں قطع و برید کر کے نادانستہ طور پر منشائے آسمانی پورا کر دیا ہو۔

''حضور سرورِ کائنات ﷺ کی ولادت باسعادت کی کیفیت سپردِ قلم کرتے ہوئے اسلامی سیرت نگاروں نے جن آسمانی نشانات کے ظہور کا ذکر کیا ہے، وہ بھی اگر ذرا غور سے دیکھا جائے تو اسی پرانی پیشین گوئی کے سلسلۂ دراز کے آخری حلقے ہیں۔ مشہور ہے کہ جس رات پہلوئے آمنہ سے وہ نورِ قدسی ہویدا ہوا جس کی عالم تاب تجلیاں عرب و عجم کی ظلمتوں کو بکھیرنے والی تھیں تو نوشیرواں کے محل کے چودہ کنگرے ایک زلزلے کے آنے سے گر پڑے۔ آتش کدۂ فارس جو برابر ایک ہزار سال سے روشن چلا آتا تھا، یک بیک بجھ گیا۔ ساوا کی جھیل جو رَے اور ہمدان کے درمیان واقع ہے، خود بخود خشک ہو گئی اور مجوسیوں کے دستورِ اعظم[2] نے خواب میں دیکھا کہ عربی اونٹ گھوڑے دجلہ کے پار اُتر اُتر کر ایران کی مغربی سرزمین کو اپنے سموں اور ٹاپوں سے پامال کر رہے ہیں۔ نوشیرواں نے ان فوق العادت نشانات سے خوفزدہ ہو کر جب ایک کہن سال مسیحی راہب سے جو بادیۂ شام کے کنارے رہتا تھا، ان کی تعبیر پوچھی تو اسے یہ پریشان کن جواب ملا کہ جب لکھے پڑھوں کی کثرت ہو جائے گی اور وہ شخص آجائے گا جس کے ہاتھ میں عصا ہوگا

[1] آل عمرٰن 54:3. [2] صاحب مسند، وزیر، مشیر۔ (فرہنگ فارسی عمید: 1128/2)

(حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ مراد ہیں) تو وادی ساوا میں حملہ آور افواج کا ہجوم ہوگا، دریائے ساوا[1] سوکھ جائے گا اور مقدس آتش بہرام بجھ جائے گی، البتہ ان کنگروں کی تعداد کے لحاظ سے جو کسریٰ کے محل سے گر پڑے ہیں، چودہ تاجدار ایران پر حکومت کریں گے جس کے بعد اس کی حکومت کا خاتمہ ہو جائے گا۔''[2]



عہد فاروقی میں وادی ساوہ اور بقیہ ایران کی فتوحات

[1] فارسی میں ''دریا'' کے معنی ہیں ''سمندر، بحیرہ (Sea)، بحر (Ocean)۔'' یہاں ''دریائے ساوا'' سے مراد جھیل ساوا ہے اگرچہ جدید فارسی میں ''جھیل'' (Lake) کے لیے لفظ ''دریاچہ'' استعمال ہوتا ہے۔ [2] ''غلبۂ روم''، ص:86-88 از مولانا ظفر علی خاں بحوالہ سیرۃ ابن ہشام۔

اعلام، اماکن، قبائل و اقوام اور متفرق مضامین

(بہ اعتبار حروف تہجی)

اعلام

ابن ابی شیبہ (159-235ھ / 776-849ء): ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ عبسی کوفی امام احمد کے ہم عصر تھے۔ حافظ حدیث تھے۔ ان کی کتابوں میں المسند اور المصنف بہت مشہور ہوئیں۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ المصنف کے بارے میں کہتے ہیں: اس سے پہلے اور اس کے بعد کسی نے اس طرح کی کتاب نہیں لکھی۔ (سير أعلام النبلاء: 122/11، البداية والنهاية (محقق): 139/11، الأعلام: 118,117/4)

ابن اثیر (555-630ھ/1160-1233ء): عزالدین ابوالحسن علی بن محمد بن محمد بن عبدالکریم جزری، معروف بہ ابن اثیر رحمہ اللہ مشہور اسلامی مؤرخ ہیں۔ ان کی کتاب الکامل في التاریخ اسلامی تاریخ میں ایک مستند مرجع کی حیثیت رکھتی ہے۔ آپ کی ولادت جزیرۂ ابن عمر میں ہوئی جو آج کل ترکی کی حدود میں واقع ہے۔ آپ نے حصول علم کے لیے کوفہ، عراق، دمشق وغیرہ کا سفر کیا۔ الکامل کے علاوہ آپ کی مشہور تصانیف میں أسدالغابة في معرفة الصحابة اور اللباب في تهذيب الأنساب بھی شامل ہیں۔ آپ موصل میں فوت ہوئے۔ (سير أعلام النبلاء: 353/22-356، معجم المؤلفين: 229,228/7)

ابن الندیم (438ھ/1047ء): ابوالفرج محمد بن اسحاق بن محمد بن اسحاق بن ابی یعقوب الندیم بغدادی الوراق، کتابیں فروخت کرتے تھے۔ معتزلہ اور شیعہ کے افکار کے حامل تھے۔ یہ کتاب الفہرست کے مؤلف ہیں۔ انھوں نے یہ کتاب جوانی کی عمر میں لکھی تھی۔ التشبیہات کے نام سے بھی ان کی ایک کتاب مشہور ہے، ابن حجر نے ان کے تشیع کی وجہ سے ضعیف راویوں کو قوی کرنے اور ثقہ راویوں کو ضعیف قرار دینے اور اہل سنت کو حشویہ کہنے کا حوالہ دیا ہے۔ (لسان الميزان: 80/5، الأعلام: 29/6)

ابن تیمیہ (661-728ھ / 1263-1328ء): شیخ الاسلام ابوالعباس تقی الدین احمد بن عبدالحلیم بن عبدالسلام نمیری حرانی دمشقی رحمہ اللہ امام ابن تیمیہ کے نام سے مشہور ہیں۔ وہ حران میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد کے ساتھ دمشق گئے اور وہیں تعلیم حاصل کی۔ مصر کا سفر کیا۔ یہاں مخالفین کی سازشوں اور شرارتوں کی وجہ سے کچھ عرصہ قید رہے، پھر اسکندریہ چلے گئے۔ 717ھ میں واپس دمشق آئے، یہاں بھی دو مرتبہ قید و بند کا سامنا کرنا پڑا۔ قلعہ دمشق میں قید کی حالت میں وفات پائی۔ سارے اہل دمشق نے جنازے میں شرکت کی۔ ان کی ایک زندگی میں کئی زندگیاں جمع ہوگئی تھیں۔ وہ جامع جہات اور جامع حیثیات شخصیت تھے۔ مختلف علوم وفنون کے امام تھے۔ قلم کے ساتھ ساتھ تلوار کے بھی دھنی تھے۔ انھوں نے اعلیٰ پائے کی کتابیں لکھیں جن میں الفتاوىٰ اور الإيمان بہت مشہور ہیں۔ ان کی کتابوں کی تعداد تین سو تک ہے۔ (الدرر الكامنة: 144/1، البداية والنهاية (محقق): 210/16، الأعلام: 144/1)

ابن جوزی (508-597ھ/1114-1201ء): ابوالفرج جمال الدین عبدالرحمن بن علی بن محمد بن علی قرشی تیمی رحمہ اللہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نسل سے ہیں۔ آپ بغداد میں پیدا ہوئے۔ بغداد کے محلّہ جوز کی طرف نسبت کی وجہ سے جوزی کہلائے۔ ابن جوزی عظیم مؤرخ، مفسر، محدث، خطیب اور ادیب تھے۔ آپ کی تصنیفات میں تفسیر زادالمسیر، تلقیح فهوم أهل الأثر، تلبیس إبلیس، المنتظم اور صید الخاطر بہت مشہور ہیں۔ (سیر أعلام النبلاء: 365/21-384، البدایة والنهایة: 31/13-33، وفیات الأعیان: 140/3)

ابن حبان (273-354ھ/886-965ء): ابو حاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان بن معاذ بن معبد تمیمی دارمی رحمہ اللہ ابن حبان کے نام سے مشہور ہوئے۔ حدیث، تاریخ، جرح و تعدیل اور جغرافیہ میں مہارت رکھتے تھے۔ بُست (خراسان) میں پیدا ہوئے۔ حصول علم کے لیے خراسان، شام، مصر، عراق اور الجزیرہ کا سفر کیا۔ آپ نے تقریباً دو ہزار علماء سے مختلف علوم سیکھے۔ آپ کی بہت سی تصنیفات ہیں جن میں صحیح ابن حبان اور روضة العقلاء بہت مشہور ہوئیں۔ (سیر أعلام النبلاء: 92/16-104، الأعلام: 78/6)

ابن حبیب (174-238ھ/790-853ء): ابومروان عبدالملک بن حبیب بن سلیمان بن ہارون سلمی رحمہ اللہ اندلس کے شہر البیرہ میں پیدا ہوئے۔ بنوسلیم سے تعلق ہے۔ اندلس کے بہت بڑے عالم اور فقیہ ہیں۔ قرطبہ میں رہے، پھر مصر کا سفر کیا۔ کچھ عرصہ بعد قرطبہ واپس چلے گئے، پھر علم و ادب اور تاریخ کی نوشت وخواند میں مصروف رہے۔ آپ کی تصنیفات ایک ہزار سے زیادہ بیان کی جاتی ہیں۔ ان میں سے طبقات الفقهاء اور تفسیر الموطأ بہت مشہور ہیں۔ (میزان الاعتدال: 652,653/2، سیر أعلام النبلاء: 102/12-108)

ابن حزم (384-456ھ/994-1064ء): ابومحمد علی بن احمد بن سعید بن حزم شافعی اندلسی ظاہری رحمہ اللہ اندلس کے شہر قُرطبہ میں پیدا ہوئے اور ''لَبْلَہ'' میں وفات پائی۔ حدیث، نسب اور ادبی علوم کے ساتھ ساتھ فنِ مناظرہ کے ماہر تھے۔ المحلّٰی، الإحکام في أصول الأحکام، جمهرة أنساب العرب اور الملل والنحل جیسی وقیع علمی کتابیں لکھیں۔ (معجم الأدباء: 546/3-556، وفیات الأعیان: 325/3-330، سیر أعلام النبلاء: 184/18-212)

ابن سیدالناس (671-734ھ/1273-1334ء): ابوالفتح فتح الدین محمد بن محمد بن محمد بن احمد بن سیدالناس یعمری ربعی رحمہ اللہ مشہور مؤرخ اور ادیب ہیں۔ ان کے والدین اشبیلیہ سے ترک وطن کر کے مصر آئے تھے۔ فتح الدین محمد کی ولادت اور وفات قاہرہ میں ہوئی۔ سیرت طیبہ کے موضوع پر ان کی کتاب عیون الأثر مشہور ہے۔ (البدایة و النهایة: 178/14، الأعلام: 34/7)

ابن عائذ (150-233ھ/767-847ء): ابوعبداللہ محمد بن عائذ بن عبدالرحمن قرشی دمشقی رحمہ اللہ قریش کے مولی ہیں۔ خلیفہ مامون کے زمانے میں شام کے تحصیلدار برائے خراج تھے۔ ثقہ اور حافظ حدیث تھے۔ قدریہ کے افکار سے متاثر تھے۔ ان میں تشیع کا اثر بھی موجود تھا۔ ان کی کتابوں میں سے المغازي والسیر اور الصوائف بہت مشہور ہیں۔ زلزلے کی زد میں آ کر وفات پائی۔ (سیر أعلام النبلاء: 104/11-107، شذرات الذهب: 78/2، الأعلام: 179/6)

ابن عباس: عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس رضی اللہ عنہ کے سب سے بڑے بیٹے تھے۔ ان کی والدہ کا نام لبابہ کبریٰ بنت حارث ہے۔ وہ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی خالہ تھیں۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ ہجرت سے تین یا پانچ برس پہلے پیدا ہوئے۔ اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کا خاندان شعب ابی طالب میں محصور تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہیں عبداللہ کو جنم گھٹی دی۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ بہت بڑے فقیہ بنے۔

نبی کریم ﷺ کی وفات کے وقت ان کی عمر تیرہ یا پندرہ سال تھی۔ وہ آخری عمر میں نابینا ہوئے اور 68ھ میں 71 سال کی عمر پا کر طائف میں فوت ہوگئے۔ (أسد الغابة: 3/8-10، الإصابة: 4/121-131)

ابن عساکر (499-571ھ/1105-1176ء): ابوالقاسم علی بن ابو محمد حسن بن ابوالحسن ہبۃ اللہ بن عبداللہ بن حسین دمشقی رحمہ اللہ ابن عساکر کے نام سے مشہور ہیں۔ دمشق میں پیدا ہوئے۔ حصولِ علم کے لیے عراق، حجاز، خراسان اور آذر بائیجان کا سفر کیا۔ آپ کی ممتاز تالیف تاریخ دمشق الکبیر 80 جلدوں میں ہے۔ (وفیات الأعیان: 3/309-311، البدایة و النهایة: 12/314)

ابن فارس (م: 289ھ/902ء): ابوالفضل جعفر بن احمد ابن فارس رحمہ اللہ عظیم محدث تھے۔ مکہ، بصرہ، رَے اور اصفہان میں رہے۔ کرخ (بغداد) میں وفات پائی، کئی کتابیں تحریر کیں۔ ان کی ایک کتاب بعنوان أحادیث و فوائد منتقاة من کتاب الذکر مشہور و معروف ہے۔ (الأعلام: 2/121)

ابن ماکولا (421-475ھ/1030-1082ء): ابونصر علی بن ہبۃ اللہ بن علی بن جعفر رحمہ اللہ، ابودلف العجلی کی نسل سے تھے۔ سعد الملک کے لقب سے مشہور تھے۔ یہ دراصل اصفہان کے مضافات جربازقان کے باشندے تھے، بغداد کے قریب عکبرا میں پیدا ہوئے۔ حصول علم کے لیے شام، مصر، جزیرہ عرب، ماوراء النہر اور خراسان کا سفر کیا۔ نسابوں اور مؤرخین میں شمار ہوئے۔ ان کی کتابوں میں سے الإکمال بہت مشہور ہوئی۔ انھیں ان کے غلام نے مال کی طمع کی بنا پر خوزستان میں قتل کر دیا۔ (سیر أعلام النبلاء: 18/569، الأعلام: 5/30)

ابوالحسن علی ندوی: ابوالحسن علی بن عبدالحی بن فخر الدین حسنی ندوی رحمہ اللہ بریلی (بھارت) کے گاؤں تکیہ میں 1913ء میں پیدا ہوئے۔ ندوۃ العلماء اور دارالعلوم دیوبند سے تعلیم حاصل کی۔ انھیں عربی زبان و ادب میں مہارت تامہ حاصل تھی۔ 1934ء میں ندوۃ العلماء میں مدرس مقرر ہوئے۔ مختلف تحریکوں اور اسلامی مراکز کی بنیاد رکھی۔ میڈیا میں بھی متحرک تھے۔ بھارتی مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے ہمیشہ سرگرم عمل رہے۔ مختلف ممالک کے سفر کیے اور سفرنامے لکھے۔ وہ اسلامی ممالک کے متعدد علمی مراکز کے رکن تھے۔ انھیں کئی ممالک کی طرف سے علمی خدمات پر ایوارڈ دیا گیا۔ 1999ء میں اپنے آبائی گاؤں میں وفات پائی۔ وہ اعلیٰ پائے کی بہت سی علمی کتابوں کے مصنف ہیں۔ (وکی پیڈیا انسائیکلوپیڈیا)

ابوالحکم تنوخی: ابوالحکم تنوخی سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ امام ابن ابی حاتم الرازی نے اپنی تصنیف ''الجرح والتعدیل'' میں اور امام ابن الاثیر نے ''اسد الغابۃ'' میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ (الجرح والتعدیل: 9/358، أسد الغابة: 5/182)

ابوالفتح ازدی (م: 367ھ/977ء): ابوالفتح محمد بن الحسین بن احمد بن عبداللہ بن بریدہ ازدی موصلی رحمہ اللہ حافظ حدیث تھے۔ ان کی بیان کردہ روایات میں غرائب اور مناکیر موجود ہیں۔ ان پر تشیع کا الزام بھی ہے۔ ان کی کتاب الضعفاء بہت مشہور ہے۔ ان کی پیدائش اور وفات موصل میں ہوئی۔ (سیر أعلام النبلاء: 16/347-350، الأعلام: 6/98)

ابوبراء عامر بن مالک (م: 10ھ/631ء): ابوبراء عامر بن مالک بن جعفر بن کلاب بن ربیعہ بن صعصعہ قیسی مضری بنو قیس کا سردار تھا۔ اسے مُلاعِبُ الأَسِنَّہ (نیزوں سے کھیلنے والا) کہتے تھے۔ یہ عرب کا نامور بہادر تھا۔ اس نے اسلام کا زمانہ پایا اور رسول اللہ ﷺ سے تبوک میں ملاقات بھی کی لیکن اس کے مسلمان ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ (الإصابة: 3/485-487،

أسد الغابة: 528,527/2، الجمهرة لابن الكلبي، ص: 318، الجمهرة لابن حزم، ص: 285)

ابوحذیفہ بن مغیرہ: ولید بن مغیرہ کے بھائی ابوحذیفہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم کا نام مہشم تھا۔ اس کے دو بیٹے تھے: ہشام اور ابوامیہ (حذیفہ)۔ ہشام رضی اللہ عنہ مسلمان ہوگئے اور ہجرت حبشہ میں شرکت کی جبکہ ابوامیہ غزوۂ احد میں مارا گیا۔ (الجمهرة لابن حزم، ص: 146، أنساب الأشراف: 110/1)

ابوسعد نیشاپوری (م 406ھ): ابوسعد امام عبدالملک بن ابوعثمان محمد بن ابراہیم خرکوشی نیشاپوری فقیہ، عابد و زاہد اور نیک لوگوں کی ہم نشینی اختیار کرنے والے تھے۔ انھوں نے عراق کا سفر کیا اور وہاں بہت سے مشائخ سے علم حاصل کیا، پھر حجاز کا بھی سفر کیا۔ بہت سی کتابیں تحریر کیں جن میں سے شرف المصطفیٰ مشہور ہے۔ (شرف المصطفیٰ: 21-9/1)

ابوطفیل عامر بن واثلہ لیثی رضی اللہ عنہ (3-107ھ/625-725ء): یہ غزوہ احد کے دن پیدا ہوئے۔ بنوکنانہ کے شاعر اور شاہسوار تھے۔ آپ کا شمار معمر صحابہ میں ہوتا ہے۔ آپ نے عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے زمانے میں مکہ میں وفات پائی۔ صحابہ میں سب سے آخر میں فوت ہوئے۔ آپ سے 19 حدیثیں مروی ہیں۔ (أسد الغابة: 19,18/5، الإصابة: 193/7، سير أعلام النبلاء: 467/4، الأعلام: 256,255/3)

ابوقتادہ انصاری (18 قبل ہجرت - 54ھ): ابوقتادہ حارث بن ربعی بن بلدمہ بن خناس خزرجی انصاری سلمی رضی اللہ عنہ کے نام کے بارے میں اختلاف ہے۔ وہ اپنی کنیت سے مشہور ہیں، انھیں فَارِسُ رَسُولِ اللّٰہ بھی کہا جاتا تھا۔ غزوۂ احد اور اس کے بعد سارے غزوات میں شریک رہے۔ علی رضی اللہ عنہ نے انھیں مکہ کا گورنر مقرر کیا۔ وہ سانحۂ صفین میں علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ (الاستيعاب، ص: 833، أسد الغابة: 373/5، الإصابة: 272/7، الأعلام: 154/2)

ابوموسیٰ (501-581ھ/1108-1185ء): ابوموسیٰ محمد بن ابوبکر عمر بن ابوعیسیٰ احمد بن عمر اصفہانی مدینی رحمہ اللہ اصفہان میں پیدا ہوئے۔ وہیں وفات پائی۔ ان کا شمار حفاظ محدثین میں ہوتا ہے۔ حصول علم کے لیے بغداد اور ہمدان کا سفر کیا۔ ان کی تصنیفات میں الطوالات اور عوالي مشہور ہیں۔ (سير أعلام النبلاء: 21/152-159، وفيات الأعيان: 286/4)

ابونُعیم اصفہانی (336-430ھ/948-1038ء): ابونُعیم احمد بن عبداللہ بن احمد الاصبہانی (اصفہانی) رحمہ اللہ حافظ حدیث، مؤرخ اور روایتِ حدیث میں ثقہ امام تھے۔ اصفہان میں پیدا ہوئے اور وہیں وفات پائی۔ دلائل النبوة اور حلية الأولياء ان کی مشہور کتابوں میں سے ہیں۔ (وفيات الأعيان: 91/1، ميزان الاعتدال: 112,111/1)

ابووہب بن عمرو بن عائذ مخزومی: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد عبداللہ کے ماموں تھے۔ عبداللہ کی والدہ کا نام فاطمہ بنت عمرو تھا جو ابووہب بن عمرو کی ہمشیرہ تھیں۔ (الجمهرة لابن حزم، ص: 141)

ابوہالہ بن زُرارہ بن نبّاش: ابوہالہ بن زرارہ بن نباش ابن عدی بن حبیب بن صُرد بن سلامہ بن جروہ ابن اسید بن عمرو بن تمیم تمیمی، خدیجہ رضی اللہ عنہا کے خاوند تھے۔ ان کا صحابی ہونا درست نہیں کیونکہ یہ بعثت نبوی سے پہلے ہی فوت ہوگئے تھے۔ (أسدالغابة: 260/5)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ: راجح قول کے مطابق آپ کا نام عبدالرحمٰن بن صخر دوسی اور کنیت ابوہُریرہ ہے۔ فتح خیبر کے سال محرم 7 ہجری میں مسلمان ہوئے۔ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تحصیل و تدریس کا اس قدر شوق تھا کہ اسی منزل تمنا کو مقصدِ حیات بنالیا۔ امام بخاری فرماتے ہیں:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے صحابہ و تابعین میں سے آٹھ سو سے زیادہ افراد نے احادیث روایت کیں۔ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں آپ رضی اللہ عنہ ہی کو علی الاطلاق سب سے زیادہ حدیثیں حفظ تھیں۔ ان کی روایت کردہ احادیث کی تعداد 5374 ہے۔ آپ عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بحرین کے گورنر رہے۔ مروان بن حکم کے دور میں مدینہ کے گورنر مقرر ہوئے۔ مدینہ منورہ ہی میں 57، 58 یا 59ھ میں 78 برس کی عمر میں رحلت فرما گئے۔ ولید بن عتبہ بن ابوسفیان نے نماز جنازہ پڑھائی۔ بقیع الغرقد میں مدفون ہیں۔ (أسد الغابة: 5/119-121، الإصابة: 7/348-362، تاریخ دمشق الکبیر: 71/275)

ابی بن کعب (م: 21ھ / 642ء): ابوالمنذر ابی بن کعب بن قیس بن عبید نجاری خزرجی انصاری رضی اللہ عنہ یہود کے بڑے عالم دین (حبر) تھے۔ انھوں نے سابقہ ادیان کی کتابوں کا وسیع مطالعہ کیا تھا۔ مسلمان ہونے کے بعد کاتبین وحی میں شمار ہوئے۔ سارے غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں فتویٰ دیتے تھے۔ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے جمع القرآن کی ٹیم میں انھیں بھی شامل کیا۔ کتب احادیث میں ان سے 164 احادیث مروی ہیں۔ مدینہ میں وفات پائی۔ (الاستیعاب، ص: 72، أسد الغابة: 1/57، الإصابة: 1/180، الأعلام: 1/82)

اخنس بن شریق: ابوثعلبہ اخنس بن شریق بن عمرو بن وہب بن علاج ثقفی رضی اللہ عنہ بنو زہرہ کے حلیف تھے۔ اصل نام اُبَی تھا۔ یہ مؤلفۃ القلوب میں شمار ہوتے ہیں۔ جنگ حنین میں شریک ہوئے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خلافت کی ابتدا میں وفات پا گئے۔ ان کا اور ابوجہل کا قرآن سننے کا واقعہ مشہور ہے۔ ان کے مسلمان ہو کر مرتد ہونے اور پھر مسلمان ہو جانے سے ان کی صحابیت مجروح نہیں ہوتی۔ علماء کی بڑی تعداد نے انھیں صحابہ میں شمار کیا ہے۔ (أسد الغابة: 1/55,56، الإصابة: 1/192)

ازرقی (م: 244ھ / 855ء): ابوالولید محمد بن عبداللہ بن احمد بن محمد بن ولید بن عقبہ بن ازرق رحمہ اللہ یمانی الاصل ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ان کا نسب عمالقہ سے ملتا ہے جو مکہ کے مشہور مؤرخ ہیں۔ تاریخ مکہ کے متعلق سب سے پہلی کتاب انھی کی ہے جس کا نام تاریخ مکة یا أخبار مکة ہے۔ (تاریخ مکة: 1/15-13)

الاعشیٰ (م: 7ھ / 629ء): ابوبصیر میمون بن قیس بن جندل قیسی وائلی کا تعلق بنوبکر بن وائل سے تھا۔ اسے اعشیٰ کبیر بھی کہا جاتا ہے۔ جاہلی شعراء کے طبقہ اولیٰ کا شاعر تھا۔ اس کا قصیدہ سبعہ معلقات میں شامل ہے۔ آنکھوں کی کمزوری کی وجہ سے اسے اعشیٰ کہتے تھے۔ وہ آخری عمر میں نابینا ہو گیا۔ منفوحہ (یمامہ) میں پیدا ہوا اور وہیں وفات پائی۔ اسلام کا زمانہ پایا مگر اسلام قبول نہیں کیا۔ اس کے شعر ایک دیوان میں جمع کیے گئے ہیں جو الصبح المنیر في شعر أبي بصیر کے نام سے معروف ہے۔ (الأعلام: 7/341، کتاب الأغاني: 8/74-84)

البیرونی: ابوالریحان محمد بن احمد البیرونی، 973ء میں خوارزم (ازبکستان) کی بستی بیرون میں پیدا ہوئے۔ یہ مشہور مؤرخ اور سائنس دان، فارسی الاصل تھے۔ ابن سینا کے دوست تھے۔ یہ محمود غزنوی کی دعوت پر خوارزم سے غزنی چلے آئے اور ہندوستان کی سیاحت کی۔ البیرونی نے متعدد کتابیں لکھیں جن میں سے الآثار الباقیۃ عن القرون الخالیۃ، کتاب الہند اور القانون المسعودی بہت مشہور ہوئیں۔ غزنی میں 1048ء کے بعد وفات پائی۔ (المنجد في الأعلام، ص: 159، معروف مسلم سائنسدان، ص: 567)

ام کرز رضی اللہ عنہا: یہ خزاعیہ کعبیہ مکیہ ہیں۔ ان کے خاوند کا نام بھی کرز تھا۔ صلح حدیبیہ کے دن مسلمان ہوئیں۔ عقیقے کے بارے میں ان کی

حدیث مشہور ہے جسے اصحاب سنن اربعہ نے نقل کیا ہے۔(أسد الغابة: 485/5، الإصابة: 458/8)

امام ابن ماجہ (209-273ھ /824-887ء): ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ ربعی قزوینی رحمہ اللہ ابن ماجہ کے نام سے مشہور ہیں۔ فارسی النسل ہیں۔حصولِ علم کے لیے بصرہ، بغداد، شام، مصر، حجاز اور رَے کا سفر کیا۔ بہت بڑے محدث، مفسر اور مؤرخ تھے۔ ان کی کتاب السنن کتبِ ستہ میں شمار ہوتی ہے۔علم تفسیر اور تاریخ کے حوالے سے ان کی دیگر وقیع علمی کتابیں بھی موجود ہیں۔(سیر أعلام النبلاء: 277/13-281، وفیات الأعیان: 279/4)

امام ابوداود (202-275ھ /817-889ء): ابوداود سلیمان بن اشعث بن اسحاق بن بشیر ازدی سجستانی رحمہ اللہ عظیم محدث تھے۔ سجستان (سیستان) میں پیدا ہوئے۔ بصرہ میں وفات پائی۔ وہیں مدفون ہیں۔حصولِ علم کی بڑی لگن تھی۔ اس مقصد کے لیے طویل سفر کیے۔ بڑے بڑے محدثین سے روایت کی۔ان کی تصانیف میں السنن، المراسیل، الزھد وغیرہ شامل ہیں۔ امام ترمذی اور نسائی رحمہما اللہ ان سے روایت کرتے تھے۔(سیر أعلام النبلاء: 203/13-221، وفیات الأعیان: 404/2، 405)

امام ترمذی (209-279ھ /824-892ء): ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسیٰ سلمی ترمذی رحمہ اللہ دریائے جیحون (آمو دریا) پر واقع ترمذ کے گاؤں بوغ میں پیدا ہوئے۔حصولِ علم کے لیے خراسان، عراق اور حجاز کا سفر کیا۔ امام بخاری رحمہ اللہ سے علم حاصل کیا۔علم حدیث کے حافظ اور جلیل القدر امام تھے۔ان کی مشہور کتاب ''الجامع'' ہے جو سنن اربعہ میں سرفہرست ہے۔ بڑھاپے میں نابینا ہوگئے۔ اپنے آبائی گاؤں بوغ ہی میں وفات پائی۔ (سیر أعلام النبلاء: 270/13-277، میزان الاعتدال: 678/3، تهذیب الکمال: 133/17، 134)

امام ذہبی (683-748ھ /1284-1348ء): ابوعبداللہ شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان بن قایماز ذہبی رحمہ اللہ دمشق میں پیدا ہوئے۔ اصل میں ترکمانی ہیں۔ سونے کا کام کرتے تھے، اس لیے ذہبی کا لقب ملا۔حصولِ علم کے لیے حلب، حماۃ، طرابلس، کرک، نابلس، رملہ اور القدس کا سفر کیا۔ امام ابن تیمیہ اور یوسف بن عبدالرحمٰن مزی رحمہما اللہ کے شاگرد تھے۔علم حدیث، تاریخ اور علم رجال کے ماہر تھے۔ آپ نے بہت مستند اور ضخیم کتابیں لکھیں۔ ان میں سیر أعلام النبلاء، میزان الاعتدال وغیرہ نے بہت شہرت حاصل کی۔ دمشق میں وفات پائی۔ وہیں باب الصغیر کے پاس دفن ہوئے۔(البدایة والنهایة: 236/8، شذرات الذهب: 153/6، سیر أعلام النبلاء: 12/1-90)

امام نووی (631-676ھ/1233-1277ء): ابویحییٰ محی الدین یحییٰ بن شرف بن مری بن حسن حزامی حورانی نووی رحمہ اللہ فقہ اور حدیث کے بہت بڑے عالم تھے۔ حوران (شام) کی بستی نویٰ میں پیدا ہوئے۔حصولِ علم کے لیے دمشق کا سفر کیا، پھر ساری زندگی تدریس وتصنیف میں بسر کر دی۔ دارالحدیث اشرفیہ کے شیخ الحدیث تھے۔ مدرسہ اقبالیہ میں ابن خلکان کی مسند پر فرائض تدریس انجام دیتے رہے۔ آپ نے ضخیم اور مستند کتابیں لکھیں جن میں شرح صحیح مسلم، ریاض الصالحین، المجموع شرح المهذب اور الأذکار بہت مقبول ہوئیں۔(البدایة والنهایة: 294/13)

اساف یا نائلہ: یہ دو بتوں کا ایک جوڑا تھا۔ قریش کے ہاں مشہور تھا کہ یہ مرد اور عورت تھے۔ دونوں نے کعبہ کے اندر زنا کا ارتکاب کیا۔ دونوں مسخ ہوکر پتھر بن گئے۔(السیرة لابن هشام: 82/1، 83) مشرکین نے اس جوڑے کے تانبے کے بت بنا کر ان کی پوجا شروع کر دی۔

اَشج عبدالقیس : ان کا نام منذر بن عائذ بن منذر بن حارث بن نعمان بن زیاد بن عصر العصری رضی اللہ عنہ ہے۔ یہ اپنی قوم عبدالقیس کے سردار تھے۔ ان کے نام کے بارے میں کچھ اختلاف ہے۔ ابن سعد رحمہ اللہ نے ان کا نام عبداللہ بن عوف الأشج بیان کیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعریف میں فرمایا تھا: ''تجھ میں دو خصلتیں ایسی ہیں جنھیں اللہ اور اس کا رسول پسند کرتے ہیں: بردباری اور وقار۔'' (سنن أبي داود : 5225، مسند أحمد : 432/3، الطبقات لابن سعد : 559-557/5، الاستيعاب، ص:103)

آریوس (Arius): اسکندریہ کا پادری آریوس (250ء-336ء) مسیح کی الوہیت کا منکر مگر ابنیّتِ مسیح کا قائل تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ ''بیٹے کو خدا نے پیدا کیا، لہٰذا بیٹا نہ تو ابدی ہے اور نہ وہ اس جیسا وجود رکھتا ہے۔'' نیقیہ (325ء) اور قسطنطنیہ (381ء) کی کونسلوں نے آریوسی عقیدہ مسترد کر دیا اور اسے رومی سلطنت سے خارج کر دیا گیا، تاہم یہ عقیدہ 491ء تک جرمانک اقوام میں مقبول رہا حتی کہ فرینکس (فرانسیسیوں) نے کیتھولک عقیدہ قبول کر لیا۔ (Oxford English Reference Dic, p: 71)

باقوم رومی : یہ اس رومی بحری جہاز پر سوار غلام تھا جو مکہ کے ساحلی مقام شعیبہ کے پاس سمندر میں غرق ہو گیا تھا۔ وہ بڑھئی اور ماہرِ تعمیر تھا۔ کہا جاتا ہے کہ باقوم نے اسلام قبول کر لیا تھا اور بنو امیہ کا غلام رہا۔ باقوم ہی نے مدینہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تین سیڑھیوں والا منبر بنایا تھا۔ (أخبار مكة للأزرقي :243/1، أسد الغابة :190/1)

بُرَیدہ (م:63ھ/683ء): ابوعبداللہ بریدہ بن حصیب بن عبداللہ بن حارث اسلمی رضی اللہ عنہ کبار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں شمار ہوتے ہیں۔ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے مدینہ ہجرت کرتے ہوئے ان کے قبیلے بنواسلم کے پاس سے گزرے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں دعوت دی۔ آپ معاً مسلمان ہو گئے۔ غزوات بدر اور احد کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ خیبر اور فتح مکہ میں شریک ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اپنی قوم (بنواسلم) کے صدقات جمع کرنے پر مامور فرمایا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جہاد کے لیے خراسان (مرو) گئے۔ یزید بن معاویہ کی خلافت میں فوت ہوئے اور مرو میں دفن کیے گئے۔ ان سے 167 احادیث مروی ہیں۔ (الطبقات لابن سعد: 243-241/4، الإصابة: 418/1)

تِرتُلیَن (Tertullian): کیتھولیک مسیحی مفکر ترتلین (150ء-250ء) قرطاجنہ (Corthage) میں پیدا ہوا۔ اس کے بعض اقوال ضرب الامثال بن گئے۔ اس نے بعض امور میں قدامت پسند کیتھولک کلیسا سے اختلاف کیا۔ اسے ''بابائے لاطینی عیسائیت'' کہا جاتا ہے۔ یہ پہلا شخص تھا جس نے تثلیث (Trinitas) کی اصطلاح استعمال کی (جسے انگریزی میں Trinity کہا جاتا ہے)۔ (الموسوعة العربية الميسرة :504/1)

جارج سیل (1697ء-1736ء): یہ انگریز مستشرق اصلاً وکیل تھا۔ اس نے عربی سیکھ کر بڑے پیمانے پر عربی مخطوطات جمع کیے۔ اسلامی تاریخ کو بہت اہمیت دی۔ اس کے بارے میں مشہور تھا کہ یہ آدھا مسلمان ہے۔ قرآن کریم کا انگریزی میں ترجمہ سب سے پہلے اسی نے کیا۔ (المنجد في الأعلام، ص : 322، الأعلام : 145/2)

جبیر بن مطعم (م: 59ھ/679ء): ابوعدی جبیر بن مطعم بن عدی بن نوفل بن عبدمناف نوفلی قرشی رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔ قریش کے سرداروں میں سے تھے۔ انساب کے ماہر تھے۔ یہ مؤلفة القلوب میں شمار ہوتے ہیں۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بدر کے قیدیوں کے بارے میں نرمی برتنے کی درخواست کی تھی۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں وفات پائی۔ ان سے 60 احادیث مروی ہیں۔

(أسدالغابة:310/1، الإصابة:570/1، الاستیعاب، ص:143، الأعلام: 112/2)

جعفر بن محمد مستغفری (350-432ھ/961-1041ء): ابوعباس جعفر بن محمد بن معتز بن محمد بن مستغفر نسفی رحمہ اللہ شیعہ مؤرخ اور فقیہ تھے۔ اکثر موضوع روایات بیان کرتے تھے۔ ان کی کتابوں میں دلائل النبوۃ اور فضائل القرآن مشہور ہیں۔ (سیر أعلام النبلاء: 565,564/17، الأعلام: 128/2)

حاجی خلیفہ (1017-1067ھ/1609-1657ء): مصطفیٰ آفندی بن عبداللہ آفندی کاتب چلپی مشہور بہ حاجی خلیفہ، استنبول میں پیدا ہوئے۔ ادھر ہی تربیت حاصل کی۔ عثمانی فوج میں محرر کے عہدے پر رہے۔ 1033ھ میں اپنے والد کے ساتھ بغداد چلے گئے۔ اس سفر میں ان کے والد موصل میں وفات پا گئے۔ حاجی خلیفہ 1038ھ میں استنبول واپس آئے اور 1043ھ میں حج کیا اور مکہ میں لائبریریوں کا مشاہدہ کیا، پھر استنبول واپس جا کر درس و تدریس میں مشغول ہوئے۔ انھوں نے متعدد مفید کتابیں تحریر کیں۔ ان میں سے کشف الظنون بہت مشہور ہوئی۔ (مقدمة كشف الظنون، ص: 9، الأعلام: 236/7)

حارث بن ابی شمر: حارث بن ابی شمر غسانی، شام کا غسانی حکمران تھا، غوطہ دمشق میں رہتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف شجاع بن وہب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ دعوت اسلام کا پیغام بھیجا تھا۔ حارث فتح مکہ کے سال 8ھ میں وفات پا گیا۔ (الأعلام: 155/1)

حارث بن عامر بن نوفل: حارث بن عامر بن نوفل بن عبدمناف بن قصی بن کلاب قرشی بدر کے دن مشرکین کی طرف سے لڑتا ہوا قتل ہوا۔ اسے خبیب بن اساف رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا۔ جنگ سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ اگر تمھیں حارث مل جائے تو اسے بنونوفل کے یتیموں کے لیے زندہ رکھنا، قتل نہ کرنا۔ اسی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی: ﴿وَقَالُوٓا إِن نَّتَّبِعِ ٱلْهُدَىٰ مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ أَرْضِنَآ﴾ (القصص 57:28) ''اور انھوں نے کہا: اگر ہم تیرے ہمراہ اس ہدایت کی پیروی کریں تو ہم اپنی زمین سے اچک لیے جائیں گے۔'' (الجمهرة لابن الكلبي، ص: 62، أنساب الأشراف: 356/1)

حارث بن عبداللہ (م: 80ھ/700ء): حارث بن عبداللہ بن ابی ربیعہ مخزومی قرشی رحمہ اللہ مکہ میں رہتے تھے۔ قریش کے مشہور شاعر اور خطیب تھے۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے دور میں ایک سال بصرہ کے گورنر رہے۔ القُباع کے لقب سے معروف تھے۔ (الإصابة: 668/1، أسدالغابة: 383/1، الأعلام: 156/2)

حارثہ بن شراحیل: ابوزید حارثہ بن شراحیل بن کعب بن عبدالعزّٰی بن امرؤالقیس کلبی رضی اللہ عنہ زید رضی اللہ عنہ کے والد تھے۔ ان کے مفصل حالات زندگی نہیں ملتے۔ (الإصابة: 705/1، أسد الغابة: 405/1)

حاطب بن ابی بلتعہ (35 قبل ہجرت-30ھ/586-650ء): حاطب بن عمرو (ابوبلتعہ) بن عمیر بن سلمہ لخمی رضی اللہ عنہ بنو اسد کے حلیف تھے۔ وہ مشہور بدری صحابی ہیں۔ فتح مکہ کے موقع پر ان کے خط اور توبہ کا واقعہ بہت مشہور ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنا ایک مکتوب گرامی انھی کے ہاتھ مصر کے بادشاہ مقوقس کو بھیجا تھا۔ آپ قریش کے شہسواروں اور شعراء میں سے تھے۔ مدینہ میں فوت اور مدفون ہوئے۔ (الإصابة: 4/2، الأعلام: 159/2)

حاکم (321-405ھ/933-1014ء): ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ بن حمدویہ بن نعیم نیشاپوری رحمہ اللہ حاکم کے لقب سے مشہور ہوئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ کئی بار نیشاپور کے جج رہے۔ انھیں ابن البیع بھی کہا جاتا ہے۔ ائمہ محدثین میں شمار ہوتے ہیں۔ نیشاپور (ایران)

میں پیدا ہوئے۔ وہیں وفات پائی۔ حصول علم کے لیے عراق، خُراسان، حجاز اور جُرجان کا سفر کیا۔ ان کی تصنیفات میں سے المستدرك على الصحيحين بہت مشہور ہے۔ (سير أعلام النبلاء: 17/162-177)

حضرمی (869-930ھ /1464-1524ء): محدث علامہ جمال الدین محمد بن عمر بن مبارک حمیری حضرمی شافعی بحرق کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ سیئون (حضر موت) میں پیدا ہوئے۔ تعلیم کے لیے حجاز اور ہندوستان کا سفر کیا۔ آپ نے عقیدہ، سیرت، حدیث، نحو اور دیگر فنون پر بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ وقت کے بادشاہوں کے ہاں آپ کا بڑا مرتبہ تھا، اسی وجہ سے حاسدین نے آپ کو زہر دے کر قتل کیا۔ (حدائق الأنوار، ص: 21-26)

حلبی (975-1044ھ /1567-1634ء): علی بن برہان الدین حلبی شافعی مؤرخ قاہرہ (مصر) کے رہنے والے تھے، اصل میں حلب (شام) کے تھے۔ سیرت نبوی پر ان کی کتاب السيرة الحلبية کے نام سے مشہور ہے۔ اس کتاب کا نام إنسان العيون في سيرة الأمين المأمون ہے۔ (المنجد في الأعلام، ص: 223)

حلیمہ سعدیہ (م: 8ھ/630ء): حلیمہ بنت ابی ذؤیب عبداللہ بن حارث بن شِجنَة بن جابر بن رِزام بن ناصرہ بن سعد بن بکر الہوازنی، یہ رسول اللہ ﷺ کی رضاعی ماں تھیں۔ ان کے خاوند کا نام حارث بن عبدالعزّٰی بن رفاعہ بن مَلّان بن ناصرہ ہوازنی تھا۔ حلیمہ سعدیہ طائف میں بادیۂ بنوسعد میں رہتی تھیں۔ اسی بادیہ میں رسول اللہ ﷺ کی پرورش ہوئی۔ پہلی مرتبہ شقِ صدر کا واقعہ بھی یہیں ظہور میں آیا۔ جب خدیجہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کی شادی ہوگئی تو حلیمہ سعدیہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور قحط سالی کی شکایت کی۔ آپ نے اس سلسلے میں ام المؤمنین خدیجہ رضی اللہ عنہا سے بات کی تو انھوں نے بڑی فیاضی سے انھی چالیس بکریاں اور سواری کے لیے ایک اونٹ دیا۔ (أسد الغابة: 5/251، الإصابة: 8/87، الأعلام: 2/271، الطبقات لابن سعد: 1/113,114)

حُصین بن نمیر (م: 67ھ /686ء): ابوعبدالرحمٰن حصین بن نمیر بن نائلکندی سکونی، امویوں کا ایک مشہور فوجی کمانڈر تھا۔ اس نے مروان بن حکم کو خلافت دلانے میں اہم کردار ادا کیا۔ آخر میں یہ موصل میں عبیداللہ بن زیاد اور مختار ثقفی کے کمانڈر ابراہیم بن الاشتر کے درمیان ہونے والی لڑائی میں مارا گیا۔ (الأعلام: 2/262)

حُلَیس: حُلَیس بن علقمہ بن عمرو بن الاوقح حارثی کنانی غزوۂ احد میں قریش کے احابیش کا سردار تھا۔ اس کے نام میں اختلاف ہے۔ محمد بن حبیب نے اسے حلیس بن یزید لکھا ہے۔ (الجمهرة لابن الكلبي، ص: 162، المحبر، ص: 170)

خطابی (319-388ھ /931-998ء): ابوسلیمان احمد بن محمد بن ابراہیم بن خطاب بُستی خطابی رحمہ اللہ اہل بست (افغانستان) سے ہیں۔ یہ زید بن خطاب رضی اللہ عنہ (عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بھائی) کی اولاد میں سے ہیں۔ بغداد، مصر اور نیشاپور میں علم حاصل کیا۔ معالم السنن شرح سنن أبي داود آپ کا علمی شہکار ہے۔ (سير أعلام النبلاء: 17/23-28)

خلیفہ مراد خان (1032-1049ھ /1612-1623ء): مراد بن احمد بن محمد بن مراد بن سلیم، عثمانی سلاطین میں 17 ویں نمبر پر تھے۔ اپنے چچا مصطفیٰ اول کے بعد 1032ھ میں خلیفہ بنے، تب ان کی عمر 14 سال تھی۔ صفوی سلطنت کے خلاف جنگ لڑی اور 1045ھ میں تبریز اور ایران کا علاقہ اریوان جو آج کل آرمینیا کا دارالحکومت ہے، فتح کیا۔ صفویوں کے ساتھ 1049ھ میں صلح کی اور اسی سال وفات پاگئے۔ یہ عثمانیوں کے بہادر اور نامور خلفاء میں سے تھے۔ (الموسوعة العربية الميسرة: 2/1677، المنجد في الأعلام، ص: 527، وکی پیڈیا انسائیکلو پیڈیا)

خلیل سعادت (1352-1273ھ /1934-1857ء): لبنانی الاصل ہیں۔ بیروت میں امریکی یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی۔ مجلّہ الطبیب میں ان کے مضامین شائع ہوتے تھے۔ یہ مؤلف اور طبیب تھے۔ مصر کا سفر کیا، پھر برازیل کے شہر ساؤپالو میں رہائش پذیر ہوئے۔ سوریا (شام) کی قومی لیگ کے رکن رہے۔ متعدد کتابیں لکھیں۔ ان میں سب سے مشہور انجیل برناباس کا عربی ترجمہ ہے۔ (الأعلام: 318/2)

خیزران (م 173ھ/789ء): خیزران بنت عطاء ؒ، عباسی خلیفہ مہدی کی بیوی اور ہادی اور ہارون الرشید کی والدہ تھیں۔ یہ لونڈی تھیں۔ یمن سے تعلق تھا۔ مہدی نے آزاد کر کے ان سے شادی کر لی۔ خیزران نے 171ھ/788ء میں حج کا سفر کیا۔ بغداد میں وفات پائی۔ (البداية والنهاية: 498/10، الأعلام: 328/2)

دارقطنی (385-306ھ /995-919ء): امام ابوالحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی دارقطنی بغدادی ؒ علم حدیث، اسماء الرجال، فقہ اور نحو وصرف کے امام تھے۔ انھوں نے سب سے پہلے علم قراءت کے قواعد لکھے۔ ان کی تالیفات میں سے سنن الدارقطني اور العلل کی شہرت ہے۔ (البداية والنهاية: 338/11، سير أعلام النبلاء: 449/16)

دارمی (255-181ھ/869-797ء): ابومحمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن فضل بن بہرام تمیمی دارمی ؒ عظیم محدث، مفسر اور فقیہ تھے۔ حصول علم کے لیے حجاز، شام، مصر، عراق اور خراسان کا سفر کیا اور بڑی تعداد میں محدثین سے سماع کیا۔ امام مسلم، ابوداود اور ترمذی ؒ بھی ان سے روایت کرتے ہیں۔ انھوں نے کئی کتابیں لکھیں جن میں سنن الدارمي مشہور ہے۔ (سير أعلام النبلاء: 232-224/12)

ڈاکٹر صلابی (پ 1382ھ/1963ء): علی محمد بن محمد الصلابی، لیبیا کے صوبے بنغازی میں پیدا ہوئے۔ وہیں ابتدائی تعلیم حاصل کی، پھر جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے کلیۃ الدعوۃ واصول الدین سے 1992ء میں فرسٹ ڈویژن حاصل کی، بعد ازاں سوڈان سے اصول الدین میں ماسٹر کی ڈگری حاصل کی، پھر وہیں پی ایچ ڈی کی ڈگری لی۔ تاریخ اسلام کے مختلف ادوار کے بارے میں کتابیں لکھی ہیں۔ ان میں سے السيرة النبوية اور چار خلفائے راشدین کی سیرت پر کتابیں مشہور ہیں۔ (وکی پیڈیا انسائیکلوپیڈیا)

ڈاکٹر محمد حمید اللہ (1423-1326ھ/2002-1908ء): ڈاکٹر محمد حمید اللہ ؒ حیدرآباد دکن میں پیدا ہوئے۔ آپ بہت بڑے عالم دین تھے۔ 22 زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ سب سے پہلے فرانسیسی زبان، پھر جرمن زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ کیا۔ ان کے ہاتھ پر تقریباً 50000 افراد نے اسلام قبول کیا۔ 200 بلند پایہ تحقیقی مقالات لکھے۔ ان کا سلسلۂ مواثیق اور سیرت کی کتاب بہت مشہور ہیں۔ سیرت نبوی پر امتیازی کام کی بنا پر حکومت پاکستان نے انھیں قومی ایوارڈ ''نشان پاکستان'' سے نوازا۔ 1994ء میں انھیں ملک فیصل ایوارڈ کے لیے نامزد کیا گیا مگر انھوں نے ایوارڈ لینے سے معذرت کر لی۔ (ماہنامہ مجلّہ الداعی، دارالعلوم دیوبند، ذوالقعدہ 1430ھ/نومبر 2009ء)

ڈریپر (6 122-1299ھ/1882-1811ء): جون ولیم ڈریپر برطانیہ کے شہر ہیلن میں پیدا ہوا۔ اس کی مشہور کتب History of Intellectual Development of Europe (یورپ میں فکری ارتقاء کی تاریخ) اور The Conflict between Religion and Science ہیں۔ آخر الذکر کا ترجمہ مولانا ظفر علی خاں نے ''معرکۂ مذہب وسائنس'' کے نام سے کیا ہے۔ (وکی پیڈیا انسائیکلوپیڈیا)

رحمت اللہ عثمانی کیرانوی: رحمت اللہ بن خلیل الرحمٰن کیرانوی ؒ بھارت کے ضلع مظفر نگر کے گاؤں کیرانوالہ میں پیدا ہوئے۔

اپنے گاؤں سے ابتدائی تعلیم کا آغاز کیا، پھر دہلی چلے گئے۔ وہاں مختلف علماء سے فیض یاب ہوئے اور وہیں درس وتدریس میں مصروف ہوگئے۔ انگریزوں کے خلاف جہاد میں حصہ لیا۔ پادریوں سے مناظرے اور مباحثے کرتے تھے۔ برطانوی حکومت نے انھیں تنگ کرنا شروع کر دیا تو یہ مکہ ہجرت کر گئے اور مولانا امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ کے ساتھ مل کر علمی خدمات سرانجام دینے لگے۔ بیت اللہ ہی میں تدریس کرتے تھے، پھر مکہ میں المدرسة الصولتية کا آغاز کیا۔ ان کی تالیف إظهار الحق کو عالمی شہرت نصیب ہوئی۔ ان کی تصنیفات کی تعداد 16 ہے۔ 1891ء میں مکہ ہی میں وفات پائی اور المعلّٰی میں دفن ہوئے۔ (وکی پیڈیا انسائیکلو پیڈیا)

رشید رضا (1282-1354ھ /1865-1935ء): محمد رشید بن علی رضا بن محمد القلمونی۔ یہ اصلاً بغداد کے تھے۔ لبنان کے علاقہ قلمون میں پیدا ہوئے اور ادھر ہی تعلیم حاصل کی۔ 1315ھ میں مصر کا سفر کیا۔ محمد عبدہ کے شاگرد رہے۔ مجلّہ المنار کا آغاز کیا۔ 1326ھ میں شام چلے آئے۔ جامع اموی (دمشق) میں خطیب رہے، پھر واپس مصر آ کر مدرسہ ''الدعوۃ والارشاد'' قائم کیا۔ ہند، حجاز اور یورپ کا بھی سفر کیا۔ قاہرہ میں وفات پائی۔ ان کی متعدد کتابوں میں سے تفسیر اور مجلّہ المنار بہت مشہور ہوئے۔ (المنجد في الأعلام، ص: 264، الأعلام: 126/6)

زبیر بن بکار (172-256ھ /788-870ء): ابوعبداللہ زبیر بن بکار بن عبداللہ القرشی الاسدی المکی رحمہ اللہ، زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کی اولاد سے تھے۔ انساب اور اخبار عرب کے عالم تھے۔ مدینہ میں پیدا ہوئے، مکہ کے قاضی رہے اور وہیں وفات پائی۔ ان کی تصانیف میں أخبار العرب و أيامها اور نسب قريش و أخبارها مشہور ہیں۔ (الأعلام: 42/3)

زرقانی (1055-1122ھ /1645-1710ء): ابوعبداللہ محمد بن عبدالباقی بن یوسف بن احمد بن علوان زرقانی مصری رحمہ اللہ حدیث، فقہ اور اصول فقہ میں بڑی دسترس رکھتے تھے۔ آپ کی ولادت اور وفات قاہرہ ہی میں ہوئی۔ آپ کی کتب میں شرح الزرقاني على المواهب اللدنية اور مختصر المقاصد الحسنة نے بڑی شہرت پائی۔ (معجم المؤلفين: 124/10، الأعلام: 184/6)

زمعہ بن اسود بن مطلب (م: 2ھ /624ء): زمعہ بن اسود بن مطلب بن اسد بن عبدالعزّٰی بن قصی بن کلاب اسدی قرشی، قریش کا سردار، بہت مالدار اور اسلام کا دشمن تھا۔ کثرتِ سخاوت کی وجہ سے ''زادالرکب'' (قافلے کا زادِ راہ) کے لقب سے مشہور تھا۔ غزوۂ بدر میں کفر کی حالت میں مرا۔ (الجمهرة لابن حزم، ص: 118، الجمهرة لابن الكلبي، ص: 72)

زُبیدہ (م: 216ھ /831ء): ام جعفر زبیدہ بنت جعفر بن منصور رحمہا اللہ، ہارون الرشید کی بیوی اور امین کی والدہ تھیں۔ اپنے زمانے کی ممتاز ترین خاتون تھیں۔ ان کا نام امۃ العزیز تھا۔ مکہ کی نہر زبیدہ انھی کے نام سے منسوب ہے۔ بہت مالدار اور دیندار خاتون تھیں۔ بغداد میں وفات پائی۔ (تاريخ بغداد: 433/14، الأعلام: 42/3)

سفیان: یہ سفیان بن امیہ اکبر بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی ہے۔ یہ ابوسفیان صخر بن حرب رضی اللہ عنہ کا چچا اور حرب کا بھائی تھا۔ سفیان کا والد امیہ اکبر جبکہ اس کا چچا امیہ اصغر کے نام سے مشہور تھا۔ یہ بہت لڑاکے لوگ تھے اور عنابس (شیر) کے لقب سے مشہور تھے۔ (الجمهرة لابن الكلبي، ص: 38,37، الجمهرة لابن حزم، ص: 79,78)

سلمہ بن سلامہ: ابوعوف سلمہ بن سلامہ بن وقش بن زغبہ بن زعوراء اشہلی انصاری رضی اللہ عنہ، عقبہ کی دونوں بیعتوں میں شریک تھے۔ بعد میں سارے غزوات میں شریک رہے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے انھیں یمامہ کا گورنر بنا کر بھیجا تھا۔ 45ھ میں وفات پائی۔ (الاستيعاب،

ص: 332، أسد الغابة: 357/2، الإصابة: 124/3)

سلمٰی بنت عمرو نجاریہ: سلمٰی بنت عمرو بن زید بن لبید بن خداش بن عامر بن غنم بن عدی بن نجار خزرجیہ، عبدالمطلب کی ماں تھیں۔ ہاشم سے پہلے ان کی شادی اُحَیحہ بن جُلاح سے ہوئی تھی اور اس کے ان سے دو بیٹے پیدا ہوئے تھے: عمرو اور معبد۔ یہ مدینہ منورہ میں رہتے تھے۔ ان کا بیٹا شیبۃ الحمد (عبدالمطلب) بن ہاشم بھی ساتھ رہتا تھا، پھر شیبہ کے چچا مُطّلب اسے مکہ لے آئے۔ (الجمهرة لابن الكلبي، ص: 27)

سلیم ثانی: یہ دولت عثمانیہ کا گیارھواں سلطان اور تیسرا خلیفہ تھا۔ سلیم ثانی اپنے والد خلیفہ سلیمان قانونی کی وفات پر 15 جمادی الاولی 974ھ/30 ستمبر 1566ء کو تخت نشین ہوا۔ محرم 977ھ/ جولائی 1570ء میں اس کے امیر البحر پیالہ پاشا کے بحری بیڑے نے مسیحی ریاست قبرص پر دھاوا بول دیا اور 8 ربیع الآخر/ 9 ستمبر کو قبرص کے دارالحکومت لفکوسا (موجودہ نکوشیا) پر عثمانیوں کا قبضہ ہوگیا۔ اگلے سال عثمانی فوج نے کریمیا کے گرائی خان کے ہمراہ ماسکو پر یلغار کی۔ 979ھ/1572ء میں گرائی خاں نے پھر ماسکو پر دھاوا بولا اور زار روس نے 60 ہزار طلائی لیرے سالانہ خراج پر صلح کرلی۔ اس دوران میں انڈونیشی جزیرہ ساٹرا کی ریاست آچے نے سلطنت عثمانیہ کی اطاعت قبول کرلی۔ 981ھ/1574ء میں خلیفہ سلیم ثانی نے وفات پائی۔ (اٹلس فتوحات اسلامیہ (دارالسلام)، ص: 383-386)

سمرہ بن جندب (م: 60ھ/679ء): ابوسلیمان سمرہ بن جندب بن ہلال فزاری غطفانی رضی اللہ عنہ نے مدینہ میں پرورش پائی، پھر بصرہ چلے گئے۔ سپہ سالار صحابہ میں شمار ہوتے ہیں۔ بصرہ میں زیاد ابن ابیہ نے انھیں اپنا نائب مقرر کیا۔ بصرہ ہی میں وفات پائی۔ (أسدالغابة: 376/2، الإصابة: 150/3، الأعلام: 139/3)

سیوطی (849-911ھ/1445-1505ء): ابوالفضل جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن سابق الدین خضیری سیوطی رحمہ اللہ کی نسبت اُسیوط کی طرف ہے۔ ان کی پیدائش اور وفات قاہرہ میں ہوئی۔ اپنے عہد کے بہت بڑے امام اور عالم تھے۔ پانچ سال کی عمر میں یتیم ہوگئے تھے۔ حصول علم کے لیے حجاز، شام، یمن، ہند اور المغرب العربی (تیونس، الجزائر، مراکش وغیرہ) کا سفر کیا۔ مدرسہ شیخونیہ میں تدریس کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ چالیس سال کی عمر میں تصنیف و تالیف کے لیے گوشہ نشین ہوئے۔ تفسیر، حدیث، فقہ، اصول، نحو، بلاغت، تاریخ، تصوف اور ادب جیسے موضوعات پر ان کی تالیفات و تصانیف 600 کے لگ بھگ ہیں۔ ان کی چند مشہور کتابیں یہ ہیں: الإتقان، الألفية، تاريخ الخلفاء، الدر المنثور، الديباج على صحيح مسلم، شرح سنن ابن ماجه و شرح سنن النسائي، اللآلي، المصنوعة وغیرہ۔ (شذرات الذهب: 51/8-55، الأعلام: 301/3)

سُوید بن سعید (م 240ھ): ابومحمد سوید بن سعید بن سہل بن شہریار ہروی حدثانی انباری رحمہ اللہ اصلاً ہرات کے تھے۔ انبار (عراق) کے قریب حدیثہ میں رہائش پذیر تھے۔ بلادِ حرمین، شام، عراق اور مصر میں کبار محدثین سے علم حاصل کیا۔ صدوق درجے کے محدث تھے۔ ابن ماجہ اور امام مسلم رحمہ اللہ کے استاد ہیں۔ آخری عمر میں نابینا ہوگئے تھے۔ (سير أعلام النبلاء: 410/11-420، ميزان الاعتدال: 248/2)

شداد بن اوس رضی اللہ عنہ (م 58ھ/677ء): ابویعلیٰ شداد بن اوس بن ثابت بن منذر خزرجی انصاری رضی اللہ عنہ حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے بھتیجے تھے۔ بڑے فصیح اللسان، عالم اور سخی تھے۔ رات کو لمبا قیام ان کا معمول تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں حمص کا گورنر مقرر کیا۔ بیت المقدس میں مقیم رہے اور وہیں وفات پائی۔ [illegible]

شعیب ارناؤط: آپ دمشق میں 1928ء میں پیدا ہوئے۔ البانی الاصل ہیں۔ آپ نے حدیث اور دیگر بہت سی کتابوں کی تحقیق و تخریج کی۔ ان میں سے مشہور جامع العلوم والحکم، ریاض الصالحین اور زاد المعاد وغیرہ ہیں۔ آپ نے شیخ عبدالقادر ارناؤط رحمہ اللہ کی صحبت میں بھی علمی کام کیا۔ (انٹرنیٹ)

ضغاطر بن ابی کبشہ الرومی: ہرقل کے خاص ساتھی اور مشیر تھے۔ ابن حجر نے لکھا ہے کہ یہ مسلمان ہو گئے تھے اور کفر کے کپڑوں کو پھینک کر سفید کپڑے پہنتے تھے اور حق کی گواہی دیتے تھے، اس وجہ سے ان کو کافروں نے مار مار کر شہید کر دیا۔ (فتح الباري: 59/1)

عاص بن وائل سہمی (م: 3 قبل ہجرت/620ء): دشمن اسلام عاص بن وائل بن ہاشم بن سُعید بن سہم بن عمرو بن کعب بن لؤی بن غالب قرشی سہمی سیدنا عمرو بن وائل رضی اللہ عنہ کا والد تھا۔ یہ جاہلیت کے زمانے میں قریش کا بڑا سردار تھا۔ ہشام بن مغیرہ سے اس کا دوستانہ تھا۔ اسلام کا زمانہ پالیا مگر زندیق ہی رہا۔ مستہزئین میں سے تھا۔ حرب الفجار میں بنوسہم کا لیڈر تھا۔ ابواء میں اُسے کسی موذی چیز نے ڈس لیا۔ چند دن زندہ رہا، پھر مر گیا۔ (الأعلام: 247/3، المحبر، ص: 133و 158و 161)

عباس بن عبدالمطلب: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوالفضل تھی۔ اُن کی والدہ کا نام نُتیلہ بنت خباب ہے۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ عام الفیل سے تین سال پہلے پیدا ہوئے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عمر میں دو یا تین سال بڑے تھے۔ فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہوئے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ فتح خیبر سے پہلے مسلمان ہوئے۔ ایک قول کے مطابق ہجرت سے پہلے اور ایک قول کے مطابق بدر سے پہلے مسلمان ہوئے۔ فتح مکہ کے موقع پر اسلام کا اظہار کیا۔ آپ مکہ سے قریش کی خبریں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارسال کیا کرتے تھے۔ جاہلیت میں قریش کے سردار تھے۔ مسجد الحرام کی دیکھ بھال اور حاجیوں کو پانی پلانے کی ذمہ داری بھی انھی کے سپرد تھی۔ ان سے 135 احادیث مروی ہیں۔ شہادت عثمان رضی اللہ عنہ سے دوسال قبل جمعے کے دن، 13 رجب 32ھ کو، اٹھاسی برس کی عمر میں فوت ہوئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ بَقِیعُ الغَرقَد میں آسودۂ خاک ہیں۔ (تاریخ دمشق الكبير: 191/28-265، الاستيعاب، ص: 405-408، أسد الغابة: 543/2-546، الأعلام: 262/3)

عبدالستار غوری: ماہر تعلیم عبدالستار غوری (ایم اے) 1935ء میں پٹیالہ بھارت میں پیدا ہوئے اور 1947ء میں ہجرت کر کے پاکستان آئے۔ وہ جامعہ پنجاب سے فارغ التحصیل ہیں۔ وہ قومی نصابی ترقیاتی کمیٹی کے رکن رہے۔ ان کا بائبل کا تحقیقی مطالعہ 25 سال پر محیط ہے اور وہ ''بائبل میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام کے ساتھ ذکر'' سمیت کئی کتب کے مصنف ہیں۔ وہ اسلامی علوم کے ادارہ المورد کے فیلو ہیں۔ (Muhammad Foretold in the Bible by Name)

عبدالقادر ارناؤط (1347-1425ھ / 1928-2005ء): عبدالقادر ارناؤط رحمہ اللہ کوسوو (بلقان) میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد سمیت سوریا پہنچے۔ یہاں بڑے بڑے علماء سے کسب فیض کیا۔ بہت سی کتابوں کی تحقیق اور تخریج کی۔ دعوت و تدریس میں مشغول رہے۔ عقیدے کے لحاظ سے سلفی تھے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ سے خوب تعلق رہا۔ دمشق میں وفات پائی۔ (انٹرنیٹ)

عبداللہ بن زبیر (1-73ھ / 622-692ء): ابوبکر عبداللہ بن زبیر بن عوام بن خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی اسدی قرشی رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں مہاجرین کے سب سے پہلے نومولود تھے۔ قریش کے نامور شہسوار تھے۔ عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں افریقہ کی فتوحات میں شرکت کی۔ یزید بن معاویہ کی وفات کے بعد لوگوں نے ان کی بیعت کی۔ مصر، یمن، حجاز، خراسان، عراق اور شام پر

ان کی خلافت رہی۔ مکہ مکرمہ کو دار الخلافہ بنایا۔ عبدالملک بن مروان کے زمانے میں لشکر حجاج کے خلاف لڑتے ہوئے شہید ہوئے اور حجاج نے ان کی لاش سولی پر لٹکا دی۔ ان کی خلافت 9 سال تک رہی۔ ان سے 33 احادیث مروی ہیں۔ (أسد الغابة: 597/2، الإصابة: 78/4، الأعلام: 87/4)

عبداللہ بن سائب مخزومی رضی اللہ عنہ: ابوعبدالرحمن عبداللہ بن سائب بن صیفی مخزومی رضی اللہ عنہ مشہور قاری ہیں۔ اہل مکہ نے علم قراءت انھی سے حاصل کیا۔ آپ سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت سے کچھ عرصہ پہلے فوت ہوئے۔ (الإصابة: 89/4، أسدالغابة: 606/2)

عبداللہ بن عمرو (7 قبل ہجرت - 65ھ/615-684ء): ابومحمد عبداللہ بن عمرو بن عاص بن وائل بن ہاشم بن سعید بن سہم قرشی سہمی رضی اللہ عنہما اپنے والد سے پہلے مسلمان ہوئے۔ ان کا نام عاص تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام عبداللہ رکھا۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات قلم بند کرنے کے سب سے زیادہ شائق تھے۔ ان سے 700 احادیث مروی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اہل بیت میں شمار فرمایا۔ یہ تورات اور قرآن کے عالم تھے، سریانی زبان لکھتے تھے۔ ان کا مجموعۂ احادیث صحیفۂ صادقہ کے نام سے مشہور ہے۔ بہت بہادر تھے۔ بیک وقت دو تلواریں چلانے میں ماہر تھے۔ غزوۂ یرموک میں جھنڈا انھی کے ہاتھ میں تھا۔ آخری عمر میں نابینا ہوگئے تھے۔ (أسد الغابة: 49/3-51، الإصابة: 165/4، سیر أعلام النبلاء: 79/3-94)

عبدالملک بن مروان (26-86ھ/646-705ء): ابوولید عبدالملک بن مروان بن حکم اموی قرشی رحمہ اللہ بڑے عالم اور فقیہ تھے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے انھیں 16 برس کی عمر میں مدینے کا گورنر مقرر کیا۔ اپنے والد کی وفات کے بعد 65ھ /685ء میں خلیفہ نامزد ہوئے۔ آپ نے فارسی اور یونانی کتابوں کے عربی میں ترجمے کرائے۔ (الأعلام: 165/4، وکی پیڈیا انسائیکلو پیڈیا)

عتبہ بن ربیعہ (م: 2ھ/624ء): عتبہ بن ربیعہ بن عبدشمس بن عبدمناف بن قُصَی قریش کے بڑے سرداروں میں شمار ہوتا تھا۔ یہ بڑا فاضل اور حلیم شخص تھا۔ اس کی رائے اور مشورے کو بڑا اہم مانا جاتا تھا۔ اسلام کا زمانہ پالیا مگر کفر پر ڈٹا رہا۔ غزوۂ بدر میں سخت لڑائی کے بعد سیدنا علی، حمزہ اور عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہم نے عتبہ اور اس کے بیٹے ولید اور بھائی شیبہ کو قتل کر دیا۔ (الجمهرة لابن الكلبي، ص: 56، الجمهرة لابن حزم، ص: 76، الأعلام: 200/4)

عرجون (1321-1400ھ/1903-1980ء): محمد صادق عرجون رحمہ اللہ ازہری عالم ہیں۔ تاریخی روایات پر نقد کے ماہر تھے۔ جامعہ ازہر کے مختلف کلیات میں تدریس کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ دسوق کے معہد شرعی کے شیخ تھے۔ جامعہ ازہر کے كلية الدعوة کے عمید (Dean) رہے۔ کویت، سوڈان، سعودی عرب اور دیگر اسلامی ملکوں میں تدریسی فرائض انجام دیتے رہے۔ ان کی مشہور تالیف محمد رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ (ذيل الأعلام، ص: 182,181)

عطاء بن یسار: ابومحمد عطاء بن یسار رحمہ اللہ ام المومنین میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کے غلام تھے۔ مشہور تابعی ہیں اور سلیمان بن یسار کے بھائی ہیں۔ ائمۂ جرح و تعدیل نے انھیں ثقہ قرار دیا ہے۔ حجاج کے دور میں مدینہ سے مکہ چلے گئے لیکن 103ھ میں حجاج نے انھیں پکڑ کر شہید کر دیا۔ اس وقت ان کی عمر 84 برس تھی۔ یہ اپنا زیادہ وقت مسجد نبوی میں گزارتے تھے۔ (تهذيب الكمال: 77/13، سير أعلام النبلاء: 449,448/4، البداية والنهاية: 232/9)

عقیل (م: 50ھ/670ء): ابویزید عقیل بن ابوطالب بن عبدالمطلب قرشی ہاشمی رضی اللہ عنہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے سگے بھائی تھے اور آپ سے 20 سال بڑے تھے۔ جنگ بدر میں مجبوراً شریک ہوئے اور مسلمانوں کی گرفت میں آ گئے۔ غزوۂ حدیبیہ سے پہلے مسلمان ہوئے۔

غزوۂ مؤتہ میں شرکت کی۔ قریش کے انساب اور جنگوں کی تاریخ کے ماہر تھے۔ حضرت معاویہ ؓ کی خلافت کے زمانے میں فوت ہوئے۔ بقیع میں مدفون ہیں۔ (أسد الغابة: 3/265-267، الاستيعاب، ص: 523,522)

عکاشہ بن محصن (م: 12ھ/633ء): ابومحصن عکاشہ بن محصن بن حرثان بن قیس اسدی ؓ، بنوعبد شمس کے حلیف تھے۔ سابقین اولین میں سے تھے۔ سب غزوات میں شریک رہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو حساب و کتاب کے بغیر جنت جانے کی خوشخبری سنائی تھی۔ ابوبکر ؓ کے دورِ خلافت میں مرتدین کے خلاف جنگ بزاخہ میں شہید ہوئے۔ (الاستيعاب، ص: 523، أسد الغابة: 3/268، الإصابة: 4/440,439، الأعلام: 4/244)

عمار بن معاذ انصاری اوسی: ابونملہ عمار بن معاذ بن زرارہ ظفری اوسی انصاری ؓ ممتاز صحابی ہیں۔ وہ اپنی کنیت سے مشہور تھے۔ ان کے نام کے بارے میں اختلاف ہے کہ عمار تھا یا عمارہ۔ جنگ بدر، احد اور خندق میں شریک تھے۔ ان کے دو بیٹے عہد یزید میں واقعۂ حرہ میں شہید ہوئے۔ اہل کتاب سے روایت کرنے کے بارے میں حدیث انھی سے مروی ہے۔ (الاستيعاب، ص: 547 و 850,849، أسد الغابة: 3/308، الإصابة: 4/473)

عمر بن سائب (م: 234ھ/848ء): ابوعمرو عمر بن سائب بن ابوراشد زہری مصری ؒ بنوزہرہ کے حلیف تھے۔ یہ فقیہ تھے۔ امام ابوداود ؒ نے ان سے ایک روایت نقل کی ہے۔ (تهذيب التهذيب: 7/395، الثقات لابن حبان: 7/175)

عمرو بن جفنہ غسانی: عمرو بن جفنہ بن عمرو مزیقیا ازدی غسانی، شام کے غسانی بادشاہوں میں وہ پہلا بادشاہ تھا جس نے سب سے پہلے تاج پہنا۔ اس نے بلقاء میں رومیوں سے جنگ کی اور فتح یاب رہا۔ بعد میں اس نے اپنی کمزوری کی وجہ سے خراج دینے کی شرط پر قیصر سے صلح کر لی مگر کچھ عرصہ بعد موقع پا کر قیصر سے پھر بغاوت کر دی۔ قیصر نے مصلحتاً بادیۃ الشام کی بادشاہت مستقل طور پر اسی کو سونپ دی۔ وہ پندرہ سال تک برسرِ اقتدار رہا۔ وہ دوسری صدی عیسوی کا فرمانروا تھا۔ (الأعلام: 5/75)

فاکہی (217-285ھ/832-898ء): ابوعبداللہ محمد بن اسحاق بن عباس فاکہی مکی ؒ کی نسبت، فاکہ بن عمرو بن حارث بن مالک بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ کی طرف ہے۔ آپ نے مکہ، کوفہ اور صنعاء کے 231 شیوخ سے علم حاصل کیا۔ بہت سی کتابیں تحریر کیں جن میں أخبار مكة زیادہ مشہور ہے۔ (أخبار مكة للفاكهي: 1/11-30، الأعلام: 6/28)

فرزدق (م: 110ھ/728ء): ابوفراس ہمام بن غالب بن صعصعہ بن ناجیہ بن عقال بن محمد بن سفیان دارمی تمیمی ؒ بصرہ کے رہنے والے تھے۔ اسلامی شعراء کے پہلے طبقے میں شمار ہوتے ہیں۔ وہ اپنی ترش روئی اور اکھڑ پن کی وجہ سے فرزدق کے لقب سے معروف ہوئے۔ بادشاہوں کے درباروں میں اپنا کلام بیٹھ کر سناتے تھے۔ سلیمان بن عبدالملک کا زمانہ آیا تو اس نے انھیں کھڑے ہو کر کلام سنانے کا حکم دیا۔ اس پر بنوتمیم کے لوگ طیش میں آ گئے۔ فرزدق کا دیوان شعر و ادب کا شہ پارہ ہے۔ سو سال کی عمر میں بصرہ کے دیہی علاقے میں وفات پائی۔ (الأعلام: 8/93، معجم المؤلفين: 13/153,152)

قاسم بن ثابت (255-302ھ/869-915ء): ابومحمد قاسم بن ثابت بن حزم عوفی سرقسطی، علم حدیث اور لغت کے ماہر تھے۔ اپنے والد کے ساتھ مصر اور مکہ کا سفر کیا۔ انھوں نے کتاب العین کو سب سے پہلے سرقسط (اندلس) میں متعارف کروایا۔ سرقسط میں منصبِ قضا کی پیشکش کو مسترد کیا۔ ان کی کتاب الدلائل علی معاني الحديث بالشاهد والمثل مشہور ہے۔ سرقسط میں

وفات پائی۔(الأعلام: 174/5)

قضاعی (م 454ھ /1062ء): ابوعبداللہ محمد بن سلامہ بن جعفر بن علی بن حکمون القضاعی، فاطمیوں کے زمانے کے مشہور مؤرخ اور مفسر تھے۔ فقہ شافعی کے امام تھے۔ مصر میں نائب قاضی کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ کچھ عرصہ قسطنطنیہ میں سفیر بھی رہے۔ مصر ہی میں وفات پائی۔ ان کی قرآن کریم کی تفسیر اور الشهاب في المواعظ والآداب مشہور ہیں۔(الأعلام: 146/6)

قطب الدین (614-686ھ /1218-1287ء): ابوبکر قطب الدین محمد بن احمد بن علی بن محمد بن حسن قیسی قسطلانی شافعی رحمہ اللہ مصر میں پیدا ہوئے۔ مکہ میں پرورش پائی۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد اور بعد ازاں شہاب الدین سہروردی سے حاصل کی۔ 649ھ /1251ء میں بغداد آئے۔ مصر، شام اور الجزیرہ میں بہت سے علماء سے استفادہ کیا۔ قاہرہ کے مدرسہ دارالحدیث کاملیہ میں شیخ الحدیث رہے۔ جید ادیب اور فقیہ تھے۔ آپ نے کچھ رسائل بھی لکھے۔ قاہرہ میں فوت ہوئے۔ (طبقات الشافعية: 43/8، البداية والنهاية: 328/13، شذرات الذهب: 397/5، الأعلام: 323/5)

قیس بن عدی: قیس بن عدی بن سعد بن سہم القرشی اپنے والد کے بعد قریش کا سردار تھا۔ قریش کے ہاں عزت اور عظمت میں ضرب المثل تھا۔ اس کے بیٹے حارث بن قیس کا شمار مستہزئین میں ہوتا تھا۔ (الجمهرة لابن الكلبي، ص: 101,100، الجمهرة لابن حزم، ص: 165)

قیصر ہیڈرین: ٹرایانس ہیڈریانس آگسٹس 76ء میں اٹالیکا (اسپین) میں پیدا ہوا۔ وہ قیصر ٹراجن کا بھتیجا تھا۔ 96ء میں اسے مقدونیہ کا ''ٹربیون'' مقرر کیا گیا۔ اس نے ڈاسیا (رومانیہ) کی جنگوں میں حصہ لیا۔ 114ء میں وہ شام کا گورنر مامور ہوا اور 117ء میں ٹراجن کی وفات پر تخت نشین ہوا۔ اس نے وسیع سلطنت کو مستحکم کیا اور شمالی برطانیہ میں ''ہیڈرین وال'' تعمیر کی تا کہ سرحدی حملہ آوروں سے بچاؤ ہو سکے، تاہم سلطنت کا غیر معمولی پھیلاؤ کم کرنے کے لیے وہ ٹراجن کے مفتوحہ بیشتر مشرقی علاقوں سے دستبردار ہوگیا۔ اس کا بیشتر وقت سلطنت کے اندر یونان سے برطانیہ اور شمالی افریقہ تک سفر اور استحکامات میں گزرا۔ اس کے عہد کی واحد جنگ یہودیوں کی بغاوت کچلنے کے سلسلے میں تھی۔ ہیڈرین 138ء میں بانیا نزد نیپلز (اٹلی) میں وفات پا گیا۔ (وکی پیڈیا انسائیکلوپیڈیا)

کلیمنٹ اسکندرانی (Clement of Alexandria): یونانی مسیحی مفکر سینٹ کلیمنٹ (150ء - 215ء) اسکندریہ (مصر) کے یونانی مدرسے (Catechetical School) کا سربراہ تھا جو 202ء میں رومیوں کے عتاب سے بچنے کے لیے فرار ہوگیا۔ اس نے یونانی فلسفے کے افکار مسیحی عقیدے میں شامل کر دیے۔ (The Oxford English Reference Dic, pp: 271,272)

کندیر بن سعید: کندیر بن سعید بن حیدہ بن قشیر قشیری کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے۔ یہ بات ثابت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی تھی۔ ان کے والد سعید رضی اللہ عنہ بالاتفاق صحابی تھے۔ (الجرح والتعديل: 173/7، أسد الغابة: 547/3)

گائس جولیئس سیزر: گائس جولیئس سیزر 100 ق م میں پیدا ہوا۔ اس کا شمار روم کے مشہور جرنیلوں میں ہوتا ہے۔ اسی نے روم کو جمہوریت کی جگہ بادشاہت کی راہ دکھائی۔ 60 ق م میں وہ روم کی تین رُکنی حکمران مجلس کا رُکن بنا۔ اس نے پورا گال (فرانس) فتح کر لیا۔ برطانیہ پر بھی حملہ کیا اور 48 ق م میں مصر فتح کیا۔ تمام حریفوں کے خاتمے کے بعد 15 مارچ 44 ق م کو اُس کے سر پر تاج شاہی رکھا جانے والا تھا کہ تقریب شروع ہوتے ہی سازشیوں نے، جن میں اس کا دوست بروٹس بھی شامل تھا، خنجر مار کر اسے قتل کر دیا۔ تب

زخمی سیزر نے اپنے دوست سے یہ تاریخی جملہ کہا تھا: ''بروٹس، تم بھی!'' اس کے نام سے خفیہ پیغام رسانی کا نظام اور ایک نیا کیلنڈر مشہور ہوا۔(انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم: 119,118/2، وکی پیڈیا انسائیکلوپیڈیا، آکسفورڈ ڈکشنری، ص: 766)

مارگولیتھ (1274-1359ھ / 1858-1940ء): ڈیوڈ سیموئیل مارگولیتھ ایک یہودی مستشرق ہے۔ اس کا والد یہودیت سے دستبردار ہو کر انجیلی عیسائی بن گیا تھا۔ اس نے یونانی اور لاطینی زبانیں سیکھیں، پھر سامی زبانوں خصوصاً عربی میں مہارت حاصل کی۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام لکھنے والوں میں شریک رہا۔ اس نے سیرت، تاریخ اسلام، تاریخ عرب اور تاریخ یہودیت پر بھی کتابیں لکھی ہیں۔ وہ آکسفورڈ یونیورسٹی میں 50 برس تک استاد رہا۔(الأعلام: 329/2، وکی پیڈیا انسائیکلوپیڈیا)

مجاہد بن جبر (21-104ھ / 642-722ء): ابوالحجاج مجاہد بن جبر مکی رحمہ اللہ بنومخزوم کے غلام تھے۔ شیخ القراء والمفسرین کے لقب سے مشہور ہوئے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگرد تھے۔ دنیا کے عجائبات کا مشاہدہ کرنے کے لیے کئی سفر کیے۔ ان کی تفسیر مشہور ہے لیکن مفسرین ان کی تفسیر سے اجتناب کرتے ہیں کیونکہ یہ اہل کتاب سے روایت کرتے تھے۔ محدثین کے ہاں یہ متکلم فیہ راوی ہیں۔ (سیر أعلام النبلاء: 449/4، الأعلام: 278/5، وکی پیڈیا انسائیکلوپیڈیا)

محمد الغزالی (1335-1416ھ / 1917-1996ء): محمد غزالی بن احمد السقا رحمہ اللہ مصر کے ضلع جیزہ میں پیدا ہوئے۔ جامعہ ازہر (قاہرہ) سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد جامعہ ازہر، ام القریٰ (مکہ مکرمہ)، جامعہ قطر اور الجزائر میں تدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ مصر کی وزارت اوقاف میں وکیل کے منصب پر فائز رہے۔ ریاض میں وفات پائی اور بقیع میں دفن ہوئے۔ آپ کی تالیفات میں فقه السيرة کی شہرت ہے۔(ذيل الأعلام، ص: 193)

محمد بن جبیر بن مطعم (م: 101ھ / 719ء): ابوسعید محمد بن جبیر بن مطعم بن عدی بن نوفل بن عبدمناف قرشی رحمہ اللہ مدینہ منورہ کے تابعین میں سے تھے، امام اور فقیہ تھے۔ بڑے صاحب علم اور صاحب قلم تھے۔ 93 سال کی عمر پا کر مدینہ میں فوت ہوئے۔(المعرفة و التاريخ: 178,177/1، سير أعلام النبلاء: 544,543/4، تهذيب التهذيب: 80/9)

محمد بن یوسف: حجاج بن یوسف کا بھائی محمد بن یوسف بن حکم بن ابوعقیل بن مسعود ثقفی یمن کا حاکم تھا۔ بنوامیہ کا احسان مند تھا۔ ایک موقع پر حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! ولید کی شام پر، حجاج کی عراق پر، محمد بن یوسف کی یمن پر، عثمان بن حیان کی حجاز پر اور قرہ بن شریک کی مصر پر حکمرانی کی وجہ سے زمین ظلم و جور سے بھر گئی ہے۔'' محمد بن یوسف نے 91ھ / 710ء میں یمن میں وفات پائی۔(تاريخ دمشق الكبير: 226-231/59)

محمد ناصر الدین البانی (1333-1420ھ / 1914-1999ء): ابوعبدالرحمٰن محمد ناصرالدین بن الحاج نوح بن نجاتی بن آدم اشقودری البانی رحمہ اللہ البانیا کے شہر اشقودرہ (Shkodra) میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد احناف کے بڑے عالم تھے۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ہی سے حاصل کی، پھر علم حدیث کی طرف متوجہ ہوگئے اور محدثین کے منہج کے مطابق آخر عمر تک اسی مقدس علم کی تحصیل و تحقیق میں مشغول رہے۔ فن تخریج، علم الرجال اور علل الحدیث کے ماہر تھے۔ ان کی وفات اردن کے دارالحکومت عمان میں ہوئی۔ انھوں نے بہت سی کتابیں تحریر کیں جن میں صفة صلاة النبي، جلباب المرأة المسلمة، السلسلة الصحيحة اور السلسلة الضعيفة کو بڑی شہرت نصیب ہوئی۔(وکی پیڈیا انسائیکلوپیڈیا)

محمود پاشا فلکی (1230-1302ھ / 1815-1885ء): ان کا نام محمود احمد حمدی پاشا تھا۔ مصر کے قصبہ الحصہ (صوبہ الغربیہ) میں پیدا ہوئے اور قاہرہ میں فوت ہوئے۔ فلکیات میں ڈگری لینے کے بعد "فلکی" کا لقب پایا۔ اسکندریہ اور قاہرہ میں تعلیم حاصل کی۔ بولاق کے انجینئرنگ سکول میں مدرس رہے۔ ان کی مشہور تصانیف میں سے نتائج الإفهام في تقويم العرب قبل الإسلام و في تحقيق مولد النبي و عمره ﷺ ہے۔ (الأعلام: 164/7)

مراد ثالث: خلیفہ سلیم ثانی کا جانشین اس کا بیٹا مراد ثالث بنا۔ اس کے عہد میں ریاست فاس (مراکش)، وسطی افریقہ کی ریاست بورنو (نائیجریا)، مشرقی افریقہ کی ریاست ممباسہ (کینیا) اور پولینڈ عثمانی عملداری میں آ گئے۔ یہ خلافت عثمانیہ کا انتہائی عروج کا زمانہ تھا۔ 1577ء سے 1590ء تک ایران سے ہونے والی جنگوں کے نتیجے میں گرجستان (جارجیا)، شروان اور قرہ باغ (آذربائیجان) اور تبریز اور لورستان (ایران) عثمانی سلطنت میں شامل ہو گئے۔ (اٹلس فتوحات اسلامیہ (دارالسلام)، ص: 387-390، اردو دائرۂ معارف اسلامیہ: 278،277/20)

مرثد بن شرحبیل: یہ مشہور راوی ہیں۔ ابن حبان رحمہ اللہ نے انھیں ثقات میں شمار کیا ہے۔ ابن عباس، ابن زبیر اور ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں۔ امام عبدالرزاق رحمہ اللہ ان سے بیان کرتے ہیں۔ (التاريخ الكبير: 417/7، الثقات لابن حبان: 440/5)

مطرف بن مالک: ابوالرِّباب مطرف بن مالک بن قشیر بن کعب بن عامر بن ربیعہ بصری، بعض ان کی کنیت ابوالریان یا ابوالریاب بیان کرتے ہیں۔ خلافت عمر میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ساتھ فتح تستر میں شریک ہوئے۔ (تاريخ دمشق الكبير: 246/61، أسد الغابة: 139/4)

معاویہ (20 قبل ہجرت-60ھ/603-680ء): ابوعبدالرحمٰن معاویہ بن (ابوسفیان) صخر بن حرب بن امیہ بن عبدشمس بن عبدمناف قرشی اموی رضی اللہ عنہ بہت دور اندیش، باوقار اور فصیح اللسان شخصیت تھے۔ بعثت نبوی سے پانچ سال قبل پیدا ہوئے۔ عمرۂ قضایا فتح مکہ کے دن اٹھارہ سال کی عمر میں مسلمان ہوئے۔ عہد صدیقی میں مرتدین کے خلاف جہاد میں شریک تھے۔ 21ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں اردن کا گورنر بنایا، پھر دمشق بھی ان کے حوالے کر دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں پورے شام کا گورنر مقرر کیا۔ 35ھ میں معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کا مطالبہ کرتے ہوئے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ خلافت سے دستبردار ہو گئے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ منتخب ہوئے۔ پہلی اسلامی بحری فوج آپ ہی نے تیار کی۔ زندگی کے آخری دنوں میں آپ نے اپنے بیٹے یزید کو اپنا ولی عہد بنا کر موروثی اموی حکومت کی داغ بیل ڈال دی۔ 60ھ/680ء میں دمشق میں وفات پائی۔ ضحاک بن قیس فہری نے نماز جنازہ پڑھائی۔ دمشق کے باب جابیہ اور باب صغیر کے مابین قبرستان میں سپرد خاک ہوئے۔ آپ 20 سال گورنر رہے اور 20 سال پانچ مہینے مسلمانوں کے خلیفہ رہے۔ آپ سے 130 احادیث مروی ہیں۔ (أسد الغابة: 154/4، الإصابة: 120/6، الأعلام: 261/7، تاريخ بغداد: 207/1-210، الاستيعاب، ص: 676-680، تاريخ الإسلام للذهبي (41-60ھ)، ص: 317)

مقدام (م: 87ھ/706ء): ابوکریمہ مقدام بن معدیکرب بن عمرو بن یزید کندی رضی اللہ عنہ یمن سے اپنی قوم کے وفد کے ساتھ مدینہ تشریف لائے۔ اس وقت آپ چھوٹے تھے۔ مقدام رضی اللہ عنہ بہت بہادر تھے۔ ان کی تلوار صمصامہ عربوں میں مشہور ہے۔ ابن عبدالبر نے

ان کا نام مقداد لکھا ہے۔ شام میں سکونت اختیار کی۔ حمص میں 91 سال کی عمر میں وفات پا گئے۔ ان سے 40 احادیث مروی ہیں۔ (أسد الغابة : 186/4، الإصابة : 161/6، الاستيعاب، ص :707، سير أعلام النبلاء :427/3، الأعلام : 282/7)

منذری (581-656ھ /1185-1258ء): ذکی الدین ابو محمد عبدالعظیم بن عبدالقوی بن عبداللہ منذری مصری رحمہ اللہ اصلاً شامی ہیں۔ غزہ میں پیدا ہوئے اور حصول علم کے لیے شام، الجزیرہ اور حرمین کا سفر کیا۔ پھر مصر کے علماء سے علم حاصل کیا۔ حدیث، فقہ، لغت اور تاریخ میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ آپ کے علمی شہ پاروں میں الترغيب والترهيب، مختصر صحيح مسلم اور مختصر سنن أبي داود بہت مشہور ہیں۔ (سير أعلام النبلاء: 319/23-324، البداية والنهاية: 225,224/13)

موسیٰ بن عقبہ (م:141ھ /758ء): ابو محمد موسیٰ بن عقبہ بن ابی عیاش الاسدی رحمہ اللہ، آل زبیر کے غلام تھے۔ سیرت نبوی کی معلومات کے ماہر تھے۔ مدینہ کے رہنے والے تھے۔ روایت میں ثقہ تھے۔ سیرت و مغازی کے عنوان پر ان کی کتاب بہت مشہور اور معتبر ہے۔ (تهذيب التهذيب: 322,321/10، سير أعلام النبلاء: 114/6، الأعلام: 325/7)

مہدی رزق اللہ: ڈاکٹر مہدی رزق اللہ احمد حفظہ اللہ جامعۃ الامام محمد بن سعود الریاض میں تدریسی خدمات انجام دیتے ہیں۔ تاریخ میں پی ایچ ڈی کی ہے۔ ان کی پی ایچ ڈی کے مقالے کا عنوان یہ ہے: السيرة النبوية في ضوء المصادر الأصلية. (السيرة النبوية للمهدي)

میسرہ: سارے سیرت نگار اور مؤرخین رسول اللہ ﷺ کے شام کی طرف تجارتی سفر میں ان کا تذکرہ کرتے ہیں۔ ان کے قبول اسلام میں اختلاف ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ان کے بعثت تک زندہ رہنے کی کوئی دلیل نہیں۔ میں نے ان کا تذکرہ بطور احتمال کیا ہے۔ (الإصابة : 189/6)

مِسْوَر بن مخرمہ (2-64ھ /624-683ء): ابو عبدالرحمٰن مسور بن مخرمہ بن نوفل بن اہیب قرشی زہری رضی اللہ عنہ فقہاء صحابہ میں شمار ہوتے تھے۔ کم عمری میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا اور احادیث سنیں۔ شہادت عمر رضی اللہ عنہ کے وقت شوریٰ کے دنوں میں اپنے ماموں عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ افریقہ کی فتح میں شریک رہے۔ (الإصابة: 94,93/6، أسد الغابة: 130/4، الأعلام: 225/7)

نبیہ بن حجاج سہمی (م:2ھ/624ء): نبیہ بن حجاج بن عامر بن حذیفہ بن سعد بن سہم قرشی دشمن اسلام نضر بن حارث کا ساتھی اور بہت اچھا شاعر تھا۔ اس کا شمار ان لوگوں میں ہوتا تھا جنھوں نے مکہ کی گھاٹیاں آپس میں تقسیم کر رکھی تھیں تاکہ لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کے پاس آنے سے روکیں۔ (الجمهرة لابن الكلبي، ص: 102، الجمهرة لابن حزم، ص: 165، الأعلام: 9,8/8)

نسائی (215-303ھ /830-915ء): ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعیب بن علی بن سنان نسائی رحمہ اللہ خراسان کی بستی نسا میں پیدا ہوئے۔ اس بستی کے کھنڈر آج بھی موجودہ ترکمانستان کے دارالحکومت عشق آباد کے شمال مغرب میں پائے جاتے ہیں۔ حصول علم کے لیے حجاز، عراق، الجزیرہ، شام اور مصر کا سفر کیا، زیادہ تر مصر ہی میں رہے، پھر فلسطین کے شہر رملہ چلے گئے۔ نقد الرجال اور علل الحدیث میں ماہر تھے۔ ان کی کتاب السنن الصغریٰ (المجتبیٰ) کتب ستہ میں نمایاں حیثیت رکھتی ہے۔ فلسطین میں وفات پائی۔ بیت المقدس میں مدفون ہوئے۔ (سير أعلام النبلاء: 125/14-135)

ولید بن مغیرہ: ابو عبدشمس ولید بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم قریش کا سردار اور عرب کا قاضی تھا، اس لیے اسے ''العدل'' بھی

کہا جاتا تھا۔ وہ بہت مالدار تھا اور بیت اللہ کو اکیلا اپنے مال سے غلاف چڑھاتا تھا۔ ولید نے جاہلیت میں شراب حرام قرار دی تھی اور شراب نوشی پر اپنے بیٹے ہشام کو مارا تھا۔ یہ اسلام کا بہت بڑا دشمن تھا۔ ہجرت کے 3 ماہ بعد فوت ہوا اور الحجون میں دفن ہوا۔ سیف اللہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اسی کے بیٹے تھے۔ (الأعلام : 122/8، وکی پیڈیا انسائیکلو پیڈیا)

ولیم میور (1234-1323ھ / 1819-1905ء): ولیم میور گلاسگو (سکاٹ لینڈ) میں پیدا ہوا۔ یہ مشہور مستشرق اور مشنری تھا۔ 1837ء سے 1876ء تک ہندوستان میں بڑے بڑے مناصب پر فائز رہا۔ اس دوران میں اس نے عربی اور اسلامی تاریخ میں تخصص کیا۔ The Life of Mohamet (حیات محمد) (صلی اللہ علیہ وسلم) اور "تاریخ اسلام" (History of Islam) اس کی مشہور کتابیں ہیں۔ (الأعلام: 124/8، موسوعة المستشرقین، ص: 578)

ہارون الرشید (149-193ھ / 766-809ء): ہارون (الرشید) بن محمد (مہدی) بن ابوجعفر منصور عباسی ہاشمی قرشی رحمہ اللہ پانچویں عباسی خلیفہ تھے۔ رَے میں پیدا ہوئے۔ بغداد میں رہے۔ رومیوں کے خلاف قسطنطنیہ کے جہاد میں حصہ لیا۔ 170ھ / 786ء میں اپنے بھائی ہادی کی وفات کے بعد خلافت سنبھالی۔ فقہ اور تاریخ عرب کے ماہر تھے۔ ان کا معمول تھا کہ ایک سال حج کے لیے جاتے تھے اور دوسرے سال جہاد کرتے تھے۔ ایک دن میں سو رکعت نفل نماز پڑھتے تھے۔ سخی اور کریم النفس تھے۔ طوس میں وفات پائی۔ (البداية والنهاية: 498/1، الأعلام: 62/8)

ہشام بن عاص اُموی (م: 13ھ / 634ء): ابومطیع ہشام بن العاص بن وائل بن ہاشم سہمی قرشی رضی اللہ عنہ، سابقین الاولین میں سے تھے۔ حبشہ اور مدینہ کی طرف دونوں ہجرتوں میں شریک ہوئے۔ بڑے نیک اور صالح تھے۔ اجنادین کی لڑائی میں شہید ہوئے۔ (الاستيعاب، ص: 737,736، أسدالغابة: 284,283/4، الإصابة: 424,423/6، الأعلام: 86/8)

ہشام بن مغیرہ: ہشام بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم بن یقظہ بن مرہ بن کعب بن لؤی قرشی مخزومی عرب کے بڑے سرداروں میں شمار ہوتے تھے۔ قریش، کنانہ اور ان کے حلیف واقعۂ فیل، تعمیر کعبہ یا ہشام بن مغیرہ کی موت سے تاریخ کا آغاز کرتے تھے۔ ان کے بیٹے حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ (م: 18ھ / 639ء) صحابی تھے۔ ہشام حرب فجار میں بنومخزوم کے رئیس تھے۔ (الجمهرة لابن الكلبي، ص: 85,84، الأعلام: 88/8)

یزید بن معاویہ (25-64ھ / 645-683ء): ابوخالد یزید بن معاویہ بن صخر بن حرب بن امیہ اموی قرشی دمشقی شام کے قصبہ ماطرون میں پیدا ہوا۔ عہد معاویہ میں قسطنطنیہ کی بحری مہم کا امیر تھا۔ اپنے والد کی وفات کے بعد خلیفہ بنا۔ اہل مکہ اور اہل مدینہ نے اس کی بیعت سے انکار کر دیا۔ محرم 61ھ میں سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما کی شہادت کا سانحہ اسی کے عہد میں پیش آیا۔ یزید کے دور خلافت میں عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ نے مراکش فتح کیا۔ دمشق میں ایک نہر بھی یزید کی طرف منسوب ہے۔ لوگ اس کے متعلق افراط و تفریط کا شکار ہیں۔ یزید نے 14 ربیع الاول 64ھ کو حوران میں وفات پائی۔ اس کی مدت خلافت تین سال نو ماہ ہے۔ (سير أعلام النبلاء: 35/4، الأعلام: 189/8، وکی پیڈیا انسائیکلو پیڈیا)

یعقوبی (بعد 292ھ / 905ء): احمد بن اسحاق بن جعفر بن وہب بن واضح یعقوبی بغدادی مشہور مؤرخ اور جغرافیہ دان تھے۔ انھوں نے المغرب (تیونس، الجزائر، مراکش وغیرہ) اور ہندوستان کا سفر کیا۔ مذہبی طور پر شیعہ تھے۔ ان کے اجداد خلیفہ منصور عباسی کے

حامیوں میں سے تھے۔ یعقوبی نے متعدد کتابیں تحریر کیں۔ ان میں سے ''تاریخ الیعقوبی'' زیادہ مشہور ہے۔ (تاريخ اليعقوبي: 5/1، معجم المؤلفين: 161/1، الأعلام: 95/1، المنجد في الأعلام، ص: 620)

یونس بن بکیر (م: 199ھ / 815ء): ابوبکر یونس بن بکیر بن واصل الجمال شیبانی رحمہ اللہ اہل کوفہ میں سے تھے۔ حفاظ الحدیث میں شمار ہوتے تھے۔ امام ذہبی نے کتاب المغازي انھی کی طرف منسوب کی ہے۔ (سير أعلام النبلاء: 245/9، الأعلام: 260/8)

اماکن

اجیاد: یہ کوہ صفا سے متصل مکہ کا ایک محلّہ ہے۔ بیت اللہ کے سب سے قریب یہی محلّہ ہے۔ مؤرخین نے اجیاد کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے: اجیاد کبیر اور اجیاد صغیر جسے آج کل اجیاد السد کہتے ہیں۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اجیاد میں رہتے تھے۔ (معجم البلدان، مادة: أجياد، وکی پیڈیا انسائیکلو پیڈیا)

ادوم: وہ ملک اور وہ لوگ جو عیسو ادوم بن اسحق علیہ السلام کی اولاد تھے۔ اس علاقے کو شعیر کے نام سے بھی پکارا جاتا تھا جہاں ادومی جا کر بسے تھے۔ یہ بحیرۂ مردار اور خلیج عقبہ کا درمیانی علاقہ تھا جو سو میل لمبا اور 40 میل چوڑا تھا۔ آثار قدیمہ کی کھدائی سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ادوم کی سلطنت تیرھویں صدی ق م میں قائم ہوئی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ادوم کے بادشاہ نے بنی اسرائیل کو اپنے ملک سے گزرنے کی اجازت نہیں دی۔ پھر داود علیہ السلام نے ادوم کو مطیع کیا اور سلیمان علیہ السلام نے ادوم کے شہروں عصیون جابر (عقبہ) اور ایلوت (أيلہ یا ایلات) کو جو خلیج عقبہ پر واقع تھے، بندرگاہیں بنایا جہاں سے جہاز اوفیر جا کر سونا لاتے تھے۔ ایرانیوں کے عہد میں یہ صوبہ ادومیہ کہلاتا تھا۔ 70 عیسوی کی یروشلیم کی تباہی کے بعد تاریخ سے ادوم کا نام و نشان مٹ گیا۔ (قاموس الکتاب، ص: 38) آج کل ادوم کا علاقہ زیادہ تر اردن میں شامل ہے۔

الشّیح: یہ سرزمین یمامہ کا ایک قصبہ ہے۔ اس نام کا ایک قصبہ الجزیرہ میں بھی ہے۔ (معجم البلدان، مادة: الشيح)

القیصوم: یہ قصبہ الشّیحہ کے بالمقابل فَید کے مشرق میں واقع ہے جو مکہ سے بصرہ جانے والی شاہراہ پر ایک اہم مقام ہے۔ (معجم البلدان، مادة: القيصومة)

اوفیر: یقطان (قحطان) کے بیٹے اوفیر کے نام پر وہ علاقہ جو اس کی اولاد کے قبضے میں تھا، اوفیر کہلاتا تھا۔ یہاں بہت سونا ہوتا تھا۔ یہاں بڑے بحری جہاز ہندوستان سے ہاتھی دانت، بندر اور مور لاتے وقت ٹھہرا کرتے تھے۔ (قاموس الکتاب، ص: 105) اوفیر کی جائے وقوع جنوب مشرقی عرب (عمان)، جنوب مغربی عرب (یمن) یا شمال مشرقی افریقی ساحل (صومالیہ) بتائی جاتی ہے۔ (NIV Study Bible, p:492)

اَشور (Asshur): اسے عربی میں ''اَشُور'' کہتے ہیں۔ اشوریہ (Assyria)، یعنی اشوری سلطنت کے دارالحکومت اشور کے کھنڈر دجلہ کے مغربی کنارے پر ملتے ہیں۔ اشوری سلطنت اپنے عہد عروج (669-626 ق م) میں خلیج فارس سے بحیرۂ روم تک پھیلی ہوئی تھی۔ (قاموس الکتاب، ص: 61)

آئی بیریا: موجودہ اسپین اور پرتگال پر مشتمل جزیرہ نما کا قدیم نام آئی بیریا ہے۔ جزیرہ نمائے آئی بیریا یورپ کے شمال مغرب میں

واقع ہے۔ اس کے شمال میں خلیج بسکے، مغرب میں بحراوقیانوس، جنوب میں آبنائے جبل الطارق (جبرالٹر) اور جنوب مشرق میں بحیرۂ روم ہے اور شمال مشرق میں کوہستان پرینیز اسے فرانس سے جدا کرتا ہے۔ عہدِ قبل مسیح میں کارتھیج (تیونس) والوں نے آئی بیریا کو اپنی نوآبادی بنا لیا تھا حتی کہ تیسری فنیقی جنگ (Punic War III 149 تا 146 ق م) میں رومی ان پر غالب آگئے۔ چوتھی پانچویں صدی میں فسیقوطی (Visigoths) آئی بیریا پر قابض ہوگئے حتی کہ آٹھویں صدی عیسوی میں مسلمانوں (Moors) نے اسے فتح کرلیا اور پھر یہ اندلس کہلانے لگا۔ (Oxford English Reference Dic. p: 699, map: 2)

بلدح: یہ مکہ کے مغرب میں ایک ندی (وادی) ہے۔ اس کا نام وادیٔ مکہ، مکۃ السدر، وادیٔ ام الدود اور وادیٔ ام الجود بھی ہے۔ یہ جبل حراء سے شروع ہوتی ہے اور مرالظہران میں ختم ہوتی ہے۔ آج کل حی الزاہر کے نام سے مشہور ہے۔ یہ حدیبیہ (شُمیسی) کے شمال سے گزرتی ہے۔ (معجم البلدان، مادۃ: بلدح، معجم المعالم الجغرافیۃ، مادۃ: بلادح)

بوانہ: ینبع کے پیچھے ایک چوٹی ہے جو بحیرۂ احمر کے ساحل کے قریب ہے۔ اس کے قریب دو چشمے ہیں جن کا نام قصیبہ اور المجاز ہے۔ (معجم البلدان، مادۃ : بوانۃ)

بُصریٰ: یہ شام (سوریہ) کا تاریخی شہر ہے اور صوبہ درعا کے مرکز درعا سے 40 کلومیٹر اور دمشق سے 140 کلومیٹر دور ہے۔ یہ شہر تاریخ میں بہت اہمیت کا حامل رہا ہے۔ یہ ریشم کی تجارت کا مرکز تھا۔ رسول اللہ ﷺ اپنے چچا ابوطالب کے ہمراہ اور بعد کے تجارتی سفر میں ادھر بھی تشریف لائے تھے۔ بحیرا راہب سے یہیں ملاقات ہوئی تھی۔ یہاں یونانی، رومی اور اسلامی آثار اب بھی موجود ہیں۔ بائبل میں اسے بُصراہ (Bozrah) کہا گیا ہے۔ (معجم البلدان، مادۃ: بصریٰ، وکی پیڈیا انسائیکلو پیڈیا، کتاب مقدس (یرمیاہ): 24/48)

تُستر (شوشتر): یہ قدیم زمانے سے اہواز (ایران) کا ایک شہر ہے۔ فارسی میں اسے شوش اور عربی میں تُستر یا سُوشتر کہتے ہیں۔ اس کے معنی ہیں ''بہت اچھا'' (شستہ)۔ شوش سے معرب ہوکر یہ شوشتر یا تستر ہے۔ (معجم ما استعجم :767/3) شُستر یا شوشتر (عربوں کا تُستر) ایران کے صوبہ عربستان (قدیم خوزستان) کا ایک شہر ہے جس کے مغرب کی طرف دریائے کارون بہتا ہے۔ اس شہر کی بنیاد شوش (سوسہ Susa) کی طرز پر اُسطوری بادشاہ ہوشنگ نے رکھی تھی۔ (یاد رہے شوش یا سُوس دجلہ کی معاون ندی کرخہ کے مشرق میں واقع ہے۔ اور یہ ہخامنشی دور میں سلطنت فارس کا دارالحکومت رہا۔) عہد فاروقی میں براء بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ نے اسے فتح کیا اور یہیں ان کا مرقد بنا۔ اُموی دور میں باغی خارجی شبیب نے تُستر کو اپنا دارالحکومت بنایا تھا۔ اُس کی وفات کے بعد حجاج نے اس پر قبضہ کرلیا۔ (اردو دائرۂ معارف اسلامیہ: 725-723/11، اٹلس فتوحات اسلامیہ، ص: 471)

ثنیۃ الوداع: یہ مدینہ منورہ میں جبل سلع کے مشرقی جانب واقع ایک چوٹی ہے۔ وداع رخصت کرنے کو کہتے ہیں۔ یہاں سے مسافروں کو الوداع کہا جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی یہاں سے کئی اصحاب کو رخصت کیا۔ آج کل اس جگہ پر مجمع الداودیہ اور خالد ہسپتال تعمیر ہوئے ہیں، یہ شہدائے احد اور عیون کی طرف جانے والے راستے پر بسوں کے اڈے (سابتکو) کے سامنے ہے۔ (معجم البلدان، مادۃ : ثنیۃ الوداع، الاسلام ویب سائٹ)

جُرَش: ماضی قدیم کے یمن کا یہ شہر پانچویں چھٹی صدی ہجری تک آباد تھا۔ ان دنوں اس کے کھنڈر سعودی عرب کے صوبہ عسیر میں خمیس مشیط اور ابہاء کے مغرب میں پائے جاتے ہیں۔ ابتدائی عہد اسلام میں جرشِ یمن منجنیق اور دبابے کی صنعت کے لیے مشہور تھا، چنانچہ

نبی ﷺ کے حکم پر خالد بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ جُرَش سے ایک دبابہ لائے تھے جسے محاصرۂ طائف میں استعمال کیا گیا۔ آنحضرت ﷺ کے آخری ایام میں جُرَش ایک صلح نامے کے ذریعے اسلامی مقبوضات میں شامل ہوا۔ یہ چمڑے (ادیم جُرَشی) اور ناقہ جُرَشیہ کے لیے مشہور تھا۔ نبی ﷺ نے ایک خط کے ذریعے اہل جرش کو زبیب وتمر کی آمیزش سے منع فرمایا۔ جرش اردن کا ایک شہر بھی ہے جو دارالحکومت عمان سے تقریباً 48 کلومیٹر شمال میں ہے۔ اس پر صدیوں یونانیوں اور رومیوں کا تسلط رہا۔ خلافت صدیقی میں جرش اسلام کے پرچم تلے آ گیا۔ (مسند أحمد: 224/1، اردو دائرۂ معارف اسلامیہ: 168/7، معجم البلدان، مادة: جرش، وکی پیڈیا انسائیکلو پیڈیا)

حطیم: حطیم سے مراد بیت اللہ کا وہ حصہ ہے جو نصف دائرے میں چھوٹی دیوار کی شکل میں ہے۔ 605ء میں قریش نے بیت اللہ کی از سر نو تعمیر کے لیے جو خرچ اکٹھا کیا تھا، وہ کم پڑ گیا تو انھوں نے رکن شامی اور رکن عراقی والے حصے سے تقریباً چھ ہاتھ جگہ چھوڑ دی اور نشانی کے لیے ایک چھوٹی دیوار تعمیر کر دی۔ یہ جگہ حطیم یا حجر کہلاتی ہے۔ ایک حدیث میں ہے، نبی ﷺ نے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''حطیم میں نماز پڑھ لو۔ یہ بھی بیت اللہ کا حصہ ہے۔'' (سنن أبي داود: 2028، السيرة لابن كثير، ص: 58،57)

حوران: سطح مرتفع حوران شام (سوریہ) کے جنوب میں مضافاتِ دمشق میں واقع ہے۔ حوران رومی اور یونانی زمانے میں یورینس کے نام سے مشہور تھا۔ تورات میں اس کا نام باشان آیا ہے۔ (معجم البلدان، مادة: حوران، وکی پیڈیا انسائیکلو پیڈیا)

حُبَاشَہ: اس کے لفظی معنی ''جمع ہونا'' ہیں۔ یہ عرب کا مشہور بازار تھا جو تہامہ میں بنوبارق کے علاقہ وادی قنونا میں منعقد ہوتا تھا۔ یہ مکہ سے یمن جانے والے راستے پر رجب کے ابتدائی آٹھ دنوں میں لگتا تھا۔ 197ھ تک یہ بازار لگتا رہا۔ (معجم البلدان، مادة: حباشة، معجم ما استعجم: 418/2)

خَمِیس مُشَیط: یہ سعودی عرب کے جنوب میں صوبہ عسیر کا مرکزی شہر ہے اور کوہ سراۃ کے مشرق میں واقع ہے۔ وادی عنود اور وادی بیشہ نامی ندیاں اسی جگہ آ کر ملتی ہیں۔ سطح سمندر سے اس کی بلندی 1850 میٹر ہے۔ یہ بہت سرسبز و شاداب علاقہ ہے۔ ان علاقوں میں بڑے پیمانے پر کاشتکاری ہوتی ہے۔ یہاں کے پھل مشہور ہیں۔ (وکی پیڈیا انسائیکلو پیڈیا، أطلس المملكة العربية السعودية، ص: 203)

سبا (Sheba): جنوبی عرب کا ایک خطہ جس کی حدود موجودہ یمن کے مطابق تھیں۔ (قاموس الکتاب، ص: 499) تفصیلات کے لیے دارالسلام سیرت انسائیکلو پیڈیا جلد اول ملاحظہ کیجیے۔

شعیر (سعیر): یہ بحیرۂ مردار کے جنوب میں ایک پہاڑی علاقہ ہے جس کے پہلے باشندے حوری تھے لیکن عیسو (پسر اسحاق علیہ السلام) پہلے باشندوں کو نکال کر خود یہاں بس گیا۔ نیز شعیر ایک پہاڑی کا نام ہے جو یہوداہ اور بن یمین کی سرحد پر تھی۔ یہ یروشلم سے 10 میل مغرب میں تھی۔ (قاموس الکتاب، ص: 576)

غزہ: فلسطین کے جنوب میں واقع غزہ 3000 ق م کا قدیم ترین تاریخی شہر ہے۔ یہ بحیرۂ روم متوسط کے ساحل پر واقع ہے اور فلسطین کے دارالحکومت ''القدس'' کے بعد دوسرا بڑا شہر ہے۔ سطح سمندر سے 45 میٹر بلند ہے۔ غزہ کی پٹی کا کل رقبہ 2128 مربع کلومیٹر ہے۔ یہاں سے زیوس کا مجسمہ دریافت ہوا۔ مسلمانوں نے خلافتِ فاروقی میں 635ء میں اسے فتح کر لیا۔ کہا جاتا ہے کہ غزہ ایک خاتون کا نام تھا۔ یہاں رسول اللہ ﷺ کے جدامجد ہاشم کی قبر ہے، اس لیے یہ شہر غزۂ ہاشم کے نام سے بھی معروف ہے۔ (معجم

البلدان، مادة: غزة، المنجد في الأعلام، ص:391، وکی پیڈیا انسائیکلوپیڈیا)

قیصریہ فلپی: (بانیاس) کوہ حرمون (فلسطین) کے دامن میں ایک خوبصورت مقام ہے جہاں سے دریائے یردن (اردن) کا بیشتر پانی آتا ہے۔ اسے پرانے عہد نامہ میں بعل جد کہا گیا ہے۔ یونانیوں نے اپنے دیوتا پان کے نام پر اس کا نام پانیاس (بانیاس) رکھا۔ رومی قیصر آگسٹس (Augustus) نے یہ شہر یہودی حکمران ہیرودیس اعظم کو انعام میں دے دیا۔ اس نے یہاں اپنے محسن کے نام پر ایک مندر بنوایا۔ پھر فلپس تترارخ نے بادشاہ کے اعزاز میں اسے قیصریہ کا نام دیا اور ساحلی قیصریہ (قیساریہ) سے امتیاز کے لیے اسے قیصریہ فلپی کہا جانے لگا۔ بانیاس (قیصریہ فلپی) کو صلیبی جنگوں میں تاریخی حیثیت حاصل رہی۔ (قاموس الکتاب، ص:762) آج کل بانیاس سوریہ (شام) کے حدود میں واقع ہے۔ (أطلس العالم، ص:47,43,39)

لکادیپ (Laccadive Isles): جزیروں کا یہ گروہ بحر ہند میں واقع بھارت کا علاقہ ہے جو ہندی میں لکشادیپ کہلاتا ہے۔ یہ جزائر بھارتی ریاست کیرالا کے مغرب میں اور مالدیپ کے شمال میں واقع ہیں۔ (Oxford English Reference Dic. p: 797, map: 9)

نیقیہ: ایک قدیم یونانی شہر ہے۔ یہ شہر اسی نام کی ایک جھیل کے کنارے واقع ہے اور قدیم عثمانی دارالحکومت بُرسہ سے تقریباً 80 کلومیٹر شمال مغرب میں ہے۔ آج کل اسے ازنیق کہتے ہیں۔ (أطلس فتوحات اسلامیہ، ص:312)

وادی قناۃ: یہ وادی (ندی) مدینہ منورہ اور جبل احد کے درمیان بہتی ہے۔ آگے چل کر مجمع الاسیال میں وادی قناۃ، وادی بطحان اور وادی عقیق اکٹھی ہو جاتی ہیں۔ اس مقام پر اسے اضم کہا جاتا ہے۔ یہ اُلوجہ کے علاقے سے گزرتی ہوئی بحیرۂ احمر میں ضم ہو جاتی ہے۔ (معجم البلدان، مادة: قناة، أطلس الحديث النبوي، ص:310، المعالم الجغرافية الواردة في السيرة النبوية: 118/1)

قبائل

بنو اصفر: ان سے مراد رومی ہیں۔ یہ روم بن عیص بن اسحاق بن ابراہیم (علیہ السلام) کی نسل سے ہیں۔ لوگ اسے زرد رنگ کی وجہ سے اصفر (گورا) کہتے تھے اور اس کی طرف منسوب لوگوں کو بنو اصفر کہا جاتا تھا۔ (الجمهرة لابن حزم، ص:511، فتح الباري: 56/1)

بنوعبدالاشہل: یہ اوس قبیلے کے ذیلی قبیلے بنو عبیت کی ایک شاخ ہے۔ ان کا نسب بنوعبدالاشہل بن جشم بن الحارث بن خزرج بن عبیت ہے۔ اشہل ایک بت کا نام تھا۔ (معجم قبائل العرب: 722/2)

بنولہب: لہب بن اجن بن کعب، ازدشنوءہ قبیلے سے تھے۔ یہ لوگ قیافہ شناسی اور کہانت کا کام کرتے تھے۔ جب لہب مکہ آتا تو قریش اپنے بچوں کو اس کے پاس لے جاتے اور وہ ان کے بارے میں پیش گوئیاں کرتا تھا۔ (الجمهرة لابن حزم، ص: 376، الأعلام: 244/5)

بنو مدلج: یہ مدلج بن مرہ بن عبد مناۃ بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ کی طرف منسوب ہیں۔ انھیں بنو کنانہ کی شاخ شمار کیا جاتا ہے۔ یہ قیافہ شناس تھے۔ مدلجی صحابہ میں سراقہ بن مالک، معن بن حرملہ اور مجزز مدلجی رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔ یہ قبیلہ مصر اور شام میں رہائش پذیر ہوا۔ (الجمهرة لابن حزم، ص: 187، نهاية الأرب، ص:372)

بنو معن: ان کا نسب معن بن عمرو بن عنین بن سلامان بن عمرو بن الغوث بن طے ہے۔ یہ قحطانی قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں۔ (نهاية

الأرب، ص: 249، الجمهرة لابن حزم، ص: 401)

بنی عبید (297-567ھ/909-1171ء): عبیداللہ المہدی نے تیونس (تونس) میں ایک سلطنت کی بنیاد رکھی جسے سلطنت بنی عبید یا فاطمیون کہا جاتا ہے کیونکہ وہ حضرت فاطمہ وعلی رضی اللہ عنہما کی اولاد سے ہونے کا دعویدار تھا۔ 969ء میں عبیدیوں نے مصر پر قبضہ کر کے قاہرہ بسایا اور اسے اپنا دارالخلافہ بنایا۔ بعد میں شام، لبنان، فلسطین (حجاز) بھی ان کے تسلط میں آ گئے۔ صلاح الدین ایوبی نے آخری عبیدی خلیفہ العاضد لدین اللہ کو برطرف کر کے مصر کو دوبارہ عباسی خلافت کے ماتحت کر دیا۔ عبیدی عہد کی اہم یادگار جامعہ ازہر (قاہرہ) ہے۔ (المنجد في الأعلام، ص: 403)

زَبید: اس نام سے مختلف قبائل مشہور ہیں۔ ان میں سب سے نمایاں زبید بن صعب مذحجی کہلانی کی نسل سے ہیں۔ زبید کا اصل نام منبہ بن صعب بن سعد العشیرہ ہے۔ یہ زبید اکبر کے نام سے معروف تھا۔ ان کا اصلی مقام یمن تھا، تاہم ان میں حجازی بھی تھے جو صفراء، جحفہ اور رابغ میں رہتے تھے۔ زبید بن معن بن عمرو قبیلہ طے کی ایک شاخ تھے۔ (نهاية الأرب، ص: 248، معجم قبائل العرب: 465/2، الأعلام: 42/3)

عثمانی ترک: یہ ترکمان سلاطین کا خانوادہ تھا جس کی بنیاد اناطولیہ میں 1281ء میں عثمان اول نے رکھی۔ ایشیائے کوچک (اناطولیہ) کے آخری سلجوقی حکمران علاء الدین کیقباد ثالث کی وفات (699ھ /1299ء) پر سلجوقی ورثہ اس کے داماد عثمان کو منتقل ہوگیا اور پھر عثمانی سلطنت پھیل کر ایشیا، بلقان (یورپ) اور افریقہ کے بڑے حصے پر سوا چھ سو برس تک قائم رہی۔ سلطان محمد ثانی نے 857ھ/1453ء میں قسطنطنیہ فتح کر کے ڈیڑھ ہزار سالہ رومی سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔ سلطان سلیم اول نے ممالیک سے نہ صرف شام، مصر اور حجاز کی حکومت حاصل کی بلکہ آخری عباسی خلیفہ محمد متوکل علی اللہ سے خلافت کا منصب بھی لے لیا۔ دوسرا عثمانی خلیفہ سلطان سلیمان (اعظم) قانونی (926-974ھ /1520-1566ء) سلطنت عثمانیہ کا عظیم ترین حکمران تھا۔ اس کی سلطنت سوڈان اور الجزائر سے لے کر کریمیا (یوکرین) اور ہنگری تک وسیع تھی۔ سترھویں صدی عیسوی کے اواخر سے عثمانی سلطنت کمزور پڑنے لگی۔ انیسویں صدی میں مصر، یونان، رومانیہ سربیا اور بلغاریہ الگ ہوگئے۔ پہلی جنگ عظیم (1914-18ء) میں عثمانیوں نے جرمنی کا ساتھ دیا جس کے نتیجے میں عثمانی سلطنت بکھر گئی اور بچے کھچے علاقے (ترکی) میں 1341ھ /1923ء میں اتاترک مصطفیٰ کمال پاشا نے جمہوریت قائم کرنے کا اعلان کیا اور اگلے سال رجب 1342ھ / مارچ 1924ء میں خلافت کا خاتمہ کر دیا۔ (المنجد في الأعلام، ص: 372، أطلس التاريخ العربي الإسلامي، ص: 237-240)

متفرقات

استلام: حجر اسود کے استلام سے مراد یہ ہے کہ اسے چھوا جائے اور بوسہ دیا جائے۔ (صحيح البخاري: 1611، صحيح مسلم: 1270) اگر بھیڑ ہو اور یہ ممکن نہ ہو تو اسے ہاتھ سے چھو کر ہاتھ کو بوسہ دیا جائے۔ (صحيح مسلم: (246)- 1268) اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو کسی لاٹھی وغیرہ سے چھو کر اسے بوسہ دے دیا جائے۔ (صحيح البخاري: 1607، صحيح مسلم: 1275) اگر ایسا کرنا بھی ممکن نہ ہو تو محض اس کی طرف اشارہ کر دیا جائے۔ (مزید دیکھیے: فتح الباري: 597/3)

اوقیہ: یہ جزیرہ نمائے عرب میں استعمال ہونے والا ایک وزن ہے۔ اس کی مقدار بالاتفاق 40 درہم (119 گرام) ہے۔ (المكاييل

والموازين الشرعية لعلي جمعة محمد، ص: 20)

بخور: دھونی، لوبان وغیرہ جس سے دھونی دی جائے۔ (قاموس الوحید، مادۃ: بخر)

بلسان: عربی لفظ ''بلسم'' یا ''بلسان'' یونانی میں ''بلسم'' تھا جو عبرانی ''بعل شمین'' (بعل: آقا، سردار۔ شمین: تیل، یعنی تیلوں کا سردار) سے ماخوذ ہے۔ یہ جلعاد (اردن) کے علاقے میں کسی درخت کے روغن یا گوند سے تیار کیا جاتا تھا۔ یہ غالباً اس مسالہ کے اجزاء میں سے تھا جو مصری لاش کو محفوظ رکھنے کے لیے استعمال کرتے تھے۔ (قاموس الکتاب، ص: 1006,1005)

مُرّ: ایک جھاڑی کا گوند تھا جو مسح کرنے کے تیل کا ایک جز تھا، نیز یہ ایک ہر دلعزیز خوشبو بھی تھی۔ (قاموس الکتاب، ص: 1013)

سلجوقی ترک: ترکوں کے ترکمان خانوادے کے حکمران کا جدّ امجد سلجوق تھا۔ سلجوقیوں نے گیارھویں اور تیرھویں صدی کے درمیان ایران، ایشیائے کوچک (موجودہ ترکی)، عراق اور شام پر حکومت کی۔ سلاجقہ کبار (1037ء - 1157ء) کی سلطنت کا بانی طغرل بیگ تھا جس نے ایران و عراق سے شیعہ آل بُویہ کے اقتدار کا خاتمہ کر کے عباسی خلافت میں اہل سنت کا کردار بحال کیا۔ سلطان الپ ارسلان، ملک شاہ اور سنجر اس خاندان کے مشہور حکمران تھے۔ انھی میں سے سلاجقۂ شام (1094 - 1117ء)، سلاجقۂ عراق (1117 - 1194ء) اور سلاجقۂ روم (1077-1300ء) حکمران رہے۔ (المنجد في الأعلام، ص: 304,303)

شائیلاک کی سودی نظام: یہود کی سود خوری کی ذہنیت کو مشہور انگریز ڈراما نویس ولیم شیکسپیئر (1564 - 1616ء) نے اپنے ڈرامے وینس کا سوداگر (Merchant of Venice) میں بڑی خوبی سے عیاں کیا ہے۔ شائیلاک نامی یہودی اس ڈرامے کا معروف کردار ہے جو انٹونیو کو قرض دیتے وقت یہ شرط رکھتا ہے کہ اگر تم معینہ وقت کے اندر قرض واپس نہ کر سکے تو تمھیں اپنے جسم کا ایک پونڈ گوشت مجھے دینا ہوگا۔ (Oxford English Reference Dictionary, P:1344)

شعریٰ: یہ ستارہ سہیل نامی ستارے کے ساتھ برج جوزاء کے بعد طلوع ہوتا ہے۔ شعریٰ اصل میں دو ستارے ہیں: شعریٰ شامیہ (غمیصاء) اور شعریٰ یمانیہ (عبور)۔ یہاں شعریٰ (SIRIUS) یمانیہ مراد ہے۔ اس کا ذکر سورۂ نجم (49:53) میں بھی آیا ہے۔ قبیلہ خزاعہ اور حمیر اس کی عبادت کرتے تھے۔ اسے کلب الجبار اور المرزم بھی کہتے ہیں۔ یہ شدید گرمی کے موسم میں نکلتا ہے۔ اور دوسرے ستاروں سے زیادہ روشن ہوتا ہے۔ صبح کے وقت طلوع فجر کے بعد بھی چمکتا رہتا ہے۔ (دیکھیے: تفسير القرطبي، تفسير نظم الدرر، تفسير البغوي، النجم 49:53)

قیراط: قیراط درہم کے بارھویں حصے کو کہتے ہیں۔ یہ جواہرات اور سونے کے لیے وزن کی اکائی ہے۔ یہ یونانی زبان کے لفظ keration (کیراٹیون) سے مشتق ہے جو کہ carob (کیروب) نامی درخت کا بیج ہے۔ (Oxford English Reference Dictionary, p:218)

کاہن (Priest): کاہن انگریزی لفظ Priest (پادری) کا عربی مترادف ہے۔ یہ یونانی لفظ Presbyteros سے مشتق ہے۔ اس کا مطلب ''بزرگ'' ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شروع میں عبرانی لفظ کوہین Kohen یعنی کاہن کا مطلب تھا: ''غیب بین'' اور ''ایسا شخص جس کا تعلق الٰہی باتوں سے ہو۔'' لیکن بائبل میں یہ لفظ ''مذہب کا خادم'' کے معنوں میں مستعمل ہے۔ کاہنوں کے سلسلے کا آغاز ہارون (علیہ السلام) اور ان کے خاندان (بنو لاوی) سے ہوا (خروج: 28)۔ پھر لاوی کے قبیلے کو کاہنوں کے قبیلے کے طور پر چنا گیا۔

(گنتی 8:)۔ (قاموس الکتاب، ص:769)

عُود (Oud): ایک درخت کا نام ہے۔ اس کی لکڑی خوشبودار ہوتی ہے جس کا عطر بستر اور پوشاک کو معطر کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ (قاموس الکتاب، ص:1011) عربی اور اُردو بائبل میں عودؔ ہی درج ہے مگر انگریزی بائبل (NIV Study Bible) میں عود کو Aloe (کنوارگندل) بنا دیا گیا ہے۔

عیفہ (Ephah): مدیان بن ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے کا نام ہے۔ (کتاب مقدس (پیدائش) 6-4:25) اس سے مراد بنو عیفہ یا مدین کا علاقہ ہے۔

لُبان یا لوبان (عبرانی لبونا، عربی اللُّبان، Incense): یہ ایک درخت کی خوشبودار گوند ہے۔ یہ اس پاک بخور کا ایک جزو تھا جو خیمۂ اجتماع میں استعمال کی جاتی تھی۔ لُبان کا درخت عرب، حبش اور ہندوستان میں کثرت سے پایا جاتا ہے۔ (قاموس الکتاب، ص:1013)

ممالیکِ مصر: یہ ترکوں کے غلام تھے جن میں قفقاز کے چرکسی اور منگول شامل تھے۔ ایوبی سلاطین نے انھیں عسکری خدمات سونپیں اور آخرکار وہ مصر و شام کے اقتدار پر قابض ہوگئے۔ ممالیکِ بحریہ (1253 - 1382ء) میں بیبرس الظاہر اور قلاوون المنصور صلیبیوں کا قلع قمع کرنے کے باعث مشہور ہوئے۔ بغداد میں عباسی خلافت کے خاتمے کے بعد بیبرس نے 659ھ /1261ء میں قاہرہ میں عباسی خلافت کا از سرِ نو اجرا کیا۔ ممالیک برجیہ (1382 - 1517ء) کا بانی سلطان برقوق تھا۔ بالآخر سلطان سلیم عثمانی نے 923ھ /1517ء میں ممالیک کو شکست دے کر شام و مصر اور حجاز پر قبضہ کر لیا اور خلافت عثمانیوں کی طرف منتقل ہوگئی۔ (المنجد في الأعلام، ص: 546، أطلس التاريخ العربي الإسلامي، ص: 174,173)

موحّدین (515-668ھ /1169-1269ء): خاندان موحدین کی بنیاد بربروں کے مشہور بزرگ محمد (المہدی) ابن تومرت نے رکھی تھی۔ وہ توحید پر بہت زور دیتے تھے، اس لیے یہ لوگ موحدین کہلائے۔ عبدالمومن نے مرابطون کو شکست دے کر 1146ء میں ان کے دارالحکومت مراکش پر قبضہ کر لیا۔ 50-1145ء میں ہسپانیہ (اندلس)، 1152ء میں الجزائر اور 1158ء میں تیونس فتح کر لیا۔ ابویعقوب یوسف اور ابویوسف یعقوب المنصور موحدین کے باجبروت حکمران تھے۔ سپین کے مسیحی بادشاہوں نے جنگ تلسہ (عربوں کی جنگ عقاب 16 جولائی 1212ء) میں موحدین کے امیر المومنین ابوعبداللہ محمد الناصر کو فیصلہ کن شکست دی جس کے بعد 1236ء میں قرطبہ اور 1249ء میں اشبیلیہ مسلمانوں کے ہاتھ سے چھن گئے۔ محرم 868ھ / ستمبر 1269ء میں بنومرین نے مراکش پر قبضہ کر کے موحدین کی سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔ (اردو دائرۂ معارف اسلامیہ 21:/732-738، انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم 1:/37)



سیرت انسائیکلوپیڈیا ﷺ

رہبرِ انسانیت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ قیامت تک آنے والے انسانوں کے لیے "اسوۂ حسنہ" ہیں۔ آپ ﷺ کی اتباع کیے بغیر دنیا و آخرت میں کوئی کامیابی نصیب نہیں ہو سکتی۔ اسی لیے آپ ﷺ کی ذاتِ بابرکات اور عظیم کارناموں پر سب سے زیادہ کتابیں لکھی گئی ہیں۔ کتبِ سیرت کے اس ہجوم نجوم میں دارالسلام کا زیرِ نظر سیرت انسائیکلوپیڈیا "اللؤلؤ المکنون" اپنی نوعیت کا نہایت منور، منفرد اور ممتاز علمی و تحقیقی ارمغانِ عقیدت ہے۔ ان شاء اللہ آپ کو اس کے مطالعے سے رسالت مآب ﷺ کی مقدس زندگی کے ہر گوشے کے بارے میں علم و بصیرت کی بھرپور روشنی ملے گی۔

یہ سیرت انسائیکلوپیڈیا کی دوسری جلد ہے۔ اس میں آپ کو رسالت مآب سیدنا محمد ﷺ کے حسب نسب اور اجداد کرام کے سلسلۃ الذہب کی پوری تفصیلات ملیں گی۔ رسول اللہ ﷺ کے دادا سردار عبدالمطلب، والد ماجد عبداللہ اور والدہ ماجدہ آمنہ بنت وہب کے حالات کے بعد آپ ﷺ کی ولادت باسعادت، رضاعت، ختنہ، لڑکپن، واقعۂ شق صدر کے ساتھ ساتھ بچپن ہی سے آپ ﷺ کی بتوں اور برائیوں سے نفرت کا حال پڑھیں گے۔ پھر آپ ﷺ کی دیانت، صداقت، سخاوت اور شجاعت کی بے مثل خوبیوں، پاکیزہ جوانی، تجارت، آپ ﷺ کی شخصیت کے بے مثل کرشموں اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی کے حالات و واقعات سے آگاہ ہوں گے۔ بعد ازاں تورات، زبور، اناجیل اور دیگر صحائفِ سماوی کے علاوہ ایرانیوں، رومیوں، پارسیوں، مجوسیوں اور ہندوؤں کی مذہبی کتابوں میں موجود وہ عظیم بشارات پڑھیں گے جو نبی ﷺ کی بعثت کے متعلق وارد ہوئیں اور جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خاتم النبیین سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ ہی عالم انسانیت کے رہبر اعظم ہیں اور اب آپ ﷺ ہی کی ذات بابرکات اور فکر و عمل قیامت تک کے انسانوں کے لیے وثیقۂ سعادت و ہدایت رہے گا۔

دارالسلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
DARUSSALAM
9786035000956